جاسوسی ڈائجسٹ کا تہلکہ خیز سلسلہ

آتش فشاں

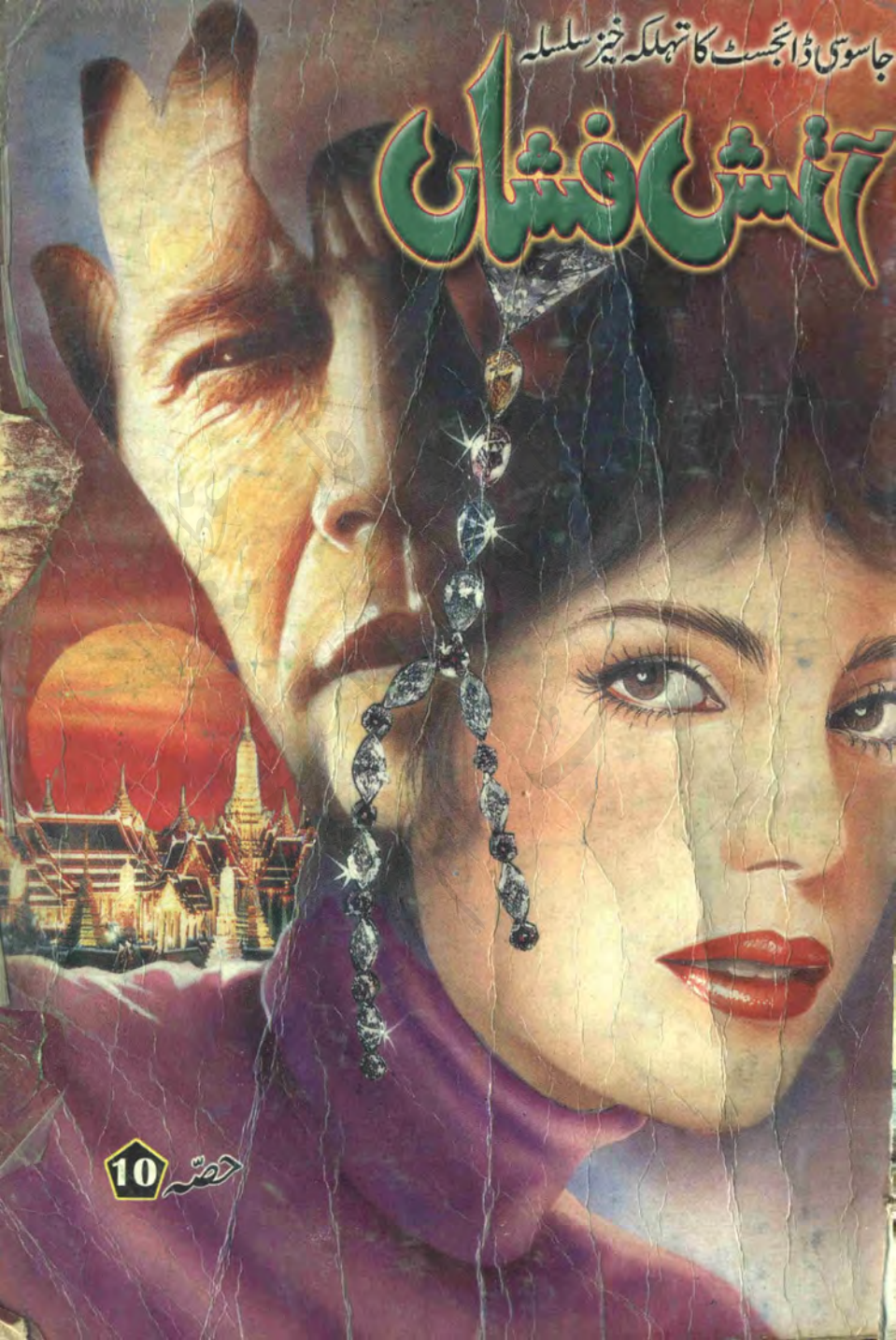

حصّہ 10

آتش فشاں

راوی: وجدان علی

: حُسام بٹ

ے آتش فشاں بنادیا۔ اس کے سینے میں ایک قبرستان آباد تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کو خوب جانتا
ما اور انہیں "انصاف" کے ترازو میں تولنے کا خواہاں تھا۔ یہی خواہش اسے ایک ایسی تربیت
ہ میں لے گئی جہاں پہنچ کر اس کی دنیا ہی بدل گئی۔ شاؤلن ٹمپل میں فنونِ حرب و ضرب
ساحر ہاتھوں نے اس کا ذہن کمپیوٹر کی طرح حساس اور ہاتھ پاؤں کسی برقی مشین سے
مال شاہ کار بنادیا۔ اس کا ایسے طوفان کا روپ دھار گیا جس میں شعلوں کی لپک اور بجلی کی
زیادہ فعال ہوگئے۔ وہ ایک جھنکار اور چیتے للکار تھی۔ پھر وہ اپنے حریفوں پر قہر بن کر نازل ہوا
چکا تھی۔ تلواروں کی طرح مٹاتا چلا گیا۔
اور نہیں حرف غلط کی طرح

ظلم و جبر کی فضا میں سانس لینے والے ایک سراپا انتقام چھلتی کلیجا شخص کی لرزہ خیز داستان

خوف اور ڈر بڑے عجیب احساسات ہیں۔ خطرہ جتنا دور ہو یہ اسی قدر زیادہ ستاتے ہیں۔ پھانسی کے تختے پر کھڑا ہوا سزائے موت کا مجرم شاید اسی لیے نڈر اور بے خوف دکھائی دیتا ہے خطرے اور اس کے درمیان فاصلہ صفر کے برابر رہ جاتا ہے۔ جب انسان یہ سوچ لے کہ جو ہوتا ہے، ہو جائے تو پھر کچھ نہیں ہوتا۔ ہر شے غیر اہم ہو کر رہ جاتی ہے!

میں ذہنی طور پر ہر قسم کی صورتِ حال کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ اس "تیاری" نے میرے اعتماد میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ حالات ایسے نہیں تھے کہ پولیس والوں سے خواہ مخواہ ٹکر لی جاتی۔ کسی چالاکی ہی سے ان سے نجات حاصل کی جا سکتی تھی۔

ہم سے آگے پانچ چھ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ پولیس والا نیچے تلے قدموں سے چلتے ہوئے کرولا کے قریب آ گیا۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھا۔ اس نے میری سائیڈ کا شیشہ نیچے کرنے کے بعد مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔

موسم کی مہربانی کے طفیل ہم نے گاڑی کے تمام شیشے اتار رکھے تھے اور علی الصباح کی دھند نے انہیں ٹھنڈا کر دیا تھا۔ میں نے گردن گھما کر پچھلی نشست پر بیٹھی ہوئی صدف اور گل کی طرف دیکھا اور سرگوشیانہ انداز میں کہا۔

"پریشان یا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، دیکھو میں اس سے کیسے نمٹتا ہوں۔"

پھر میں نے اپنی سائیڈ کا شیشہ گرایا اور گاڑی کے اندر ہی رہتے ہوئے پولیس والے سے استفسار کیا "کیا بات ہے بھئی؟"

میرے انداز اور لہجے میں بے پناہ اعتماد تھا۔ اس نے بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھا۔ شاید وہ توقع کر رہا تھا اس کے اشارے پر میں فوراً گاڑی سے باہر نکل آؤں گا۔ جب میرے رویے نے اس کی توقع کا جنازہ اٹھا دیا تو وہ حیرت سے مجھے تکنے لگا۔ اس حیرت میں ایک احتیاط بھی پائی جاتی تھی۔

اس نے کہا "آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔"

اس کے انداز میں تحکم یا بداخلاقی نہیں تھی اور یہ میرے اسٹائل کا ثمر تھا ورنہ پولیس والوں سے کوئی یہ نہیں پوچھتا..... کیا بات ہے بھئی!

میں نے گمبھیر آواز میں پوچھا "تمہارا صاحب مجھے کیوں اور کہاں بلا رہا ہے؟"

میرے اس انداز کے استفسار پر وہ مزید الجھ گیا۔ اس نے لگ بھگ سو گز دور ایک جانب اشارہ کیا اور بولا "صاحب وہاں چیکنگ کے لیے سب کو اپنے پاس بلا رہے ہیں۔"

میں نے سوال کیا "کیا یہ لوگ تمہارے صاحب کے

پاس پہنچ گئے ہیں؟''

میرا اشارہ اپنے سامنے کھڑی گاڑیوں کی طرف تھا۔ اس نے اثبات میں سرہلایا اور کہنے لگا ''آپ بھی جلدی آجائیں ورنہ مجھے ڈانٹ سننا پڑے گی۔''

میں نے اس کی ''مجبوری'' کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ''اس کا مطلب ہے' تمہارا صاحب گاڑیوں کی نہیں بندوں کی چیکنگ کررہا ہے!'' میرے سوال میں افسرانہ شان تھی۔

وہ میرے تیور اور اپنے صاحب کے لیے طرزِ تخاطب دیکھتے ہوئے ''آپ'' سے ''سر'' پر اتر آیا۔ بڑے عجلت بھرے میں لہجے میں بولا ''سر! وہاں کاغذات اور بندوں کی چیکنگ ہوگی۔ بعد میں گاڑیوں کو بھی چیک کیا جائے گا۔ پلیز آپ گاڑی سے باہر آجائیں۔''

''میں گاڑی سے باہر تو نہیں آسکتا!'' میں نے قدرے جارحانہ انداز اختیار کیا۔

وہ متذبذب نظر سے مجھے دیکھنے لگا ''سر! صاحب کا یہی حکم ہے۔''

''اپنے صاحب سے کہو' وہ یہاں آکر ہماری چیکنگ کرلے'' میں نے برہمی سے کہا۔

''آپ دیکھ رہے ہیں سر! وہ ادھر مصروف ہیں۔''

''وہ مصروف ہیں تو میں کیا کروں!'' میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا ''اگر انہیں چیکنگ کی بہت زیادہ جلدی ہے تو یہاں آکر چیکنگ کرلیں' سرگاڑی سے باہر نہیں آئیں گے۔''

اس کے صاحب نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے ٹو یوٹا کرولا کی طرف دیکھا پھر اس کی نگاہ گاڑی کی تختی نشست کی طرف اٹھ گئی' اس کے بعد اس نے پولیس والے کو اپنے ہاتھ سے ایک مخصوص اشارہ کیا جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ انہیں جانے دو۔

اس جنبشی کارروائی کے بعد اس کا صاحب اپنے ماحول میں مصروف ہوگیا۔ پولیس والے نے مجھے نگاہی سیلوٹ کیا اور بڑی لجاجت سے بولا ''سر! آپ جاسکتے ہیں۔ مجھ سے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔''

میں نے بڑی رعونت سے سر کو خفیف سی جنبش دی اور ایک جھٹکے سے کرولا کو آگے بڑھادیا۔ میری اس نمائشی رعونت میں کامل اداکاری کا ہاتھ تھا۔ جب ہم ناکے سے کافی آگے نکل آئے تو زرگل نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''وجدان! کیا تم کوئی جادو جانتے ہو؟''

''نہیں تو'' میں نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

''مجھے تو یہ ''چی'' کا کمال لگتا ہے۔'' صدف بولا ''جو کسی جادو سے کم نہیں۔''

''یہ ''چی'' کیا ہوتی ہے؟'' صدف کے اظہارِ خیال نے زرگل کو چونکنے پر مجبور کردیا۔

اس سے پہلے کہ چی کے حوالے سے گفتگو کا کوئی نیا در کھل جاتا' میں نے جلدی سے کہا ''اس میں کسی جادو کو دخل ہے نہ ہی چی کی کارفرمائی۔ یہ ایک کھیل تھا..... اعتماد کا! اور میں یہ کھیل بڑی کامیابی سے کھیل کر جیت چکا ہوں۔''

''اعتماد کا کھیل!'' زرگل نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔

تاہم صدف نے اس موقع پر مکمل خاموشی اختیار کرلی۔

میں نے زرگل کی تشفی کے لیے کہا ''بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ملک کی پولیس بااثر اور پر اعتماد لوگوں پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتی ہے۔ میرے انداز نے اس پولیس آفیسر کو یقین دلادیا کہ ہم کوئی عام لوگ نہیں ہیں بلکہ بہت ہی طاقتور اور بااثر ہیں۔ ہوسکتا ہے' سیاست میں بھی ہمارا عمل دخل ہو اور برسرِ اقتدار سیاسی پارٹی کی حمایت ہمیں حاصل ہو ورنہ پولیس والوں کے سامنے اتنی اکڑ کون دکھا سکتا ہے۔ میں نے اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہوئے بازی پلٹ دی۔''

زرگل نے کہا ''اگر وہ پولیس آفیسر تمہارے اعتماد کی دھونس میں نہ آتا تو صورتِ حالات کی سنگینی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔''

''ہاں' ایسا ممکن تھا'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''اگر ایسے حالات پیدا ہوجاتے تو پھر میں ہر ممکن ہنگامی قدم اٹھالیتا۔ یہ بات بہرحال طے ہے۔'' میں نے ڈرائیونگ پر توجہ کو مرکوز رکھتے ہوئے ذرا توقف کیا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا ''میں کسی بھی صورت میں ان پولیس والوں کو کرولا کی ڈکی کھولنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔''

''میرا خیال ہے' اس کی نوبت نہ آتی۔'' صدف نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''پولیس والوں کے آفیسر نے گہری نظر سے ہمارے گاڑی کو دیکھنے کے بعد ہمیں چھوڑنے کا اشارہ کیا تھا۔''

زرگل نے صدف سے پوچھا ''اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟''

''اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔'' صدف ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولی ''انہیں جس گاڑی اور جن افراد کی تلاش ہے وہ ہم ہیں اور نہ ہی ٹو یوٹا کرولا۔ سو گز کا فاصلہ اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ وہ ہمیں پہچان نہ پاتا۔ اگر آفیسر کو کسی خاص شخص یا چند افراد کی تلاش تھی تو یہ بات طے ہے' ہم ان کے مطلوبہ بندے نہیں تھے ورنہ اگر شک کی ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو وہ ہمیں اتنی آسانی سے نہ چھوڑتے۔''

زرگل نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی ''ہاں' ہوسکتا ہے۔ پولیس والے تو اپنے باپ کو بھی نہیں چھوڑتے۔ میں بڑے تلخ تجربات سے گزر چکی ہوں۔ یہ صرف ڈنڈے کے سامنے جھکتے ہیں ورنہ شریف اور کمزور لوگوں پر تو انہیں ڈنڈا چلانا ہی آتا ہے۔''

''اگر آدے کا آدا ہی بگڑا ہوا تو پھر کوئی بھی نظام چل نہیں سکتا۔'' صدف فلسفیانہ انداز میں بولی ''ڈیپارٹمنٹ پولیس کا ہو یا عدالتوں کا' ہر جگہ چند اچھے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں۔ میرے ماموں کی ایک مثال روشن اور زندہ ہے۔''

وہ اپنے ڈی ایس پی ماموں اورنگ زیب خان کی بات کررہی تھی۔ میں نے بھی اس شخص کو کھرا اور دیانت دار پولیس آفیسر پایا تھا۔ بہرحال اس قسم کے فرض شناس پولیس والے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ زرگل نے شاید میرا ذہن پڑھ لیا' صدف سے مخاطب ہوتے ہوئی بولی۔

''ایسے ایمان دار لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے جو ڈائقے سے اپنی موجودی کا احساس دلاتا ہے لیکن اس کی کارکردگی آٹے کے مقابلے میں کہیں نظر نہیں آتی۔ سب کہتے ہیں' ہم نے روٹی کھائی..... آٹے کی روٹی!''

زرگل نے بڑی گہری بات کی تھی لیکن صدف بھی خاصی تیار بیٹھی نظر آتی تھی۔ ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے اس نے کہا ''ساری خرابی سسٹم کی ہے۔ انصاف کے تقاضے صرف پولیس تک ہی محدود نہیں بلکہ ان تقاضوں کی تکمیل عدالتی نظام کی مرہونِ منت ہے۔ اگر کوئی سچا اور کھرا پولیس والا انصاف اور فرائض کے تقاضے پورے کرنے پر کمربستہ ہوجائے لیکن عدالت اس سے تعاون نہ کرے تو پولیس والے کی ساری محنت اندھے کنوئیں میں جاگرتی ہے اور اس کی دل شکنی الگ ہوتی ہے۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکی پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی ''اس سلسلے میں ماموں نے ایک نہایت ہی دل چسپ قصہ سنایا تھا جو سچا ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا مضحکہ خیز اور افسوس ناک بھی ہے۔''

''ہمیں بھی سنادو وہ قصہ!'' میں نے حالات کی کلفت کو دور کرنے کی خاطر کہا۔

وہ بولی ''چھوڑو۔ خواہ مخواہ تم دونوں ہنسو گے۔ ہوسکتا ہے' تمہیں یقین ہی نہ آئے۔''

''یقین آنے یا نہ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' میں نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا ''البتہ اہم بات یہ ہے کہ

ہم دونوں ہنسیں گے چاہے خواہ مخواہ ہی سہی۔"

وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی "چلو تم ضد کررہے ہو تو سنا دیتی ہوں۔"

پھر صدف نے بتایا کہ اورنگ زیب خان کی زبانی اسے معلوم ہوا' ان کے محکمے کے ایک فرض شناس اہلکار نے ایک کار لفٹر کو پکڑ لیا۔ اس کار لفٹر کا تعلق ایک با اختیار اور صاحبِ حیثیت خاندان سے تھا اور وہ اپنے من چلے دوستوں کے ساتھ مل کر اس قسم کی وارداتیں کرتا تھا۔ مقصد کاروں کا حصول نہیں بلکہ صرف "دلچسپی خیزی" ہوتا۔ وہ چھینی ہوئی گاڑی کو ازاں بعد کہیں بھی چھوڑ دیتے لیکن اس کی حالت خراب کرنے کے بعد۔ وہ اپنے مہم جوئی کے جذبات کی تسکین کے لیے مسروقہ گاڑی کو کسی کھمبے یا ایسی ہی کسی جگہ ٹکرا کر اس کا حلیہ بگاڑ دیتے۔ بڑے گھروں کے بچوں کے کھیل بھی نرالے ہوتے ہیں۔

بہرحال جب وہ بگڑا ہوا امیرزادہ ایمان دار پولیس والے کی گرفت میں آگیا تو پہلے اس نے دھونس دھمکی سے کام چلانے کی کوشش کی۔ اپنے باپ کے وسیع تر تعلقات اور اختیارات سے اسے متاثر کرنے لگا لیکن پولیس والا اس کی کسی تفلی یا دھمکی سے مرعوب نہ ہوا اور اسے اپنے ساتھ تھانے لانے پر مصر رہا۔ ان حالات کے پیشِ نظر اس کار لفٹر نے پولیس والے کو رشوت کی پیش کش کردی۔ اس کی نظر میں یہ ایک ایسا حربہ تھا جو پولیس پر فوراً کارگر ثابت ہوتا ہے لیکن اس روز اس کا تجربہ غلط ہوگیا۔ پولیس والے نے اس کی ایک نہ سنی اور ضروری کارروائی کے بعد اسے عدالت میں پیش کردیا۔

جس نے بھی سنا' اسے خوب برا بھلا کہا۔ بہ الفاظِ دیگر اس کے ساتھیوں نے اچھی خاصی لعنت ملامت کرڈالی کہ اس نے اپنی فضول فرض شناسی میں ایک نکمّی رقم گنوادی تھی۔ اس کار لفٹر امیرزادے نے پولیس والے کو بیس ہزار روپے کی رشوت آفر کی تھی جو اس وقت اس کے پرس میں موجود تھے۔

اس واقعے کا سب سے تکلیف دہ پہلو اس وقت سامنے آیا جب چند روز بعد اس امیرزادے نے پولیس والے کو فون کیا اور یہ خوشخبری سنائی کہ عدالت نے اسے باعزت بری کر دیا ہے۔ اس نے حیرت سے دریافت کیا' وہ کیسے؟ اسے جواب ملا تم تو احمق تھے۔ اپنی ایمانداری کے چکر میں تم نے میری پیش کش ٹھکرا دی لیکن وہ مجسٹریٹ بہت عقل مند ثابت ہوا' جس کی عدالت میں میرا کیس لگا تھا۔ پولیس والے نے پوچھا۔ تم نے کتنی رشوت دے کر جان چھڑائی؟ اسے بہت ہی دل شکن جواب سننے کو ملا۔ کار لفٹر نے ایک مسخرانہ قہقہہ لگایا اور کہا "صرف بریانی کی چار دیگیں۔ مجسٹریٹ کے گھر پر کوئی تقریب تھی۔ اس نے ایک چھوٹی سی فرمائش کی جو میں نے آنکھ بند کرکے پوری کردی۔

صدف نے اس شرم ناک واقعے کو اختتام تک پہنچایا تو گاڑی میں گہری خاموشی نے قبضہ جمالیا۔ کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی کہتا بھی تو کیا کہتا؟ صدف نے ایک حقیقت بیان کی تھی اور حقیقت کو ماننا پڑتا ہے کوئی بھی معقول آدمی حقائق کو جھٹلانے کے لیے خواہ مخواہ زبان درازی کرتا ہے اور نہ ہی کٹ حجتی!

ہم تھوڑی دیر کے بعد اک موریا اور دو موریا پل کو پیچھے چھوڑتے ہوئے بادامی باغ کے علاقے میں داخل ہورہے تھے۔

☆☆☆

عنایت اللہ باجوہ بھاری جثے کا مالک ایک دراز قامت شخص تھا۔ دراز قامتی نے اس کے ڈیل ڈول میں ایک جناتی منظر بھر دیا تھا اس کی عمر لگ بھگ پچاس سال رہی ہوگی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد ہم اس کے اڈے پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اس کے اڈے کے باہر بہت سے ٹرک کھڑے تھے۔ دیکھم گڈز فارورڈنگ کمپنی عرفِ عام میں ٹرکوں کا اڈا کہلاتی تھی۔

رسمی علیک سلیک کے بعد وہ یک ٹک مجھے تکتا چلا گیا۔ مجھے اس کی اس ادا پر حیرت بھی ہوئی اور قدرے عجیب سا بھی محسوس ہوا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے اس نے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔ جب مزید چند لمحات تک اس کی محویت نہ ٹوٹی تو میں نے کھنکار کر اسے مخاطب کیا۔

"باجوہ صاحب! کیا بات ہے۔ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟"

اس وقت ہم اس کی کمپنی کے دفتر میں بیٹھے تھے۔ وہ چونکا اور زیرِلب مسکراتے ہوئے بولا۔ "جناب! میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آخر آپ میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟"

"پھر کچھ نظر آیا؟" میں نے استفسار کیا۔

اس نے ہاں یا نہ میں جواب دینے کے بجائے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور کہا "فرید پاشا کوئی معمولی آدمی نہیں۔ اگر اس نے آپ لوگوں کی سفارش کی ہے تو ضرور آپ بھی غیر معمولی ہی ہوں گے۔ فرید پاشا کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو میں اتنی صبح گھر سے نہ نکلتا بلکہ یوں سمجھو کہ جب اس نے فون کیا اس کے بعد میں ایک لمحے کے لیے نہیں سویا اور..... پچھلے ایک گھنٹے سے میں آپ لوگوں کا انتظار کررہا ہوں۔" اس کا انداز

ایسا تھا جیسے ہمیں بہت دیر ہوگئی ہو۔

میں نے کہا "میں تمہاری آمد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہمیں پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ دراصل ہمیں راستے کا اندازہ نہیں تھا۔" "ہم جب باجوہ کے اڈے پر پہنچے تو سات بج کر دس منٹ ہورہے تھے۔" "بہرحال ہمارے کام کا کیا ہوا؟" میں نے بات کے اختتام پر اس سے استفسار کیا۔

"میں نے پاشا کی ہدایت کے مطابق انتظام کرلیا ہے۔" اس نے بتایا "کیا آپ اس بندے کو ساتھ لائے ہیں جسے کراچی پہنچانا ہے؟"

میں نے کہا "وہ بدبخت ہماری گاڑی کی ڈکی میں ہے۔"

ٹویوٹا کرولا باہر ٹرکوں کے پاس کھڑی تھی۔ عنایت اللہ نے مجھ سے کہا کہ میں اپنی گاڑی کو اڈے کے اندر لے آؤں۔ میں نے اس کی ہدایت کے مطابق گاڑی اندر پہنچا دی۔

عنایت باجوہ نے کہا "کیا آپ اس بندے کو چھوڑ کر واپس چلے جاؤ گے یا اس کی روانگی تک یہیں ٹھہرو گے؟"

میں نے پوچھا "اسے کتنے بجے یہاں سے بھیجا جائے گا؟"

"جس ٹرک میں اسے بھیجوں گا وہ دوپہر گیارہ بجے تک اڈے سے نکلے گا۔" اس نے بتایا۔

"ہم اتنی دیر تو یہاں نہیں رک سکتے۔" میں نے کہا "ہمیں ایک ضروری کام کے لیے فوراً نکلنا ہوگا۔"

وہ حتمی لہجے میں بولا "ٹھیک ہے تو پھر آپ اسے میرے حوالے کرکے جاسکتے ہیں۔"

میں نے اپنی معلومات کے لیے پوچھا "تمہارا یہ ٹرک کراچی کب پہنچے گا؟"

"کل شام چھے یا سات بجے۔" اس نے بتایا "آٹھ بھی بج سکتے ہیں کیوں کہ مال سے لدے ہوئے ٹرک کی رفتار عام گاڑیوں سے کم ہوتی ہے۔"

پھر اس نے میرے استفسار پر مزید بتایا کہ وہ چاول کی بوریوں سے بھرے ہوئے ٹرک میں فیصل کو لاہور سے کراچی پہنچانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے اسے فیصل کے فنِ حرب و ضرب اور خطرناکی کے بارے میں بتایا تو اس نے سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"یار! تم فکر ہی نہ کرو۔ میں نے بڑا محفوظ اور مضبوط بندوبست کیا ہے۔ آؤ میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو میں نے اس کی تقلید کی۔ صدف اور

سدا بہار فلمی گیتوں کا نوٹیشن

سُر سنگ گیت

موسیقی کے دیوانوں کے لئے ایک منفرد تحفہ!
اس کتاب میں دیئے گئے گیتوں کا نوٹیشن ایسا ہے جس پر عمل کرکے گلوکاروں کی گائیکی کے مخصوص انداز بھی اپنائے جاسکتے ہیں۔ "سرنوٹیشن" میں نئی علامات اختراع کرکے گلوکاروں کے ہر انداز کو اجاگر کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ اپنی طرز کی ایسی کتاب پہلے کبھی شائع نہیں ہوئی۔

صفحات 208 | ڈاک خرچ 25 روپے | قیمت 200/-

کتاب کی قیمت، بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز۔ کراچی
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون 021-5804300
kitabiat1970@yahoo.com
سول اسٹری پیلس، رحمان بک ہاؤس اردو بازار کراچی، فون 021-7766751

زرگل دفتری حصے میں بیٹھے رہے اور ہم دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے اڈے کے اس حصے میں آ گئے جہاں لوڈنگ وغیرہ کی جاتی تھی۔ ادھر ایک طرف گودام نما چند کمرے بھی بنے ہوئے تھے۔ باجوہ نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور لائٹ آن کرنے کے بعد مجھے اندر لے لیا۔

کمرے کے اندر فرش سے چھت تک چاول کی بوریاں رچی ہوئی تھیں۔ اس کمرے کا تین چوتھائی حصہ انہی بوریوں نے گھیر رکھا تھا۔ عنایت باجوہ نے کہا ''ان بوریوں کے ساتھ ہی تمہاری ''امانت'' لاہور سے کراچی پہنچ جائے گی۔ آٹھ بجے تک مزدور آ جائیں گے پھر میں ایک ٹرک اندر منگوا کر بوریاں لدوانا شروع کر دوں گا اور یہ کام میں اپنی نگرانی میں کرواؤں گا۔''

''کیا تم چاولوں کی یہ بوریاں دکھانے کے لیے مجھے یہاں لائے ہو؟'' میں نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا پھر ایک بوری پر پڑی چادر کو کھینچنے کے بعد بولا ''یہ دیکھو!'' میں نے دیکھا اور چونک اٹھا۔ وہاں مجھے ایک مضبوط آہنی صندوق رکھا نظر آیا جس میں ہوا کی آمد و شد کے لیے جا بجا چھوٹے چھوٹے سوراخ بنے ہوئے تھے۔ میں نے سوالیہ نظر سے باجوہ کو دیکھا تو وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''پاشا نے مجھے ''مال'' کی خطرناکی سے آگاہ کر دیا تھا۔ اسی احتیاط کے پیشِ نظر میں نے یہ مناسب بندوبست کیا ہے آپ کے مال کو میں اس صندوق میں بند کر دوں گا بلکہ'' وہ کسی فوری خیال کے تحت چونکا پھر بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا ''اگر آپ میری تھوڑی مدد کر دو تو ہم یہ نیک کام ابھی کر لیتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے بندہ بے ہوش ہے!''

''تمہیں بالکل درست بتایا گیا ہے۔'' میں نے کہا ''لیکن وہ زیادہ عرصے تک بے ہوش نہیں رہے گا۔''

وہ بے پروائی سے بولا ''تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں تمہیں ابھی سب کچھ دکھاتا ہوں۔ تم میرے ساتھ تو آؤ۔''

''ساتھ آؤ'' سے اس کی مراد تھی ہاتھ بٹاؤ۔ میں نے عنایت اللہ باجوہ کا ہاتھ بٹایا اور فیصل کا بے ہوش جسم کرولا کی ڈکی سے اس آہنی صندوق کے اندر پہنچ گیا۔ باجوہ نے جس پھرتی کا مظاہرہ کیا اسے دیکھ کر مجھے ماننا پڑا کہ اس عمر میں بھی وہ خاصا طاقتور اور مستعد تھا۔ وہ اناج سے بھری ہوئی کسی بوری کے سائز کا صندوق تھا۔ عنایت باجوہ نے اس ہوادار صندوق کا ڈھکنا بند کیا پھر اس کی کنڈی میں تالا لگا دیا اور بولا۔

''لو بھئی۔ اب تو تمہاری تسلی ہو گئی ہو گی۔ یہ تالا کراچی جا کر ہی کھلے گا اور.....'' اس نے ذرا رک کر صندوق کی جانب اشارہ کیا اور کہنے لگا ''اس طویل سفر کے دوران میں اگر اس بندے کو ہوش آ بھی گیا تو یہ ہزار کوشش کے باوجود بھی صندوق سے باہر نہیں آ سکے گا۔ تم نے اس کے ہاتھ پاؤں بہت تشفی بخش انداز میں باندھ رکھے ہیں۔''

میں نے ذہن میں چکرانے والے ایک سوال کے پیشِ نظر پوچھا ''ٹرک میں چاولوں کی بوریوں کے درمیان اس کا دم تو نہیں گھٹ جائے گا۔ میرا مطلب ہے تم نے ہوا کی آمد و رفت کے بارے میں سوچ لیا ہے نا؟''

''اچھی طرح سوچ لیا ہے۔'' وہ پر اعتماد انداز میں بولا ''میں نے بتایا ہے نا، میں اپنی نگرانی میں لوڈنگ کرواؤں گا۔'' ساری سیٹنگ میرے ذہن میں ہے، تمہاری امانت کا ایک بال بھی بانکا نہیں ہو گا۔'' وہ ایک لمحے کو رک کر بڑے فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا پھر بولا ''ویسے میں احتیاطاً ڈرائیور کے ساتھ دو ہٹے کٹے اور چاق و چوبند کلینرز کو بھیجوں گا۔''

چوہدری نوازش علی کے لیے میرے ذہن میں بہت زیادہ غم و غصہ اور نفرت بھری ہوئی تھی۔ فیصل اسی چوہدری کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس وقت میری چھری کے نیچے آیا ہوا تھا۔ ایک فوری اور شریر خیال نے میری سوچ میں جگہ بنائی اور میں باجوہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''عنایت اللہ!'' میں نے پوری سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا ''کیا یہ صندوق تھوڑی دیر کے لیے کھل سکتا ہے؟''

''اس نے الجھی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا ''ہاں کھل سکتا ہے مگر کیوں؟''

''میں اس کے اندر چند ضروری چیزیں رکھوانا چاہتا ہوں۔''

''مثلاً کس قسم کی چیزیں رکھوانا چاہتے ہو؟'' اس کی الجھن دوچند ہو گئی۔

میں نے سفاکی سے کہا ''امرود کے چند ٹکڑے دو چار کیلے، کلو بھر گاجریں اور ایک پانی کا پیالہ۔ ان پھلوں اور سبزیوں کا موسم تو ہے نا؟''

''موسم ہے اور میں یہ کام کر دوں گا لیکن پانی کا پیالا!'' وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''سفر کے دوران میں پانی، پیالے کے اندر نہیں ٹھہر سکے گا اور چاولوں کے بھیگنے کا اندیشہ الگ ہے!''

میں نے مغموم آواز میں کہا ''تو خالی پیالہ ہی رکھ دو۔ لوازمات پورے ہونا چاہئیں۔ ذرا دیکھنے والوں کو پتا تو چلے یہ

بندر کس شاندار انداز میں ''ایکس پورٹ'' کیا جا رہا ہے۔ ویسے تو اس کے ہاتھ پاؤں اس انداز میں جکڑے ہوئے ہیں کہ پھل اور سبزی تک پہنچے ..... بلکہ اپنا منہ پہنچانے کے لیے اسے دانتوں پسینا آ جائے گا۔''

آئندہ پندرہ منٹ کے اندر اس نے میری ننھی سی ''فرمائش'' پوری کر دی اور صندوق کو تالا بند کرنے کے بعد چابی میرے حوالے کر دی تو میں نے پوچھا۔

''باجوہ! تمہاری منصوبہ بندی اور مہارت کو دیکھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے تم اس نوعیت کے کام کرتے رہتے ہو؟''

وہ منہ کھول کر ہنسا تو اس کی توند بھی رقص کرنے لگی پھر وہ ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا ''ایسی کوئی بات نہیں یار۔ یہ تو پاشا کا حکم تھا اس لیے میں تیار ہو گیا ورنہ ایسے کاموں کا مجھے کوئی تجربہ نہیں۔ اس منصوبہ بندی کے پیچھے پاشا کے مشورے بھی چھپے ہوئے ہیں۔'' پھر وہ گہری نظر سے مجھے تکتے ہوئے مستفسر ہوا ''کہیں تم مجھے کوئی اسمگلر یا بردہ فروش تو نہیں سمجھ رہے؟''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا ''بس ایسے ہی ایک خیال میرے ذہن میں آ گیا تھا۔''

وہ مطمئن ہو گیا پھر اس نے پوچھا ''کراچی میں اس بندے کو کہاں پہنچانا ہے؟''

''فی الحال تو اسے اپنے اڈے تک بہ خیریت پہنچاؤ۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''اس بات کا فیصلہ بعد میں کریں گے کہ ہم اسے تمہارے اڈے سے اٹھواتے ہیں یا تمہیں کسی خاص مقام پر پہنچانا ہے، میرا مطلب ہے اس بندے کو!''

وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔ میں نے اس کے لاہور اور کراچی کے اڈوں کے فون نمبرز اپنے پاس نوٹ کر لیے۔ باجوہ کے لیے میں نے منہاس باقر کے نمبرز لکھوا دیے پھر کہا۔

''تمہارا چاولوں والا ٹرک تو کل شام کو کراچی پہنچے گا لیکن میں آج دوپہر کے بعد وہاں پہنچ جاؤں گا۔ میں نے کراچی والے اڈے کا پتا اور فون نمبرز نوٹ کر لیے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر میں رابطہ کر کے معاملہ طے کر لوں گا۔''

ہمارے درمیان مزید پندرہ منٹ تک ضروری امور پر بات چیت ہوتی رہی پھر میں نے اسے احتیاط سے کام کرنے کی ہدایت کی خاص طور پر لوڈنگ کے وقت اس آہنی صندوق کی ''بار برداری'' کا راز عام نہیں ہونا چاہئے تھا۔ جس طرح دیواروں کے کان ہوتے ہیں بالکل اسی طرح ہوا کا منہ بھی ہوتا ہے۔ اگر اس ہوا کو کسی معاملے کی ہوا لگ جائے تو یہ جگہ جگہ سرگوشیاں کرتی پھرتی ہے۔

عنایت اللہ باجوہ نے مجھے یقین دلایا کہ وہ کام انتہائی تسلی بخش اور میرے حسبِ منشا ہو گا۔ میں مطمئن ہو کر دیکم گڈز فارورڈنگ کے دفتر سے نکل آیا۔ آج یہ کمپنی ایک ایسے آہنی صندوق کو فارورڈ کرنے جا رہی تھی۔ جو گڈز کی دنیا میں انقلابی حیثیت کا حامل تھا۔

☆☆☆

میری رسٹ واچ آٹھ بجے کا وقت بتا رہی تھی۔

وہ دونوں عقبی نشست پر خاموش بیٹھی تھیں۔ میں بہ دستور ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ چند لمحات کے بعد صدف نے پوچھا ''وجدان! تم نے فیصل کو لاہور سے کراچی پہنچانے کے انتظامات کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے نا! کسی گڑبڑ کے امکانات تو نہیں ہیں؟''

ہمارا رخ بادامی باغ سے ائرپورٹ کی جانب تھا۔ ریلوے اسٹیشن کو پیچھے چھوڑ کر ہم گڑھی شاہو کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں صدف اور زرگل کی مشترکہ ہدایات پر کرولا کو ڈرائیو کر رہا تھا۔ آگے چل کر ہم نہر کو عبور کرتے پھر کچھ دیر تک شاہراہِ قائداعظم (مال روڈ) کا سہارا لینا پڑتا اور ہم ائرپورٹ کے نزدیک تر پہنچ جاتے۔ ہمارے درمیان طے یہی ہوا تھا کہ ناشتا ائرپورٹ پر ہی کیا جائے گا۔ کہیں اور کسی ہوٹل میں بیٹھنے کا وقت نہیں تھا۔ ٹھیک نو بجے مجھے اور صدف کو ''ان'' ہونا تھا اور میری کوشش یہ تھی کہ میں تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے ساڑھے آٹھ بجے تک ائرپورٹ پہنچ جاؤں تاکہ آدھے گھنٹے میں ہم تسلی سے ناشتا کر سکیں۔

گڑھی شاہو سے گزرتے ہوئے میں نے صدف کے سوال کا جواب دیا ''عنایت باجوہ بہت کام کا بندہ ثابت ہوا ہے۔ اس نے بڑا تسلی بخش بندوبست کیا ہے۔ مجھے امید ہے راستے میں کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔''

پھر میں نے انہیں آہنی صندوق والے اس ''بندوبست'' کی تفصیل بتائی تو زرگل حیرت میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولی ''اتنی جلدی اس گوشت کے پہاڑ نے یہ انتظام کیسے کر لیا۔ اس قسم کا سوراخ دار صندوق تیار کرنے میں وقت تو لگتا ہے!''

گوشت کے پہاڑ سے اس کی مراد عنایت اللہ باجوہ تھی۔ وہ اپنے قد کاٹھ اور ڈیل ڈول کے سبب واقعی ایک پہاڑ نظر آتا تھا۔ چونکہ وہ گوشت و پوست سے بنا ہوا تھا اس لیے زرگل کا دیا ہوا نائٹل اس پر فٹ بیٹھا تھا۔

میں نے کہا ''زرگل! تمہاری حیرت بجا ہے لیکن آپ دونوں کو یہ بات معلوم نہیں کہ وہ بندہ رات چار بجے سے۔۔ جاگ رہا ہے جب فرید پاشا نے اسے فون کر کے یہ فرض سونپا تھا۔ ویسے میں نے وہ صندوق اچھی طرح دیکھا ہے۔ ہنگامی ضرورت کے تحت اس میں صرف متعدد سوراخ نکالے گئے ہیں ورنہ وہ صندوق پہلے سے باجوہ کے گودام میں موجود تھا اور میرا خیال ہے کہ یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں ہے۔''

زرگل میری اس وضاحت پر خاموش ہوگئی۔ میں ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ گوری چٹی دراز قامت پشتون دوشیزہ انتہائی نازک حالات میں مجھ سے ٹکرائی تھی اور اس واقعے کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ مجھے اس سے تفصیلی بات چیت کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ مجھے اپنی سنسنی خیز کہانی سنانا چاہتی تھی بلکہ میں اس کے حالات جاننے کا متمنی تھا۔ اس کا دشمن چاچا حکمت یار ہاتھ دھو کر اور گن اٹھا کر اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے مردانہ لباس پہن کر زخمی حالات میں زندگی کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ میں نے نہ صرف اس کے زخمی کندھے پر مرہم پٹی کی تھی بلکہ اسے ایک محفوظ پناہ بھی فراہم کی تھی جو نشا اور اس کے ساتھی درندوں کے ہاتھوں گذشتہ رات انتہائی غیر محفوظ اور تباہ حال ہوگئی تھی جس کے نتیجے میں زرگل ایک مرتبہ پھر میرے ساتھ نظر آرہی تھی۔

میں نے زرگل کو وقتی پناہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حکمت یار کا خطرہ فی الحال ٹل چکا تھا۔ لہٰذا میں اپنے وعدے اور فرض سے آزاد ہو چکا تھا لیکن زرگل کی معنی خیز باتیں اور الجھے ہوئے انداز مجھے تشویش میں مبتلا کر رہے تھے۔ خاص طور پر جب سے اسے معلوم ہوا تھا' میں اور صدف کراچی جا رہے ہیں اس وقت سے وہ خاصی بجھ گئی تھی اس کی دو ہی وجوہات ہو سکتی تھیں۔ یا تو اسے ہمارا کراچی جانا پسند نہیں آیا تھا یا پھر وہ بھی ہمارے ساتھ کراچی جانا چاہتی تھی۔ ساحل والا معاملہ اب اس سے ڈھکا چھپا نہیں رہا تھا اس لیے وہ مجھے کراچی جانے سے روکنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

میں زرگل کے بارے میں جس قدر سوچ رہا تھا' میری الجھن میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر مجھے اس کے تشویشناک اور جواب طلب جملے یاد آئے۔ اس نے میرے مختلف سوالوں کے جواب میں بڑے گھمبیر انداز میں کہا تھا..... مجھے امید ہے تم لوگوں کے کراچی رخصت ہونے سے پہلے میں کوئی حتمی فیصلہ کر ہی لوں گی یا پھر..... لگتا ہے تمہارے رخصت ہونے سے پہلے میں بھلی چنگی ہو جاؤں گی اور..... مجھے یقین ہے' میں تمہارے رخصت ہونے سے پہلے اپنی داستان مکمل کر لوں گی!

اور اب..... اس کی مکمل داستان سننا تو درکنار اس کا خلاصہ سننے کا وقت بھی نہیں بچا تھا۔ مجھے اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ حالات کی تیزی سے بدلتی ہوئی کروٹ نے مجھے اتنی مہلت نہ دی کہ میں زرگل کا دکھ سن سکتا۔ بہرحال اس کی تشویش بھری باتوں نے مجھے اکسایا اور میں اس کے دل کا حال جاننے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''زرگل!'' میں نے عقبی منظر دکھانے والے آئینے میں اسے مخاطب کیا ''تمہارے پاؤں کا درد اب کیسا ہے؟''

وہ شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے بولی ''سوچ نکل گئی ہے تو درد بھی جا تا رہا۔''

اس کے لہجے میں بے پناہ سنجیدگی بھری ہوئی تھی اور آواز میں واضح طور پر میں نے جھنجلاہٹ بھی محسوس کی۔ میں نے اس سے پوچھا ''اور شولڈر کا کیا حال ہے؟''

''وہ بھی ٹھیک ہے۔'' وہ بدستور باہر دیکھتے ہوئے بولی ''سمجھو سب ٹھیک ہے۔''

اس کے انداز میں ایک عجیب سی بے رخی پائی جاتی تھی جو ناپسندیدگی نہیں بلکہ خفگی سے میل کھاتی تھی۔ میں نے اس رویے کا سبب جاننے کی خاطر سوال کیا۔

''کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟''

اس کی نظر چشم زدن میں باہر سے اندر پلٹی پھر عقب نما آئینے میں ہماری آنکھیں چار ہوئیں اس نے پوچھا ''میں تم سے کیوں ناراض ہوں گی وجدان! تم نے مجھے پناہ دے کر جو نیکی کی ہے' میں اس کے لیے تمہاری شکر گزار ہوں۔''

''میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے احسان نہیں' نیکی کی بات کی ہے۔''

''چلو' تم اسے نیکی ہی سمجھو۔'' میں نے کہا ''لیکن اتنا تو بتا دو کہ تمہارا انداز کیوں بدلا ہوا ہے؟''

وہ ٹالنے والے لہجے میں بولی ''وجدان! میرے انداز کو کچھ نہیں ہوا۔ شاید یہ حالات کا اثر ہے۔ گزشتہ رات فرید پاشا کی کوٹھی پر جو کچھ پیش آیا' میرے ذہن میں اس کی خونچکاں یاد ابھی تک بسی ہوئی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' میں نے جب دیکھا کہ وہ کچھ بتانے کو تیار نہیں تو تائید ہی ضروری سمجھی ''میں بھی ان مناظر کو بھول نہیں پایا ہوں۔ ظلم و بربریت کی اس مثال کو

بھلانا آسان نہیں۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کیا ''اور یہ سب کچھ اصلی کرداروں کے ساتھ ایک ایسے شخص کی کوٹھی میں پیش آیا جو فلم انڈسٹری کا ایک معروف اور کامیاب پروڈیوسر ہے۔''

اس دوران میں صدف بالکل خاموش بیٹھی رہی میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ جب میں زرگل کے ساتھ گفتگو کر رہا ہوتا تو صدف بیچ میں مداخلت نہیں کرتی تھی۔

علامہ اقبال روڈ پر گاڑی آئی تو نہر ہمارے پیچھے رہ گئی۔ میں نے زرگل سے کہا ''قسمت کی ستم ظریفی بھی بعض اوقات رنگ دکھاتی ہے۔ میں تمہارے حالات کے بارے میں جاننا چاہتا تھا لیکن باوجود کوشش کے بھی میں اس کام کے لیے موقع نہ نکال سکا۔''

''وہ ذومعنی لہجے میں بولی ''وجدان! تم اس سے کہیں زیادہ ضروری کام میں جو مصروف ہو!''

میں اندازہ نہ کر سکا کہ وہ طنز کر رہی تھی یا حقیقت بیان کر رہی تھی۔ میں نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد پوچھا ''پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے زرگل؟''

اس نے عقب نما آئینے میں مجھے دیکھا اور بولی ''کیا فیصلہ؟''

''ہمارا ساتھ مسنن سے آدھے پونے گھنٹے کا باقی رہ گیا ہے۔ میں نے وضاحت کی ''جیسے ہم ائرپورٹ کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ تم نے کہاں جانے کے بارے میں سوچا ہے؟''

وہ عقب نما آئینے میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا اس کی آنکھوں میں سنگینی اتر آئی ہو' وہ ایک لحاتی نظارہ تھا کیوں کہ میں ڈرائیونگ پر بھی توجہ دے رہا تھا۔ دوبارہ جب میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ سنگین تاثر غائب ہو چکا تھا۔ وہ ایک عام سے لہجے میں پوچھنے لگی۔

''کیا تم دونوں واقعی کراچی جا رہے ہو؟''

''اگر تمہیں یقین نہ ہو تو میں ٹکٹ دکھا دیتا ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ جلدی سے بولی ''مجھے تمہاری زبان پر بھروسا ہے دراصل یہ سوال میں نے کسی اور مقصد سے کیا تھا۔''

میں نے پوچھا ''کس مقصد سے؟''

اس کا بدلا ہوا انداز اور تیور مجھے الجھن میں ڈال رہے تھے۔ اس نے جواب دیا ''میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کراچی جانا چاہتی ہوں اس لیے تصدیق کر رہی تھی۔''

بالآخر اس کے دل کی بات زبان پر آ ہی گئی تھی۔ میں کافی دیر سے یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ جانا چاہتی ہے۔ اس کی خواہش کو پورا کرنا میرے بس میں نہیں تھا اس لیے میں سوچ میں پڑ گیا۔

مجھے خاموش دیکھ کر اس نے پوچھا ''کیا ہوا وجدان! تم چپ کیوں ہو گئے کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے؟''

''نہیں تمہاری بات تو غلط نہیں۔'' میں گڑبڑا گیا ''لیکن میں..... بھلا تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔''

''گویا دوسرے لفظوں میں تم یہ کہنا چاہتے ہو مجھے اپنے ساتھ لے کر نہیں جا سکتے؟''

''اس میں میرا کوئی اختیار نہیں زرگل۔'' میں نے کہا ''جس فلائٹ سے ہم جا رہے ہیں اس میں تمہارا جانا ممکن نہیں۔''

''اس ناممکن کی کیا وجہ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''جہاز اوورلوڈ ہے۔'' میں نے مختصراً کہا۔

میں نے کسی بہانے یا غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ جس فلائٹ سے ہم جا رہے تھے وہ واقعی اوورلوڈ تھی۔ بکنگ ایجنسی والے نے مجھے صورتِ حال سے پوری آگاہ کر دیا تھا۔ نئے ٹکٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' بہت سے چانس ٹکٹ بھی ڈراپ ہو جاتے زرگل کو ہم اپنے ساتھ لے جانے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اِلّا یہ کہ صدف اس سفر سے باز آ جاتی تو زرگل اس کے ٹکٹ پر سفر کر سکتی تھی۔ ڈومیسٹک فلائٹس میں نام کی تبدیلی سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اور ہماری سیٹیں بھی کنفرم تھیں لیکن صدف کیوں کر ڈراپ ہوتی! یہ ناممکن سے بھی زیادہ ناممکن بات تھی۔

میرے جواب نے زرگل کو گہری سوچ میں پہنچا دیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس سوچ میں اوجیز بن کی کیفیت پائی جاتی تھی۔ اس سے قبل کہ میں اس سے کوئی بات کرتا' اس نے مجھے مخاطب کر لیا۔

''وجدان! گاڑی روکو!''

یہ جملہ اتنا اچانک اور خلاف توقع تھا کہ میں اور صدف بہ یک وقت حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ میں نے پوچھا ''تم گاڑی کیوں رکوا رہی ہو زرگل؟''

''میری منزل آ گئی ہے!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

''منزل!'' میں سٹ پٹا گیا ''کیا یہ کوئی پہیلی ہے یا تفریحی مذاق؟''

وہ سپاٹ لہجے میں بولی ''میں نے اپنی منزل کی بات کی ہے' اینڈ آئی مین اٹ۔''

جملے کا آخری حصہ اس نے انگریزی میں ادا کیا تھا اور اس میں ایک تحکم پایا جاتا تھا۔ وہ اپنے گریجویٹ ہونے کے بارے میں مجھے پہلے بتا چکی تھی۔ بیٹھے بٹھائے زرگل نے جو تیور بدلے تھے وہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

''تمہاری منزل اچانک کہاں سے آگئی؟''

''زندگی میں سب کچھ ترتیب وار یا منصوبہ بندی سے نہیں آتا وجدان!'' وہ خواب ناک لہجے میں بولی ''بلکہ زیادہ تر واقعات اچانک ہی رونما ہوجاتے ہیں۔ پلیز' گاڑی روک دو مجھے جانا ہوگا میری منزل مجھے پکار رہی ہے۔''

اس کی بے سروپا باتیں سن کر میں جھنجلا گیا اور میں نے ٹویوٹا کرولا سڑک کے کنارے روک دی۔ زرگل نے ہمیں ''اللہ حافظ'' کہا اور اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل گئی پھر پلٹ کر پیچھے دیکھے بغیر وہ ایک سمت میں تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔

اس کا رخ فورٹریس اسٹیڈیم کی جانب تھا۔

''عجیب لڑکی ہے!'' بے اختیار میرے منہ سے نکلا اور میں نے گاڑی آگے بڑھادی۔ صدف نے کہا ''لڑکیاں تو عجیب ہی ہوتی ہیں وجدان!''

''کیا تم بھی کوئی ایسا ہی سین دکھانے والی ہو؟''

وہ گہری سنجیدگی سے بولی ''اگر تم میرے ساتھ وہی سلوک کرو گے جو زرگل کے ساتھ کیا ہے تو میں بھی اس بارے میں سوچ سکتی ہوں۔''

''کمال ہے بھئی۔'' میں نے جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں کہا ''میں نے زرگل کے ساتھ کون سا برا سلوک کیا ہے؟''

''وہ کراچی جانا چاہتی تھی۔'' صدف نے کہا ''چلو ہماری فلائٹ سے نہ سہی بعد والی کسی فلائٹ سے آجاتی لیکن تم نے تو اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کیا!''

''میں نے نکال باہر نہیں کیا۔'' میری جھنجلاہٹ میں اضافہ ہوگیا ''گاڑی اس نے رکوائی تھی۔ نادر شاہی حکم سے۔ پتا نہیں اسے کون سی منزل لب سڑک نظر آگئی تھی اور دیکھا تم نے'' میں نے ایک لمحے کو توقف کیا اور اسی تپے ہوئے انداز میں کہا ''وہ نواب زادی گاڑی سے اتر کر فورٹریس اسٹیڈیم کی طرف گئی ہے۔ معلوم نہیں وہ وہاں اپنے کون سے فن کا مظاہرہ کرنے گئی ہے!''

زرگل کے انتہائی نامعقول رویّے نے مجھے کوفت میں مبتلا کردیا تھا اور میں اس وقت خاصا غصیلا ہورہا تھا۔ صدف نے کہا ''وجدان! تمہارے کھرے جواب کے بعد تو وہ یہی کرسکتی تھی۔ اللہ کے بندے، کسی کی امید کو اس بری طرح سے ذبح نہیں کرنا چاہئے۔''

''امید!'' میں نے چونکے ہوئے لہجے میں پوچھا ''تم کس امید کی بات کررہی ہو؟''

وہ ٹھہری ہوئی آواز میں بولی ''وہ امید جو زرگل نے تم سے لگائی تھی۔ وہ کسی سیر و تفریح کے لیے تو کراچی نہیں جارہی تھی۔ وہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہے وجدان' تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے بڑے انوکھے جذبات دیکھے ہیں۔''

''اور ان جذبات کو اب تم زبان دے رہی ہو!''

''میں حقیقت بیان کررہی ہوں۔''

''تو مجھے کیا کرنا چاہئے تھا؟''

''تم اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔'' صدف اتنی سنجیدگی سے بات کررہی تھی کہ میں جانچ نہ سکا وہ واقعی سنجیدہ تھی یا یہ بھی مذاق کا کوئی انداز تھا ''چلو اس فلائٹ سے نہ سہی کسی اگلی فلائٹ سے وہ کراچی آجاتی۔ تم اسے کچھ رقم فراہم کرسکتے تھے کراچی میں اپنے ٹھکانے کا پتا بتا سکتے تھے تاکہ اسے تم تک پہنچنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور کم از کم اسے منہاس باقر کے تمام فون نمبرز تو نوٹ کروا ہی دیتے تاکہ وہ تم سے بہ آسانی رابطہ کرسکتی لیکن.....'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر عقب نما آئینے میں مجھے دیکھنے لگی اور کہا ''تم نے تو اس بری طرح اس بے چاری کی دل شکنی کی ہے کہ وہ کسی ٹنڈ منڈ درخت کے نیچے اپنے گھائل دل کی کرچیاں شمار کررہی ہوگی اور اگر وہ آنے والی رات تک زندہ رہی تو پھر آج سے اختر شماری کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔''

''بس بس صدف!'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا ''میرے پاس ان چونچلوں کی فرصت ہے اور نہ ہی میں ایسا شوق رکھتا ہوں'' پھر میں نے ایک لمحے کے توقف سے کہا ''مجھے یہ کرنا چاہئے تھا' مجھے وہ کرنا چاہئے تھا..... اونہہ!''

صدف نے ہمت نہ ہاری اور کہا ''وجدان! یہ فرصت اور شوق کی بات نہیں بلکہ عجیب لڑکیاں تو یہی چاہتی ہیں اور زرگل کو تم عجیب لڑکی نام زد کرچکے ہو!''

صدف کے پیہم اصرار کو دیکھتے ہوئے میں نے اس کے چٹکی لی ''کیا میں نے واقعی زرگل کے ساتھ بدسلوکی کی ہے؟''

''اور نہیں تو کیا!'' اس کی سنجیدگی برقرار رہی۔

''تمہیں اس پشتون دوشیزہ سے بڑی ہمدردی ہے!''

''پشتون دوشیزہ کا کیا سوال!'' اس نے کہا ''دنیا کی ہر

عورت کو دوسری عورت سے ہمدردی ہوتی ہے۔''

''یہ میں نے پہلی مرتبہ سنا ہے۔'' میں نے متاثلانہ انداز میں کہا ''پھر تو واقعی مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ اس صورت حال میں مجھے زرگل کا دل توڑنے کے بجائے یہ کرنا چاہئے تھا۔''

وہ چونکا نظر سے مجھے دیکھنے لگی ''یہ کیا وجدان؟''

میرے ادا کیے ہوئے لفظ ''یہ'' نے اسے تشویش میں مبتلا کردیا۔ میں نے کہا ''اس مسئلے کا آسان اور سیدھا حل یہ تھا کہ میں تمہارے ٹکٹ پر زرگل کو کراچی لے جاتا۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' بے اختیار اس کی زبان سے پھسل گیا۔

میں نے کہا ''دنیا کی ہر عورت' دوسری عورت کی ہمدرد ہوتی ہے۔ پھر ممکن اور ناممکن کیا ہوتا ہے۔ کیا تم زرگل کے زخمی دل پر مرہم لگانے کے لیے اسے اپنا ٹکٹ نہیں دے سکتی ہو؟..... اور تم تو ایک ڈاکٹر بھی ہو۔ تمہیں ایسی مسیحائی زیادہ زیب دیتی ہے!''

''گاڑی روکو وجدان!'' وہ تحکمانہ انداز میں بولی۔

میں نے پوچھا ''کیا تمہیں بھی سر راہ کوئی منزل نظر آگئی ہے؟''

''ایسی ہی بات ہے۔'' وہ جلدی سے بولی ''گاڑی کو روک دو۔''

میں نے حیرت اور الجھن کے ملے جلے احساسات کے ساتھ ایک مرتبہ پھر ٹویوٹا کرولا کو سڑک کے کنارے روک دیا۔ صدف نے اپنی جانب کا دروازہ کھولا۔ گاڑی سے باہر جانے کے بعد اس نے بڑے اطمینان سے دروازہ بند کیا۔ میں سانس روکے اس کی ایک ایک جنبش کا مشاہدہ کررہا تھا۔ وہ بڑی نفاست سے چلتے ہوئے ایک ادا کے ساتھ گاڑی کی دوسری جانب پہنچی اور پھر ایک جھٹکے سے پسنجرز سیٹ والا دروازہ کھول کر میرے پہلو میں آبیٹھی۔

''اب میں اپنی منزل کے بہت قریب آگئی ہوں۔'' اس نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا اور ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔

میں متعجب نظر سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ کسی سنگی بت کے مانند گاڑی سے باہر سڑک کو تک رہی تھی۔ بالآخر میں نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

''اب سمجھا' دنیا کی ایک عورت دوسری عورت سے کس طرح اظہار ہمدردی کرتی ہے!''

''میں اس وقت فلسفے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' وہ سادگی سے بولی۔

میں نے ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے گمبھیر آواز میں کہا ''صدف! تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے جو اعلان فرمایا ہے اس کی اہمیت کا احساس ہے تمہیں؟''

''پوری طرح احساس ہے۔'' وہ حتمی لہجے میں بولی ''میں نے یہ اعلان بہت پہلے فرمادیا تھا۔ خیال کو احساس میں اور احساس کو الفاظ میں اب ڈھالا ہے۔''

تھوڑی دیر پہلے میں زرگل کے رویّے پر خاصا جھنجلایا ہوا تھا۔ صدف کے اس نئے پینترے نے مجھے حد درجہ سنجیدہ کردیا۔ میں نے سوچا آج اس سے دوٹوک بات ہوہی جائے۔ میں نے حتی الامکان اس موضوع سے بچنے کی کوشش کی تھی لیکن میرا خیال ہے اب وقت آگیا تھا۔ میں بعد میں کوئی بات اپنی گردن پر نہیں لینا چاہتا تھا۔

''صدف! میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''تم ایک سچی اور جاں نثار دوست ہو' تم نے بارہا ثابت کیا ہے کہ میری خاطر تم بڑے سے بڑا نقصان بھی برداشت کرسکتی ہو۔ یقین جانو تمہیں زندگی کے کسی مرحلے پر اگر میری جان کی ضرورت پیش آگئی تو میں ایک لمحے کی دیر نہیں کروں گا لیکن.....''

میں جملہ ادھورا چھوڑ کر اپنے سامنے پھیلی ہوئی وسیع و عریض سڑک کو دیکھنے لگا۔ اس نے میری جانب دیکھے بغیر پوچھا۔ ''تو؟''

اس ''تو'' میں ان گنت سوال پوشیدہ تھے۔ میں نے محتاط الفاظ کا استعمال کیا اور کہا ''تمہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ میری منزل کون ہے!''

وہ ایک جھٹکے سے گردن موڑ کر مجھے تکنے لگی ''جانتی ہوں' تمہاری منزل کے بارے میں مجھ سے زیادہ اور کون جانتا ہوگا۔''

''پھر بھی؟'' میں نے دھیمے لہجے میں استفسار کیا۔

''ہاں پھر بھی!'' اس کے لہجے میں کسی چٹان ایسی سختی تھی ''وجدان! اگر اس وقت تمہاری منزل تم سے دور ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟''

''میں نے تمہیں کب قصوروار ٹھہرایا ہے صدف؟''

وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی ''کیا میں نے کبھی کوئی ایسی کوشش کی کہ تم اپنی منزل تک نہ پہنچ سکو۔ بتاؤ میں نے تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالی؟''

''تم خواہ مخواہ جذباتی ہو رہی ہو'' میں نے اس کی کیفیت کے پیشِ نظر کہا ''میں نے تم سے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی۔''

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی ''پھر اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ تم مجھے قدم قدم پر یہ احساس دلاتے پھرو تم کس کی تلاش میں سرگرداں ہو۔ اس حوالے سے میں تم سے زیادہ لکی ہوں وجدان۔'' اچانک اس کی آواز میں تفاخر کا احساس شامل ہوگیا۔

میں نے چونک کر ایک نظر اسے دیکھا اور دوبارہ ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

صدف نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا ''تم کافی دنوں سے اپنی منزل کی تلاش میں ہو اور اس تلاش میں' میں بھی تمہارا بھرپور ساتھ دے رہی ہوں۔ ہماری کوششوں میں کسی کمی یا کوتاہی کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا لیکن یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ تمہیں ابھی تک کوئی واضح سمت کا میابی حاصل نہیں ہوسکی۔ دوسری طرف میں ہوں.....!''

اس نے بڑے معنی خیز انداز میں جملہ نامکمل چھوڑا پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی ''میں نے اپنی منزل کو تاہ اور اس کے تعاقب میں لگ گئی۔ نتیجہ خاصا مفید اور حوصلہ افزا برآمد ہوا۔ اس وقت میں اپنی منزل پر پہنچ چکی ہوں۔''

وہ جس قسم کی باتیں کر رہی تھی اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں تھی لہٰذا مجھے خاموش رہنا پڑا۔ صدف نے جتنے واشگاف الفاظ استعمال کیے تھے اس کے بعد کسی ابہام یا غلط فہمی کی کوئی جگہ نہیں نکلتی تھی۔ سمجھنے والے کے لیے تو صرف ایک اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ نہ تو میں ناسمجھ تھا اور نہ ہی صدف نے محض ایک اشارے پر اکتفا کیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے فرید پاشا اور منہاس باقر کے الفاظ حقیقت کا روپ دھار کر عملی میدان میں اتر آئے ہوں۔ خاص طور پر پاشا کی پیش کوئی عملی شکل اختیار کر چکی تھی۔ ایک ہیرو اور دو ہیروئن والی فلم کا آئیڈیا!

میں اس وقت ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک عجیب سی صورتِ حالات سے گزر رہا تھا۔ یہ بات نہیں کہ میں صدف کو ناپسند کرتا تھا۔ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ مجھے اچھی لگی تھی' بہت پیاری اور نازنین۔ صدف میں کسی بات کی کمی نہیں تھی۔ وہ خوب صورت اور خوب سیرت تھی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مستقبل کی ڈاکٹر تھی۔ ایک معزز اور صاحبِ ثروت خاندان سے اس کا تعلق تھا لیکن میرے گریز کے صرف دو اسباب تھے اور ان اسباب میں سے صدف نے از خود ایک کو ختم کر ڈالا تھا۔ میں ساحل پر کسی کو فوقیت دے سکتا تھا اور نہ ہی اس کی برابری مجھے گوارا تھی۔ میرے دل کا خانۂ عشق صرف اور صرف ساحل کے لیے مختص تھا۔

انسان زندگی میں کسی ایک ہستی سے صرف ایک مرتبہ ہی عشق کرتا ہے' محبت ایک سے زیادہ افراد سے بھی کی جاسکتی ہے۔ صدف نے تو مجھے ہر قسم کی پابندی سے آزاد کر دیا تھا۔ وہ تو اپنی چاہت کے بدلے مجھ سے چاہت کی طلب گار بھی نہیں تھی۔ ایسے کھرے جذبات اور سچے احساسات کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنی محبت میں کچھ مانگتے نہیں' ان کے جذبے سے ٹکرانے والا پاش پاش ہو جاتا ہے۔ ایسے ایثار پیشہ اور قربان فطرت لوگ قابلِ ستائش ہوتے ہیں!

صدف کو خود سے دور رکھنے کا دوسرا سبب بالکل سامنے کی بات تھی۔ زندگی کے عملی تجربے نے مجھے بتایا تھا' آج تک جو بھی لڑکی میرے قریب آئی' اس کا سکھ چین چھن گیا۔ میری خاطر اور مجھ سے دوستی کی پاداش میں اسے زیست کی ہر تکلیف سے گزرنا پڑا۔ اس سلسلے میں ایک طویل فہرست ہے' تھائی وانگ' جانگی دیوی' سونیا' رانی روپ متی' کوشلیا' ساحل' ممتاز اور..... ان میں بعض تو میری دوستی کے جرم میں جان سے گزر گئیں۔ ساحل ایک ایسی لڑکی تھی جیسے میں بھی ٹوٹ کر چاہنے لگا تھا' مجھے اس سے سچا عشق تھا۔ اس کا حصول میری زندگی کا نصب العین تھا۔ ساحل کی جدائی نے میرے اندر اتنا دھواں بھر دیا تھا کہ سانس لینا دوبھر ہو کر رہ گئی تھی۔

صدف میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھی۔ چند ماہ بعد وہ ڈاکٹر بن جاتی لیکن یہ اسی صورت ممکن تھا اگر وہ مجھ سے الگ ہو کر پڑھائی پر توجہ دیتی جس کے امکانات ہر گزرتے دن کے ساتھ معدوم سے معدوم تر ہوتے جا رہے تھے۔ اگر میں اس کی خواہش کی خاطر یا اپنے کسی مقصد سے اسے ساتھ لگائے رکھتا تو یہ میری خود غرضی ہی نہیں بلکہ بہت بڑی حماقت بھی ہوتی۔ اسے ہر حال میں اپنی تعلیم کو مکمل کرنا چاہیے تھا۔

صدف خاصی جذباتی ہو رہی تھی۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ''اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہارے احساسات سے آگاہ نہیں تو تم غلطی پر ہو۔ چلو' میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ میں تمہاری منزل ہوں تو کیا تم ہر وقت اپنی منزل پر ہی ٹھہری رہنا چاہتی ہو؟''

''ہر انسان کی یہی خواہش ہوتی ہے!'' وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا ''میں نے تمہاری بات کی ہے صدف!''

''اتفاق سے میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔''

میں اس مشکل لڑکی کے جواب میں پھنس کر رہ گیا۔ منطقی طور پر اور فلسفیانہ انداز میں اسے کوئی بات سمجھانا ممکن نہیں تھا۔ وہ صرف جذبات کی چال میں آسکتی تھی۔ میں نے اس کی بہتری اور بھلائی کی خاطر آخری کوشش کی اور کہا۔

''صدف! کیا تم واقعی مجھے اتنا چاہتی ہو؟''

میرا لہجہ اتنا تیکھا تھا کہ اس نے چونک کر مجھے دیکھا ''تمہیں کوئی ثبوت چاہیے؟''

''تم کیا ثبوت دے سکتی ہو؟'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ بولی ''جو بھی تم مانگو۔ میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتی ہوں۔''

''جان دینے سے بات نہیں بنے گی۔'' میری سنجیدگی برقرار رہی۔

''پھر تمہیں کس قسم کا ثبوت درکار ہے؟''

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''صدف! اس بات کو جھٹلایا یا ٹھکرایا نہیں جاسکتا کہ محبت فرماں برداری کا درس دیتی ہے۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے' اس کے حکم کی تعمیل کو اپنی معراج سمجھتا ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کا سوال نہیں کرتا کیوں کہ یہ تو بین محبت ہے۔''

''میں تمہارا لیکچر سن رہی ہوں۔'' میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا ''تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو' کیا میں نے تم سے کسی نوعیت کی نافرمانی کی ہے؟''

''نافرمانی کی نوبت تو اس وقت آتی جب میں تمہیں کوئی حکم دیتا۔'' میں نے متین خیز انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''تو یہ نوبت کب آئے گی جب میں اپنی چاہت کو ثابت کرسکوں گی؟''

''تم چاہو تو کسی وقت بھی آسکتی ہے۔''

''میں چاہوں گی' ابھی آجائے!''

صدف کا انداز دوٹوک تھا۔ جذبات کی شدت کے سبب اس کی آواز میں لرزش کی آمیزش تھی۔ میری دانست میں لوہا گرم ہو چکا تھا۔ اور چوٹ لگانے کے لیے یہ مناسب وقت تھا۔ مجھے خاموش دیکھ کر اس نے کہا۔

''وجدان! کس سوچ میں پڑ گئے۔ حکم دو تاکہ میں اپنی فرماں برداری کا ثبوت پیش کرسکوں۔''

میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''صدف! میں چاہتا ہوں تم سب سے پہلے اپنی تعلیم کو مکمل کرو۔''

وہ شک زدہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔ ''یہ کہیں تمہاری کوئی چال تو نہیں؟''

''ہرگز نہیں!'' میں نے قطعیت سے کہا۔

وہ ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولی ''وجدان! چوہدری نوازش علی نے تمہاری منزل' ساحل کو تم سے دور کر رکھا ہے اور تم اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے کس طرح کشت وخون کے بازار گرم کیے ہوئے ہو اس کا اندازہ تمہیں بہ خوبی ہو رہا ہوگا۔ میاں زاہد حسین' منشا کے متعدد آدمی' کبیر شاہ' فیصل اور چوہدری دلدار عبرت ناک انجام سے دوچار ہیں۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوئی پھر دھمکی آمیز لہجے میں بولی ''وجدان! میں اس وقت اپنی منزل پر کھڑی ہوں۔ ایک بات ذہن میں اچھی طرح بٹھا لو' اگر کسی نے فریب یا چال بازی سے مجھے منزل سے یا منزل کو مجھ سے دور کرنے کی کوشش کی تو میں قہر بن کر اس پر ٹوٹ پڑوں گی..... اور تم جانتے ہو میں جو کہہ رہی ہوں' ایسا کر کے بھی دکھا سکتی ہوں!'' اس کے الفاظ سے سنگینی ٹپکتی تھی۔

''میں جانتا ہوں' اچھی طرح جانتا ہوں۔'' میرے دل میں کوئی چور تھا اور نہ ہی نیت میں کوئی فتور اس لیے میں نے بڑے پراعتماد انداز میں کہا ''تم فکر نہ کرو صدف۔ میری طرف سے کبھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی جائے گی اور اگر کسی دوسرے نے یہ جرات کی تو ہم دونوں مل کر اس کا تیا پانچا کر دیں گے۔''

گاڑی ائرپورٹ کی عمارت کے سامنے پہنچ گئی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ آٹھ بج کر پینتیس منٹ ہوئے تھے۔ میرے پاس صرف پچیس منٹ کا وقت بچا تھا اور اس دوران میں ہلکا پھلکا ناشتا کیا جاسکتا تھا۔ ہم ائرپورٹ کے ریسٹورنٹ میں جا بیٹھے۔

ناشتے کا آرڈر دینے کے بعد میں سنجیدہ نظر سے صدف کو دیکھنے لگا۔ میں اس مشکل لڑکی سے گفتگو کا ایک نازک مرحلہ طے کر چکا تھا۔ اب بس اختتامیہ مکالمے باقی تھے جس کے لیے میں ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا۔ ناشتا آگیا۔ صدف نے مجھ سے پوچھا۔

''وجدان! تم اتنے سنجیدہ کیوں ہو رہے ہو؟''

''تو کیا اس موقع پر مجھے قہقہے لگانا چاہئیں؟'' میں نے خالی خالی نگاہ سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں' میں نے ہلکی سی شرارت چمکتے دیکھ لی تھی۔

''قہقہے نہ بھی لگاؤ تو تمہیں خوشی کا اظہار ضرور کرنا چاہیے۔'' وہ اپنی شرارت کو بڑی سنجیدگی سے پیش کرتے ہوئے بولی ''اور یہ بتا دوں کہ خوش کیوں ہونا چاہیے۔ بھئی' میں تمہاری جان جو چھوڑ رہی ہوں۔ چاہے چند

ماہ کے لیے ہی سہی۔ کراچی پہنچتے ہی میں تم سے الگ ہوجاؤں گی اور اس وقت تک تم سے ملنے کی کوشش نہیں کروں گی جب تک میرے فائنل ایگزامز ختم نہیں ہوجاتے لیکن!'' وہ لمحہ بھر رک کر چند لمحے خاموش رہی پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگی ''لیکن تم گاہے بہ گاہے فون پر مجھ سے رابطے میں رہو گے۔ میرے گھر کا فون نمبر تمہارے پاس ہے' تم مجھے منہاس باقر صاحب کے تمام نمبرز نوٹ کروادو۔ مجھے امید ہے' تم کراچی میں منہاس باقر کے پاس ہی رکو گے یا جہاں کہیں بھی ٹھہرو گے' اسے خبر ہوگی۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

''میرا خیال ہے' تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''میں ابھی تمہیں اپنے رابطے کے تمام ممکنہ نمبرز نوٹ کروا دیتا ہوں لیکن ایک بات واضح کردوں کہ میں نے ملاقات پر پابندی نہیں لگائی۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے مشن میں شمولیت کے بجائے یک سو ہوکر اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ میل ملاقات اگر ہوجاتی ہے تو کوئی حرج نہیں البتہ۔'' میں نے ذرا رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور کہا۔

''کراچی پہنچ کر نہیں بلکہ ہم یہیں سے الگ ہوجائیں گے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' اس کے لہجے میں حد درجہ حیرت تھی۔

میں نے کہا ''اگر تم حقیقت پسندی سے کام لو تو اس طرح چپ چپاتے تمہارا کراچی چلے جانا کسی بھی طور مناسب نہیں۔ تم یہاں اپنے ماموں کے پاس رہنے آئی ہو جن کے حساب سے اس وقت تم کسی گاؤں کی سیر کو گئی ہوئی ہو۔ نادیہ کی بات الگ ہے وہ تمہارے رازوں کی امین ہے لیکن گھر کے دوسرے افراد تمہارے بارے میں کیا سوچیں گے۔ تمہیں یہاں کے معاملات صاف کرنے کے بعد کراچی جانا چاہئے۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟'' اس کے الفاظ سے الجھن جھلکتی تھی۔

میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا ''صدف! تم ائرپورٹ سے سیدھی اپنے ماموں اورنگ زیب خان کے گھر شادمان کالونی جاؤ گی۔ انہیں بتاؤ گی کہ تم گاؤں سے واپس آگئی ہو۔ پھر جب اور جیسے تمہارا دل چاہے' تم کراچی چلی آنا۔ کل' پرسوں یا جیسا تم مناسب سمجھو۔''

''تمہاری بات سمجھ میں آرہی ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا ''اور تم ٹویوٹا کرولا اپنے ساتھ لے جاؤ گی، یہ شادمان کالونی والی کوٹھی میں کھڑی رہے گی۔ میں فرید پاشا کو فون کر کے گاڑی کے بارے میں بتا دوں گا۔ وہ خود ہی اسے منگوالے گا۔''

''نادیہ تو میری جان کھا ڈالے گی۔'' وہ تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

''جواباً تم اس کا دماغ کھا جانا!'' میں نے مزاح کے رنگ میں کہا۔

ناشتا ختم ہوگیا۔ نو بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے جب ہم ریسٹورنٹ سے اٹھ گئے۔ ہم نے اپنا اپنا بیگ تھاما اور اس جانب بڑھ گئے جہاں سے مجھے ان ہونا تھا۔ ہم چند روز' چند ہفتے یا چند ماہ بعد دوبارہ ملنے والے تھے لیکن رخصت کے وقت ہمارا یہ حال تھا جیسے ہم برسوں سے ساتھ رہ رہے ہوں اور..... شاید صدیوں بعد دوبارہ ملیں!

غم اور خوشی کی طرح ملنا اور بچھڑنا بھی زندگی کا حصہ ہے لیکن غم اور بچھڑنا کسی کو پسند نہیں آتا۔ انسان ملے رہنا چاہتا ہے اور ہمیشہ خوش بھی جو کہ ممکن نہیں۔ صدف سے میری رفاقت زیادہ پرانی نہیں تھی۔ ہمارا چند روزہ ساتھ رہا تھا لیکن ان چند دنوں میں ہم نے ایک دوسرے کو بہت قریب سے دیکھا تھا' پرکھا اور جانچا تھا اور کس حد تک سمجھا تھا' اس کے بارے میں' میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔

جو آپ کو سمجھ جاتا ہے وہ آپ کو غلام بنالیتا ہے' آپ اس کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں۔ مجھے غلام بنانے کا شوق ہے اور نہ ہی ایسا کوئی دعویٰ کہ میں نے صدف کو مکمل طور پر سمجھ لیا تھا۔ عورت کو سمجھنے کا دعویٰ کرنا حماقت کے مترادف ہے!

میں نے فاضلیہ کالونی والی کوٹھی کی چابیاں بھی کرولا کے کی رنگ میں ڈال کر صدف کے حوالے کردی تھیں۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا' کراچی ائرپورٹ کے ڈیپارچر لاؤنج میں ہماری باقاعدہ ملاقات ہوئی اور لاہور ائرپورٹ پر ہم بے قاعدہ جدا ہوگئے۔ کراچی میں جب میں صدف سے ملا تو میرے ساتھ ایک اور پراسرار ہستی بھی تھی لیکن ڈارلنگ اب ختم ہوچکی تھی۔ ڈارلنگ کا خیال آتے ہی فوراً وجدان کی طرف دھیان چلا گیا پھر اس نے خیر خواہانہ کارنامے یاد آنے لگے۔

یہ ٹھیک ہے' اس بہروپیے نے بارہا میری مدد کی تھی اور اس کی صلاحیتیں بھی خاصی سمجھ میں نہ آنے والی تھیں لیکن ایک بات میں اچھی طرح سمجھ گیا کہ وہ بہروپیا بھی دھوکا کھا سکتا تھا۔ میری طرح اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ ساحل' چوہدری دلدار کی کوٹھی میں موجود ہے یا اسے کراچی روانہ کیا جاچکا ہے۔ قرائن بتاتے تھے کہ اس نے کوٹھی والوں کی توجہ ہٹانے اور میری راہ ہموار

کرنے کے لیے اس کوٹھی میں انٹری دی تھی۔ اس کا یہ عمل ظاہر کرتا تھا' اس کے مطابق ساحل کو اس کوٹھی میں ہونا چاہئے تھا جب کہ ایسا نہیں تھا اور نہ میں کامیاب ہوجاتا۔ یا تو نقلی وجدان سے سنگین غلطی ہوئی تھی یا پھر اس کا دائرہ کار محدود تھا۔ یہ شخص میرے لیے ایک مسلسل الجھن کا سبب بن کر رہ گیا تھا۔

بورڈنگ کے بعد میں جہاز میں پہنچ کر جب اپنی سیٹ پر بیٹھا تو یک بارگی میرا دھیان صدف کی طرف چلا گیا۔ میرے برابر میں ایک موٹا تازہ ہٹا کٹا شخص سیٹ پر پھنس کر بیٹھا تھا۔ اگر صدف کا سفر جاری رہتا تو اس موٹے کی جگہ وہ نظر آتی۔ شاید وہ کوئی چانس ٹکٹ والا تھا' صدف کے ڈراپ نے جسے وہ موقع فراہم کردیا تھا۔

لاہور سے کراچی کے درمیان لگ بھگ اسی منٹ کی فلائٹ ہے۔ میں نے اس وقت کا بیش تر حصہ آنکھیں بند کر' ساحل' فیصل اور صدف کے بارے میں سوچتے ہوئے گزارا۔ فیصل ایک ایسا مہرہ تھا جس کی بچی تلی چال مجھے ساحل تک پہنچا سکتی تھی اور یہ شخص بلاشبہ صدف کی کوشش سے میرے ہاتھ آیا تھا۔ یہ لڑکی اپنی جان کو جوکھم میں ڈال کر مجھے اتنا زیر بار کررہی تھی کہ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھے ڈر لگنے لگا۔

صدف ایسی ضدی' مستقل مزاج اور شدت پسند لڑکیاں بڑی ثابت قدم اور پرعزم ہوتی ہیں۔ وہ کچھ بھی کرسکتی ہیں..... کچھ بھی!

☆☆☆

شبانہ کی شادی اتوار کی رات ایک مقامی فائیو اسٹار ہوٹل میں بہ خیر و خوبی انجام پاگئی۔ میں اس شادی میں پوری طرح شریک تھا۔ گھر کے دیگر افراد کے ساتھ ممتاز سے بھی گپ شپ ہوئی تاہم میں نے اس سے کسی بھی موضوع پر تفصیلی بات نہ کی۔ منہاس باقر نے کراچی پہنچنے سے پہلے ہی میری رہائش کا بندوبست کروایا تھا۔ میں ہوٹل سے فارغ ہونے کے بعد سیدھا اس فلیٹ پر پہنچ گیا۔ منہاس باقر کا معتمدِ خاص شہزاد علی مجھے چھوڑنے آیا تھا۔ یہ وہی چاق و چوبند شخص تھا جس کی معیت میں' میں نے گلستانِ جوہر میں ایک کامیاب آپریشن کیا تھا۔

جب ہم مذکورہ فلیٹ پر پہنچے تو رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی۔ گزشتہ رات مجھے سونے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اگرچہ آج شام کے وقت میں نے ایک جھپکی لگائی تھی تاہم وہ بات پیدا نہ ہوسکی جو گہری نیند کے نتیجے میں سامنے آتی ہے۔ شہزاد علی مجھ سے دوبارہ مل کر بہت خوش تھا۔ میں نے محسوس کیا' وہ مجھ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہے لیکن میری آنکھوں میں بھری نیند نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا اور وہ یہ کہہ کر اٹھ گیا۔

''اچھا وجدان! میں اب چلتا ہوں' تم آرام کرو کل تفصیلی بات کریں گے۔''

میں خود بھی سونا چاہتا تھا مگر فطری تجسس کے پیشِ نظر پوچھ بیٹھا ''شہزاد! تمہارا چہرہ بتا رہا ہے' تم کوئی اہم بات مجھ سے کرنے والے ہو!''

''ہاں' بات تو اہم ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا ''ابھی تک میں نے اس بارے میں منہاس صاحب کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ دراصل وہ شادی کے ہنگاموں میں اس قدر مصروف ہیں کہ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ان سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا ورنہ میں انہیں اس سلسلے میں بے خبر نہ رکھتا۔ تم سے بھی تھوڑی دیر پہلے ہی ملاقات ہوئی ہے۔''

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ شہزاد کے ساتھ میں نے گزشتہ دنوں گلستانِ جوہر میں ایک ''لاسٹ نائٹ آپریشن'' کیا تھا۔ ممکن ہے شہزاد نے جس اہم بات کا تذکرہ کیا اس کا تعلق اسی واقعے سے ہو۔ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا ''تم کون سی اہم بات ابھی تک منہاس صاحب سے نہیں کرسکے؟''

''وجدان! میں نے ہفتے کی شام فواد کو دیکھا تھا۔'' شہزاد نے نہایت ہی سنجیدگی سے بتایا۔

''فواد!'' میں سیدھا ہوکر بیٹھ گیا ''وہی شخص نا جسے ہم گلستانِ جوہر کے فلیٹ میں بے ہوش چھوڑ آئے تھے؟''

''ہاں ہاں وہی'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی ''منہاس صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ ہمارے آنے کے بعد کسی وقت فواد کو ہوش آگیا تھا اور وہ جہانگیر کو جل دے کر وہاں سے نکل آیا تھا۔''

میرے ذہن میں اس رات کا آخری پہر تازہ ہوگیا جب منہاس باقر کی نشان دہی پر میں نے اور شہزاد نے گلستانِ جوہر کے اس فلیٹ پر دھاوا بولا تھا۔ ہمارے ہاتھوں فواد اور جہانگیر نامی ان دو افراد کی اچھی طرح درگت بنی تھی۔ ازاں بعد میں جہانگیر کو اپنے حق میں ہموار کر کے چھوڑ آیا تھا۔ اس نے میری وفاداری اور دوستی میں سی ایف کے کے بہت سے اہم رازوں کو بے نقاب کردیا تھا۔ میں نے بعد میں منہاس سے درخواست کی تھی کہ وہ جہانگیر کو اپنے پاس پناہ دے کیوں کہ فواد کی روپوشی کے بعد اس کی جان کو ہزار ہا خطرات لاحق ہوگئے تھے۔ وہ دونوں سی ایف کے کے لیے کام کرتے تھے اور ''ملیر'' کے پاس سلیم واسطی سے انہیں ہدایات ملتی تھیں۔

میں نے ٹیلی فون پر منہاس باقر کو جہانگیر کے تازہ ترین حالات کے بارے میں بتایا تو فواد کا تذکرہ بھی ہوا تھا یہ الگ بات ہے کہ جہانگیر اس تک پہنچ ہی نہیں سکا۔ میرا اور منہاس کا مشترکہ خیال یہی تھا کہ سی ایف کے نے جہانگیر کو ٹھکانے لگوادیا ہوگا۔ جہانگیر نے مجھے تنظیم کے بارے میں جتنا کچھ بتادیا تھا اس کے بعد وہ سی ایف کے کے لیے کسی خالی کارتوس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ اسے پہلی فرصت میں ختم کردیتے کیوں کہ اس وقت شعیب غوری میرا سچا ہمدرد اور گہرا دوست بنا ہوا تھا' جہانگیر نے شعیب غوری اور اس کی سازشی تنظیم سی ایف کے کو بری طرح بے نقاب کرکے اپنے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی لیکن اب تو حالات خاصے بدل گئے تھے۔ شعیب غوری کھل کر میرے دشمن کی حیثیت سے سامنے آچکا تھا۔ بہرحال' فواد کا منظر پر آنا واقعی بہت اہم تھا۔ میں اس کی دم سے نادیدہ ڈور باندھ کر پہلے سلیم واسطی اور پھر ان کے بگ باس شعیب غوری تک رسائی حاصل کرسکتا تھا جو اس وقت میرا خصوصی ٹارگٹ تھا کیونکہ میری رگِ جان اس کے خنجر کی دھار تلے دبی ہوئی تھی۔

شہزاد علی یک ٹک مجھے سوچتے ہوئے دیکھتا رہا۔ میں نے لحاتی ذہنی کرتب بازی کے بعد اس سے سوال کیا ''تم نے فواد کو کہاں دیکھا ہے؟''

''گارڈن ایسٹ کے علاقے میں۔'' اس نے جواب دیا ''وہ ایک اپارٹمنٹ بلڈنگ کی سیڑھیوں میں مجھے دکھائی دیا تھا۔ اتفاق سے میں بھی اسی بلڈنگ سے نکل رہا تھا۔ اس وقت لائٹ گئی ہوئی تھی اس لیے لفٹ کے بجائے آمدورفت کے لیے زینے کا راستہ استعمال ہورہا تھا۔''

میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا ''کیا اس نے بھی تمہیں دیکھا تھا؟''

''میرا خیال ہے' نہیں۔'' وہ پورے وثوق سے بولا ''میں ایسے رخ پر تھا کہ اس کی مجھ پر نظر نہیں پڑسکی ورنہ وہ مجھے دیکھتے ہی ٹھٹک جاتا۔ گلستانِ جوہر والے علاقے کے بعد وہ میرا صورت آشنا ہوچکا ہے۔''

میں نے پوچھا ''تم نے جس اپارٹمنٹ بلڈنگ کا ذکر کیا ہے' فواد اس میں رہائش پذیر ہے یا وہ کسی سے ملنے کے لیے وہاں گیا تھا؟''

''ابھی تک یہ بات معلوم نہیں ہوسکی۔'' شہزاد نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا ''دراصل شادی کی مصروفیات نے مجھے مہلت ہی نہیں دی۔ مجھے امید ہے ایک آدھ دن میں' میں تفصیل جان لوں گا۔ اس بلڈنگ میں میرا ایک دوست رہتا ہے جس سے ملنے اس روز میں وہاں گیا تھا اور فواد کی مجھے ایک جھلک نظر آگئی۔''

میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''تم یہ کام پہلی فرصت میں کرلو۔ فواد ہمارے لیے بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ اگر ہمارے قبضے میں آجائے تو ہم سی ایف کے کے اندر گھسنے کے لیے یہ آسانی راستہ بنا سکتے ہیں۔''

شہزاد نے مجھے بتایا کہ وہ صبح ہی اس مشن پر لگ جائے گا۔ مذکورہ اپارٹمنٹ بلڈنگ گارڈن ایسٹ میں' برنیٹو روڈ پر واقع تھی۔ یہ کراچی کا ایک پوش علاقہ ہے اور زیادہ تر یہاں ایک خاص کمیونٹی کے لوگ آباد ہیں۔ شہزاد رخصت ہوگیا تو میں اس فلیٹ کا سرسری جائزہ لینے لگا' جہاں مجھے ٹھہرایا گیا تھا۔

یہ فلیٹ مین طارق روڈ پر واقع تھا جو دو بیڈ' ایک ڈرائنگ اور ایک لاؤنج پر مشتمل تھا۔ اس بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور پر متعدد شاپس تھیں جن میں ہوزری' گارمنٹس' ملبوسات' پرفیومری اور جیولری وغیرہ فروخت ہوتی تھی۔ طارق روڈ شاپنگ کے لحاظ سے کراچی کا خاصا بارونق علاقہ ہے۔ کچھ عرصہ پہلے بھی مجھے یہاں قیام کا موقع ملا تھا لیکن وہ فلیٹ مین روڈ سے ذرا ہٹ کر تھا۔ اس فلیٹ کے تصور کے ساتھ ہی امتیاز علی' روبی اور میر بخش بھی میرے ذہن میں تازہ ہوگئے۔ ان دنوں میں سی ایف کے کے پلیٹ فارم پر کام کررہا تھا اور کچھ عرصہ امتیاز کے اس فلیٹ پر رکا تھا۔ اب وہ رات دن خواب وخیال ہوکر رہ گئے تھے۔

میں نے لباس تبدیل کیا اور سونے کے لیے بستر پر آگیا۔ میں نے گھوم پھر کر اچھی طرح فلیٹ کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہاں رہائش کی ہر سہولت موجود تھی۔ منہاس باقر نے مجھے بتایا تھا کہ اس بلڈنگ کے مکین ایک دوسرے سے کوئی سروکار رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔ یہ میرے جیسے بندے کے لیے ایک مفید اور موزوں رہائش گاہ تھی کیوں کہ عام طور پر اکیلے رہنے والوں کو نظر میں رکھا جاتا ہے اور ان کی سرگرمیوں کو بھی کھوجنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

میرا خیال تھا' بستر پر گرتے ہی میں گہری نیند میں پہنچ جاؤں گا لیکن ایسا نہ ہوسکا اور میرا دھیان آپوں آپ رکھاں والی کی طرف چلا گیا۔ گزشتہ رات کے آخری پہر میں نے وہاں کے جابر حکم راں چوہدری نوازش علی کو پہلا ڈوز دیا تھا۔ اس بات کو لگ بھگ بائیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ چوہدری کو جو خطرناک ''مرض'' لاحق تھا اس کا تقاضا تھا کہ اسے دوسرا ڈوز دے دیا جائے۔ اس خیال کے ساتھ ہی میں نے بستر چھوڑا اور ٹیلی فون کے پاس آکر بیٹھ گیا پھر میری انگلی رکھاں والی میں چوہدری نوازش علی کے نمبرز ڈائل کرنے لگی۔

پہلی ہی گھنٹی پر فون اٹینڈ کرلیا گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس طرف کوئی میرے فون ہی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ پھر ایر پیس میں مجھے ایک بھاری بھرکم ''ہیلو'' سنائی دی تھی۔ اس آواز میں اتنی تشویش' اتنی تڑپ اور اتنی دیوانگی تھی کہ میں پلک جھپکنے میں سمجھ گیا' میرا دشمن دیرینہ اس وقت انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ فون چوہدری نے خود ریسیو کیا تھا۔

''اوہو!'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا ''سارا گاؤں گہری نیند میں ڈوبا ہوا ہے اور چوہدری ابھی تک جاگ رہا ہے۔ بھئی ایسے رکھوالے چور... ری تو اللہ ہر گاؤں کو ٹھوکے دے!''

''تو یہ تم ہو' وہ پھنکارا ''وجدان! تم تصور بھی نہیں کرسکتے' میں تمہارے کتنے ٹکڑے کردوں گا اور.....''

''یہ مت بھولو چوہدری کہ تمہارا نوجوان لختِ جگر اس وقت میرے رحم وکرم پر ہے۔'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''تمہاری یہ بدزبانی اس کے لیے انتہائی خطرناک بھی ہوسکتی ہے۔''

وہ قدرے معتدل لہجے میں بولا ''فیصل کو تم نے کہاں چھپا رکھا ہے؟''

''میں نے گزشتہ رات تمہیں بتایا تھا کہ میں کراچی میں ہوں۔'' میں نے اس کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے کہا ''اس کا یہی مطلب ہے تمہارا سپوت بھی کراچی میں ہے لیکن پتا نہیں' تم ٹھٹھا گئے ہو یا بیٹے کی فرقت نے تمہارا دماغی توازن بگاڑ دیا ہے کہ تمہیں میری بات کا یقین ہی نہیں آرہا۔''

میرے لہجے سے چوہدری کے لیے انتہائی نفرت اور حقارت ٹپکتی تھی۔ وہ خود کو مضبوط ظاہر کرتے ہوئے سنبھلے ہوئے انداز میں بولا ''میرا دماغی توازن اپنی جگہ پر ہے۔ تم جیسے کل کے لونڈے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور میں تمہیں بتاؤں گا' چوہدری نوازش کس آفت کا نام ہے۔''

غصے کی شدت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ میں نے کہا ''چوہدری! میں تمہارا کچھ نہیں بلکہ سب کچھ بگاڑ کر رکھ دوں گا۔ تم تباہ و برباد ہوجاؤ گے۔ میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تم خود کو بھی پہچان نہیں پاؤ گے'' میں ایک لمحے کے لیے سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اور مجھے مت بتاؤ کہ تم کون سی آفت ہو۔ میں تمہیں اور تمہارے خاندان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم لوگوں کے خمیر میں گندگی بھری ہوئی ہے جو نسل در نسل فیصل تک پہنچی ہے لیکن فکر نہ کرو' میں اس غلاظت کو مزید پھیلنے کا موقع نہیں دوں گا۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تمہاری نسل یہیں اسٹاپ ہوجائے گی۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

وہ ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد بولا ''تم بہت برا کررہے ہو جوجان!''

''میں اچھوں کے ساتھ اچھا اور بروں کے ساتھ ہمیشہ برا کرتا ہوں چوہدری!'' میں نے زہرخند لہجے میں کہا ''تم اچھے بچے بن کر ساحل کو میرے حوالے کردو' میں تمہاری نسل کے جھنڈا بردار کو چھوڑ دوں گا۔''

''میں..... میں تمہیں بتا چکا ہوں' وہ لڑکی اب میرے پاس نہیں'' وہ بڑی سرعت سے بولا ''تم شعیب غوری سے رابطہ کرو۔''

''میں اس ننگِ انسانیت کو تو دیکھ لوں گا چوہدری لیکن ساحل تم ہی میرے حوالے کروگے'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''دس کروڑ روپے کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔ میں تمہیں اتنا بڑا اماؤنٹ آسانی سے ہضم نہیں کرنے دوں گا۔ اس وقت تمہاری آنتیں میرے ہاتھ میں ہیں۔ یاد رکھو' یہ الٹ کر تمہارے گلے کو بھی آسکتی ہیں۔ میں فیصل کے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ اس رقم میں اتنے پیسے بھی نہیں ہوں گے۔ کیا تمہیں پتا ہے' دس کروڑ میں کتنے پیسے ہوتے ہیں؟''

''تم مجھے پہلے ہی بہت نقصان پہنچا چکے ہو'' وہ غرایا ''ڈیفنس سوسائٹی والی کوٹھی پر جو کچھ ہوا' میں اسے بھولنے کو تیار ہوں۔ تم جلد از جلد فیصل کو میرے حوالے کردو۔ میں تمہیں معاف کردوں گا'' وہ چالاک بڈھا مجھے شکار کرنے کے لیے چارا پھینک رہا تھا۔

میں نے ایک مضحکہ خیز قہقہہ لگایا ''چوہدری! اس وقت تم معاف کرنے کی نہیں بلکہ بھیک مانگنے کی پوزیشن میں ہو۔ تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے' تم نے ڈیفنس سوسائٹی والی کوٹھی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرلی ہیں۔ اس کوٹھی کے حشر سے تمہیں میری طاقت اور آیندہ عزائم کے بارے میں پتا چل گیا ہوگا۔''

''کبیر شاہ کو میں نے ایک پرائیویٹ اسپتال میں داخل کروادیا ہے'' وہ بپھرے ہوئے لہجے میں بولا ''باقی اس کوٹھی میں کچھ بھی نہیں بچا۔ ملازم ہماری نظر میں کیڑے مکوڑوں سے زیادہ اہم نہیں ہوتے۔''

اس پھنسی ہوئی صورتِ حالات میں بھی اس کا تکبر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میں نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا ''اس کا مطلب ہے' چھوٹا چوہدری دلدار بھی.....''

میں نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

چوہدری نوازش علی کے جواب نے چوہدری دلدار کی موت کی تصدیق کردی۔ وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا ''وجدان! دیکھ لو تم' میں کتنے بڑے نقصان کو برداشت کررہا ہوں۔ تم اس تباہ کاری اور ہلاکت خیزی کے بدلے میرے فیصل کو.....''

''بکواس بند کرو'' میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی ''تمہیں تو یہ سب کچھ برداشت کرنا ہی ہوگا۔ جب اتنی موٹی رقم وصول کی ہے تو اپنے اندر نقصان سہنے کا حوصلہ بھی پیدا کرو۔ ویسے ایک بات ہے' تم شعیب غوری سے جڑنے والی دوستی کو خوب نبھا رہے ہو۔ کیا یہ بھی اس نگڑی رقم ہی کا کوئی کرشمہ ہے؟''

وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا ''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''تم نے کبیر شاہ کو کسی پرائیویٹ اسپتال میں داخل کروادیا ہے'' میں نے اس کی حالت سے کھیلتے ہوئے کہا ''لگتا ہے' یہ سب کچھ شعیب غوری کی خوشنودی کے لیے کیا گیا ہے ورنہ اس لولے لنگڑے کبیر شاہ کو تو تم خاموشی سے ٹھکانے لگوا سکتے تھے۔ اس کی موت میرے کھاتے میں رقم ہوجاتی اور تم بھی پرائیویٹ اسپتال کے خرچے سے بچ جاتے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''تم سراسر بکواس کررہے ہو'' وہ تیز آواز میں چیخ کر بولا ''مجھے کسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور ..... یہ کیا تم نے دس کروڑ روپے کی رٹ لگا رکھی ہے۔ اتنی معمولی رقم تو میرے موزوں میں رکھی رہتی ہے۔''

''جس رقم کو تم اس وقت معمولی گردان رہے ہو'' میں نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی اور کہا ''گزشتہ رات تم اس رقم کے حصول پر بغلیں بجا رہے تھے اور مجھے بتا رہے تھے کہ دس کروڑ کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔ ساحل والی ڈیل میں تمہیں بہت زیادہ منافع ہوا ہے۔ کاش! تمہیں پتا ہوتا کہ یہ معمولی یا غیر معمولی رقم کہاں سے آئی ہے۔''

''میں آم کھاتا ہوں' پیڑ نہیں گنتا'' وہ بے پروائی سے بولا ''شعیب غوری نے وہ رقم کہیں سے بھی حاصل کی ہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

میں نے دل کا غبار نکالتے ہوئے کہا ''تمہارے لیے واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ تم بے غیرت درجۂ اول ہو۔''

''کیا بک رہے ہو؟'' میرے لہجے نے اسے تلملا کر رکھ دیا۔

میں نے کہا ''چوہدری! شعیب غوری تمہارا جوتا تمہارے سر میں مار کر چلا گیا اور تمہیں خبر بھی نہ ہوئی' بے غیرتی اور بے حیائی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی؟''

میں اس موقع پر چوہدری اور شعیب میں پھوٹ ڈال سکتا تھا۔ اپنے دو دشمنوں کو آپس میں لڑانا عین کارِ ثواب ہوتا۔ میری مبہم بات نے اسے تشویش میں مبتلا کردیا' پوچھنے لگا۔

''وجدان! تم بہت گستاخ ہو بلکہ اپنے باپ سے بھی دو چار ہاتھ آگے ہی ہو لیکن میں تم سے یہ ضرور پوچھوں گا' تم شعیب غوری کے حوالے سے کیا کہہ رہے ہو۔ تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟''

میں نے تحقیر آمیز انداز میں کہا ''میں تمہارے سوال کا جواب ضرور دوں گا اور اس طرح دوں گا جیسے شوز کی دکان میں جوتا پہنانے والا دیتا ہے لیکن اس سے پہلے میں وضاحت کردوں کہ تم بہت بڑے شیطان ہو یعنی اپنے باپ چوہدری محمد رمضان سے بھی آٹھ دس گز آگے کے شیطان!'' میں نے ایک لمحے کا توقف کرکے اپنی سانس درست کی پھر بات کی تکمیل کرتے ہوئے کہا ''جوتے کی دکان میں جوتا پہنانے کے لیے چمچہ نما ایک چھوٹا سا آلہ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ پاؤں کو بہ سہولت جوتے کے اندر بٹھایا جاسکے۔ تمہارا دماغ اور اس میں پائی جانے والی سمجھ بہت چھوٹی ہے اس لیے میری بات تمہاری عقل میں نہیں اتر رہی..... تو لو سنو!''

میں نے چند لمحات کے توقف کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''شعیب غوری نے تمہیں جو دس کروڑ روپے ادا کیے ہیں وہ ان پچیس کروڑ یعنی چوتھائی ارب روپے کا ایک حصہ ہیں جو سونے کی فروخت سے شعیب نے حاصل کیے ہیں۔ درحقیقت یہ میرا حصہ تھا جو اس نے تمہارے حوالے کرکے ساحل کو ہتھیا لیا تم سے۔''

میں تصور کی نگاہ سے چوہدری کی کیفیت کو بھانپنے کی کوشش کررہا تھا۔ میری سماعت سے اس کی لرزتی ہوئی آواز ٹکرائی۔

''تم کس سونے کی بات کررہے ہو؟''

''جس کے لیے تم ہاؤلے ہوئے جارہے تھے۔''

''تت..... تم..... ڈائری والے راز.....'' وہ حیرت اور صدمے کی شدت سے اپنی بات کو پورا نہ کرسکا۔

میں نے چرکا کاری کا کام جاری رکھا اور کہا ''اب آئی نا تمہاری بدھی مت میں میری بات۔ میں بالکل اسی سونے کا ذکر کررہا ہوں جس کے بارے میں والد صاحب نے اپنی ڈائری میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا تھا کہ انہوں نے سونے کے بسکٹس سے بھرے ہوئے دو تھیلے کہاں چھپائے تھے۔ تم اس ڈائری کے حصول کے لیے سرتاپا زور لگاتے رہے

اور اس کوشش میں تم نے متعدد قتل بھی کروائے بالآخر شیطان شیطان کرکے وہ ڈائری تمہارے پاس پہنچادی گئی لیکن اس میں سے سونے کے راز والے اہم صفحے پھاڑ لیے گئے تھے۔ تم نے اپنے سر سمیت نہ جانے کیا کیا پیٹ ڈالا ہوگا چوہدری!''

میں نے ایک لمحے کو خاموش رہنے کے بعد چوہدری کو حیرت زدہ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا ''ان دنوں شعیب غوری کے ساتھ میری گاڑھی چھن رہی تھی اور میں اس کی مدد سے سونے تک پہنچنے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کررہا تھا لہٰذا میں نے وہ صفحے شعیب کے حوالے کردیے۔ ہمارے درمیان یہ طے پا گیا تھا کہ وہ سونا چاہے کتنے کا بھی فروخت ہو' میں دس کروڑ روپے لوں گا۔ آج سے بیس سال پہلے وہ سونا پانچ کروڑ روپے مالیت کا تھا جو اب کم از کم پچیس کروڑ کا ہو چکا ہے۔ شعیب نے میرے حصے کی رقم تمہیں دی ہے چوہدری۔ اب آئی سمجھ میں کہ اس نے تمہارا جوتا کس طرح تمہارے سر پر برسایا ہے۔''

''تم جھوٹ بولتے ہو'' وہ بکھری ہوئی آواز میں بولا ''تم ہماری دوستی کو اپنی کسی چال سے خراب کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہاری یہ سازش کامیاب نہیں ہونے دوں گا وجدان!''

''اگر تمہیں میری بات کا یقین نہ آرہا ہو تو میں ثبوت فراہم کرنے کو تیار ہوں۔''

''تم اس سلسلے میں کیا ثبوت دے سکتے ہو؟''

''میرے والد صاحب نے سونے سے بھرے ہوئے کینوس کے وہ دو تھیلے ایک متروک کنوئیں میں پھینکے تھے'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانا شروع کیا ''مذکورہ کنواں ''پاک بھارت'' سرحد کے نزدیک تمہاری زمینوں میں واقع ہے۔ شعیب غوری نے اپنے ایک انگریز دوست مسٹر نیل آرمر کے توسط سے اس کنوئیں سے یہ سونا حاصل کیا ہے۔ اس کنوئیں کے اوپر اب کھیت لہلہاتے ہیں۔ میں تمہیں کنوئیں کی درست لوکیشن بتاتا ہوں۔ تم میرے بیان کی تصدیق کے لیے اس مقام کو چیک کرسکتے ہو۔''

''تم بہت مکار ہو وجدان!'' وہ پھنکارا ''میں آج شام کو اپنے کھیتوں میں تھا۔ اگر میری زمینوں میں کھدائی کی گئی ہوتی تو یہ بات مجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ ایک لمحے میں اس واقعے کی مجھے خبر ہوجاتی۔ تم مجھے چکر دینے کی کوشش کررہے ہو۔''

میں نے اس کی بے اعتباری کو نظر انداز کرتے ہوئے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے متروک کنوئیں کا محلِ وقوع بتایا اور کہا ''شاید تم نے میری بات غور سے نہیں سنی۔ میں نے بتایا ہے نا اب اس مقام پر سرسبز کھیت لہلہاتے ہیں۔ وہ متروک کنواں تو بہت نیچے کہیں غائب ہوچکا ہے۔ سونا کینوس کے مضبوط تھیلوں کے اندر محفوظ کیا گیا تھا اس لیے وہ میلا تک نہیں ہوا۔''

''اوئے جھوٹوں کے سردار!'' چوہدری نے سخت لہجے میں کہا ''اگر وہ کنواں زمین کے نیچے کہیں غائب ہوچکا ہے اور اس کے اوپر کھیت لہلہاتے ہیں تو پھر شعیب پانیل آرمر نے وہ سونا کس طرح حاصل کیا۔ بغیر کھدائی کے یہ کیسے ممکن ہے۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو' وہ لوگ کوئی جادو وغیرہ جانتے ہیں؟''

میں نے اس کے گھائل حصوں پر کیوں نمک چھڑکتے ہوئے کہا ''چوہدری! جو بات عقل میں نہ آئے اسے جادو کا نام دے دیا جاتا ہے۔ میری وضاحت تمہاری کھوپڑی میں اس لیے نہیں آرہی کہ شاید وہاں دماغ نام کی کوئی شے وجود ہی نہیں رکھتی'' میں چند لمحے کے لیے رکا پھر انتہائی تحقیر آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''اوئے لکڑی کے بندر! اس متروک کنوئیں میں کھدائی تو کی گئی ہے لیکن چھپ چھپا کر۔ اس کے لیے سرحد پار تمہارے دشمن کی زمین استعمال کی گئی ہے۔ رام پور (امرتسر) کے رام داس کو تو تم اچھی طرح جانتے ہوں گے؟ اس کا باپ چوہدری کرم داس تمہارے باپ چوہدری رمضان کا گہرا دوست تھا اور اسی دوستی کے نتیجے میں وہ کثیر المالیت سونا ادھر سے ادھر اسمگل کیا جارہا تھا لیکن تمہاری بدقسمتی کہ..... خیر چھوڑو۔ اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔''

دوسری طرف چند لمحوں کے لیے سناٹا چھا گیا۔ یہ خاموشی اس بات کی دلیل تھی کہ میری بات چوہدری کی بدھی میں بیٹھ گئی تھی۔ رام پور سرحد پار امرتسر کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں پر رام داس نائی ایک چوہدری کی عمل داری تھی۔

''تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا چوہدری!'' میں نے کٹیلے لہجے میں دریافت کیا۔

وہ میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے ہیجانی انداز میں بولا ''کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہتے کہ وہ گم شدہ سونا سرنگ لگا کر اس متروک کنوئیں سے نکالا گیا ہے؟''

''میں بالکل یہی کہنا چاہتا ہوں'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''اب مزید تصدیق کے لیے تم میری بتائی ہوئی جگہ کی کھدائی کروا کے دیکھ لو۔ تمہارے پاس بندوں یعنی کیڑے مکوڑوں کی کمی تو نہیں ہوگی۔''

وہ میرے طنزیہ وار کو سہتے ہوئے بولا ''تم یہ نہ سمجھو' میں تمہاری بات پر آنکھیں بند کرکے یقین کرلوں گا۔ میں اپنی زمین میں کھدائی تو بعد میں کراؤں گا' اس سے پہلے میں شعیب

غوری سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔ تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔''

''میں اس کوشش کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کیونکہ شعیب غوری اس معاملے میں خاصا فعال نظر آتا ہے۔'' میں نے چوٹ کی ''اور یہ تم نے عقل مندی کی بات کی کہ آنکھیں بند کر کے مجھ پر اعتبار نہیں کرو گے۔ خدا کے بندے اور شیطان کے چیلے! اگر تمہاری آنکھ بند ہوگئی تو پھر اپنے نوجوان فرزند ارجمند کو کیسے دیکھ سکو گے۔ میں نے سن اور دیکھ رکھا ہے' جس کی آنکھ بند ہو جاتی ہے اسے منوں مٹی کے نیچے دبا دیا جاتا ہے..... کروڑوں کی مالیت کے سونے کی طرح!''

''نے..... فیصل کہاں ہے؟'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا ''ابھی تک تم نے اس سے میری بات نہیں کروائی'' وہ ادھر ادھر کے انتہائی اہم معاملات کو فراموش کر کے اپنے بیٹے کا قصہ لے بیٹھا۔

مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کہ فیصل چوہدری کی کمزوری تھا جو صدف کی مہربانی سے میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔ چوہدری کے پلڑے کا سب سے زیادہ بھاری باٹ اس وقت میری جانب تھا لہٰذا میرا پلڑا جھک رہا تھا۔ میں اس جھکے ہوئے پلڑے کی بدولت بہ آسانی چوہدری کو جھکانے اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

میں نے نہایت ہی مستحکم لہجے میں کہا ''چوہدری! اگر اپنے بیٹے کی صورت دیکھنا چاہتے ہو تو ساحل کو میرے حوالے کر دو۔ دس کروڑ جیسی معمولی رقم تو تمہارے موزوں میں اڑسی رہتی ہے۔ تم یہ رقم..... حقیر رقم شعیب غوری کے منہ پر دے مارو اور.....''

''تم میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو وجدان!'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

میں نے دوٹوک انداز میں کہا ''کل رات کو فیصل سے تمہاری بات کروا دوں گا۔''

''کل رات!'' وہ مچل گیا ''میں اتنا طویل انتظار نہیں کر سکتا۔''

''میں اس انتظار کی کوفت سے بچنے کے لیے تمہیں ایک آسان ترکیب بتاتا ہوں'' میں نے یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا ''تم ابھی سے ایک ٹوکرے کے نیچے بیٹھ جاؤ اور پوری توجہ اس نقطے پر مرکوز کر دو کہ تم ایک دیسی مرغی ہو جو انڈا دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ انڈا دینا چونکہ مرغی کا فریضہ ہے اس لیے باوجود زور لگانے کے بھی تمہاری کامیابی کے امکانات صفر سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ اس ''تخلیقی مصروفیت'' میں تمہارا دل لگ جائے گا اور وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوگا۔ کیسا آئیڈیا ہے؟''

اپنی بات کے اختتام پر میں نے استفسار کیا تو وہ بھڑک اٹھا ''وجدان! اڈے مرغی کا کھیل تو میں تمہارے ساتھ کھیلوں گا اور ایسا کھیلوں گا کہ تمہاری آنے والی نسل ہاتھ لگا لگا کر دیکھے گی۔''

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں' ساحل کو مجھے لوٹا دو'' میں نے برجستہ کہا ''میری نسل اسی سے چلے گی..... لیکن تم میری بات کو سمجھ ہی نہیں رہے ہو۔ کہیں تم مجھے اپنی فرزندی میں لینے کے خواب تو نہیں دیکھ رہے؟''

''او یو بلڈی.....'' غصے کی انتہا کو پہنچ کر وہ انگلش پر اتر آیا ''میں تمہیں بھوکے کتوں کے سامنے ڈال دوں گا۔''

''بشرطیکہ میں تمہارے قابو آ گیا۔''

''اپنی ناپاک زبان بند کرو۔''

''او کے!'' میں نے معتدل انداز میں کہا ''وش یو بیڈ لک چوہدری!''

پھر اس کا جواب سنے بنا میں نے ریسیور کو کریڈل کر دیا۔

شعیب کے حوالے سے چوہدری کو بھڑکانا سود مند ثابت ہو سکتا تھا۔ اگر چوہدری واقعی میری توقع کے مطابق سوچنے لگتا تو ان میں پھوٹ پڑ سکتی تھی لیکن میں اس سلسلے میں زیادہ پر امید نہیں تھا۔ وہ دونوں شیطان کے چیلے تھے اور بدی کے علم بردار۔ مجھے کچلنے اور نقصان پہنچانے کے لیے وہ ہر محاذ پر کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو سکتے تھے۔ میں ان کا مشترکہ دشمن تھا۔ وہ دونوں اتنی آسانی سے میری باتوں میں آنے والے نہیں تھے لیکن کوشش کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔

کوشش بڑا طمانیت بخش اور امید افزا لفظ ہے جو بجھے ہوئے دلوں کو بھی حوصلہ بخش دیتا ہے۔ کینسر کے آخری اسٹیج میں جب مریض کی زندگی کے دن نہیں بلکہ گھنٹے بھی گنے جا چکے ہوتے ہیں لیکن ڈاکٹر پھر بھی اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ اسے صد فیصد یقین ہوتا ہے کہ وہ مریض بچے گا نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر یہ بھی دیکھ رہا ہوتا ہے کہ علاج پر لواحقین کے لاکھوں روپے خرچ ہو رہے ہیں لیکن وہ اپنی کوشش کو جاری رکھتا ہے کیونکہ یہی اس کا فرض ہے۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن کوشش کرنا انسان پر لازم۔ خدا کی اس امانت کو بچانے کے لیے آخری سی کوشش کرنا چاہیے۔

میں نے چوہدری نوازش کو ذہن سے جھٹکا اور بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ چند لمحات کے بعد مجھے محسوس ہوا' تھوڑی دیر پہلے چوہدری سے ہونے والی ٹیلی فون گفتگو نے میرے اعصاب میں اچھا خاصا تناؤ پیدا کر دیا تھا۔

میں نے بستر کو چھوڑ دیا اور قالین پر آ گیا۔ وہ بیڈ روم ہوادار تھا۔ میں نے اعصاب کو سکون پہنچانے کے لیے یوگا کا سہارا لیا۔ اس وقت سانس کی کوئی مشق کرنا تو مناسب نہیں تھا لہٰذا میں نے پرانایام کو منتخب کیا اور ہتھ یوگ کو آزمانے لگا۔ کنول آسن اور مین آسن کے بعد میں نے ہیڈ اسٹینڈ لگایا اور دس منٹ بعد میں دوبارہ بستر پر دراز ہو چکا تھا۔ اس وقت میرے اعضا اور اعصاب خاصے فرمانبردار ہو گئے تھے۔ میں نے دو چار گہری سانسیں لیں اور اپنے دماغ کو مخصوص ہدایت دینے لگا۔

''میں نہایت ہی پرسکون' گہری اور میٹھی نیند سوؤں گا لیکن اس دوران میں تم جاگتے رہو گے اور ٹھیک چھ بجے صبح تم مجھے ہشاش بشاش بیدار کر دو گے لیکن میری نیند کے وقفے میں اگر اس فلیٹ کے اندر کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آنے کے آثار پیدا ہوئے تو وقتِ مقررہ سے پہلے ہی تم مجھے اٹھا دو گے؟''

اس ہدایت کے اختتام پر میں گہری نیند میں ڈوب گیا۔

انسانی دماغ سب سے بڑا عجوبہ ہے۔ اگر یہ آپ کی ہدایات پر کان دھرنے لگے تو آپ حیرت انگیز کارنامے انجام دینے لگتے ہیں اور مجھے یقین ہے بلکہ میرا تجربہ ہے کہ تھوڑی سی پریکٹس کے بعد یہ آپ سے اور آپ کی ہدایت سے مانوس ہو جاتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد یہ آپ کی ہدایت پر عمل بھی کرنے لگتا ہے۔ خاص طور پر اس نوعیت کی ہدایت کہ میں سو رہا ہوں اور میرا دماغ جاگتا رہے گا' بڑے عجیب و غریب اور حیرت آفرین مناظر سے روشناس کراتی ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو آزما کر دیکھ لیں۔ لاشعور کی کرشمہ کاری آپ پر آشکار ہو جائے گی۔

☆☆☆

میرے دماغ نے کبھی مجھے دھوکا نہیں دیا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ میری ہدایت پر عمل نہ کرے۔ میں نے سونے سے قبل اسے تاکید کی تھی کہ وہ چھ بجے صبح مجھے بیدار کر دے لیکن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے محسوس کیا' کچھ گڑبڑ ہے۔ یکبارگی میری نگاہ دیوار گیر کلاک کی جانب اٹھ گئی۔

کلاک میں سوئیاں چار بجے کا وقت بتا رہی تھیں۔ اس کا یہی مطلب تھا کہ فلیٹ میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ چکا تھا یا پھر پیش آنے والا تھا۔ میں نے اس خیال کے ساتھ ہی ایک جھٹکے سے بستر چھوڑ دیا اور بیڈ روم میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن وہاں مجھے کسی بھی غیر معمولی واقعے کے آثار نظر نہ آئے۔ اس کا یہی مطلب تھا' فلیٹ کے کسی دوسرے حصے میں کوئی گڑبڑ تھی۔

میں بیڈ روم سے باہر نکل آیا۔ دونوں بیڈ رومز ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے مختصر سا لاؤنج تھا۔ پھر ڈرائنگ روم آتا تھا۔ میں نے سونے سے قبل دوسرے بیڈ روم کا دروازہ بند کر دیا تھا جو ہنوز بند تھا۔ میں نے احتیاطاً اس دروازے کو کھول کر اندر جھانکا' اس سے پہلے میں نے اندر کی لائٹ آن کر دی تھی لیکن مجھے وہاں کچھ بھی خلافِ معمول دکھائی نہ دیا۔ لاؤنج پر بھی میں ایک طائرانہ نظر ڈال چکا تھا۔ یاالٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟

اب آ جا کر ایک ڈرائنگ روم ہی بچا تھا۔ ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کے ساتھ ہی لاؤنج کے کنارے پر فلیٹ کا مین دروازہ تھا۔ یہ دروازہ بھی میں نے شہزاد علی کے جانے کے بعد اندر سے لاک کر دیا تھا اور وہ ابھی تک بدستور لاک ہی تھا۔ میں محتاط قدم اٹھاتے ہوئے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گیا اور پھر جیسے ہی میں نے دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں قدم رکھا' مجھے ایک جھٹکا لگا اور میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میری نگاہ نے ایک حیرت ناک منظر دیکھا۔

ڈرائنگ روم کے بڑے صوفے پر نقلی وجدان پھیل کر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ زیرلب مسکرانے لگا۔ اسے وہاں دیکھ کر مجھے غصہ بھی آیا اور جھنجلاہٹ بھی محسوس ہوئی۔ اس بات پر حیرت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ بند فلیٹ کے اندر کیسے گھس آیا تھا۔ اس سے پہلے وہ بہروپیا جن کمالات کا مظاہرہ کر چکا تھا یہ اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں تھا۔

جلد ہی میری جھنجلاہٹ اطمینان میں بدل گئی۔ میرے جی میں آئی کہ اچھا ہے' یہ ہاتھ آ گیا۔ اب اس سے بھی حساب کتاب ہو ہی جائے۔ دیکھتا ہوں' یہ کیا بپتا ہے!

زیرلب اس کی مسکراہٹ قدرے وسیع ہوئی اور آنکھوں میں بھی ایک بردبار چمک نے جگہ بنالی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرا دماغ پڑھ رہا ہو۔ اگلے ہی لمحے اس نے میرے اس خیال کا ثبوت پیش کر دیا۔

''میں خرید و فروخت میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا'' میری سماعت میں خود میری آواز نے سرگوشی کی ''اس لیے تم اس الجھن میں نہ پڑو کہ میں کیا بپتا ہوں؟''

اس کے انداز نے مجھے اکتاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ میں نے قدرے سخت لہجے میں دریافت کیا ''کون ہو تم؟''

وہ بدستور دھیمی مسکراہٹ کو ہونٹوں پر سجاتے ہوئے بولا

''میرا نام وجدان ہے..... اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

''تم جھوٹے ہو' فریبی ہو' بہروپیے ہو'' میں نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا ''تم وجدان کس طرح ہو سکتے ہو جبکہ اصلی وجدان تو میں ہوں۔''

وہ یکدم سنجیدہ ہوگیا ''نہ تم نقلی ہو اور نہ ہی میں کوئی بہروپیا ہوں۔ ہم دونوں ہی اصلی وجدان ہیں۔''

''یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم بہ یک وقت اصلی ہوں'' میرے لہجے میں درشتی اتر آئی ''ہم میں سے کوئی ایک اصلی ہے اور مجھے یقین ہے' میں ہی اصلی ہوں۔''

وہ ایک مخصوص قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ بولا ''چلو' میں تمہاری بات تسلیم کر لیتا ہوں۔ تم ہی اصلی وجدان ہو لیکن یہ راز میرے اور تمہارے درمیان دفن رہے' دوسرے اس سے آگاہ ہیں اور نہ ہی کوشش کے باوجود بھی اس سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ مجھے دیکھیں گے تو اصلی وجدان میں ہوں گا اور جب تم پر نظر جائے گی تو تمہیں اصلی وجدان سمجھیں گے۔ میں وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ اپنی پہچان میں بھی تبدیلی کرتا رہوں گا۔ دیکھ لو' آج میرا لباس وہ نہیں جو تم پہلے دیکھتے آئے ہو۔''

میں نے اس کے لباس پر ابھی تک توجہ نہیں دی تھی۔ اب غور کیا تو وہ واقعی مجھے دوسرے لباس میں نظر آیا۔ آج وہ سفید سوٹ میں نہیں تھا' نہ ہی اس نے سفید بوٹ پہن رکھے تھے۔ وہ سیاہ پتلون اور اسکائی بلیو شرٹ میں تھا۔ اس کی آنکھوں پر نظر آنے والا سیاہ چشمہ بھی غائب تھا۔ یہ بھی عین ممکن تھا' وہ فورڈ بلیو ڈی سرخ لینڈ کروزر میں بھی نہ ہو!

''تم بالکل درست سوچ رہے ہو'' وہ میرے چہرے پر نظر جماتے ہوئے بولا۔

''آج میں بائیک پر ہوں۔ میری ''جی پی۔ ہنڈریڈ'' نیچے کھڑی ہے۔ تم چاہو تو کھڑکی سے جھانک کر دیکھ سکتے ہو۔''

میں بے اختیار کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ پھر جب میں نے نیچے جھانکا تو اس کے انکشاف کی تصدیق ہوگئی۔ مین طارق روڈ پر اس کی نیلی بائیک جی پی ہنڈریڈ کھڑی تھی جس کے ہینڈل پر ایک ہیلمٹ بھی ٹنگا نظر آ رہا تھا۔ وہ رات کا آخری پہر تھا۔ روڈ غیر آباد تھی۔ اس کی بائیک سے تھوڑے فاصلے پر دو تین گاڑیاں اور بھی کھڑی تھیں جو یقیناً اسی اپارٹ منٹ بلڈنگ کے مکینوں کی ہوں گی جس کے سیکنڈ فلور پر میں مقیم تھا۔

میں واپس اس بہروپیے کی طرف پلٹا اور ایک صوفہ سنبھالتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا ''کیا تم سوچ پڑھنا جانتے ہو؟''

''میں قیافہ شناس اور فیس ریڈر ہوں'' اس نے جواب دیا ''چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیتا ہوں اور حتی الامکان درست اندازے لگاتا ہوں۔ کسی کے خیالات یا سوچ پڑھنے پر میں قدرت نہیں رکھتا۔''

میں نے توصیفی انداز میں کہا ''اگر تم محض قیافہ شناس ہو تو واقعی حیرت انگیز ہو۔''

''گویا تم اپنی تعریف کر رہے ہو'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

میں نے کہا ''نہیں بھئی! میں تمہاری طرح فیس ریڈر یا پُراسرار صلاحیتوں کا مالک نہیں ہوں۔ تم نے پچھلے چند دنوں میں مجھے جس طرح چکرایا ہے' اس سے میں واقعی الجھا ہوا ہوں۔''

''کیا میں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچایا ہے؟''

''ہرگز نہیں'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

''پھر تم مجھ سے اتنے شاکی اور برگشتہ کیوں ہو؟''

''میں تم سے شاکی نہیں بلکہ تمہاری حرکتوں کے طفیل میں ایک عجیب سی کوفت میں مبتلا ہوگیا ہوں۔'' میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''میں اپنے فطری تجسس سے مجبور ہوں۔ جب تک تمہاری اصلیت نہیں جان لوں گا' مجھے قرار نہیں آئے گا۔''

''اپنی اصلیت کے بارے میں' میں تمہیں بتا چکا ہوں'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''میں وجدان ہوں۔ تم میرے اندر کوئی خامی تلاش کرو۔''

میں نے اسے ٹٹولنے والی نظر سے دیکھا اور گمبھیر آواز میں کہا ''تمہارے اندر کی خامی پکڑنے کے لیے تمہیں اندر تک کھولنا ہوگا۔ فکر نہ کرو' میں بہت جلد تمہاری حقیقت تک پہنچ جاؤں گا۔ تم زیادہ دنوں تک مجھے فریب نہیں دے سکو گے۔''

اس کا چہرہ بجھ سا گیا اور آنکھوں میں دکھ لہرانے لگا۔ وہ خفگی آمیز لہجے میں بولا ''وجدان! تمہارا رویہ ٹھیک نہیں۔ میں نے ابھی تک تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی بلکہ تمہیں فائدہ ہی پہنچایا ہوگا'' وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''میں نے تمہیں ڈارلنگ نامی اس بلی کے شر سے بچایا' ساحل کی نشاندہی کی' پھر ڈیفنس والی کوٹھی پر تمہارے لیے راہ ہموار کی۔ تم میرے خلوص کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے' الٹا مجھ پر شک کر رہے ہو؟''

''تم نے جو کچھ کیا' اپنی مرضی سے کیا'' میں نے کہا۔

وہ بولا ''میں نے جو کچھ کیا' تمہاری بھلائی کے لیے کیا۔''

''اگر تم میرے اتنے ہی خیر خواہ ہو تو پھر مہربانی فرما کر مجھے اپنی اصلیت کے بارے میں صحیح صحیح بتا دو'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہا ''کیا تم کوئی اوریا نسمہ ٹائپ شے ہو؟ ویسے میری معلومات کے مطابق تم اوریا' نسمہ' ہم زاد یا پیکر لطیف کی تعریف پر پورے نہیں اترتے۔''

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''تمہاری معلومات بالکل درست ہیں۔ میں ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوں۔''

''پھر تم کیا ہو؟'' میں نے چڑ کر پوچھا۔

وہ ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولا ''میں تمہارا پرتو ہوں۔''

''پرتو!'' میں نے بے یقینی سے اسے دیکھا ''تم کہاں سے آ گئے بھئی؟''

وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا ''تم نے خود مجھے بیدار کیا ہے' اپنی یوگا اور چی کی مشقوں سے۔ تم مجھے چی کی ایک مادی شکل سمجھ لو۔''

میں حیرت اور دلچسپی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس پرتو کو دیکھ رہا تھا۔ پچھلے چند روز سے میں اپنے ساتھ عجیب و غریب کیفیات کو محسوس کر رہا تھا اور اسے چی کی ایڈوانس مشقوں کا ثمر سمجھتا تھا اور اب..... یہ پرتو بھی میرے احساسات کی تصدیق کر رہا تھا۔

میں نے اسے چند واقعات کے بارے میں مختصراً بتایا اور پوچھا ''کیا اس میں تمہارا کوئی ہاتھ ہے؟''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو'' وہ دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''میں بعض اوقات تمہارے بہت قریب آ جاتا ہوں لیکن تم مجھے دیکھ نہیں پاتے اور کبھی میں تم سے کچھ فاصلے پر چلا جاتا ہوں' جیسا کہ اس وقت میں یہاں موجود ہوں اور تمہیں نظر آ رہا ہوں کیونکہ اس وقت میں مکمل مادی شکل میں ہوں۔ جب میں مادی شکل میں نہیں ہوتا' تمہیں دکھائی نہیں دیتا' تم صرف مجھے محسوس کر سکتے ہو۔''

''تم کب تک مجھ سے چمٹے رہو گے؟'' میں نے بیزاری کا اظہار کیا۔

وہ رشا کی نظر سے مجھے دیکھنے لگا ''تم بہت سنگ دل ہو وجدان' میرے لیے ایسے سخت الفاظ استعمال کر رہے ہو جیسے میں خوامخواہ تمہارے پیچھے پڑ گیا ہوں حالانکہ میں تمہاری چی کی مشقوں کے نتیجے میں نمودار ہوا ہوں۔ میں تو ایک ایسی ڈھال ہوں جس سے تم بہت سے فائدے اٹھا سکتے ہو۔''

''مجھے ایسی ڈھال کی ضرورت نہیں جس کے اندر دار روکنے کی مکمل قدرت نہ ہو'' میں نے ایک خاص حوالے سے اس پر طنز کیا ''ایسی لنگڑی ہمدردی سے میں ایسے ہی اچھا ہوں۔''

وہ میرا اشارہ سمجھتے ہوئے بولا ''تم چوہدری دلدار کی کوٹھی پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں مجھے تنقید کا نشانہ بنا رہے ہو نا؟''

''کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے؟'' میں نے ترشی سے کہا ''اگر تمہیں معلوم تھا کہ ساحل اس کوٹھی پر موجود نہیں تو پھر ڈرامے کی کیا ضرورت تھی اور اگر تم اس حقیقت سے واقف نہیں تھے تو پھر تمہاری اس معذور دوستی کا مجھے کیا فائدہ؟''

''میں واقعی یہ نہیں جانتا تھا کہ ساحل کو اس کوٹھی سے کراچی روانہ کیا جا چکا ہے'' وہ ندامت آمیز انداز میں بولا ''ابھی میں پکا نہیں ہوا ہوں۔ تم باقاعدہ کسی استاد کی نگرانی میں چی کی مشقیں نہیں کر رہے ہو اس لیے میں بعض معاملات میں امپیجر ہوں اور تمہیں بھی مجھ پر تصرف حاصل نہیں۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میں نے اسے گھورا ''تصرف سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

وہ سادگی سے بولا ''یہی کہ تم اپنی مرضی سے مجھے اپنے پاس نہیں بلا سکتے اور نہ ہی اپنے حسب منشا مجھ سے کام لے سکتے ہو۔ میں ایک ایسا چینل ہوں جو کسی بھی وقت تمہارے ٹی وی پر ٹیون ہو جاتا ہوں اور اپنی بساط کے مطابق تمہاری مدد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

میں نے اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے مشتاق لہجے میں استفسار کیا۔ ''تم پر مکمل تصرف حاصل کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''کسی ماہر استاد کی زیر نگرانی اگر تم چی کی ایڈوانس مشقیں کرو تو یہ اختیار تمہیں حاصل ہو سکتا ہے'' وہ مشورہ دینے والے انداز میں بولا ''ورنہ تم اور میں اس معاملے میں یونہی ادھورے بھٹکتے رہیں گے۔''

''کیا تم اپنی مرضی سے مادی اور ماورائی حالت میں آ سکتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں'' وہ قطعیت سے بولا ''مجھے اس کا اختیار نہیں ہے البتہ اگر تم میرے مشورے پر عمل کرلو تو یہ قدرت حاصل کر سکتے ہو۔''

میں نے حقیقت بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا ''میرے پاس سونے اور کھانے کا وقت نہیں' کسی کامل استاد کو کہاں سے تلاش کروں اور پھر اس کی نگرانی میں کب چی کی ایڈوانس مشقیں کروں' کاش میرے استادِ محترم ماسٹر ہینگ پائی آج زندہ ہوتے تو وہ اس سلسلے میں میری مدد کرسکتے تھے۔ میں نے چی کے بارے میں جو کچھ سیکھا' ماسٹر ہینگ پائی ہی سے سیکھا تھا۔''

''آج کے انسان کے پاس ہر کام کے لیے وقت ہے لیکن عبادت' ریاضت اور محبت کے لیے اسے فرصت میسر نہیں'' میرے سامنے بیٹھا ہوا' بہ قول خود میرا پرتو برہمی سے بولا ''وہ اگر یہ تینوں یا ان میں سے کوئی ایک یا دو کام کرتا بھی ہے تو ریاکاری اور منافقت کے ساتھ۔ دنیا والوں کو دکھانے کے لیے' معاشرے کی نظر میں محترم اور معزز نظر آنے کے لیے جبکہ عبادت' ریاضت اور محبت کو بھی ناپ تول کر اور خانہ پُری کے لیے نہیں کرنا چاہیے۔ ان کاموں کی روح سے فائدہ اٹھانے کے لیے انہیں اختیار کرنا پڑتا ہے' پوری سنجیدگی اور ذمے داری کے ساتھ۔ پھر کہیں جا کر فیض حاصل ہوتا ہے۔''

میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا ''میرے ساتھ منتھی ہونے سے پہلے کیا تم کسی یونیورسٹی میں لیکچرر تھے؟''

''کیا میں نے کبھی تم پر اعتراض کیا کہ تم مارشل آرٹس اور یوگا پر لمبے لمبے بھاشن کیوں اور کیسے دے لیتے ہو؟'' وہ میرے سوال کی تہ میں پہنچتے ہوئے بولا ''مسٹر وجدان! میں تمہارا پرتو ہوں۔ تمہاری شکل وصورت' خوبو اور عادات و اطوار کی مکمل جھلک مجھ میں موجود ہے۔''

''یار مسٹر پرتو!'' میں نے بے تکلفی سے اسے مخاطب کیا ''تم میرا ایک کام کردو تو میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔''

وہ الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا گویا اس وقت وہ فیس ریڈنگ نہیں کررہا تھا اور نہ وہ میرے عزائم تک پہنچ جاتا۔ میں نے اسے گومگو کی کیفیت میں دیکھا تو وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''تم میرا پیچھا چھوڑ دو اور جہاں سینگ سمائیں' ادھر کا رخ کرلو۔ مجھے تمہاری مدد یا ہمدردی کی ضرورت نہیں۔''

اس نے برا سا منہ بنایا اور گہری سنجیدگی سے بولا ''تم نے مجھے اپنی بے سمت مشقوں سے ادھورا تخلیق کیا ہے۔ میں درمیان میں لٹک کر رہ گیا ہوں۔ نہ بااختیار ہوں اور نہ ہی بے اختیار۔ ادھر کا رہا نہ ادھر کا۔ اگر میں کچھ عرصہ اپنی طرح مطلق رہا تو بہت برا ہو جائے گا جس کا سب سے زیادہ نقصان صرف اور صرف تمہیں ہی پہنچے گا' وجدان!''

''مثلاً ایسا کیا ہو جائے گا؟'' میں نے متاسفانہ انداز میں پوچھا۔

وہ گمبھیر لہجے میں بولا ''اس کائنات میں نیکی اور بدی' دونوں قسم کی قوتیں کارفرما ہیں۔ سب سے زیادہ غیر محفوظ وہ ہوتا ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی' میری طرح معلق ہوتا ہے۔ اگر تم نے پوری سنجیدگی سے باقاعدہ چی کی ایڈوانس مشقیں کرکے مجھے حاصل نہ کیا تو اس بات کے امکانات ہیں' بدی کی کوئی قوت مجھے اپنے چنگل میں جکڑ لے۔ پھر میں اس قوت اور حالِ ہذا کی مرضی اور اختیار کے مطابق استعمال ہونے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ تمہارے دشمن مجھے تمہاری مخالفت میں بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ یہ بات تو طے ہے' تم نیکی اور سچائی کی نشانی ہو جبکہ تمہارے دشمن بدی اور ظلمت کی علامت ہیں۔''

''تم تو بہت خطرناک باتیں کررہے ہو؟'' میں واقعی تشویش میں مبتلا ہوگیا تھا۔

وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''میں حقیقت بیان کررہا ہوں جو سنگین اور تلخ ہی ہوتی ہے۔''

اچانک دل کی بات میری زبان پر آگئی ''کیا تم مجھے ساحل کے بارے میں بالکل درست معلومات فراہم کرسکتے ہو؟''

''تمہاری محبوبہ کے بارے میں' میں بھی اتنا ہی جانتا ہوں جتنا کہ تم۔ اس لیے آئی ایم سوری!'' وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔

میں نے خفگی آمیز نظر سے اسے دیکھا اور اور بیزاری سے کہا ''تم بالکل بے کار آدمی ہو۔ میں اگر چی کی ایڈوانس مشقیں باقاعدگی کے ساتھ کرکے تمہیں اپنے قابو میں نہ لاسکا تو پھر ان مشقوں کو ترک کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم سے نجات حاصل کرلوں گا۔ میں اس متذبذب اور غیر یقینی فضا میں رہ کر کسی سے کوئی کام بھی نہیں کرسکتا۔''

اس نے اپنے ہونٹوں کو کچھ اس انداز میں حرکت دی جیسے میری کسی بچکانا بات یا حرکت پر طنزیہ مسکرایا ہو۔ میں گہری نظر سے اسے مسلسل دیکھے جارہا تھا۔ اس کے لبوں کو جنبش ہوئی اور اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا ''ذرا اپنے عقب میں تو دیکھو!''

میں نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ بہرحال کی اس ہلکی حرکت پر مجھے بہت غصہ آیا۔ میں ایک جھٹکے سے اس کی جانب مڑا تاکہ اسے کھری کھری سناسکوں لیکن میری یہ خواہش حسرت میں بدل کر رہ گئی۔

وہ صوفہ میرا منہ چڑا رہا تھا جہاں ایک لمحہ پہلے میرا پرتو وہ نقلی وجدان بیٹھا مجھ سے مکالمہ کررہا تھا۔ میں نے بے اختیار پورے ڈرائنگ روم کو اپنی نظر سے چھان مارا۔ وہ صوفہ ہی نہیں بلکہ وہ کمرا بھی اس کے وجود سے خالی ہو چکا تھا۔

اسی وقت نیچے مین روڈ پر کسی موٹر سائیکل کے اسٹارٹ ہونے کی آواز ابھری۔ میں لپک کر ڈرائنگ روم کی کھلی کھڑکی میں پہنچا اور میری نگاہ نے اس کی رخصت کا منظر کیچر کرلیا۔ وہ آفت زادہ اپنی نیلی جی پی ہنڈریڈ پر سوار ہو کر' بڑی تیزی سے میرے وژن سے نکلتا چلا گیا۔

میں اپنے ہاتھوں میں سر کو تھام کر ایک صوفے پر ڈھے گیا۔

میں نے کوئی سیدھی سادی اور پُرامن زندگی نہیں گزاری تھی۔ آنکھ کھولتے اور ہوش سنبھالتے ہی ہنگاموں سے میرا واسطہ پڑ گیا تھا۔ جن قارئین نے ابتدا سے میری داستانِ حیات پڑھی ہے' وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ سنسنی خیزی اور ہنگامہ آرائی ہمیشہ میرے ہمرکاب رہی ہے۔ کیسا کیسا فائٹر اور اپنے فن کا ماہر میرے مدمقابل آیا۔ بھانت بھانت کے غنڈوں کو میں نے برتا اور پرکھا۔ زندگی کے اس کٹھن اور سنگین سفر میں بعض پُراسرار شخصیات سے بھی میرا تعلق رہا جو بے پناہ شکتیوں کے مالک تھے۔ گرینڈ ماسٹر ہینگ پائی' یوگی گوتم بھوش' پنڈت دھیراج اور نیلگری! لیکن اس نقلی وجدان نے مجھے گھما کر رکھ دیا تھا اور یہ کم بخت اپنی تخلیق کا ذمے دار بھی مجھے ہی ٹھہرا رہا تھا۔ اپنے بہ قول وہ میرا پرتو بن بیٹھا تھا۔

بہرحال وجدان کے بارے میں سوچتے ہوئے از خود میرا دھیان نیلگری کی طرف چلا گیا..... میرے بیان کردہ' حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک افراد میں نیلگری ہی باتی بچی تھی۔ ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ نقلی وجدان کے پیچھے کہیں نیلگری کا ہاتھ نہ ہو۔ جب ڈارلنگ چھم سے میری زندگی میں داخل ہوئی تھی تو اس وقت بھی ڈارلنگ کی پُراسرار حرکات کو دیکھتے ہوئے میں نے نیلگری کے بارے میں سوچا تھا لیکن ازاں بعد نیلگری نے اس کی تردید کردی تھی۔

نقلی وجدان کے حوالے سے نیلگری کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھے جلد ہی اپنا خیال رد کرنا پڑا۔ نیلگری نے ہمیشہ مجھے ساحل سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی جبکہ نقلی وجدان اس کے برعکس عمل کررہا تھا۔ اس کے افعال میں نیلگری کا دخل نہیں ہوسکتا تھا۔ ویسے بھی پربتوں کی شاہزادی نیلگری نے آخری ملاقات میں مجھ سے دھمکی نما وعدہ کیا تھا کہ وہ اب از خود میرے پاس نہیں آئے گی بلکہ مجھے اپنے پاس آنے پر مجبور کردے گی۔ مجھے ہمالیہ کی گود میں اس کے مسکن تک جانا ہوگا۔

نقلی وجدان کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھے اکتاہٹ سی ہونے لگی۔ ایک لمحے کے لیے تو میں نے یہی سوچا کہ آئندہ چی سے متعلق کوئی مشق نہیں کروں گا۔ اسی طرح خود ہی اس سے جان چھوٹ جائے گی لیکن اسی وقت پرتو کے کہے ہوئے سنگین الفاظ خطرے کی گھنٹی بن کر میرے ذہن میں گونجنے لگے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اگر واقعی وہ کسی بدی کی قوت کے ہتھے چڑھ گیا تو میرے لیے بڑی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔ بدی کی قوت کا مطلب یہی تھا کہ وہ میرے دشمنوں کے ہاتھ کا کھلونا بن جاتا اور میرے سامنے مصائب کا ایک وسیع و عریض در کھل جاتا پھر میں ساحل اور اس کی تلاش پر توجہ مرکوز رکھنے کے قابل نہ رہتا۔

میں نے آنکھیں کھولیں اور ایک جھٹکے سے صوفہ چھوڑ دیا۔ یہ آرام کرنے یا سوچوں میں گم رہنے کا وقت نہیں تھا۔ ڈرائنگ روم کی دیوار پر نصب کلاک صبح کے سوا پانچ بجا رہا تھا۔ میں اس مصمم ارادے سے اٹھا کہ آج ہی سے چی کی ایڈوانس مشقوں کو باقاعدگی سے کروں گا تاکہ جلد از جلد پرتو میرے تصرف میں آجاتا۔ میں اس سے کوئی کام لیتا کہ نہیں' یہ تو بعد میں سوچنے کی بات تھی۔ فوری طور پر کم از کم اتنا تو ہو جاتا کہ وہ دشمنوں کے کیمپ میں پہنچنے سے بچ جاتا۔

میں نے واش روم میں دس منٹ صرف کرکے خود کو فریش اپ کیا اور سانس کی مشق کے لیے تیار ہوگیا۔ فضا میں ابھی تک تاریکی کا بسیرا تھا۔ ان دنوں لگ بھگ سوا سات بجے صبح سورج طلوع ہوتا تھا۔ یہ وقت سانس کی مشق کے لیے انتہائی موزوں تھا۔ اس بیڈ روم کی ایک کھڑکی شمال کے رخ گیلری میں کھلتی تھی۔ میں نے وہ کھڑکی وا کی اور بیڈ روم کے قالین پوش فرش پر آلتی پالتی مار کر یعنی کنول میں بیٹھ گیا جو پدم آسن یا سکھ آسن بھی کہلاتا ہے۔

پرانایام کے فریم کو استعمال کرتے ہوئے میں سانس کی ابتدائی مشقیں کرچکا تھا جن میں اسٹروک بریتھنگ بھی شامل تھی۔ اب مجھے کچھ اور آگے بڑھنا تھا۔ ماسٹر ہینگ پائی کی تعلیمات میرے ذہن میں نقش تھیں۔ سانس کی نئی مشق میں مجھے اپنے ایک مخصوص غدود کو بھی کام میں لانا تھا۔ دماغ کے اگلے حصے میں' پیشانی کے عین وسط میں پایا جانے والا یہ

مخصوص غدود پینیل گلینڈ کہلاتا ہے جسے بعض لوگ تیسری آنکھ کا نام دیتے ہیں۔ یہ غدود خیالات کی ترسیل کے لیے..... بٹن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ہندو عورتیں اپنے ماتھے پر عین اسی مقام پر بندیا لگاتی ہیں جس کے عقب میں یہ غدود پایا جاتا ہے۔ اس مخصوص مقام پر لیا گیا یوسہ کیف آور اور نشاط انگیز احساس کو جنم دیتا ہے۔

پرانایام کے فریم میں کی گئی مشقوں میں سانس کھینچنا اور سانس چھوڑنا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے پدم آسن میں رہتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں اور دو چار گہری سانسوں کے بعد مخصوص مشق شروع کردی۔

''چی'' کا خفیہ قیام ناف کے عقب میں ریڑھ کی ہڈی کے آخری مہرے کے قریب ہے۔ میں نے اس مقام کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور سانس کھینچ کر اپنے پیٹ کو ہوا سے بھرلیا' اس کے بعد میں نے مقام چی پر ایک بھرپور اسٹروک لگا کر سانس کو خارج کردیا۔ متعدد بار یہ عمل دُہرانے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے چی کے مقام سے حرارت خارج ہورہی ہو۔ یہ کچھ اس قسم کا احساس تھا جیسے کسی بھٹی کے اندر رکھا ہوا لوہا گرم ہورہا ہو۔ جب اس ''لوہے'' کی تپش مجھے پورے پیٹ میں محسوس ہونے لگی تو میں نے سانس کا متبادل نظام قائم کردیا۔ اب میں ہوا کو پیٹ میں بھرنے کے بجائے پھیپھڑوں میں روک رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ تصور کررہا تھا کہ پیٹ کے زیریں حصے میں دہکتی ہوئی آگ کی آنچ دھیرے دھیرے سفر کرکے میری تیسری آنکھ یعنی پینیل گلینڈ کی جانب بڑھ رہی ہے۔ جیسے ہی وہ مخصوص تپش اس گلینڈ کو چھوتی' میں آہستہ آہستہ سانس خارج کرتے ہوئے بریتھنگ کا ایک سائیکل مکمل کرلیتا۔

اس عمل کے اثرات جلد ہی ظاہر ہونے لگے۔ میں نے اپنی پیشانی کو تپتا ہوا محسوس کیا۔ گویا چی اپنے پوشیدہ مسکن سے نکل کر دھیرے دھیرے پینیل گلینڈ کی سمت بڑھ رہی تھی..... اور اسے متحرک کررہی تھی۔ پانچ چکر لگانے کے بعد میں نے مشق ختم کردی۔ ابتدائی طور پر زیادہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ ماسٹر ہنگ پائی کے مطابق' تیز دوڑنے سے فائدے کے بجائے الٹا نقصان ہوسکتا تھا۔

میں ابتدائی مشقوں سے اپنی خوابیدہ چی کو بیدار کرچکا تھا۔ اب اسے آہستہ آہستہ دماغ کی طرف لاکر پینیل گلینڈ کو متحرک کرنا تھا تاکہ اپنی مرضی کے احکام کی ترسیل کو موثر اور یقینی بنایا جاسکے۔

میں نے مشق ختم کی تو بہت تھکاوٹ محسوس ہورہی تھی۔ آنکھوں میں نیند کا خمار بھی بھر چکا تھا۔ میں نے ایک بھرپور نیند لینے کا فیصلہ کیا اور بستر پر گر کر آنکھیں موند لیں۔ اس قسم کی دماغی اور روحانی مشقوں کے بعد آرام بہت ضروری ہوتا ہے۔

جلد ہی نیند کی صندلیں اور گداز بانہوں نے مجھے اپنی ریشمی گرفت میں جکڑ لیا۔

☆☆☆

وہ ایک چھوٹی بندوبین تھی۔ چھوٹے ٹرک سے مشابہ وہ دین بار برداری کے لیے استعمال ہوتی تھی جس کے سینے پر سرخ رنگ کے بڑے الفاظ میں ''PRESS'' لکھا ہوا تھا۔ مذکورہ وین منہاس باقر کی ملکیت تھی اور طبع شدہ اخبار کو پریس سے اخبار مارکیٹ تک لانے کا فریضہ انجام دیتی تھی لیکن اس وقت وہ ایک خاص مشن پر جارہی تھی۔

اس وین کے ڈرائیونگ کیبن میں صرف دو افراد موجود تھے۔ پسنجر زسیٹ پر میں براجمان تھا جبکہ اسٹیئرنگ شہزاد علی نے سنبھال رکھا تھا۔ تھوڑی دیر قبل میں نے فون کے ذریعے اس بات کی تصدیق کرلی تھی کہ میری امانت کو لاہور سے کراچی پہنچا دیا گیا تھا۔ اتفاق سے میری بات کراچی میں عنایت باجوہ سے ہوئی اور اسے یہاں پاکر مجھے شدید حیرت بھی ہوئی۔ میں نے جب حیرت کا اظہار کیا تو اس نے بے تکلفی سے کہا' یار تم جلدی سے آجاؤ۔ پھر تم ساری تفصیل جان لوگے..... اور میں جلدی سے اس گڈز فارورڈنگ ٹرانسپورٹ سروس کی جانب جارہا تھا جہاں عنایت باجوہ اور میری امانت فیصل موجود تھے۔

اس وقت شام کے سات بجے تھے۔ بندوبین کا بندوبست منہاس باقر نے کیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے فیصل کو ''ٹھہرانے'' کا بھی خاصا معقول اور تسلی بخش انتظام کردیا تھا۔ فیصل کو لاہور سے کراچی لانے میں اس کا مشورہ بھی شامل تھا۔ فیصل کو ایک زیرِتعمیر بنگلے میں رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ مذکورہ بنگلا منہاس کی ملکیت تھا جس کا تعمیری کام بہ وجوہ کچھ عرصے سے رکا ہوا تھا۔ یہ بنگلا اسی علاقے میں واقع تھا جہاں میں نے میاں زاہد حسین کو اغوا کیا تھا۔ شاید اس میں بھی قدرت کی کوئی مصلحت تھی کہ چوہدری نوازش علی کے خاص بندوں سے نمٹنے کے لیے ڈیفنس سوسائٹی کا وہ غیر آباد فیز مختص ہوچکا تھا۔

ہم باتیں کرتے ہوئے ٹاور کی سمت بڑھ رہے تھے۔ مذکورہ فارورڈنگ ایجنسی اسی علاقے میں واقع تھی۔ شہزاد خاصا پُرجوش اور خوش نظر آتا تھا۔ اس نے کہا ''وجدان! تم کراچی آئے ہو تو لگتا ہے' زندگی میں ایک نئی حرارت دوڑنے

لگی ہے۔ میں تو کافی دنوں سے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا' یقین جانو میں نے تمہاری وجہ سے اپنا پروگرام منسوخ کردیا ہے۔''

میں چونک اٹھا ''کون سا پروگرام؟'' میں نے استفسار کیا۔

''منہاس صاحب کی بیٹی کی شادی کے فوراً بعد یعنی آج میں جہلم جانے والا تھا'' اس نے بتایا ''کئی برسوں سے میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا لیکن تمہاری اچانک آمد اور فیصل کے حوالے سے ہونے والی کارروائی نے مجھے یہیں روک لیا۔ مجھے امید ہے' یہ مشن بہت ہی سنسنی خیز ثابت ہوگا اور ہاتھ پاؤں کھولنے کا بھرپور موقع ملے گا۔''

''حالات تو کچھ اسی قسم کی صورت دکھا رہے ہیں'' میں نے ذومعنی انداز میں کہا۔

یہ بات مجھے معلوم تھی کہ شہزاد علی کا تعلق ضلع جہلم سے تھا۔ وہ دس سال پہلے کراچی آیا اور پھر یہیں کا ہوکر رہ گیا۔ اس کے دیگر عزیز رشتے دار وہیں آباد علاقے میں تھے۔

''وجدان! میں نے سنا ہے' فیصل مارشل آرٹس کا بھی ماہر ہے؟'' شہزاد نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے جواب دیا ''تم نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔ اس نے اس میدان میں لگ بھگ دس سال لگائے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق وہ بلیک بیلٹ سیکنڈ ڈان ہے۔''

''کسی زمانے میں مجھے بھی جوڈو کراٹے سیکھنے کا بہت شوق تھا۔'' شہزاد نے بتایا ''میں نے ایک کلب میں داخلہ بھی لیا اور ان فنون میں خاصی حد تک مہارت بھی حاصل کرلی لیکن بلیک بیلٹ تک نہ پہنچ سکا۔ کراچی آنے کے بعد مصروفیت نے کسی طرف دھیان دینے کی فرصت ..دی البتہ کبھی کبھار ہاتھ پاؤں چلانے کا موقع ضرور مل جاتا ہے'' وہ چند لمحات کے لیے متوقف ہوا پھر پوچھنے لگا ''بلیک بیلٹ تو ماسٹرز کو دی جاتی ہے نا؟''

''ہاں' یہ ماسٹر بیلٹ کہلاتی ہے'' میں نے کہا ''اس کے بعد ڈان شروع ہوجاتے ہیں۔''

وہ ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے خیال افروز لہجے میں بولا۔ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا ''وہائٹ' یلو' اورنج' گرین' بلیو' براؤن' گولڈن براؤن اور بلیک .....لیکن میں تو گرین بیلٹ سے آگے نہ جاسکا۔''

''یہ بھی بہت ہے'' میں نے کہا ''شہزاد! مارشل آرٹس عمل کا نام ہے۔ جو شخص جتنی زیادہ پریکٹس کرتا ہے' وہ اتنا ہی پرفیکٹ ہوجاتا ہے۔ بیلٹ وغیرہ سے کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا۔'' پھر چند لمحات تک خاموش رہنے کے بعد میں نے اس سے استفسار کیا ''تم نے فواد کے معاملے میں کیا پیش رفت کی ہے؟''

وہ خیالات کی دنیا سے باہر آگیا ''میں نے اپنے جس دوست کا ذکر کیا تھا نا' اس کا نام سرمد ہے۔ میں آج دن میں اس سے جاکر ملا تھا اور مجھے معلوم ہوا ہے' فواد اس بلڈنگ کے فلیٹ نمبر چار سو دو میں غلام جیلانی نامی ایک شخص کے پاس آتا ہے..... اور آج کل وہ روزانہ ہی وہاں جارہا ہے۔''

یہ ایک اہم اطلاع تھی۔ میں نے شہزاد سے پوچھا ''تمہارا دوست سرمد کس فلیٹ میں رہتا ہے۔''

''تین سو دو میں۔'' اس نے بتایا۔

''یعنی سرمد والا فلیٹ، غلام جیلانی کے فلیٹ کے عین نیچے ہے؟''

''بالکل یہی بات ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر چند لمحات کے بعد کہا ''اگر فواد روزانہ ہی وہاں جارہا ہے تو پھر اسے شکار کیا جاسکتا ہے۔ گھات کے لیے سرمد کا فلیٹ خاصا موزوں ثابت ہوگا۔''

شہزاد نے ایک مرتبہ پھر میری تائید کی۔

میں نے کہا ''تم غلام جیلانی نامی اس شخص کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اگر فواد وہاں آرہا ہے تو عین ممکن ہے، غلام جیلانی بھی سی ایف کے سے وابستہ ہو!''

سی ایف کے (کرائم فری کراچی) نامی وہ ڈھکوسلا تنظیم شہزاد سے خفیہ نہیں رہی تھی۔ گلستان جوہر والے مشن میں وہ شعیب خوری اور اس کی تنظیم کے بارے میں کافی کچھ جان چکا تھا۔ مزید منہاس باقر نے بتادیا تھا کیونکہ وہ شہزاد پر بہت بھروسا کرتا تھا۔

ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ عنایت باجوہ ایک دبلے پتلے دراز قامت شخص کے ساتھ ایجنسی کے باہر ہی کھڑا نظر آگیا۔ مجھ پر نظر پڑی تو وہ سیدھا میرے پاس آگیا۔ اس دوران میں ہم گاڑی سے باہر آگئے تھے۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے پوچھا ''باجوہ جی! آپ یہاں کراچی میں؟''

''میں تمہاری حیرت ابھی دور کردیتا ہوں، بس اتنا سمجھ لو کہ یہ سب فرید پاشا کا کیا دھرا ہے۔'' وہ اپنی توند کو تھرتھراتے ہوئے بولا پھر میری جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہنے لگا ''اس وین کی چابیاں دو۔ جب تک تمہاری امانت اس وین میں منتقل ہو، ہم تھوڑی گپ شپ کرلیتے ہیں۔''

میں نے شہزاد کو اشارہ کیا تو اس نے چابیوں والا گچھا باجوہ کو دے دیا۔ باجوہ نے وہ چابیاں اپنے قریب کھڑے لمبے تڑنگے شخص کی جانب بڑھا دیں۔ وہ وہاں سے جانے لگا تو میں نے پوچھا۔

''کیا میری امانت کو کہیں اور رکھا گیا ہے؟''

''ہاں۔'' باجوہ نے اثبات میں گردن ہلائی ''احتیاط کے پیشِ نظر ایسا کیا گیا ہے۔ تم تو جانتے ہی ہو، سوراخ دار صندوق کا معاملہ کتنا حساس ہے۔ کسی کو اس کی بھنک بھی پڑ گئی تو ہم سب کے لیے بڑی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔ تم فکر نہ کرو۔ ابھی تھوڑی دیر میں یہ آدمی امانت کو تمہاری وین میں رکھ کر لے آئے گا۔ یہ تم نے اچھا کیا۔'' اس نے جاتی ہوئی وین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ''ایسے کاموں کے لیے بند گاڑی ہی مناسب رہتی ہے پھر تمہاری وین پر تو ''پریس'' کا لفظ کسی گارڈ کے مانند موجود ہے۔ مجھے امید ہے، تم اپنی امانت کے ساتھ بحفاظت منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ ادھر نزدیک ہی ایک دیئر ہاؤس میں تمہاری امانت کو رکھوا دیا تھا میں نے ایسے معاملات میں اس قسم کی احتیاط تو کرنا ہی پڑتی ہے نا۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا ''لیکن آپ کس چکر میں یہاں موجود ہیں؟''

اس نے جواب دینے سے پہلے سوالیہ نظر سے شہزاد علی کی طرف دیکھا۔ میں نے سرکی مخصوص جنبش سے باجوہ کو باور کرایا کہ شہزاد بھروسے کا آدمی ہے۔ وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''یہ سب فرید پاشا کی مہربانی سے ہوا ہے۔ آؤ، میں تمہیں کچھ اور بھی دکھاؤں!''

بات ختم کرتے ہی اس نے ایجنسی کے دفتر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ مجبوراً ہمیں بھی اس کی تقلید کرنا پڑی پھر جیسے ہی میں نے دفتر میں قدم رکھا، میں اچھل کر رہ گیا۔ ایک کرسی پر زرگل بیٹھی تھی۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ کھل اٹھی۔

''زرگل..... تم یہاں.....؟'' میں نے حیرت میں ڈوبے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

زرگل کے بجائے عنایت اللہ باجوہ نے کہا ''بتاتا ہوں، سب بتاتا ہوں یار۔ ذرا آرام سے بیٹھ تو جاؤ۔''

میں نے اور شہزاد نے کرسیاں سنبھال لیں۔ اس دوران میں وہ گوری چٹی پشتون دوشیزہ بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ یوں محسوس ہوتا تھا، اس کے منہ میں زبان نہ ہو۔ باجوہ نے مجھے اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

''تفصیلی باتیں تو تم اس لڑکی ہی سے پوچھنا۔ میں تو پاشا کی فرمائش پر اسے لاہور سے کراچی لایا ہوں اور اس کے لیے مجھے اپنی گاڑی میں ایک لمبا چوڑا سفر کرنا پڑا ہے۔ یقین جانو، میرے بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔'' وہ ایک لمحے کے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا ''چلو، ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا۔ اس طرح میں کراچی میں بہت سے لوگوں سے کاروباری ملاقاتیں بھی کرلوں گا۔ یہاں آنے کا بہانہ بن گیا ورنہ نکلنے کا موقع کہاں ملتا ہے.....''

''آپ فرید پاشا کی کسی مہربانی کا ذکر کر رہے تھے؟'' میں نے باجوہ کو پٹڑی سے اترتے ہوئے دیکھا تو یاد دہانی کے انداز میں کہا۔

''میں اسی طرف آ رہا ہوں۔'' وہ باتونی شخص جلدی سے بولا ''تمہارے جانے کے کچھ ہی دیر بعد زرگل میرے دفتر میں آ گئی اور مجھ سے کہنے لگی، میں بھی کراچی جاؤں گی۔ میں نے پوچھا، اس سلسلے میں، میں کیا کرسکتا ہوں؟ اس نے کہا، مجھے اناج والے ٹرک کے ساتھ جانے دو۔ یہ ایک عجیب اور ناممکن سی بات تھی۔ میں نے اسے ٹالنا چاہا تو اس نے کہا کہ میں فرید پاشا سے اس کی بات کرادوں۔ یہ پہلے تمہارے ساتھ میرے دفتر سے ہو کر جا چکی تھی اور بھائی..... آپ نے جس طرح مجھے آدھی رات سے گھما کر رکھا ہوا تھا اس سے آپ لوگوں کی اہمیت کا مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔ میں نے..... سیدپور میں فرید پاشا سے اس کی بات کرادی۔ اس نے پاشا سے پتا نہیں، کیا گفٹ پٹ کی کہ اس نے مجھے کہا، میں بھی ٹرک کے ساتھ کراچی جاؤں گا اور اس لڑکی کو اپنے ہمراہ لے کر جانا ہوگا۔ بس یہ ہے سارا قصہ!'' باجوہ نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور بولا ''اب تم اپنی صندوق بند امانت کے ساتھ ساتھ اس زبان بند امانت کو بھی وصول کرلو۔''

میں نے زرگل کو حیرت سے دیکھا اور پوچھا ''تم نے فون پر فرید پاشا سے کیا گفٹ پٹ کی تھی؟''

''بتا دوں گی، ذرا فرصت تو میسر آنے دو۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولی ''ابھی تو تمہیں بہت سے قصے سننا ہیں۔ میں اپنی داستان سنائے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گی!''

میں اس گلاب رنگت پشتون دوشیزہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ ابھی یہ کل صبح ہی کی تو بات تھی جب میں لاہور میں تھا۔ زرگل نے ہمارے ساتھ کراچی آنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور جب ہم نے اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا تو اس نے انتہائی غیر متوقع ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ یہ کہتے ہوئے گاڑی سے اتر گئی تھی، مجھے جانا ہوگا۔ میری منزل مجھے پکار رہی ہے!

میں نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا تھا کہ اتنی جلدی کراچی میں زرگل سے دوبارہ ملاقات ہو جائے گی۔ میں نے اس کے تیور سے بھانپ لیا کہ سرِدست وہ میرے کسی استفسار کا جواب نہیں دے گی لہٰذا میں نے سوال کرنے سے اجتناب برتا اور موجودہ صورتِ حالات پر غور کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے اطلاع دی گئی کہ میری امانت کے ساتھ بندوبین ایجنسی کے دفتر کے باہر پہنچ گئی ہے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر ہم سب دفتر سے نکل آئے۔ عنایت اللہ باجوہ نے اپنی ذمے داری نبھاتے ہوئے مجھے امانت چیک کروائی اور کہا۔

''اس صندوق کی سیٹنگ سے پہلے میں نے احتیاطاً اس کے اندر کھانے پینے کی چند اشیا بھی رکھ دی تھیں تاکہ اگر یہ بندہ ہوش میں آ جائے تو ان اشیا پر منہ مار سکے۔ میرے خیال میں اس نے کچھ ''منہ ماری'' کی کوشش تو کی ہے!''

میں نے بغور اس صندوق کے اندر موجود فیصل کا جائزہ لیا اور باجوہ کی بات سے اتفاق کرنا پڑا۔ ہاتھ پاؤں بندھے ہونے کے باوجود بھی اس نے منہ کے ذریعے اپنے معدے میں کچھ اتارنے کی کوشش کی تھی۔ باجوہ نے مذکورہ اشیا اس کی ''پہنچ'' میں رکھی تھیں۔ اس وقت فیصل نیم بے ہوش تھا۔ اس تالا بند صندوق کی چابی میرے پاس محفوظ تھی۔

میں نے عنایت اللہ باجوہ کا بے حد شکریہ ادا کیا اور اس سے ایک بھرپور مصافحہ کرنے کے بعد وہاں سے چلا آیا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ واپسی کے سفر میں زرگل بھی ہمارے ساتھ تھی۔ وین کا ڈرائیونگ کیبن خاصا کشادہ تھا۔ زرگل کھڑکی کی یعنی شیشے والی سائیڈ میں میرے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بدستور خاموش اور سنجیدہ تھی۔

میں نے محسوس کیا، شہزاد کن انکھیوں سے کئی بار الجھن زدہ انداز میں زرگل کو دیکھ چکا تھا پھر اس کی تشویش زبان پر آ گئی۔ مجھ سے کہنے لگا۔

''وجدان! میں ان محترمہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میری بات کو محسوس نہ کرنا۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں، کیا انہیں اس بنگلے پر لے جانا مناسب ہوگا؟''

بنگلے سے اس کی مراد وہ زیرِ تعمیر عمارت تھی جہاں ہم نے فیصل کو رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے کہا ''ان محترمہ کے بارے میں جان لو کہ یہ بڑی دشمن دار اور جنگ جو خاتون ہیں لہٰذا اس مشن میں ان کی موجودگی سے کوئی حرج نہیں ہوگا۔ ویسے بھی یہ فیصل والے معاملے سے اچھی طرح واقف ہے۔ تم اسے اپنا بااعتماد ساتھی بھی سمجھ سکتے ہو۔''

شہزاد نے ایک گہری سانس خارج کی اور مطمئن انداز میں گردن ہلانے لگا۔

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ہم بنگلے پر پہنچ گئے۔

وہ بنگلا ڈیفنس سوسائٹی کے ایک ایسے فیز میں تھا جو ابھی پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا۔ مکمل اور در رہائش کے قابل بنگلوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی اور جو بنگلے واقعی تیار تھے ان میں بھی ضروری نہیں تھا، رہائش اختیار کر ہی لی گئی ہو۔ منہاس باقر والا بنگلا اپنی تعمیر کے آخری مراحل میں تھا۔ نہ میں نے پوچھا اور نہ ہی منہاس نے بتایا کہ اس بنگلے کی تعمیر کا کام کیوں روک دیا گیا تھا۔

شہزاد نے بنگلے کے گیٹ کے نزدیک وین روکی اور ایک مخصوص انداز میں ہارن بجایا۔ اس کے بعد گیٹ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ لگ بھگ پندرہ سیکنڈ بعد ایک گن بردار شخص گیٹ پر نمودار ہوا اور اس نے ہمارے لیے گیٹ وا کر دیا۔ ہم وین سمیت بنگلے کے اندر پہنچ گئے۔ گیٹ دوبارہ بند ہو گیا۔

منہاس باقر نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اس بنگلے کا انتخاب کیا ہوگا۔ شہزاد نے مجھے بتایا کہ وہ پہلے بھی وہاں آتا رہا تھا۔ میں نے شہزاد اور گن بردار شخص کی مدد سے فیصل والے سوراخ دار صندوق کو بنگلے کے ایک دو افتادہ کمرے میں پہنچایا۔ اس کمرے کے ایک حصے میں فرش سے چھت تک پرانے اخبارات کے بنڈل رکھے ہوئے تھے۔ منہاس باقر شاید اسے گودام کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا، بنگلے کے مزید دو کمرے اخبارات کے بنڈلوں سے بھرے ہوئے تھے۔

ہم نے صندوق کھول کر فیصل کو باہر نکالا۔ اس کی حالت دیدنی تھی۔ اب وہ پوری طرح ہوش میں آ چکا تھا لیکن اس کی کسمپرسی مثالی تھی۔ وہ جتنے طویل اور تکلیف دہ سفر کے بعد وہاں پہنچا تھا اس نے فیصل کی مت ماردی تھی اور..... صندوق نشین ہونے سے پہلے بھی اس کے ساتھ خاصا شان دار سلوک ہو چکا تھا۔

جتنی دیر میں، میں فیصل کی بندشیں کھولتا، شہزاد نے بنگلے کے اندر سے ضروری سامان مہیا کر دیا جس کا پہلے سے بندوبست کیا گیا تھا۔ اس دوران میں گن بردار رکھوالا مسلسل فیصل کو اپنے نشانے پر رکھے رہا تاکہ وہ کسی مہم جوئی کے خیال سے باز رہے۔

میں نے شہزاد کے فراہم کردہ سامان میں سے ایک ہتھکڑی نکالی اور فیصل کے دونوں ہاتھ پشت پر لے جا کر اسے یہ آہنی زیور پہنا دیا۔ وہ اگرچہ ہوش میں تھا لیکن گن پوائنٹ پر

اس نے کسی جرأت مندی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تاہم اس نے ہاتھ پاؤں جھٹک کر کمزور سا احتجاج ضرور کیا۔ بہرحال، وہ صندوق والی زندگی کی بہ نسبت اب خاصے اچھے حال میں تھا۔ میں نے تھوڑی سی کوشش کر کے اس کے پاؤں میں بیڑی پہنا دی پھر ایک مضبوط آہنی زنجیر کو ہتھکڑی اور بیڑی کے ساتھ باہم منسلک کرنے کے بعد اس زنجیر کا دوسرا سرا چھت میں لگے ہوئے کنڈے میں پھنسا دیا۔ اس زنجیر کی لمبائی اتنی تھی کہ فیصل اس کمرے میں دو چار قدم چل سکتا تھا۔

گن بردار شخص نہایت ہی چوکنا نظر سے مجھے یہ کارروائی کرتے ہوئے دیکھتا رہا اور جب میں اس کام سے فارغ ہوا تو اس نے ستائشی لہجے میں کہا۔

''سر جی! آپ نے تو اس نوجوان کو ایسا فٹ کر دیا ہے کہ اس کی نگرانی کی ضرورت بھی نہیں رہی۔''

''لیکن اس کے باوجود بھی تم اس کی طرف سے کسی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرو گے۔'' میں نے تنبیہی انداز میں کہا ''تم نہیں جانتے، یہ کتنا خطرناک ہے۔ اسے بے دست و پا دیکھ کر کسی خوش فہمی میں نہ پڑ جانا۔''

''اوکے سر!'' وہ فرماں برداری سے بولا ''آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں اپنے کام کے ساتھ پورا انصاف کرتا ہوں۔''

شہزاد نے کہا ''وجدان! سہیل اپنے فن کا ماہر ہے۔ مجھے امید ہے، امن و امان کی کوئی صورتِ حال پیش نہیں آئے گی، ویسے میں بھی پیش تر وقت اسی بنگلے پر گزاروں گا۔ یہ سور ما کوئی غلط حرکت نہیں کر سکے گا۔'' اس کا اشارہ واضح طور پر فیصل کی جانب تھا۔

''تم ٹیپ ریکارڈر اور کیسٹ لے آؤ'' میں نے شہزاد سے کہا ''تاکہ ہم اپنا اہم کام شروع کر سکیں۔ میرے خیال میں اب یہ بولنے کے قابل ہو گیا ہے۔''

اس بنگلے میں فون تو موجود تھا لیکن میں دانستہ چوہدری نوازش علی کو فیصل کی آواز براہِ راست سنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے لیے یہ ''ریکارڈڈ'' جھلکیاں ہی کافی ہوتیں اور اگر وہ زیادہ ہی ضد کرتا تو پھر بعد کی بعد میں دیکھی جاتی۔ اس بنگلے کے آس پاس دور دور تک کوئی اور بنگلا نظر نہیں آتا تھا لیکن منہاس باقر نے اپنے تعلقات اور اختیارات استعمال کر کے اس ادھورے بنگلے میں بھی فون کی سہولت حاصل کر لی تھی۔ تعلقات اور اختیارات ایک طرح سے حل المشکلات ہوتے ہیں جو ہر ناممکن کو چٹکی بجاتے میں ممکن کر دکھاتے ہیں!

عنایت اللہ باجوہ نے مجھے بتایا تھا، کراچی پہنچنے کے بعد اس نے فیصل کو چند گھونٹ پانی بھی پلایا تھا۔ میں نے دوبارہ اسے تھوڑا کھلایا پلایا تاکہ وہ بات کرنے کے قابل ہو سکے۔ اس میں ذرا تو انائی آئی تو وہ نفرت آمیز نظر سے مجھے گھورنے لگا۔ میں نے اس کے پوری طرح بحال ہونے کا انتظار کیا پھر ٹیپ ریکارڈر میں کیسٹ لگا کر ریکارڈنگ کا بٹن دبا دیا۔

فیصل بے بسی اور لاچاری کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ تاہم اس کی رگوں میں چوہدری نوازش علی کا خون دوڑ رہا تھا لہٰذا اس کی پھنکار میں کوئی کمی نہ آئی۔ آواز دھیمی مگر تنتناہٹ وہی تھی، فرعونیت کا خمار! اور اپنے سامنے کسی کو کچھ نہ سمجھنے والا۔ وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

''تمہیں اندازہ نہیں وجدان، تمہاری اس حرکت کا کتنا بھیانک نتیجہ سامنے آئے گا۔''

میں نے کہا ''میں نے بزرگوں سے سن رکھا ہے، حرکت میں برکت ہے اس لیے مصروف رہنے کی کوشش کرتا ہوں اور جہاں تک کسی بھیانک نتیجے کی برآمد کا تعلق ہے تو مجھے یقین ہے، وہ صرف اور صرف تمہارے لیے ہی بھیانک ہوگا۔''

وہ چند لمحے کینہ توز نظر سے مجھے دیکھتا رہا پھر غصے سے بولا ''میں نے تمہاری بہادری اور شجاعت کے بہت قصے سنے ہیں لیکن تمہارے رویے کو دیکھ کر لگتا ہے، وہ سب جھوٹے فسانے تھے۔ تم درحقیقت بہت ہی بزدل ہو، بالکل اپنے باپ کی طرح!''

وہ والد صاحب کا ذکر چھیڑ کر مجھے تاؤ دلانا چاہتا تھا لیکن میں اس کی چال میں نہ آیا اور کہا ''تم نے میرے کس رویے سے اندازہ لگایا کہ میں بزدل ہوں؟''

''کیا تم اسے بہادری سمجھتے ہو کہ مجھے آہنی زنجیروں میں جکڑ کر خود کو فاتح تصور کر رہے ہو؟'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا ''اگر تم نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہے تو پھر میرے ہاتھ پاؤں کھول کر دیکھو، میں تمہیں بتاؤں گا کہ اصل بہادری کیا ہوتی ہے۔ تمہیں چیر پھاڑ کر نہ رکھ دیا تو میرا نام فیصل نہیں۔''

اس نے مجھے غصہ دلانے کے لیے والد صاحب کے بعد میری والدہ کا تذکرہ کیا تھا لیکن میں اس کی چال سمجھ رہا تھا اس لیے کہا ''میں تمہیں اپنی بہادری آزمانے کا پورا موقع دوں گا فیصل لیکن فی الحال یہ ممکن نہیں۔ دراصل میرے نزدیک عیبی جانور کی نہ تو قربانی جائز ہے اور نہ ہی لاچار دشمن پر ہاتھ اٹھانا۔''

''میں لاچار اور بے بس نہیں ہوں۔'' وہ پوری ڈھٹائی سے بولا ''مجھے آزاد کر کے دیکھ لو۔ میں دو منٹ میں تمہیں چھٹی کا دودھ یاد دلا دوں گا۔''

میں نے متحمل لہجے میں کہا ''اگر تم بے بس اور مجبور نہیں

ہو تو پھر خود ہی آزاد ہو جاؤ۔''

اس نے مجھے ایک غلیظ گالی دی۔ اس کی اس حرکت پر شہزاد نے اسے دھنک کر رکھ دیا۔ میں نے فوراً شہزاد کا ہاتھ روک لیا اور فیصل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سفاکی سے کہا۔

''میں نے تمہاری یہ تعلیاں اور گیدڑ بھبکیاں سننے کے لیے ریکارڈنگ شروع نہیں کی۔ اگر تم اس کیسٹ کے ذریعے اپنے باپ کے لیے کوئی پیغام ریکارڈ کروانا چاہتے ہو تو مختصر الفاظ میں بک دو ورنہ میں ٹیپ بند کر رہا ہوں۔''

وہ ایک مطلق العنان چوہدری کا اکلوتا بیٹا تھا۔ آج تک کسی نے اس لہجے میں اس سے بات نہیں کی ہوگی۔ میرے انداز پر وہ تلملا کر رہ گیا اور بے دریغ مغلظات پر اتر آیا۔ میں نے پندرہ بیس سیکنڈ تک اس کی بے ہودہ گوئی کو ریکارڈ کیا اور ریکارڈنگ ختم کرتے ہوئے کہا۔

''تم نے اس مہلت کو اپنے خاندانی پس منظر کو اجاگر کرنے میں ضائع کر دیا۔ تمہاری یہ بکواس جو بھی سنے گا، یہی کہے گا کہ تم بہت ہی گھٹیا اور کمینے ہو۔'' میں نے چند لمحات کے لیے توقف کیا پھر سنجیدگی سے کہا ''میں اس پندرہ بیس سیکنڈ کی ریکارڈنگ کو چھوڑ کر باقی کیسٹ صاف کر دوں گا اور تمہارے باپ کو یہی حصہ سناؤں گا۔ ہو سکتا ہے، ذلالت کے میدان میں وہ تمہیں انڈر اسٹیمیٹ کر رہا ہو۔ اس کیسٹ کو سننے کے بعد اسے پتا چلے گا کہ تم اس سے چار ہاتھ آگے ہو اور..... میں چوہدری کو یہ باور کرانے میں خاصی آسانی محسوس کروں گا کہ اگر اس نے میرا مطالبہ پورا نہ کیا تو اس کے بیٹے کو کس دردناک عذاب سے گزرنا ہوگا۔ ابھی تو تم نے صرف بھونکنا شروع کیا ہے۔ میں تمہیں اس قدر عاجز کر دوں گا کہ تم کاٹنے پر اتر آؤ گے اور کاٹو گے بھی خود کو، نوچو گے بھی خود کو۔''

اس کے منہ سے ایک مرتبہ پھر گالیوں کا گٹر ابلنے لگا۔ میں اسے گارڈ سہیل کے رحم و کرم پر چھوڑ کر شہزاد کے ساتھ اس کمرے سے نکل آیا۔ ایک دوسرے کمرے میں آنے کے بعد میں نے اس سے کہا۔

''شہزاد! میں نے فیصل کو آہنی زنجیر کا پابند بنا کر بے بس کر دیا ہے۔ وہ اس کمرے میں دو چار قدم سے زیادہ حرکت نہیں کر سکتا اور وہ بھی ایک محدود دھجے میں۔ اس بات کی امید تو نہیں کہ وہ خود کو آزاد کرا لے گا یا کسی قسم کی گڑبڑ پھیلائے گا لیکن میں صرف ایک گن بردار پر تکیہ نہیں کر سکتا جبکہ میں سہیل کی صلاحیت سے پوری طرح واقف بھی نہیں۔ میں یہ چاہوں گا، تم ہمہ وقت یہاں موجود رہو کم از کم اس وقت تک جب تک میں چوہدری نوازش علی سے مذاکرات نہیں کر لیتا۔''

''ٹھیک ہے، یہ میں کر لوں گا'' شہزاد نے کہا ''ہم فیصل کے سلسلے میں کسی قسم کا کوئی رسک نہیں لیں گے۔''

میں نے کہا ''آج کی رات میں طارق روڈ والے فلیٹ پر گزاروں گا اور تمہیں ریلیف دینے کے لیے کل یہاں آ جاؤں گا۔ تم کل کا پورا دن آزادانہ گزارنا اور اس دوران میں زیادہ وقت اس کام کو دینا جو خود سے متعلق ہے۔''

شہزاد کو میری یہ تجویز پسند آئی۔ پوچھنے لگا ''فیصل کے بارے میں کوئی خاص ہدایت؟''

میں نے تاکیدی انداز میں کہا ''اسے کبھی بے بس اور کمزور نہ سمجھنا۔ بلیک بیلٹ سیکنڈ ڈان کسی بھی وقت کوئی چمتکار دکھا سکتا ہے۔ تمہیں ہر وقت چوکنا اور چوکس رہنا ہوگا۔ یہ الٹی سیدھی بکواس کر کے تمہیں طیش دلا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں تحمل اور برداشت سے کام لینا اور اس کے قریب جانے کی کوشش نہ کرنا، یہی ہدایت گارڈ سہیل کے لیے بھی ہے۔ فیصل سے ہر چال کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

میں چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا۔ شہزاد پوری توجہ سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا ''بس آج کی رات اہم ہے۔ کل رات سے پہلے پہلے میں بازی کو پلٹ دوں گا۔ چوہدری نوازش علی کو میرے سامنے گھٹنے ٹیکنا ہوں گے۔ اگر اس نازک موقع پر اس نے کسی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو وہ اپنے بیٹے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دے گا۔''

پھر میں نے شہزاد کو فیصل کے کھانے پینے کے بارے میں چند ضروری باتیں بتائیں اور گہری سنجیدگی سے کہا ''فیصل ہمارے لیے اور چوہدری نوازش کے لیے بہت قیمتی ہے، اس لیے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اگر چوہدری کی عقل میں میری بات آ جاتی ہے تو ہمیں فیصل کو صحیح و سالم واپس کرنا ہوگا۔ اس کی تندرست واپسی سے ساحل کا حصول منسلک ہے۔ میں اپنی ساحل کو کوئی گزند پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔''

شہزاد معنی بھرے انداز میں سر کو اثباتی حرکت دینے لگا۔ وہ منہاس باقر کا معتمدِ خاص تھا اور اس کے بہت قریب بھی اس لیے ساحل والا معاملہ اس سے چھپا ہوا نہیں تھا۔ مزید چند منٹ وہاں گزارنے کے بعد میں زرگل کے ساتھ اس بنگلے سے نکل آیا۔

شہزاد نے بہت اصرار کیا کہ وہ مجھے فلیٹ پر چھوڑ آتا ہے لیکن میں نے اس کی بات نہ مانی اور کہا ''ہم دونوں میں سے کسی ایک کا ہر وقت یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔ میں تھوڑا پیدل چل لوں گا تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔ یہ علاقہ میرا

دیکھا ہوا ہے۔ تھوڑے فاصلے سے مجھے ٹیکسی مل جائے گی۔''

میں ڈیفنس سوسائٹی کے اس غیر آباد فیز میں صرف ایک مرتبہ پہلے آیا تھا لیکن اس علاقے کا نقشہ بڑی حد تک میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ میں زرگل کے ساتھ چلتے ہوئے ایک کشادہ سڑک پر نکل آیا۔ اس دوران میں ایک دو خالی ٹیکسیاں ہمارے قریب سے گزریں لیکن میں نے کسی کو روکنے کی کوشش نہیں کی تو زرگل خاموش نہ رہ سکی۔

''کہاں تک پیدل چلاؤ گے وجدان؟'' اس نے دھیمے لہجے میں استفسار کیا۔

میں نے بڑی گہری نظر سے اسے دیکھا اور کہا ''کیوں، کیا پیدل چلنے میں تمہیں کوئی دقت محسوس ہو رہی ہے؟''

''ایسی بات نہیں'' وہ جلدی سے بولی۔

میں نے پوچھا ''کیا تم پہلے کبھی کراچی آئی ہو؟''

اس نے نفی میں جواب دیا ''یہ پہلا موقع ہے اور خاصا ہنگامہ پرور موقع ہے۔''

''تو پھر یہاں کے علاقوں اور راستوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی کوشش کرو'' میں نے اندھیرے میں دور تک دیکھتے ہوئے کہا ''میں بھی یہ پہل قدمی اسی مقصد سے کر رہا ہوں۔''

وہ چند لمحے میرے ہم قدم خاموشی سے چلتی رہی پھر اس نے پوچھا ''کیا طارق روڈ تک ہم یونہی چہل قدمی کرتے ہوئے جائیں گے؟''

ٹاور سے ڈیفنس سوسائٹی کے اس بنگلے تک آنے کے دوران میں ہمارے درمیان ابتدائی گفتگو ہو چکی تھی اور میں نے زرگل کو بتایا تھا، میں طارق روڈ پر ایک فلیٹ میں رکا ہوا ہوں۔

میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''طارق روڈ یہاں سے خاصا دور ہے۔ وہاں تک پیدل جانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ اب جو بھی ٹیکسی نظر آئے گی، ہم اس میں بیٹھ جائیں گے۔''

آئندہ دس منٹ میں کوئی ٹیکسی ہماری نگاہ میں نہ آ سکی اور چہل قدمی کا شوق جی بھر کر پورا ہو گیا۔ پھر ہم ایک یلو کیب میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

جب ہم طارق روڈ پہنچے، رات کے سوا نو بجے تھے۔ فلیٹ پر جانے سے پہلے میں نے ڈنر کرنا ضروری سمجھا اور زرگل کو لے کر ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں گھس گیا۔ اس وقت طارق روڈ پوری طرح جاگ رہا تھا اور ہر طرف رنگ و روشنی کا ایک سیلاب سا آیا ہوا تھا۔ طارق روڈ بنیادی طور پر شاپنگ ایریا ہے۔ یہ مارکیٹ خاصی دیر سے کھلتی ہے، اسی لیے رات گئے تک کھلی رہتی ہے۔ جن علاقوں میں شاپنگ کے لیے آنے والوں کا رش ہو وہاں ریسٹورنٹس اور کھانے پینے کے دیگر اسپاٹس کی بہتات ہوتی ہے۔ کراچی والوں کا یہ مزاج ہے کہ وہ شاپنگ کو ایک تفریح سمجھ کر کرتے ہیں اور خورونوش ہر تفریح کا لازمی جز ہے۔

ہم جس ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے آئے تھے، وہاں سیلف سروس کا سسٹم تھا چنانچہ میں نے زرگل سے اس کی پسند دریافت کی اور اسے ایک میز پر چھوڑ کر خود کاؤنٹر کی جانب بڑھ گیا۔

کاؤنٹر پر لوگوں کے جمِ غفیر کو دیکھ کر لگتا تھا، آج پورا کراچی یہیں ڈنر کرے گا۔ میں اپنا آرڈر نوٹ کروانے کے لیے ادائی کاؤنٹر کی جانب آیا تو لوگوں کے ہجوم میں ایک شناسا چہرے کو دیکھ کر چونک اٹھا۔

وہ فواد تھا اور اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک مہ جبیں بھی تھی اور وہ ابھی ریسٹورنٹ میں داخل ہی ہوئے تھے۔ ایک لمحے میں مجھے اندازہ ہو گیا، فواد کی نظر مجھ پر نہیں پڑی تھی ورنہ وہ اتنے اطمینان میں نہ رہتا۔ گلستان جوہر والے فلیٹ میں جس طرح میں نے اس کی درگت بنائی تھی وہ اس کے لیے ناقابلِ فراموش تھی۔ شہزاد کی تحقیق کے مطابق آج کل وہ گارڈن ایسٹ کے ایک فلیٹ کے چکر لگا رہا تھا اور ریسٹورنٹ میں آنے کا صرف ایک ہی مقصد تھا، وہی جس مقصد سے ہم وہاں پہنچے تھے۔

فواد اپنی ساتھی سے سرگوشیاں کرنے لگا تو میں انہیں نگاہ میں رکھتے ہوئے زرگل کی طرف بڑھ گیا۔ وہ مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر چونکی لیکن اس کے کسی سوال سے پہلے ہی میں نے کہا۔

''ہم اس ریسٹورنٹ کے اندر بیٹھ کر نہیں کھا سکیں گے۔''

وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔ میں نے اپنے پرس میں سے کچھ رقم نکالی اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مزید کہا ''میں ریسٹورنٹ سے باہر فٹ پاتھ پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم مطلوبہ کھانا پیک کروا کے باہر آ جاؤ۔ پروگرام میں اس تبدیلی کی وجہ بعد میں بتاؤں گا۔ ہری اپ، سمجھ لو..... ایک ایمرجنسی ہے۔''

میرے اسٹائل نے اسے باور کرا دیا کہ کوئی بڑی گڑبڑ ہو چکی تھی یا ہونے جا رہی تھی۔ وہ رقم پکڑ کر فوراً کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔ میں محتاط نظر سے فواد کو تکتے ہوئے ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ مجھے دیکھ نہیں سکا تھا ورنہ صورتِ حال خاصی تبدیل ہو جاتی۔

ریسٹورنٹ سے باہر آنے کے بعد میں نے داخلی دروازے کو نگاہ میں رکھتے ہوئے کسی ٹیکسی کی تلاش شروع کردی۔ جلد ہی مجھے اس کوشش میں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میرے نزدیک ہی ایک ٹیکسی آکر رکی۔ اس نے تین مسافروں کو ڈراپ کیا۔ میں فوراً آگے بڑھ کر ڈرائیور سے مذاکرات کرنے لگا۔

''مجھے چند گھنٹوں کے لیے تمہاری ٹیکسی چاہئے'' میں نے ڈرائیور سے کہا۔

''کہاں جائیں گے؟'' ادھیڑ عمر ٹیکسی والے نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے کہا ''اس کا فیصلہ میں نے ابھی نہیں کیا۔ کہیں بھی چلے جائیں گے۔''

میں ٹیکسی ڈرائیور سے بات کرتے ہوئے چوکنا نظر سے ریسٹورنٹ کے دروازے کو بھی دیکھ رہا تھا۔ میرے جواب نے ٹیکسی والے کو الجھا دیا۔ اس نے کہا ''کہیں بھی چلے جائیں گے' کیا مطلب؟''

میں نے ایک فوری بہانہ تراشا ''وہ دراصل بات یہ ہے کہ اس وقت میں اپنی ایک دوست کے ساتھ ہوں۔ وہ ریسٹورنٹ سے کھانا لینے گئی ہے۔ ہم تمہاری ٹیکسی میں بیٹھ کر کچھ کھائیں پئیں گے اس کے بعد سڑکوں کی سیر کریں گے اور بس!''

ٹیکسی ڈرائیور نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور کہا ''ٹھیک ہے' میٹر سے جو بنے، دے دینا'' وہ مجھے کوئی من چلا سمجھا ہوگا جو گرل فرینڈ کے ساتھ ڈیٹ پر ہو۔

میں نے کہا ''میٹر کے حساب سے تمہارا نقصان ہوجائے گا۔ ممکن ہے' راستے میں ہم کہیں رک بھی جائیں۔ اس صورت میں تمہیں ٹیکسی روکنا ہوگی اور تمہارا میٹر بھی رک جائے گا کیونکہ اس کا چلنا اور رکنا تو پیسے کا مرہونِ منت ہے۔''

وہ گہری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''ٹھیک ہے' پھر ہم فی گھنٹا طے کرلیتے ہیں لیکن ایک بات بتادوں' آپ مجھے کسی سنسان یا اندھیری جگہ پر ٹیکسی روکنے کو نہیں کہو گے۔''

میں اس کی بات کو بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھ رہا تھا۔ وہ ہمیں کوئی ایسا جوڑا تصور کررہا تھا جو ڈیٹ پر ہوں اور راز و نیاز کے لیے انہیں کوئی مناسب جگہ میسر نہ ہو، وہ اس مقصد کے لیے ٹیکسی کو استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ میں نے اس کی تسلی کی خاطر کہا۔

''تم جو کچھ سمجھ رہے ہو' ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر ضرورت پڑی تو میں ٹیکسی کو بارونق اور روشن مقام پر رکواؤں گا۔ تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''وہ جی! ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا پڑتا ہے نا'' ٹیکسی ڈرائیور اطمینان کی سانس لیتے ہوئے بولا ''آج کل بڑی سخت چیکنگ ہورہی ہے۔ آپ لوگ تو کچھ دے دلا کر جان چھڑا لو گے' میں غریب بے چارہ مارا جاؤں گا۔ وہ میری دن بھر کی کمائی پر ہاتھ صاف کرجائیں گے'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا ''آپ بیٹھو' اللہ مالک ہے۔''

ڈرائیور کے اس مختصر سے تجربے سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ایک باتونی شخص تھا۔ بہرحال' ہمارے درمیان دو سو روپے فی گھنٹا پر معاملہ ٹھہر گیا۔ اسی وقت میں نے زرگل کو ریسٹورنٹ سے نکلتے دیکھا تو ہاتھ ہلا کر اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ وہ پیک کھانا اٹھائے تیزی سے میری طرف بڑھنے لگی۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہم دونوں ٹیکسی کی عقبی نشست پر بیٹھے ڈنر فرما رہے تھے۔ میں نے ڈرائیور کو صلح ماری تو اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کردیا کہ وہ رات کا کھانا کھا چکا تھا۔ میں نے کھانے کے دوران میں یہ محسوس کیا کہ وہ عقبی منظر دکھانے والے آئینے میں حیران نظر سے چپکے چپکے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اسے حیران ہونا بھی چاہئے تھا۔ ہم ایک معزز اور آرام دہ ریسٹورنٹ کے ماحول کو چھوڑ کر اس کی ٹیکسی میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

اس دوران میں' میں ایک لمحے کے لیے بھی فواد کی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ وہ لوگ ابھی تک ریسٹورنٹ سے باہر نہیں آئے تھے جس کا مطلب تھا' وہ کھانے کے لیے اندر ہی بیٹھ گئے تھے۔ ہم کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ فواد اپنی ساتھی کے ہمراہ ریسٹورنٹ سے باہر نکلتا دکھائی دیا۔

میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جانب اشارہ کیا ''اس جوڑے کو دیکھ رہے ہو؟'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ میں نے مزید کہا ''تمہیں ان کا تعاقب کرنا ہے لیکن تھوڑا فاصلہ رکھ کر' انہیں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے۔''

ابھی تک مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ فواد وہاں سے اکیلا ہی رخصت ہوگا یا وہ حسینہ بھی اس کے ساتھ جائے گی اور اس بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا' وہ کیسے واپس جائیں گے۔ اپنی گاڑی میں' کسی ٹیکسی میں یا پھر پبلک ٹرانسپورٹ کا سہارا لیں گے۔ تعاقب والی بات نے ٹیکسی ڈرائیور کو چونکا دیا۔ اس نے بھاؤ بڑھانے والے انداز میں کہا۔

''جناب! یہ تو آپ ایک نئی بات بتا رہے ہیں۔ اس حساب سے تو دو سو روپے فی گھنٹا کم ہیں'' وہ صرف ٹیکسی

ڈرائیور ہی نہیں بلکہ خاصا کاروباری بھی تھا۔

میں اس کی نیت کو سمجھ رہا تھا اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا کہ میں دس پچاس کے لیے بات کو خراب نہ کروں۔ سو' ڈیڑھ سو اگر زیادہ دینا پڑتے تو مجھے کوئی فرق نہ پڑتا' البتہ وہ جی جان سے خوش ہوکر میرے احکام کی تعمیل کرتا۔

میں نے کہا ''تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں ناراض نہیں جانے دوں گا'' پھر میں نے اس کے دلی اور ذہنی اطمینان کی خاطر اضافہ کیا ''بات دراصل یہ ہے کہ وہ لڑکی میرے ایک عزیز کی بیٹی ہے جو اس کی وجہ سے بہت پریشان ہے۔ اس نے میری ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں معلوم کروں' فرزانہ کس کے ساتھ اور کہاں جاتی ہے'' پھر میں نے زرگل کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا ''آج اس ڈرامے کا ڈراپ سین بھی ہوجائے گا۔''

زرگل نے اس موقع پر عقل مندی کا ثبوت دیا اور مجھ سے یہ نہیں پوچھا' کون سا ڈراما اور کیسا ڈراپ سین! میں نے ابھی تک اسے پروگرام کی تبدیلی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ فرزانہ کے حوالے سے میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے جو گفتگو کی تھی اس پر وہ چونکی ضرور تھی تاہم اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ مصلحت اور حالات کے تقاضوں کو نبھانا جانتی تھی۔ وہ سمجھ گئی ہوگی' میں کسی خاص مشن پر ہوں۔

تھوڑی ہی دیر بعد یہ تعاقب شروع ہوگیا۔ فواد سفید شیرڈ میں ہماری ٹیکسی کے آگے جارہا تھا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی کو محدود اور محتاط فاصلے پر رکھا ہوا تھا تاکہ شیرڈ نگاہ سے اوجھل ہوسکے اور نہ ہی انہیں تعاقب کا احساس ہو۔

فواد میرے لیے امید کی کرن کے مانند تھا۔ میں اس کرن کی روشنی میں شعیب غوری کے قریب پہنچنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ شعیب نے دوستی کی آڑ اور دشمنی کے بھاڑ میں مجھ پر جو قرض چڑھایا تھا اسے سود در سود واپس لوٹانا ضروری تھا اور میں اس ادائی کا آغاز کرچکا تھا۔ کبیر شاہ شعیب کا دستِ راست سمجھا جاتا تھا' میں نے اسے اپاہجی کی زندگی گزارنے پر مجبور کردیا تھا اور اب فواد کی باری تھی۔ اگر وہ مجھے شعیب تک پہنچانے کا وسیلہ ثابت نہ ہوسکا تو اس کا حشر کبیر شاہ سے زیادہ بھیانک ہوتا۔ یہ طے ہوجانے کے بعد کہ شعیب غوری اور اس کی نام نہاد اصلاحی تنظیم سی ایف کے، یہودی لابی کے اشاروں پر ناچتی ہے' میں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ ان لوگوں کو تباہ و برباد کردوں گا۔ ایسے ملک دشمن اور یہود نواز لوگوں کو نیست و نابود ہوجانا چاہئے۔ شعیب غوری ایک نازک معاملے میں بھی میرا کھلا دشمن تھا۔ اس نے مجھے کمزور بنانے اور جھکانے کے لیے ساحل کو اپنے قبضے میں کر رکھا تھا۔ اسے یقین تھا' میں ساحل کو ڈھونڈتا ہوا اس کے پاس ضرور آؤں گا اور وہ مجھے شکار کرلے گا۔ یہ تو آنے والا وقت ہی فیصلہ کرتا کہ شکاری کون ہے اور شکار کس کا ہوا!

ٹیکسی ڈرائیور نے بڑی مہارت سے تعاقب جاری رکھا اور ہم برنٹ روڈ (گارڈن ایسٹ) کی ایک اپارٹمنٹس بلڈنگ کے پاس پہنچ گئے۔ ڈرائیور نے اپنی ٹیکسی سفید شیرڈ سے خاصے فاصلے پر ایک گاڑی کے عقب میں روکی تھی۔ میں نے دیکھا' فواد شیرڈ کو اس بلڈنگ کے اندر لے گیا۔ یہ ایک تشویش ناک صورتِ حال تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا' وہ وہاں کچھ وقت گزارنا چاہتا ہے یہ صورتِ دیگر وہ گاڑی کو باہر ہی چھوڑ کر اندر جاتا۔ خیر' جب ہم اس کے تعاقب میں تھے تو انتظار بھی کرسکتے تھے۔ اس طرح تو ہوتا ہے' اس طرح کے کاموں میں۔

میں نے تنقیدی نگاہ سے اس عمارت کا جائزہ لیا۔ وہ ایک چھ منزلہ لگژری اپارٹمنٹس بلڈنگ تھی۔ شہزاد علی مجھے بتا چکا تھا' فواد یہاں کسی غلام جیلانی نامی شخص سے ملنے آتا تھا جو فلیٹ نمبر چار سو دو میں رہتا تھا۔ فواد کے ساتھ ایک حسین و جمیل دوشیزہ کو دیکھ کر میں مخمصے میں پڑ گیا۔ اگر یہ معلوم ہوجاتا کہ اس لڑکی کا فواد سے کا تعلق تھا تو حالات زیادہ واضح ہوجاتے' بہرحال میرے لیے فواد اس لڑکی سے زیادہ اہم تھا۔

آدھے گھنٹے تک ہم ٹیکسی میں بیٹھے انتظار کرتے رہے پھر ہمارا انتظار رنگ لے آیا اور فواد کی سفید شیرڈ بلڈنگ سے نکلتی ہوئی نظر آئی۔ گاڑی کے اندر فواد اکیلا ہی بیٹھا تھا۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو تعاقب کا اشارہ دیا تو اس نے ٹیکسی کو شیرڈ کے پیچھے لگا دیا۔

میں گہری سوچ میں تھا۔ لڑکی کو وہاں چھوڑنے کا ایک ہی مطلب تھا کہ اس لڑکی کا تعلق چار سو دو نمبر فلیٹ میں رہنے والے غلام جیلانی سے تھا اور فواد اسے ڈراپ کرکے واپس جارہا تھا۔ اب کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا کہ فواد کی وہاں آمد و شد کا کیا سبب تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور کی آواز پر میں خیالات سے چونک اٹھا۔ وہ پوچھ رہا تھا ''آپ کے عزیز کی لڑکی فرزانہ تو اپنے گھر پہنچ گئی لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ آدمی اسے چھوڑنے کے لیے اندر کیوں گیا..... اور نہ صرف اندر گیا بلکہ اس نے وہاں اچھا خاصا وقت بھی گزارا ہے جبکہ آپ نے بتایا تھا' فرزانہ چوری چھپے.....''

''تمہیں یہ کس نے کہہ دیا کہ فرزانہ اپنے گھر پہنچ گئی

ہے؟'' میں نے درشتی سے کہا۔ اس کا دخل درمعقولات مجھے ناگوار گزر رہا تھا اس لیے سرزنش ضروری ہوگئی تاکہ وہ اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھے۔ میں نے برہمی سے کہا ''اس بلڈنگ میں فرزانہ کی ایک دوست رہتی ہے۔ وہ اسی دوست سے ملنے کا بہانہ کرکے گھر سے نکلی تھی۔ ہمیں شک ہے' وہ دوست بھی اس سازش میں شریک ہے۔''

ٹیکسی ڈرائیور کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا۔ اس کے بعد اس نے کوئی سوال نہیں کیا اور سفید شیرڈ کا تعاقب کرتے ہوئے ہم گلشن اقبال کی حدود میں داخل ہوگئے۔ حسن اسکوائر سے تھوڑا آگے آنے کے بعد فواد نے گاڑی کو دائیں جانب موڑ لیا اور سروس روڈ پر آنے کے بعد وہ مسجد بیت المکرم کے قریب سے ایک گلی میں داخل ہوگیا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے بھی بیت المکرم والی گلی میں داخل ہوکر تعاقب کے سلسلے کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ پھر جب سفید شیرڈ اس گلی کے تقریباً آخری سرے پر واقع ایک اپارٹمنٹس بلڈنگ میں داخل ہوئی تو میں نے زرگل کے کان میں سرگوشی کی۔

''سفید شیرڈ والا مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے'' اس کے بعد میں نے قدرے بلند آواز میں کہا ''دردانہ! میں یہاں ٹیکسی میں بیٹھا ہوں۔ تم دیکھ کر آؤ' وہ شخص کس فلیٹ میں جاتا ہے۔''

زرگل نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور کوئی سوال کیے بغیر ٹیکسی سے باہر نکل گئی۔ چند لمحات کے بعد وہ بلڈنگ میں داخل ہوگئی۔ میرے خیال میں فواد کو گاڑی پارک کرنے میں جتنا وقت لگتا' اس مہلت میں زرگل اس کے انتہائی قریب پہنچ جاتی۔

میں نے ٹیکسی ڈرائیور کی موجودگی میں زرگل کو دردانہ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ ایسا میں نے محض احتیاط کے پیش نظر کیا تھا تاکہ بعد میں کوئی بے چیدگی پیدا نہ ہو۔ مجھے زیادہ دیر تک زرگل کا انتظار نہیں کرنا پڑا' دس منٹ بعد وہ دوبارہ میرے پہلو میں ٹیکسی کے اندر موجود تھی۔ میں نے استفسار یہ نگاہ سے اسے دیکھا تو اس نے اطمینان بھرے انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی۔

ٹیکسی ڈرائیور باتونی ہونے کے ساتھ ہی سمجھ دار بھی تھا۔ میرے رویے سے اس نے اندازہ لگالیا کہ اس کی بے جا مداخلت مجھے پسند نہیں آئی اس لیے اس نے فواد کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی اور پوچھنے لگا ''یہاں رکنا ہے یا واپس چلیں؟''

میں نے ٹیکسی والے کو جواب دینے سے پہلے زرگل کی طرف سوالیہ نظر سے دیکھا تو وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی ''میرا خیال ہے' وہ اب گھر سے نہیں نکلے گا۔ وہ ایک بند فلیٹ کا تالا کھول کر اندر داخل ہوا ہے جس کا مطلب ہے' وہ اسی فلیٹ میں رات گزارے گا۔''

زرگل کا تجزیہ کسی تجربے کا محتاج نہیں تھا تاہم میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا ''ہم یہاں دس منٹ تک رکیں گے' پھر واپس چلیں گے۔''

پھر آئندہ دس منٹ تک کوئی غیر معمولی بات سامنے نہ آئی تو میرے حکم پر ڈرائیور نے ٹیکسی کو واپسی کے راستے پر ڈال دیا۔

حسن اسکوائر سے طارق روڈ زیادہ فاصلے پر نہیں۔ ہم دس منٹ میں طارق روڈ پر تھے۔ ڈرائیور نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموشی سے ٹیکسی اسی ریسٹورنٹ کے سامنے لے جاکر روک دی جہاں سے اس نے ہمیں اٹھایا تھا۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ رات کے دس بج کر پچاس منٹ ہوئے تھے۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا ''ہاں بھئی' تمہارا کیا حساب بنا؟''

اس نے جواب دینے سے پہلے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی میلے ڈائل والی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولا ''میں نے آپ کے لیے ڈیڑھ گھنٹا ٹیکسی چلائی ہے۔ اس کے تین سو روپے بنتے ہیں۔ آپ نے اوپر سے بھی دینے کا وعدہ کیا تھا' اب آپ کی جو مرضی!''

اس نے گیند میری کورٹ میں پھینک دی تو میں اس کی چالاکی پر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ میں نے سن رکھا تھا اور کسی حد تک مجھے اس کا تجربہ بھی تھا کہ بیشتر ٹیکسی ڈرائیور بے ایمان ہوتے ہیں۔ ہم نو پیسیں پر اس کی ٹیکسی میں بیٹھے تھے اور دس پچاس پر ہمارا سفر ختم ہوگیا تھا۔ اس حساب سے اس کی ٹیکسی میں گزارا ہوا کل وقت ایک گھنٹا پچیس منٹ بنتا تھا۔ اگر وہ ڈیڑھ گھنٹا بتا رہا تھا تو اس میں بے ایمانی والی کوئی بات نہیں تھی اور پھر اس نے معاملہ مجھ پر چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اپنی خوشی سے اسے پانچ سو روپے دیے اور ہم ٹیکسی سے باہر آگئے۔ جو لوگ بے ایمان نہ ہوں' ان کا خیال رکھنا چاہیے۔

فلیٹ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے میں نے زرگل کو فواد کے بارے میں مختصراً بتایا تاکہ اس کا ذہن صاف ہوجائے۔ وہ ساحل اور شعیب غوری کے حوالے سے' چوہدری نوازش علی سے ہونے والی میری گفتگو سن چکی تھی کیونکہ لاہور میں' میں نے صدف اور زرگل کی موجودگی ہی میں چوہدری کو فون کیا تھا اس لیے اسے فواد اور ایف کے کی بات سمجھنے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا۔ آخر میں' میں نے اس سے

پوچھا۔

''تم نے فواد کو جس فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا ہے' اس کا نمبر وغیرہ تمہیں یاد ہے نا؟ میں نے ٹیکسی والے کی موجودگی میں تم سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''یہ تم نے بہت اچھا کیا' تمہاری احتیاط پسندی مجھے اچھی لگی'' وہ میرے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے بولی پھر بتایا ''وہ بندہ فلیٹ نمبر ''تیرہ۔ ڈی'' میں داخل ہوا تھا۔ میں بغیر کسی راہنمائی کے اس فلیٹ کے دروازے تک پہنچ سکتی ہوں۔''

''اور تم نے بتایا ہے' وہ لاک فلیٹ کو کھولنے کے بعد اندر داخل ہوا تھا؟'' میں نے اپنا اطمینان کرنا ضروری جانا۔

زرگل نے اثبات میں گردن ہلائی اور کہا ''میں زینے کی آڑ میں چھپ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ فواد نامی اس شخص نے فلیٹ نمبر تیرہ۔ ڈی کے دروازے پر پہنچ کر پہلے چوکنا نظر سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر جیب سے چابی نکال کر اس نے فلیٹ کا لاک کھولا تھا'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوئی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی ''میں نے اس کے اندر داخل ہونے کے بعد فلیٹ کے دروازے پر جاکر اس کا نمبر دیکھا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے' وہ اس فلیٹ میں اکیلا ہی ٹھہرا ہوا ہے۔'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا ''اور یہ بھی کہ وہ رات وہیں گزارے گا۔''

''لگتا تو ایسا ہی ہے'' وہ میری تائید کرتے ہوئے بولی پھر پوچھا ''کیا آج ہی اس کی گردن ناپنے کا ارادہ ہے؟''

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اپنی باتوں سے بڑی سرگرم اور ولولہ انگیز لگتی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں کے تجربے نے زرگل کو میرے ساتھیوں میں شمار کردیا تھا۔ اگر ہمارے ساتھ سینٹوں والا مسئلہ پیش نہ آجاتا تو میں اس کی کراچی آنے والی فرمائش پر ضرور غور کرتا۔ یہ الگ بات ہے کہ حالات کے تقاضے نے ازاں بعد صدف کا سفر بھی ملتوی کردیا۔

میں نے زرگل کے سوال کے جواب میں کہا ''اگر ضرورت محسوس ہوئی تو یہ کام بھی کرنا ہی ہوگا۔ فی الحال میں سب سے پہلے چوہدری نوازش علی سے رابطہ کرنا چاہتا ہوں۔''

منہاس باقر نے مجھے جس فلیٹ میں ٹھہرایا تھا' وہ مذکورہ ریسٹورنٹ سے زیادہ دور نہیں تھا لہٰذا چند منٹ ہی میں ہم اس فلیٹ تک پہنچ گئے۔

فلیٹ کے اندر اگر میں نے داخلی دروازے کو لاک کیا پھر فریش ہونے کے لیے واش روم میں گھس گیا۔ اسی کام کی غرض سے زرگل نے دوسرے واش روم کی راہ لی۔ جب ہم تازہ دم ہوکر وہاں سے نکلے تو میں نے زرگل سے کہا۔

''میں کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں' تمہیں نیند خوب ستا رہی ہے'' ٹیکسی سے اترنے کے بعد وہ کئی بار جماہیاں لے چکی تھی اور ابھی چند ساعت پہلے بھی اس نے اسی عمل کو دہرایا تھا ''اس لیے بہتر ہوگا' تم دوسرے بیڈروم میں جاکر آرام سے سو جاؤ۔ تم سے میں تفصیلی بات صبح کروں گا۔''

اس نے ایسی نظر سے مجھے دیکھا' جس میں شکایت اور خفگی بہ یک وقت شامل ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ منہ کو ڈھانپنے کے لیے اٹھ گیا۔ اسے ایک زبردست جماہی نے ایسا کرنے پر مجبور کردیا تھا۔

''ٹھیک ہے دجدان! میرا خیال ہے' میں سو ہی جاتی ہوں'' وہ مخمور لہجے میں بولی ''لیکن اگر رات کے کسی وقت تمہارا مہم جوئی کا کوئی پروگرام بن جائے تو مجھے ساتھ لے جانا نہ بھولنا۔''

''اچھا' میں اس بارے میں سوچوں گا'' میں نے کہا ''تم پہلے سو تو جاؤ' بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔''

وہ مجھ پر ایک بھرپور اور معنی خیز نظر ڈالنے کے بعد بولی ''کیا تم ہمیشہ اتنے ہی معروف رہتے ہو؟''

''ہاں' اتفاق سے میں نے ایسی ہی قسمت پائی ہے۔'' میں نے مذاق کے رنگ میں کہا۔

''اس کا مطلب ہے' تم اپنے حصے خوش قسمت ہو!''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے بڑی گہری بات کی تھی۔ وہ مجھے متذبذب دیکھ کر پوچھنے لگی ''دجدان! تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو؟''

میں نے پوچھا ''یہ اچانک کھڑے کھڑے تمہیں میری خفگی کا خیال کیوں آیا؟''

''میں نے کل صبح لاہور میں جس رویے کا مظاہرہ کیا تھا اس پر تمہیں ناراض ہونے کا حق ہے۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی ''اچانک میں نے گاڑی رکوائی اور تم لوگوں کو چھوڑ کر ایک طرف چل دی۔''

میں نے کہا ''اچھا کیا تم نے یاد دلا دیا۔ مجھے تو تم سے واقعی ناراض ہونا چاہیے تھا۔ یہ کیا حرکت کی تھی تم نے اور..... اور اس سے بڑی حرکت یہ کہ لاہور سے کراچی پہنچ گئی ہو؟''

''حرکت میں برکت ہے۔'' وہ فلسفیانہ انداز میں بولی ''تھوڑی دیر پہلے یہی سبق تم فیصل کو بھی پڑھا رہے تھے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

وہ جو حوالہ دے رہی تھی اس میں کچھ بھی غلط نہیں تھا۔ میں نے کہا ''اب خود ہی وضاحت بھی کردو کہ تمہاری ان حرکات میں کون کون سی برکات پوشیدہ ہیں؟''

وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی ''وجدان ہو تو سکتا ہے، تمہیں میری کہانی سننے میں کوئی خاص دلچسپی نہ ہو لیکن یقین جانو، میں تمہاری داستان سننے کے لیے بہت بے تاب ہوں اور تم نے اس کا مجھ سے وعدہ بھی کر رکھا ہے۔'' وہ ایک لمحے کو خاموش ہو کر ایسی نظر سے مجھے دیکھنے لگی جیسے نگاہی زبان میں پوچھ رہی ہو..... اپنا وعدہ یاد ہے نا! پھر اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''لاہور میں میری زندگی ان گنت خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ میرا دشمن نمبر دن، حکمت یار شکاری کتوں کی طرح میری بو سونگھتا پھر رہا ہے۔ تمہارے دوست فرید پاشا کی کوٹھی میں روپوش تھی تو قدرے اطمینان تھا لیکن وہاں جو خونچکاں واقعات پیش آئے اور ازاں بعد تم صدف کے ساتھ کراچی چلے آئے، ان حالات نے مجھے انتہائی غیر محفوظ کر دیا تھا۔ آ جا کر میری سمجھ میں یہی آیا کہ میں بھی کراچی چلی جاتی ہوں۔ اس کے بعد ہی عنایت اللہ باجوہ کے پاس جانے کا آئیڈیا میرے ذہن میں آیا۔ بھلا ہو، فرید پاشا کا۔ اس نے میری بات سن لی اور مجھے باجوہ کے ساتھ کراچی آنے کا موقع مل گیا۔'' بات کے اختتام پر اس نے اپنے لبوں اور آنکھوں کو ایسی جنبش دی جس سے ظاہر ہوتا تھا، وہ اپنے دلی تاثرات کو مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے پہلے بھی محسوس کیا تھا، وہ ویسی نہیں تھی جیسی نظر آتی تھی۔ وہ بہت گہری لڑکی تھی۔

میں نے کہا ''فرید پاشا ایک یار باش آدمی ہے اور میرے لیے جان چھڑکتا ہے۔ اس سے تم نے کیا باتیں کیں یہ تو میں اس سے پوچھ لوں گا۔ بہرحال، تم اتنی سیدھی اور بھولی نہیں ہو جیسی صورت اور باتوں سے نظر آتی ہو۔''

وہ میری توجہ ہٹانے کے لیے موضوع کو بدلتے ہوئے بولی ''تمہاری وہ ڈاکٹر دوست نظر نہیں آ رہی۔ کیا کراچی پہنچنے کے بعد اس نے اپنی راہ الگ کر لی ہے۔ وہاں تو وہ بہت چپکی چپکی چل رہی تھی!''

زرگل کی باتوں میں صدف کے لیے ایک واضح حسد جھلکتا تھا اور میرے لیے یہ خاصی تشویشناک بات تھی۔ میرے ساتھیوں کو ایک دوسرے پر رشک کرنا چاہیے تھا، حسد نہیں!

حسد اور رشک میں بہت معمولی سا فرق ہے۔ دونوں کے اظہار کے لیے انسان کا لہجہ بدل جاتا ہے، الفاظ وہی رہتے ہیں۔ بہرحال، حسد کرنے والا محض اپنا خون جلاتا ہے کیونکہ یہ ایک منفی جذبہ ہے جبکہ رشک کرنے والا اپنے مثبت جذبات کے اظہار سے حقیقی مسرت سے روشناس ہوتا ہے۔

میں نے اس معصوم صورت، شریر پشتون دوشیزہ کی آنکھوں میں بہت دور تک جھانکا اور اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے، صدف میرے ساتھ کراچی نہیں آئی۔ وہ لاہور ہی میں رک گئی ہے۔''

پھر قبل اس کے کہ وہ کسی سوال کے لیے لب کشا ہوتی، میں نے تنبیہی لہجے میں کہا ''اب اس بحث میں نہ پڑ جانا کہ وہ لاہور میں کیوں رک گئی۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہوگا، فوراً دوسرے بیڈروم میں جا کر گہری نیند کے مزے لوٹو۔''

''او کے۔ میں جا رہی ہوں!'' وہ دل آویز انداز میں مسکرائی اور ''شب بخیر'' کہہ کر ملحقہ بیڈروم میں چلی گئی۔

زرگل کو میری عملی زندگی میں شریک ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اب تک اس نے ایک اچھے اور وفادار دوست کی طرح ایکٹ کیا تھا لیکن میں لاشعوری طور پر اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ یہ بات نہیں کہ میں اس کی دوستی یا وفا پر شک کر رہا تھا بلکہ میرے احساسات مجھے صرف اس لیے الجھا رہے تھے کہ میں اس کے پس منظر سے واقف نہیں تھا اسی لیے وہ کبھی مجھے کچھ نظر آتی اور کبھی کچھ اور دکھائی دیتی۔ اگر میں اس کی داستان کو تفصیل سے سن لیتا تو میرا یہ متاملانہ احساس زائل ہو سکتا تھا۔

میں نے سوچا، کچھ بھی ہو میں کل اتنا وقت ضرور نکال لوں گا کہ زرگل کے ماضی اور حال سے آگاہی حاصل کر لوں۔ مستقبل کا حال صرف خدا جانتا ہے..... اور کسی انسان کو اس جانکاری کے چکر میں پڑ کر اپنے ماضی اور حال کو داؤ پر نہیں لگانا چاہیے!

☆☆☆

یہ ایک بہت بڑی بازی تھی جس میں میری اور چوہدری نوازش علی کی متاع عزیز داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ اس کے لیے فیصل اور میرے لیے ساحل کی اہمیت ہر شے سے زیادہ تھی۔ ہم دونوں ہی اپنے پیاروں کو حاصل کرنے کے لیے زندگی کی بساط پر اپنی اپنی چال چل رہے تھے۔

اس بساط پر ایک اور کھلاڑی بھی ہمارے ساتھ شامل تھا مگر ہم دونوں ہی اس کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ تقدیر نامی اس نادیدہ کھلاڑی کے بارے میں ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کس وقت، کون سا مہرہ آگے بڑھائے گا اور ہمیں کتنے پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو جائے گا! ہمیں معلوم نہیں تھا، ہم دونوں میں سے ہار کس کے حصے میں آئے گی اور جیت کس کو پیشانی پر سجے گی! لیکن تقدیر، تیسرا کھلاڑی..... اس کھیل کے تمام نشیب و فراز اور عواقب و جوانب سے آگاہ تھا۔ اس کی آگاہی اور واقفیت مسلم تھی کیونکہ ہار اور جیت اسی کے طفیل

تھی۔ گویا اصل کھلاڑی وہی تھا..... ہماری حیثیت اس کے آگے مہروں سے زیادہ نہیں تھی!

چوہدری نوازش علی سے رابطہ کرنے سے پہلے میں نے دو ضروری فون کیے۔ سب سے پہلے میں نے زیر تعمیر بنگلے میں شہزاد علی کو فون کیا اور فیصل کے بارے میں اس سے دریافت کیا۔

''وہ بالکل ٹھیک ہے اور امن و امان میں ہے۔'' شہزاد نے بتایا ''تم اس کی طرف سے مکمل اطمینان رکھو۔ جب تک میں یہاں موجود ہوں، اسے کسی ''خرمستی'' کا موقع نہیں دوں گا۔ ویسے بھی وہ اس حالت میں نہیں کہ زیادہ ایفی شنسی دکھا سکے۔''

میں نے شہزاد کو تازہ ترین واقعے سے آگاہ کیا اور بتایا ''میں نے فواد کے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا ہے۔ اب اسے چھاپنے کے لیے ہمیں زیادہ مشکل نہیں ہوگی۔''

''یار! یہ تم نے بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے۔'' وہ مسرت سے لبریز آواز میں بولا ''بہرحال، میں کل اس لڑکی کی کہانی بھی معلوم کر لوں گا، فواد نے جسے غلام جیلانی کے فلیٹ پر ڈراپ کیا ہے اور گلشن میں اس کی رہائش کی تفصیل بھی مجھے مل جائے گی۔'' پھر اس نے ذرا رک کر مجھ سے سوال کیا ''ویسے تمہارا کیا ارادہ ہے۔ فواد پر کب ہاتھ ڈالنا ہے؟''

''تم کب تک جاگ رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''تم کہو تو ساری رات جاگتا رہوں گا۔'' وہ جاں نثاری کے انداز میں بولا۔

میں نے کہا ''خیر، اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں ایک دو ضروری فون کر لوں پھر تم سے رابطہ کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے، آج ہی رات کے آخری پہر ادھر جانے کا موڈ بن جائے، کل کس نے دیکھی ہے!''

''ٹھیک ہے، میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔'' وہ پُرجوش لہجے میں بولا ''تمہارے کراچی آنے سے میری رگوں میں خون کی گردش خاصی تیز ہو گئی ہے۔ امید ہے، مستقبل قریب میں بہت سی کامیابیاں ہماری قدم بوسی کرنے والی ہیں۔''

شہزاد کی جیدارانہ باتیں سن کر مجھے امتیاز علی کی یاد آ گئی۔ وہ بھی ایسا ہی نڈر اور دلیر مرد تھا اور شجاعت کے کاموں میں پیش پیش رہتا تھا۔ شاید یہ ان کے ناموں کے آخری حصے کا کمال تھا۔ خود میرے نام میں بھی یہ بابرکت لفظ موجود تھا۔ نام کے انسان کی ذات پر کتنے اثرات ہوتے ہیں، اس بحث میں پڑے بغیر اللہ کے شیر کی بہادری اور شجاعت سے انکار ممکن نہیں۔

میں نے شہزاد کے جذبات کے اظہار میں جواباً کہا ''خدا تمہاری زبان مبارک کرے!''

پھر ہمارے درمیان ٹیلی فونک سلسلہ موقوف ہو گیا۔

دوسرا فون میں نے منہاس باقر کو کیا اور اسے آج شام سے لے کر اب تک کی مصروفیت کے بارے میں بتایا۔ فیصل کی بہ حفاظت ''منتقلی'' سے متعلق اسے شہزاد سے سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ فواد کے بارے میں سن کر اس نے مجھے مبارک باد دی۔ میں نے کہا۔

''منہاس صاحب! مجھے فوری طور پر دو تجربہ کار اور آزمائے ہوئے سیکیورٹی گارڈز کی ضرورت ہے۔ میں شہزاد کو اپنے ساتھ رکھ کر فواد کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ یہ دونوں مسلح گارڈز وہاں فیصل کو دیکھیں گے۔''

وہ بولا ''اس بنگلے پر پہلے سے ایک تربیت یافتہ گن بردار موجود ہے۔''

''ایک سے تین بھلے۔'' میں نے جلدی سے کہا ''میں فیصل کے سلسلے میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔''

''ہوں۔'' اس نے متاسفانہ انداز میں کہا ''میں تمہاری فرمائش پوری کر دوں گا۔ تم کب تک شہزاد کو اپنے پاس بلانا

جاسوسی فلاپیسٹ کا مقبول سلسلہ
صدیوں کا بیٹا
مصنف: ایم۔ اے راحت
اس انسان کی کہانی جو صدیوں سے زندہ ہے اور شاید آج بھی کہیں موجود ہو
انسان کی ترقی اور تنزلی کے حیات افروز واقعات اس شخص کی زبانی جو ہر دور میں موجود رہا ہے۔ اس نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جو کچھ اس پر بیتی۔ اس نے اس داستان کو انتہائی سنسنی خیز سا دیا وہ داستان جس میں حسن کی رعنائیاں بھی ہیں اور عشق کی کارفرمائیاں بھی، خونریز جنگیں بھی ہیں اور بادشاہت کے چمچے بھی وہ شخص جس عہد میں بھی رہا اپنے پیچھے ہزاروں داستانیں چھوڑ گیا۔ جب وہ ٹوبک حتانو سمندر اسکو اپنی آغوش میں لے لیتا تھا
صرف 301 روپے
کتابیات پبلی کیشنز
چوک اردو بازار، لاہور
فون 5802551 5802552-5895313
E-mail:kitabiat1970@yahoo.com

چاہتے ہو؟''

''زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے بعد۔'' میں نے اندازے سے اسے وقت بتادیا۔

''ٹھیک ہے، اور کچھ؟''

''اور مجھے اپنے استعمال کے لیے ایک مستعد گاڑی بھی چاہیے۔'' میں نے کہا ''کل آپ مجھے کوئی اچھی سی گاڑی بھی خرید وادیں۔ ادائیگی میں کردوں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''میرے پاس ایک بالکل نئی ہنڈائی بالکل فارغ پڑی ہے۔ ''یلو کیب اکسیم'' سے فائدہ اٹھا کر میں نے اس گاڑی کو حاصل کیا تھا لیکن اسے ٹیکسی نہیں بنایا۔ میں وہ گاڑی تمہارے لیے بھیج دیتا ہوں۔ دور سے وہ ٹیکسی ہی نظر آتی ہے مگر اس پر ٹیکسی والا مخصوص نیون سائن نہیں ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' میں نے حقیقی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''ایک ٹیکسی چلاتے ہوئے میں بہت لطف محسوس کروں گا اور نت نئے تجربات بھی ہوں گے۔ ویسے اس گاڑی کی کنڈیشن کیسی ہے؟''

''ایک دم فرسٹ کلاس!'' اس نے بتایا۔

''تو پھر ڈن!'' میں نے کہا۔

اختتامی رسمیات کو نبھانے کے بعد میں نے رابطہ ختم کردیا۔

اس کے بعد میں نے رکھاں والی کے فرعون صفت چوہدری نوازش علی کے فون کی گھنٹی کھڑکا دی۔ یہ اس سے میرا تیسرا ٹیلی فونک رابطہ تھا۔ وہ لائن پر آیا تو میں نے گمبھیر آواز میں کہا۔

''کہو چوہدری! کیسا مزاج ہے؟ تمہاری تن فن اور کلف لگی گردن میں کوئی نرمی آئی یا ابھی تک اسی طرح اکڑے ہوئے ہو؟''

''کیا تمہارے پاس بکواس کے سوا کہنے کو کچھ نہیں ہے؟'' وہ پھنکارا۔

میں نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا ''بہت کچھ ہے میرے پاس تمہارے سننے اور میرے کہنے کے لیے لیکن میں اپنی بعد میں کہوں گا، پہلے تم وہ سن لو جس کی خاطر میں نے آدھی رات کو تمہارا سکون برباد کیا ہے۔ میں نے سنا ہے، تم خاصے آرام طلب ہوگئے ہو!''

وہ میرے طنز کی کاٹ کو بمشکل برداشت کرتے ہوئے بولا ''تم مجھے ایسی کون سی خاص چیز سنانا چاہتے ہو؟''

''ارے بھئی، تمہارے لمڈے کی آواز ہے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا ''کیا اپنے لختِ جگر کی پیاری پیاری باتیں نہیں سنو گے؟''

پھر اس سے قبل کہ وہ مجھے کسی ناقابلِ اشاعت خطاب سے نوازتا، میں نے فون کے ریسیور کو ٹیپ ریکارڈر کے اسپیکر کے سامنے رکھ کر پلے کا بٹن دبا دیا۔ کیسٹ کا ریکارڈ کیا ہوا آخری حصہ بذریعہ فون، کراچی سے لاہور کے ایک دور دراز گاؤں رکھاں والی میں نشر ہونے لگا۔

میں نے کیسٹ اور ٹیپ ریکارڈ کو پہلے ہی سیٹ کر کے رکھ دیا تھا، اس کے بعد ہی چوہدری نوازش علی کا نمبر ملایا تھا۔

پندرہ بیس سیکنڈ کی ریکارڈنگ پلک جھپکتے میں پلے ہوگئی۔ میں نے ٹیپ ریکارڈر کو اسٹاپ کیا اور ریسیور کو کان سے لگاتے ہوئے چوہدری سے دریافت کیا۔

''اب تو تمہیں یقین آگیا ہوگا کہ تمہارا سپوت میرے قبضے میں ہے اور زندہ بھی ہے۔''

''تم نے اس کی ہر یکارڈ کی ہوئی آواز مجھے سنائی ہے۔'' وہ غصے سے بولا ''میں براہ راست فیصل سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے پوری سفاکی سے کہا ''فی الحال یہ ممکن نہیں۔ تم اسی ریکارڈڈ آواز سے گزارہ چلاؤ اور اس بات کو ذہن میں نقش کرلو کہ جب تک تم میرا مطالبہ پورا نہیں کرو گے، تمہارا بیٹا میرے ہاتھوں مشکل سے مشکل ترین حالات سے دوچار ہوتا رہے گا۔ تم نے اس کی آواز کا کرب تو محسوس کیا ہوگا!''

''دجدان! اولادِ شیطان!'' وہ اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھ سکا اور گرجدار آواز میں بولا ''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ساحل اب شعیب غوری کے پاس پہنچ چکی ہے اور.....''

''اور میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تمہارا بیٹا اس وقت تو میرے پاس ہے لیکن یہ سدا میرے پاس نہیں رہے گا۔'' میں نے اس کا جملہ اچکا اور ٹھوس انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''میرے ہاتھ سے نکل کر یہ ''مصیبت زدہ'' جہاں بھی جائے گا وہاں تک تمہاری رسائی ممکن نہیں ہوسکے گی کیونکہ اس جہاں میں پہنچنے والوں کے نام اور پتے سنگی تختیوں پر کندہ کیے جاتے ہیں اور وہ بھی ایسے افراد کے جن کے لواحقین انہیں باقاعدہ اپنے ہاتھوں سے سپردِ زمین کرتے ہیں ورنہ.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑا اور ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

''ورنہ بے شمار ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی بوریوں میں بند لاشیں اخبارات کی شہ سرخیاں بنتی ہیں یا پھر گندے نالوں اور گٹر میں سے برآمد ہونے والے ان کے تعفن زدہ

وجود معاشرے میں سنسنی اور سراسیمگی پھیلاتے ہیں میں.....''

وہ میری بات کی تکمیل سے پہلے ہی پھٹ پڑا ''مم..... میں..... میں نے کراچی نیٹ ورک کو پوری طرح..... سرگرم کردیا ہے.....'' اس کی آواز میں لرزش اور بھراہٹ کی آمیزش تھی ''تم فکر نہ کرو، میں بہت جلد تمہیں کھوج لوں گا۔''

''میں نے تمہاری دھمکیاں سننے کے لیے فون نہیں کیا چوہدری!'' میں نے تحقیر آمیز انداز میں کہا ''میں تمہیں اور تمہارے نیٹ ورک کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہارے کراچی اور لاہور نیٹ ورک کو میں تار تار کرچکا ہوں۔ کیا تم چوہدری دلدار اور میاں زاہد حسین کی لرزہ خیز اموات کو بھول گئے ہو؟''

وہ جواب میں کپکپاتی ہوئی آواز میں مجھے مغلظات میں تولنے لگا۔ یہ اعصابی شکست کا بین ثبوت تھا۔ کمزور اور بے بس انسان اگر ساتھ ہی کم ظرف بھی ہو تو وہ گالم گلوچ پر اتر آتا ہے۔ چوہدری کمزور تو نہیں تھا تاہم میرے شکنجے نے اسے بے بس ضرور بنا دیا تھا اور اس کی کم ظرفی میں دو آرا نہیں ہوسکتی تھیں۔

میں نے دوٹوک انداز میں اسے مخاطب کیا اور کہا ''میں تمہیں کل شام سات بجے تک کی مہلت دیتا ہوں۔ اس وقت تک تمہارا بیٹا میرے پاس محفوظ رہے گا لیکن اگر کل کا سورج غروب ہوگیا تو پھر فیصل کی زندگی کا چراغ بھی گل ہوجائے گا!''

میں نے تھوڑا توقف کیا اور لہجے کی سنگینی کو برقرار رکھتے ہوئے مزید کہا ''میں کل دن میں کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا۔ اس وقت تک تم یہ فیصلہ کرلو کہ ساحل کو کس جگہ اور کب میرے حوالے کررہے ہو۔ یہ ایک ہاتھ لو، ایک ہاتھ دو والی ڈیل ہوگی اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ اس معاملے میں کسی لیک کی گنجائش ہے اور نہ ہی تمہیں دی ہوئی مہلت میں، میں کوئی توسیع کرسکتا ہوں..... کل سات بجے شام..... سورج غروب ہونے سے چند لمحات پہلے..... اور بس!''

پھر میں نے چوہدری کی کسی بھی نوعیت کی بکواس سنے بغیر فون بند کردیا۔

میرا دل اس وقت حقیقی اطمینان اور سچے سکون کی کیفیت سے آشنا ہورہا تھا۔ میں نے چوہدری نوازش علی جیسے درندہ صفت اور ظالم و جابر شخص کو بڑی مضبوط نکیل ڈال دی تھی۔ اس کی ساری سرکشی اور درندگی جسم کے مختلف حصوں سے دھواں بن کر خارج ہورہی ہوگی۔ کاش! وہ اس وقت میری نگاہ کے سامنے ہوتا تو میں اس کی حالت سے پوری طرح لطف اندوز ہوسکتا!

میں نے آج تک چوہدری نوازش علی کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی تھی، صرف اس کا نام ہی سنا تھا یا پھر ''کام'' دیکھا تھا جو بہت ہی شرمناک اور قابلِ ملامت تھا۔

میں نے چوہدری اور اس کی ذات سے متعلق ہر قصے کو ذہن سے جھٹکا تو بے اختیار دیوار گیر کلاک کی جانب نگاہ اٹھ گئی۔ کلاک آدھی رات یعنی بارہ بجے کا وقت بتا رہا تھا، اسی لمحے کلاک کا گھنٹا اپنا فریضہ پورا کرنے لگا۔

جب وہ خاموش ہوا تو میں نے شہزاد کو فون کرنے کے لیے ریسیور کی جانب ہاتھ بڑھایا لیکن میرا ہاتھ ریسیور تک نہ پہنچ سکا۔ برابر والے بیڈ روم سے ایک نسوانی چیخ بلند ہوئی اور میں گڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اس بیڈ روم میں زرگل سو رہی تھی۔ میرا دل ایک بار گی اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کے ساتھ کوئی سنگین صورتِ حال پیش آگئی تھی۔ میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے بیڈ روم سے نکل آیا پھر اس سے پہلے کہ میں زرگل والے بیڈ روم میں قدم رکھتا، فلیٹ کے داخلی دروازے پر تیز دستک ہونے لگی۔

بے اختیار میری نگاہ اس دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ دستک کا انداز بتاتا تھا، اگر میں نے دروازہ کھولنے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی کی تو دستک دینے والا اسے توڑ کر اندر گھس آئے گا۔

ان نازک لمحات میں میرا ذہن دروازے اور بیڈ روم کے درمیان سوالیہ نشان پر ٹھٹک کر رہ گیا۔ فیصلے کی سولی شاید ایسے ہی وقت کو کہا جاتا ہے!

اردو زبان کی سب سے طویل ترین داستان

دیوتا

قیمت فی حصہ 60 روپے

ڈاک خرچ 23 روپے

46 حصے کتابی شکل میں دستیاب ہیں

تمام حصے ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت -/2300 روپے

یہ سہولت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک ارسال کرنے پر دی جائے گی

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

Kitaabat Publications 3 blogspot.com

وہ کڑے وقت کے آزمائشی لمحات تھے!

سوالیہ نشان کا کانٹا میرے حلق میں پیوست ہوا تو مجھے یوں محسوس ہوا، زمین نے میرے پاؤں میں آہنی زنجیر ڈال دی ہو۔ مصیبت کی گھڑی اجازت لے کر آتی ہے اور نہ ہی کسی ایک سمت سے وار کرتی ہے۔ زرگل کی وحشت ناک چیخ اور دروازے پر ہونے والی خوف ناک دستک دو طرفہ یلغار تھی۔ میرے دماغ نے زرگل کے حق میں فیصلہ دیا اور میں بیرونی حالات کو نظر انداز کر کے بیڈروم کی جانب لپکا۔

بیڈروم کی لائٹ آن تھی۔ زرگل نے سونے سے قبل لائٹ آف کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ میری نگاہ اس پر پڑی تو میں چونک اٹھا۔ وہ بیڈ پر اکڑوں بیٹھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اور چہرے پر بے پناہ خوف زدگی کے آثار تھے۔ مجھ سے نظر ملی تو وہ سراسیمہ لہجے میں بولی۔

''وجدان!..... وہ میرا گلا دبا رہا تھا.....''

''وہ کون؟'' میں نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

اسی لمحے ایک مرتبہ پھر دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی ''وجدان وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ دیکھو، وہ دروازے پر دستک دے رہا ہے!''

اس کی باتیں بے ربط اور خوف میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ جب میری سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کس کا ذکر کر رہی ہے تو میں نے اسے شانوں سے جھنجوڑ ڈالا ''زرگل! کیا بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں۔ کون تمہارا گلا دبا رہا تھا۔ کہیں تم نے کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھ لیا۔''

ایک مرتبہ پھر دروازہ پیٹا جانے لگا۔ زرگل نے سہمی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا اور بولی ''وجدان میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ حکمت یار میری جان لینا چاہتا ہے۔ تم دروازہ نہ کھولنا۔ اگر وہ اندر آ گیا تو ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ کسی درندے سے کم نہیں۔''

بات کے اختتام پر اس نے مجھے اپنی بانہوں میں جکڑنے کی کوشش کی۔ اس کی اضطرابی حرکت میں خوف پنہاں تھا۔ میں نے اس حرکت کو جزوی طور پر کامیاب ہونے دیا پھر اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''تم خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ میں جا کر دیکھتا ہوں، دروازے پر کون ہے!''

اس کی بانہوں کی ڈھیلی ہوتی ہوئی گرفت میں ایک مرتبہ پھر سختی آ گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں اسے خود سے الگ کروں لیکن حالات تقاضا کر رہے تھے کہ میں فوری طور پر باہر کی صورتِ حال کا جائزہ لوں ورنہ عین ممکن تھا، دستک دینے والا دروازے کو چوکھٹ سے اکھاڑ پھینکتا۔ یہ بات طے تھی کہ زرگل نے حکمت یار سے متعلق کوئی بھیانک خواب دیکھا ہو ورنہ اس فلیٹ کے اندر ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

میں اسے تشفی بخش تھپکی دینے کے بعد داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسی وقت ایک بار پھر دستک کے عمل کو دہرایا گیا اور اس کے ساتھ ہی یہ آواز بلند للکارا بھی گیا۔ آواز مردانہ تھی۔

''ڈاکٹر! شرافت سے دروازہ کھول دو۔ مجھے دروازہ توڑنے پر مجبور نہ کرو!''

پتا نہیں، یہ کون سا واہیات معاملہ تھا۔ کوئی کسی ڈاکٹر کو دھمکی دے رہا تھا۔ ایک بات تو واضح ہو گئی کہ آنے والا ہم سے متعلق نہیں تھا۔ میں نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے دروازے کے وسط میں نصب، آئی گلاس پر آنکھ جمائی اور باہر کا جائزہ لینے لگا۔

اس گلاس نے مجھے ایک عصیلے شخص کو دکھایا۔ وہ دروازے کے عین سامنے تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا۔ میں نے ایک لمحے میں اندازہ لگا لیا وہ شخص ہمارا دشمن نہیں تھا۔ اگر وہ ہمارے مخالف دھڑ سے ہوتا تو دروازے کے سامنے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہوتا تاکہ آئی گلاس کی مدد سے اسے دیکھا نہ جا سکے۔ علاوہ ازیں اس صورت میں وہ بلند آواز میں بولنے کی حماقت بھی نہ کرتا۔ رات کے اس پہر حملہ آور ہونے والے دشمن اس انداز میں انٹری نہیں دیتے۔ وہ کوئی دوسرا ہی معاملہ تھا..... اور اس معاملے کی تہ میں اترنے کے لیے دروازہ کھولنا ضروری تھا۔

یہ بات تو طے تھی، اگر میں دروازہ نہیں کھولوں گا تو وہ ایک مرتبہ پھر اسے پیٹ ڈالے گا لہٰذا میں نے اس کی سُن لینے کا فیصلہ کیا اور لاک ہٹا کر بہ آہستگی دروازہ کھول دیا۔ اس عمل کے دوران میں، میں نے یہ احتیاط ملحوظ رکھی کہ باہر موجود شخص آناً فاناً مجھ پر ٹوٹ پڑے تو میں اپنا مناسب بچاؤ کر سکوں۔ دروازہ کھولتے ہوئے میں نے اس کے سنگل پٹ کو اوٹ بنا لیا۔

جیسے ہی فلیٹ کے دروازے کا سنگل پٹ وا ہوا، ایک پستہ قامت شخص آندھی اور طوفان کی رفتار سے دندناتا ہوا... اندر گھس آیا۔ میں جو دروازے کی اوٹ میں کھڑا تھا، ایک جھٹکے سے باہر آیا اور دھڑ سے میں نے دروازہ بند کر دیا۔

اس شخص نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور چونک اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی پائی جاتی تھی۔ شاید وہ اس فلیٹ میں کسی

اور کی توقع کر رہا تھا..... کم از کم میری نہیں!

''کون ہو تم؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے استفسار کیا۔

وہ میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے بولا ''ڈاکٹر کہاں ہے؟''

پھر وہ بیڈروم کی جانب چوکنا نظر سے دیکھنے لگا۔ میں نے پوچھا ''تم کس ڈاکٹر کا پوچھ رہے ہو؟''

''ڈاکٹر فضیلہ شریف!'' وہ برہمی سے بولا پھر متلاشی نگاہ سے گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا ''جو اپنے نام کے بالعکس فضیلہ بدمعاش ہے..... ایک نمبر کی حرافہ!''

میں نے کہا ''یہاں ڈاکٹر فضیلہ کیا، کوئی بھی ڈاکٹر نہیں رہتی۔ تم غلط جگہ پر آ گئے ہو۔''

''تم جھوٹ بولتے ہو۔'' وہ دہاڑا ''میں بالکل ٹھیک جگہ پہنچا ہوں۔ ڈاکٹر فضیلہ اسی فلیٹ میں رہتی ہے۔ تم نے اسے کہیں چھپا دیا ہے۔ میں اس حرافہ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ بتاؤ، کہاں گئی وہ؟'' اس کی آنکھوں میں اس نامعلوم ڈاکٹر کے لیے نفرت کی چنگاریاں تھیں۔

''میں ایک مرتبہ پھر یہی کہوں گا، تمہیں کوئی زبردست قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' میں نے اس کی حالت کے پیشِ نظر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''یہاں میں رہتا ہوں اور مجھے آئے ہوئے بہ مشکل دو دن ہوئے ہیں۔ جذبات اور غصے نے تمہارے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ تم غیر متعلقہ فلیٹ پر آ گئے ہو۔''

''تم مجھے چکر دینے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟'' وہ شکی لہجے میں بولا۔

اسی وقت زرگل بیڈروم سے برآمد ہوئی۔ اس شخص کا ہاتھ بے اختیار جیب کی جانب بڑھا اور اگلے ہی لمحے ایک ریوالور اس کے ہاتھ میں نظر آیا۔ اس نے پلک جھپکتے میں زرگل کو اپنے ریوالور کے نشانے پر رکھ لیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا ریوالور بردار ہاتھ جھک گیا۔ وہ زرگل کو شاید ڈاکٹر فضیلہ سمجھا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا، وہ کسی زبردست غلط فہمی کا شکار ہو کر وہاں پہنچا تھا۔

میں نے سنجیدہ لہجے میں اس سے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''مشتاق حیدر!'' اس نے جواب دیا پھر اس کی نگاہ اندرونی کمروں میں جھانکنے کی کوشش کرنے لگی۔ شاید اسے میری بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ وہ اب بھی ڈاکٹر فضیلہ کی توقع کر رہا تھا۔

''مسٹر مشتاق!'' میں نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ''اگر تمہیں میری بات کا اعتبار نہیں تو تم اس فلیٹ میں جہاں چاہو، اپنی مطلوبہ ڈاکٹر فضیلہ کو تلاش کر سکتے ہو۔ یہ پیش کش بھی میں تمہاری پریشانی کو دیکھتے ہوئے کر رہا ہوں ورنہ میں اگر چاہوں تو اسی وقت ایک فون کر کے تمہیں پولیس کے حوالے بھی کر سکتا ہوں..... اور میرے لیے یہ بھی ممکن ہے، میں خود ہی دھکے دے کر تمہیں یہاں سے نکال باہر کروں۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد میں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ''ریوالور کو جیب میں رکھ لو۔''

میرے آخری جملے میں تحکم پایا جاتا تھا۔ میری بات اس کی عقل میں آ گئی۔ اس نے ایک بھرپور نظر مجھ پر ڈالنے کے بعد ریوالور کو وہیں ٹھکانے لگا دیا جہاں سے اسے برآمد کیا تھا۔ آئندہ تین منٹ کے اندر وہ فلیٹ کی اچھی طرح تلاشی لے چکا تھا۔ بالآخر ناکامیاب ہونے کے بعد اس نے مایوسی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں دھوکا نہیں کھا سکتا۔ فلیٹ تو یہی ہے۔ میں پہلے بھی دو تین مرتبہ یہاں آ چکا ہوں اور ڈاکٹر فضیلہ شریف سے ملاقات بھی کر چکا ہوں لیکن..... آج وہ غائب ہے۔''

میں نے خیال افروز انداز میں کہا ''ہو سکتا ہے، وہ ہم سے پہلے یہاں رہتی ہو۔ بہرحال، تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ تم ریوالور سونتے خوں خوار انداز میں ڈاکٹر فضیلہ کو کیوں ڈھونڈتے پھر رہے ہو۔ آخر اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''کیا بگاڑا ہے؟'' وہ منہ بگاڑ کر بولا ''یہ پوچھو، کیا نہیں بگاڑا۔ وہ ایک قاتل ہے۔ میرے بچے کو اس نے قتل کیا ہے..... وہ بچہ جو ابھی دنیا میں آیا بھی نہیں تھا۔''

مشتاق حیدر نامی اس شخص کی آواز جذبات سے مغلوب تھی۔ میں نے تھوڑی ہمدردی جتائی تو اس نے مجھے ایک عجیب و غریب واقعہ سنایا۔ اس کی بیوی دس سال کے بعد امید سے ہوئی تھی لیکن اس فلیٹ پر رہنے والی کسی ڈاکٹر فضیلہ شریف نے اس کا ابارشن کر دیا تھا۔ اس کے مطابق، یہ ایک گہری سازش تھی جس میں اس کی سالی نورین اور اس کی خالہ فاخرہ شامل تھیں۔ باوجود وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ مشتاق کی بیوی کلثوم کسی بچے کو جنم دے۔ ڈاکٹر فضیلہ، نورین کی دوست تھی اور اس قسم کے کیس کرنے کے لیے خاصی بدنام بھی تھی۔ مشتاق ان دنوں شہر میں نہیں تھا اور اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر نورین اپنی چھوٹی بہن کلثوم (مشتاق کی بیوی) کو ڈاکٹر فضیلہ کے پاس لے گئی اور ڈی این سی کے ذریعے اس کا ابارشن کروا دیا۔ وہ تفصیل بتانے کے بعد طیش کے عالم میں گویا

میری سماعت سے ٹکرائی۔

اس کے سوال کے جواب میں، میں نے مختصراً اسے حالات سے آگاہ کیا۔ پوری بات سننے کے بعد اس نے کہا۔ ''ہاں وجدان! میں نے بھی اس ڈاکٹر کے حوالے سے کافی قابلِ اعتراض قصے سنے تھے اسی لیے میں نے اس سے فلیٹ خالی کروالیا تھا۔ یہ دو ہفتے پہلے کی بات ہے۔ میں نے چند روز قبل کلینک کی سیٹنگ ختم کرکے اس فلیٹ کو دوبارہ رہائشی انداز دیا ہے۔''

میں نے کہا ''منہاس صاحب! اگر ڈاکٹر فضیلہ ایسی ہی بدنامِ زمانہ تھی تو پھر مشتاق حیدر کی طرح اور لوگ بھی اسے پوچھتے ہوئے یہاں دستک دے سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اور بھی بہت سے لوگوں کو ڈاکٹر سے شکایت ہو!''

''میرا خیال ہے، ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ اپنی بھاری اور سنجیدہ آواز میں بولا ''میں نے ڈاکٹر سے فلیٹ خالی کروانے کے بعد دروازے پر ایک نوٹس چسپاں کروادیا تھا۔ اب یہ قصہ پرانا ہوچکا۔ جن کو ڈاکٹر کے پیچھے آنا تھا، وہ مایوس ہوکر جاچکے ہوں گے۔ میں نے اس نوٹس میں وضاحت کردی تھی کہ اس ڈاکٹر کے ساتھ فلیٹ کے مالک کا کسی قسم کا کوئی تعلق واسطہ نہیں لہٰذا اس کو تلاش کرنے والے یہاں دستک دینے کی کوشش نہ کریں۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''شاید مشتاق نامی یہ احمق شخص کافی دنوں بعد وہاں آیا ہے اسی لیے پریشان ہورہا ہے۔''

''کوئی ایسا ویسا پریشان جناب!'' میں نے اپنے سامنے موجود شخص کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا ''یہ تو اس وقت اتنا جنونی ہورہا ہے کہ اگر ڈاکٹر فضیلہ اسے مل جائے تو یہ اس کا لہو پی جائے گا۔ یہ ڈاکٹر کو اپنے بچے کا قاتل سمجھتا ہے۔''

منہاس باقر نے کہا ''وجدان! ڈاکٹر فضیلہ کے گھر کا ایڈریس تو مجھے معلوم نہیں لیکن میں اس پراپرٹی ایجنٹ سے رابطہ کرکے معلوم کرسکتا ہوں۔ میں بس اتنا جانتا ہوں، فضیلہ بہادر آباد میں رہتی ہے لیکن تم مشتاق کو ایڈریس کے سلسلے میں مایوس کرکے وہاں سے رخصت کردو۔'' وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولا ''وجدان! تعلیم اور صحت کسی بھی معاشرے کے سب سے اہم شعبے ہیں۔ اگر ان شعبوں کی نمائندگی کرنے والے غلط راہوں پر نکل جائیں تو وہ معاشرہ اخلاقی اور معاشرتی طور پر تباہ ہوکر رہ جاتا ہے۔ افسوس! ڈاکٹر فضیلہ جیسی ڈاکٹرز کے خلاف قانونی اور عدالتی طور پر چارہ جوئی بہت مشکل ہے۔ ڈاکٹر کے جرم کی گواہی کوئی ڈاکٹر ہی دے سکتا ہے اور..... تم اندازہ لگاسکتے ہو، یہ کام آسان نہیں۔''

''اسی لیے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''مشتاق جیسے متاثرہ افراد کو جب انصاف کے لیے قانونی تعاون اور مدد نہیں ملتی تو وہ گن اٹھا کر اپنا غبار نکالنے چل پڑتے ہیں۔''

منہاس نے کہا ''میں بھی اسی لیے تم سے کہہ رہا ہوں، تم اسے بہلا پھسلا کر وہاں سے رخصت کردو۔ اگر یہ ڈاکٹر فضیلہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تو یہ اس کے خون میں ہاتھ رنگ لے گا۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟'' اس نے ایک لمحہ توقف کیا پھر بولا ''یہ سیدھا سیدھا قتل کے کیس میں جیل چلا جائے گا۔ اس کی بیوی کو زندہ رہنے کے لیے پتا نہیں، کیا کیا جتن کرنا پڑیں گے۔ کسی اپنے کسی پرائے کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑیں گے۔ زندگی بڑی دردناک ہے وجدان!''

میں کلی طور پر منہاس باقر سے اتفاق نہیں کرسکتا تھا لیکن مشتاق کی موجودگی میں بات کو بڑھانا بھی ٹھیک نہیں تھا لہٰذا میں نے ٹیلی فونک گفتگو کو ان الفاظ پر ختم کردیا۔

''منہاس صاحب! میں اپنے ذاتی معاملات کے سلسلے میں تھوڑی دیر بعد آپ کو فون کرتا ہوں۔ اللہ حافظ۔''

ریسیور کریڈل کرنے کے بعد میں مشتاق حیدر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ہماری گفتگو کو اس نے پوری توجہ سے سنا تھا اور پیش تر باتیں اس کی سمجھ میں آگئی تھیں۔ میں نے بڑی تفصیل میں اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا اور تسلی تشفی کے علاوہ اظہارِ افسوس کے ساتھ اسے فلیٹ سے رخصت کردیا۔

جانے سے پہلے اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا ''جناب! آپ خاصے بھلے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں نے آدھی رات کو یہاں آکر آپ کو بہت پریشان کیا ہے۔ میں اس کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔ آپ مجھے معاف کردیں۔''

''میں نے تمہیں معاف کردیا۔'' میں نے فراخ دلی سے کہا پھر پوچھا ''تم کہاں رہتے ہو؟''

اس نے جواب دیا ''محمود آباد میں۔''

''تم مجھے اپنا مکمل پتا نوٹ کروادو۔'' میں نے کہا ''اگر کبھی مجھے ڈاکٹر فضیلہ کے بارے میں کچھ بھی معلوم ہوا تو میں تمہیں اطلاع دوں گا۔''

اس کی آنکھوں میں امید کی کرن چمکی جس نے اس کے چہرے پر سچی خوشی بکھیر دی۔ بڑی سرعت سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے مجھے اپنے گھر کا پتا اور ٹیلی فون نمبر نوٹ کروادیا پھر متشکرانہ لہجے میں بولا۔

''میں ایک مرتبہ پھر اپنے رویے اور عمل کے لیے

ہوا۔

''اگر میں کراچی میں موجود ہوتا تو کلثوم کو کبھی بھی اس قاتل ڈاکٹر کے پاس نہ جانے دیتا۔'' مشتاق نے زہرخند لہجے میں کہا ''بچے کے حوالے سے علاج معالجے کے سلسلے میں نورین کی فرمائش پر دو تین مرتبہ ڈاکٹر فضیلہ سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا اور میں نے اسے خاصا مشکوک پایا۔ بعد میں جب میں نے اس کے بارے میں تحقیق کی تو اس کی شہرت مجھ پر کھل گئی۔ بہرحال، میں نے سختی سے کلثوم کو منع کردیا تھا کہ کبھی فضیلہ کے کلینک کا رخ نہ کرے لیکن میری غیر موجودگی میں یہ غضب ہوگیا!''

یہ ایک انتہائی غیر متعلقہ قصہ نکل آیا تھا لیکن مشتاق کی بے بسی اور تکلیف کو دیکھ کر میں اس کی کہانی میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگیا۔ اس کے ساتھ واقعی بڑا ظلم ہوا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا ''جب تم نے اپنی بیوی کو تنبیہ کردی تھی تو پھر وہ ڈاکٹر فضیلہ کے پاس کیسے چلی گئی جبکہ دس سال کے بعد اس کی گود ہری ہونے کی امید پیدا ہوئی تھی؟''

''وہ خود نہیں گئی تھی بلکہ اسے بے ہوشی کی حالت میں لے جایا گیا تھا۔'' مشتاق نے بتایا ''کلثوم زینہ اتر رہی تھی کہ اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ بُری طرح گر گئی۔ ان دنوں وہ اپنے میکے میں تھی چنانچہ نورین نورا اسے ٹیکسی میں ڈال کر ڈاکٹر فضیلہ کے پاس لے گئی اور علاج کے نام پر میرے بچے کو قتل کروادیا۔''

''تم نے نورین سے باز پرس نہیں کی۔'' میں نے سوال کیا۔

''میں نے اسے کھری کھری سنائی ہیں۔'' وہ نفرت سے بولا ''اس کا کہنا ہے، سب کچھ ڈاکٹر کے مشورے پر کیا گیا۔ ڈاکٹر فضیلہ نے چیک اپ کے بعد ان پر واضح کردیا تھا کہ پریگننسی بری طرح متاثر ہوچکی ہے۔ اگر فوری طور پر ابارشن نہ کیا گیا تو زچہ کی جان کو سخت خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''میں ابھی نورین کے پاس سے ہی آرہا ہوں۔ ارادہ تو یہی تھا کہ ڈاکٹر فضیلہ کی ''خبر گیری'' کروں گا مگر وہ یہاں موجود ہی نہیں۔ میں جاننا چاہتا تھا، نورین کے بیان میں کس حد تک سچائی ہے۔''

ایک فوری خیال کے تحت میں نے پوچھا ''یہ ابارشن والا واقعہ کب کا ہے؟''

''بیس پچیس دن ہوگئے ہیں۔'' اس نے بتایا ''لیکن مجھے آج شام ہی پتا چلا ہے، میں آج دوپہر کو کراچی پہنچا ہوں۔'' پھر خود ہی وضاحت کرتے ہوئے بولا ''میرے کام کی نوعیت کچھ اس طرح کی ہے کہ بعض اوقات ایک ماہ تک بھی شہر سے باہر رہنا پڑتا ہے۔''

''یہ لوگ تمہیں فون یا کسی اور ذریعے سے بھی تو اطلاع دے سکتے تھے!'' میں نے کہا۔

''میری سسرال والوں نے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔''

میں نے متاسفانہ انداز میں کہا ''پھر تو واقعی یہ ایک جرم ہوا۔ تمہاری سسرال والوں کا رویہ نارمل نہیں ہے۔''

''ان سے تو میں اچھی طرح نمٹ لوں گا۔'' وہ دانت کچکچاتے ہوئے بولا ''پہلے ذرا ڈاکٹر فضیلہ کا حشر خراب کرلوں۔ اگر وہ زندہ رہی تو پتا نہیں، کتنی جانوں کو وہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی ختم کردے گی۔ اس قاتل ڈاکٹر کو میں معصوم زندگیوں سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گا۔''

اس کا لہجہ اور لہجے میں چھپی ہوئی سنگینی بتاتی تھی، اگر ڈاکٹر فضیلہ اس کے ہتھے چڑھ گئی تو وہ اسے کچا چبانے میں ایک لمحے کی دیر نہیں کرے گا۔ وہ اس وقت جنونی ہورہا تھا۔

میں نے اسے اطمینان سے بٹھایا اور کہا ''مسٹر مشتاق! تمہاری بیوی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے، وہ بہت افسوسناک ہے۔ ٹھہرو، میں ڈاکٹر فضیلہ کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں مسرت ہلکورے لینے لگی۔ میں نے پوچھا ''کیا ڈاکٹر فضیلہ اسی فلیٹ میں کلینک چلاتی تھی؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا ''میں کلثوم کے علاج کے سلسلے میں یہیں پر ڈاکٹر سے ملا تھا۔''

میں نے کہا ''یہ فلیٹ میرے ایک دوست کا ہے۔ میں اسے فون کرکے ڈاکٹر فضیلہ کے بارے میں پوچھتا ہوں۔''

''تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔'' وہ تشکرانہ انداز میں مجھے تکنے لگا۔

میں نے منہاس باقر کا نمبر ڈائل کیا۔ رابطہ ہونے پر میں نے ندامت آمیز لہجے میں کہا ''منہاس صاحب بار بار تکلیف دینے پر معذرت چاہتا ہوں۔ دراصل یہاں ایک ایسا واقعہ ہوا ہے کہ آپ سے رابطہ کرنا ضروری ہوگیا۔''

''خیریت تو ہے وجدان۔'' وہ تشویش ناک لہجے میں بولا۔

''تمہارے ساتھ ایسی کیا گڑبڑ ہوگئی؟''

''گڑبڑ میرے ساتھ نہیں بلکہ مشتاق نامی ایک شخص کے ساتھ ہوئی ہے۔''

''وجدان! یہ مشتاق کون ہے؟'' منہاس کی گمبھیر آواز

معذرت خواہ ہوں۔''

میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا ''اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھو مشتاق! طیش اور غصے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔ سمجھ داری سے کام لو اور اپنے مستقبل کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرو۔ اپنی بیوی کا بہت خیال رکھو۔ اس وقت اسے تمہاری بہت ضرورت ہے۔''

اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ اس نمی میں ممنونیت کا سمندر موج زن تھا۔ میں نے مزید کہا ''کیا تمہاری بیوی کو یہ بات معلوم ہے، تم ریوالور اٹھائے ڈاکٹر فضیلہ کو تلاش کرتے پھر رہے ہو؟''

''نہیں، میں نے اس بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا۔''

''اور بتانا بھی نہیں۔'' میں نے تاکیداً کہا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

مشتاق حیدر کے جانے کے بعد میں نے منہاس باقر کو دوبارہ فون کیا ''ہاں منہاس صاحب!'' میں نے رابطہ ہونے پر کہا ''مشتاق کی موجودگی میں حساس موضوعات پر بات نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے چوہدری نوازش کو ایک اوپن وارننگ دے دی ہے۔''

''میں سمجھ گیا تھا۔'' وہ مشتاق کی موجودگی کے حوالے سے بولا پھر پوچھا ''چوہدری نوازش سے کیا ڈیلاگ ہوئے؟''

میں نے اسے، چوہدری سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ''اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کتنا بااختیار اور سمجھ دار چوہدری ہے۔ اپنی طاقت اور اختیار کے زعم میں وہ میری وارننگ کو کوئی اہمیت دیتا ہے یا نہیں۔ اس سے اس کی سمجھ داری اور سوجھ بوجھ کا بھی پتا چل جائے گا۔ بیٹے کا رشتہ بہت اہم ہوتا ہے منہاس صاحب!''

''رشتہ بیٹے کا ہو یا بیٹی کا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' منہاس نے گمبھیر آواز میں کہا ''اولاد کا غم اور خوشی دنیا کے ہر غم اور خوشی سے مختلف اور نرالے ہوتے ہیں۔ مجھے یقین ہے، وہ فیصل کے سلسلے میں گھٹنے ٹیک دے گا۔ تمہاری وارننگ بے لچک اور خاصی سنگین ہے!''

''سمجھ داری اور حالات کی نزاکت تو اسی طرف اشارہ کررہی ہے۔'' میں نے کہا ''آنے والا وقت ہی بتائے گا، چوہدری اس بازی کو کس انداز میں کھیلتا ہے۔ اگر اسے اپنے جیتے جی زندگی عزیز ہے تو پھر ساحل کو میرے حوالے کرنا ہوگا۔ شعیب غوری کسی بھی صورت چوہدری نوازش سے زیادہ طاقت ور اور بارسوخ شخص نہیں۔ میں نے چوہدری کو پاکستان اور پاکستان سے باہر کئی محاذوں پر پرکھا اور برتا ہے۔ اگر چوہدری، شعیب سے ساحل کی واپسی کی فرمائش کرے گا تو مجھے یقین ہے، شعیب اس سے انکار نہیں کرے گا۔''

منہاس باقر کی سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میری سماعت تک پہنچی ''بظاہر تو ایسا ہی نظر آرہا ہے۔''

''اور در پردہ کیا ہوسکتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم صرف امکان کی بات کرسکتے ہیں۔'' منہاس نے کہا ''بالفرض، چوہدری تمہاری بات ماننے کے لیے تیار ہوجاتا ہے یا یوں کہہ لو، مجبور ہوجاتا ہے لیکن کل شام سے پہلے کا وقت وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے نہیں گزارے گا۔ وہ ہر ممکن کوشش کرے گا کہ کسی طرح فیصل کا سراغ مل جائے تاکہ تم سے ڈیل کی نوبت ہی نہ آئے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

میں نے کہا ''بڑی وضاحت سے سمجھ رہا ہوں جناب۔ جس طرح چوہدری اپنے بیٹے تک پہنچنے کے لیے اپنے کراچی نیٹ ورک اور شعیب غوری کی سی ایف کے کو استعمال میں لارہا ہوگا، دوسری طرف بالکل اسی طرح ہم بھی ساحل کو کھوجنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔ کامیابی جس کا مقدر ہوگی وہ پہلے اپنے مطلوبہ بندے تک پہنچ جائے گا۔ سی ایف کے بہت ہی منظم اور فعال تنظیم ہے۔ شعیب نے لاہور میں میری قیام گاہ کا سراغ لگالیا تھا اور فرید پاشا کی کوٹھی میں فون پر ہماری بات بھی ہوگئی تھی۔ شعیب بہت ظالم اور سفاک شخص ہے۔ ساؤتھ والے مشن میں شامل ہمارا ایک بندہ امجد اس کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اس نے امجد کی زبان کھلوانے کے بعد اسے ٹھکانے لگوادیا۔ اس طرح شعیب پر یہ حقیقت کھل گئی کہ کراچی میں آپ اور لاہور میں فرید پاشا میری پشت پناہی کررہے ہیں۔ آپ نے اس فلیٹ کے بارے میں تو مجھے مطمئن کردیا کہ شعیب کا اس طرف دھیان نہیں جاسکتا۔ بہرحال، شہزاد کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔ خاص طور پر اس فلیٹ کی طرف آتے جاتے ہوئے بے حد چوکنا رہنا ہوگا..... اور آپ تو خاصے معروف آدمی ہیں۔ شعیب غوری براہِ راست یا چھپ کر آپ پر وار کرنے کی کوشش کرے گا۔''

''ہمیں اپنی حفاظت کی طرف سے ہر وقت بہت الرٹ رہنے کی ضرورت ہے۔'' منہاس باقر نے کہا ''فیصل تک رسائی سے پہلے وہ کسی پر بھی کوئی اوچھا وار کرسکتے ہیں۔ کھلی جنگ میں سب کچھ ممکن ہے۔''

''یہ بات میرے ذہن میں ہے۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا ''میں اپنے دشمنوں کی طرف سے غافل نہیں رہتا۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے استفسار کیا ''میرے کام کا کیا ہوا جناب؟''

وہ ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد بولا ''تمہارا کام ہوگیا ہے۔ میں نے دو تجربہ کار اور مستعد مسلح افراد کو ہنڈ ائی میں اس بنگلے کی طرف روانہ کردیا ہے جہاں فیصل کو رکھا گیا ہے۔ وہ دونوں میرے بھروسے کے آدمی ہیں۔ وہ جیسے ہی وہاں پہنچیں گے، شہزاد یلو کیب لے کر تمہاری جانب روانہ ہوجائے گا۔ ویسے تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

''فائنل پروگرام تو شہزاد کے آنے کے بعد ہی بنے گا۔'' میں نے کہا ''لیکن ایک بات طے ہے کہ صبح ہونے سے پہلے فواد کا چھاپا ضروری ہے۔ ممکن ہے، اس کی زبان کھل جانے کے بعد شعیب کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل ہوسکیں۔ اس موقع کو ضائع کرنا عقل مندی نہیں ہوگی۔''

''فواد سی ایف کے میں کوئی اونچی حیثیت نہیں رکھتا۔'' منہاس باقر نے مربیانہ لہجے میں کہا ''اس قسم کے کارکن اپنے باس یا بگ باس کے معمولات یا ذاتی زندگی کے بارے میں صفر کے برابر معلومات رکھتے ہیں۔ میں ساحل کے سراغ کے سلسلے میں فواد کی طرف سے زیادہ پُرامید نہیں ہوں۔''

میں نے ٹھوس لہجے میں کہا ''فواد اور جہانگیر ایک ہی رتبے اور حیثیت کے مالک ہیں۔ جہانگیر سے میں نے نہایت ہی اہم راز اگلوا لیے تھے۔ میرا خیال ہے فواد کا سینہ بھی خالی نہیں ملے گا۔ بعض اوقات اس قسم کے معمولی کارندے بہت کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔''

''میں تمہاری بات سے اختلاف نہیں کروں گا وجدان!'' اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''میں جو محسوس کررہا ہوں وہ میں نے بیان کردیا۔''

میں نے کہا ''میں فواد کو نچوڑنے کے بعد کسی اور طرف کا رخ کروں گا۔ ہوسکتا ہے، وہ جہانگیر سے متعلق ہی کوئی سنسنی خیز انکشاف کردے۔ ابھی تک ہم جہانگیر کی زندگی یا موت کے بارے میں پُریقین نہیں ہیں۔''

پھر چند منٹ تک ہمارے درمیان چوہدری نوازش، شعیب غوری، ساحل اور فیصل کے بارے میں انتہائی اہم باتیں ہوتی رہیں۔ سب سے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ فیصل کی حفاظت اور ''راز'' کو اہمیت دی جائے۔ فیصل میری بساط کا ایک ایسا مہرہ تھا جو میرے پاس رہتا تو چوہدری کی شکست یقینی تھی لیکن اگر وہ بدقسمتی سے میرے ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر میں ہاتھ ملنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ یہ منزل پر پہنچ کر ملنے والی مات ہوتی..... ساحل ایک مرتبہ پھر مجھ سے اتنے فاصلے پر چلی جاتی کہ میں.....

اس سے آگے میں کچھ سوچ نہ سکا۔ یہ سوچ کی ایک ایسی بند گلی تھی جس میں قدم رکھنا مجھے گوارا نہ تھا۔ میرے خیال کا پرندہ اپنی پرواز بھول کر زمین بوس ہوجاتا۔ ساحل سے دوری، زندگی سے دوری تھی اور..... زندگی سے دور رہ کر کوئی کیوں کر زندہ رہ سکتا ہے!

فون بند کرنے سے پہلے میں نے منہاس باقر سے کہا۔ ''میری ایک چھوٹی سی فرمائش ہے۔ کیا آپ اپنے پراپرٹی ایجنٹ سے معلوم کرکے ڈاکٹر فضیلہ شریف کی رہائش گاہ کے بارے میں بتاسکتے ہیں۔''

''یہ عین ممکن ہے اور مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا ''لیکن تم اس کے گھر کا پتا جان کر کیا کرو گے؟'' اس کے سوال میں گہری تشویش تھی۔

میں نے کہا ''منہاس صاحب! جیسا کہ مشتاق نے بیان کیا ہے اور آپ بھی اس کی تصدیق کررہے ہیں کہ ڈاکٹر فضیلہ غیر نصابی سرگرمیوں میں مصروف تھی۔ اگر اس کی ان مجرمانہ حرکتوں کی تصدیق باضابطہ طور پر ہوجاتی تو اس کو تھوڑی بہت سزا ملنا چاہیے نا۔ انسانی زندگی سے کھیلنا کوئی مستحسن کھیل تو نہیں!''

''اوہ!'' اس کی فکر آمیز آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''کہیں تم ڈاکٹر کو کوئی عبرت ناک سزا تو نہیں دینا چاہتے؟''

''عبرت ناک نہیں، سبق آموز!'' میں نے محتاط الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے کہا ''وہ بھی کوئی فوری طور پر نہیں۔ ابھی تو میں اپنے انتہائی ضروری مسائل میں الجھا ہوا ہوں۔ ذرا فرصت مل جائے پھر اس مجرم ڈاکٹر کو دیکھوں گا۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد میں نے گمبھیر آواز میں اضافہ کیا ''منہاس صاحب! مشتاق کی بیوی دس سال بعد امید سے ہوئی تھی اور یہ ان کا پہلا بچہ تھا۔ ذرا سوچیں، اس امید کے پیدا ہوجانے کے بعد انہوں نے کتنے حسین سپنے بُنے ہوں گے، اپنے آنے والے بچے کے بارے میں کیا کیا پلاننگ کی ہوگی۔ اولاد کی محرومی کا دکھ کوئی لاولد ہی محسوس کرسکتا ہے۔ میں نے مشتاق کی آنکھوں میں دھوئیں کا غبار دیکھا ہے۔ ایسا کڑوا اور کسیلا دھواں جو ہزاروں روشن دیپوں کے یکبارگی بجھنے سے اٹھتا ہے۔ ڈاکٹر فضیلہ کی نام نہاد مسیحائی نے ایک زہر آلود پھونک مار کر ان کی روشن زندگی کو تاریکی کے عمیق غار میں پھینک دیا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی!''

''ہاں، واقعی یہ کوئی بات نہ ہوئی۔'' وہ تائیدی مگر خنک لہجے میں بولا ''بلکہ اسے سراسر زیادتی کہنا چاہیے اور وجدان!'' اچانک اس کا انداز ناصحانہ ہوگیا ''تمہیں اس ملک

کے طول وعرض میں ایسی ہی ہر قسم کی زیادتیوں کی ہزاروں لاکھوں مثالیں ملیں گی، کس کس کا مداوا کرو گے۔''

منہاس باقر کی آواز سے دکھ..... گہرا صدمہ جھلکتا تھا۔ وہ اس صورتِ حال پر کبیدہ خاطر اور بے حد ملول تھا لیکن وہ جذباتی آدمی نہیں تھا اس لیے رنج کے اظہار میں جوش کہیں نظر نہیں آتا تھا، گہری سنجیدگی اور بردباری نے اس کے جذبات کو مضبوط لگام دے رکھی تھی۔

میں نے کہا ''منہاس صاحب! ہزاروں لاکھوں نہ سہی لیکن میں کسی ایک فریادی اور کچلے ہوئے انسان کی دادرسی تو کرسکتا ہوں۔ اگر میرے پاس چٹکی بھر مرہم ہے تو میں اس سے کسی گھائل شخص کا ایک زخم تو ڈھانپ سکتا ہوں۔ کہتے ہیں، ایک انسان کو بچانا پوری انسانیت کو بچانے کے مترادف ہے..... تو کیا ایک مظلوم کی مدد کرنا یا ایک ظالم کا ہاتھ توڑنا، دکھی انسانیت کی خدمت داری نہ ہوگی؟..... ایک ظالم کی سرکوبی نہ ہوگی؟''

''بے شک ہوگی!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا ''میں کل ہی تمہیں اس ڈاکٹر کا پتا معلوم کر کے بتادوں گا لیکن میری ایک بات ذہن نشین کرلو بلکہ تم اسے میری نصیحت بھی سمجھ سکتے ہو۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح تصدیق کرلینا کہ ڈاکٹر واقعی قصوروار ہے کیونکہ عموماً ڈاکٹرز ایسے کیس مریض یا مریض کے لواحقین کے ایما پر کرتی ہیں۔''

''آپ اس سلسلے میں اطمینان رکھیں۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا ''میں مطمئن ہونے کے بعد ہی کوئی کارروائی کروں گا اور وہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ میں اسی وقت نکل کھڑا ہوں۔ ساحل کا معاملہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ میں اسے پس پشت ڈال کر کسی اور سرگرمی میں ملوث نہیں ہوسکتا۔ ویسے آپ ایک بات تو بتائیں؟''

''ہاں پوچھو!'' منہاس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

میں نے پوچھا ''آپ ایک اخبار کے ایڈیٹر و پبلشر ہیں۔ آپ اس آرگن کے توسط سے ان معاشرتی ناہمواریوں کی نشاندہی کیوں نہیں کرتے۔ میرا خیال ہے، اگر ایسے جرائم پیشہ معزز افراد کی نقاب کشائی کی جائے تو اس کے بہت سے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔''

''اس نوعیت کے مضامین اور فیچرز میرے اخبارات میں بلکہ کم وبیش ہر اخبار میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں سنگینی برقرار رہی ''میں اس فریضے سے غافل نہیں ہوں۔''

''آپ نے اس فرض کی ادائی کے اثرات بھی دیکھے ہوں گے!''

''کچھ زیادہ..... حوصلہ افزا نہیں۔'' وہ مایوسی سے بولا۔

''بھئی اخبارات میں ایسے مضامین پڑھ کر لوگوں کا شعور تو بڑھتا ہوگا۔'' میں نے کہا ''عوام ان سے سبق سیکھتے ہوں گے۔ آپ کی یہ کوشش اصلاحِ معاشرہ کے لیے خاصی تسلی خیز ثابت ہوتی ہوگی اور آپ بڑے حوصلہ شکن انداز میں کہہ رہے ہیں کہ.....''

وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا ''وجدان! بات دراصل یہ ہے کہ ہماری قوم کا مجموعی مزاج بڑا افسوس ناک بن کر رہ گیا ہے۔ اس قوم میں ہم سب شامل ہیں اور میں اکثریت کی بات کررہا ہوں..... ہم صرف ڈنڈے کی زبان سمجھتے ہیں یا پھر مصیبت کی گھڑی کو یاد کرتے ہیں ورنہ اپنی اصلاح اور بہتری کے لیے کیا کچھ نہیں کرسکتے۔ کون سی ترکیب اور تدبیر ایسی ہے جو ہمارے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو مگر عمل کرنے سے ہماری جان جاتی ہے ورنہ ہمارے درمیان تو ایک ایسا نسخہ کیمیا موجود ہے جو مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ مقدس کتاب ہر گھر میں پائی جاتی ہے لیکن ایسے گھر کتنے ہوں گے جہاں یہ باقاعدگی سے کھلتی بھی ہوگی اور..... ان لوگوں کو شمار کرنا ہی آسان کام ہے جو اس کی فراہم کردہ تعلیمات کو سمجھتے ہوں گے اور پھر اس کے مطابق اپنی زندگی کو بھی ڈھالتے ہوں گے!''

منہاس باقر ایک تلخ سچائی بیان کررہا تھا جس سے انکار ممکن نہیں۔ کوئی منافق ہی اس انکار کی جرأت کرسکتا ہے۔ یہ آسمانی کتاب ایک کامل راہِ نجات ہے' اگر اسے سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور پھر خلوص سے اس عمل بھی کیا جائے۔ پوری دنیا میں اس وقت مسلمانوں پر بڑا کڑا وقت ہے اور انہیں نت نئے طریقوں سے ذلیل وخوار کیا جارہا ہے کیوں کہ انہوں نے بہ حیثیت مجموعی فرقانِ حمید کی پکار پر توجہ دینا چھوڑ دی ہے' چند بالغ عاقل اور وسیع نظر افراد کے علاوہ اور یہ چند افراد..... درجنوں ہوں یا سیکڑوں' اپنا خون جلانے اور اچھے وقت کے انتظار کے سوا کچھ نہیں کرسکتے۔

خوش امیدی سے بڑا اور کوئی سہارا نہیں ہوتا۔ ایک ناامید بے آسرا شخص اس سہارے کی بہ دولت اپنی مایوسی پر قابو پاسکتا ہے۔ خوش امیدی انسان میں جینے کی امنگ اور آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے!

منہاس باقر سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوا تو میں زرگل کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ اس دوران میں خاموش بیٹھی بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھے جارہی تھی۔ اس وقت ہم دونوں میرے بیڈ روم میں تھے۔ زرگل کا خوف بڑی حد تک زائل ہوچکا تھا اور وہ قدرے نارمل نظر آتی تھی۔

''تمہیں کیا ہوگیا تھا؟'' میں نے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

وہ رسانیت سے بولی ''اب تو میں بھی یہی محسوس کررہی ہوں کہ وہ کوئی خواب تھا..... بہت ہی ڈراؤنا خواب!'' اس نے ایک جھرجھری لی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی ''وجدان! حکمت یار بڑی بے دردی سے میرا گلا دبا رہا تھا۔ میں تمہیں متوجہ کرنے کے لیے آواز دینا چاہتی تھی' تمہیں چیخ کر پکارنا چاہتی تھی لیکن اس کم بخت نے اتنی سختی سے میری گردن کو دبوچ رکھا تھا کہ بے بسی نے میری قوتِ گویائی گویا سلب کر ڈالی تھی۔''

''اب ایسا تو نہ کہو زرگل!'' میں نے اس کا رہا سہا خوف دور کرنے کی غرض سے کہا ''میں تمہاری وحشت ناک چیخ سن کر ہی تو ادھر لپکا تھا اور تم کہہ رہی ہو.....''

اسے فوراً اندازہ ہوگیا کہ میں اس سے ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ کرنے کے موڈ میں ہوں' بات کاٹتے ہوئے بولی ''شاید تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا اس لیے مذاق کی سوجھ رہی ہے؟''

زرگل ایک تعلیم یافتہ پشتون دوشیزہ تھی اور اس کے انداز گفتگو سے جھلکتا تھا' وہ پڑھی لکھی ہے۔ وہ صحیح تلفظ اور لب ولہجے کے ساتھ اردو بولتی تھی جو ایک حیرت انگیز بات بھی تھی۔ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''زرگل! میں تم سے کسی قسم کا مذاق نہیں کررہا ہوں۔ واقعی میں تمہاری چیخ سن کر بوکھلا گیا تھا۔ لگتا ہے' اپنے چاچا کو تم نے کچھ زیادہ ہی ذہن پر سوار کرلیا ہے۔''

''حکمت یار کوئی انسان نہیں بلکہ ایک آسیب ہے۔'' وہ گمبھیر آواز میں بولی ''اس نے پچھلے دنوں جس شیطانی انداز میں میری زندگی کا تعاقب کیا ہے..... اور یہ تعاقب ابھی ختم نہیں ہوا۔ اس کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے' حکمت یار جب تک میری جان نہیں لے لے گا' اسے سکون نہیں آئے گا۔'' بات کے اختتام پر اس نے ایک مرتبہ پھر جھرجھری لی۔

''یا وہ پہلے بھی تمہارے خواب میں آتا رہا ہے؟'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا۔

وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی ''نہیں وجدان! ایسا آج پہلی مرتبہ ہوا ہے۔ میں اپنے خیالوں میں ہمہ وقت اس سے خوف زدہ تو رہتی ہوں لیکن ایسا واقعہ پہلے کبھی پیش نہیں آیا..... اور میرا خیال ہے' یہ کوئی اچھی علامت نہیں!''

''تمہارے خیال کی تائید کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''میں محسوس کررہا ہوں' حکمت یار کی دہشت تمہارے اعصاب کو بری طرح متاثر کررہی ہے' وہ تمہارے شعور سے آگے بڑھ کر لاشعور پر بھی حاوی ہونے لگا ہے۔ تمہارا دن کا سکون تو برباد تھا ہی۔ اگر یہی صورتِ حال زیادہ عرصے تک برقرار رہی تو راتوں کی نیند بھی غارت ہوجائے گی۔ تم کبھی ہڑبڑا کر اور کبھی چلا کر اٹھو گی اور حکمت یار کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگو گی۔ میں کل تمہاری کہانی ضرور سنوں گا اور ہر ممکن تمہاری مدد کرنے کی کوشش بھی کروں گا۔ ویسے ایک بات کا تم اطمینان رکھو۔'' میں نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور شفقت آمیز لہجے میں کہا ''تمہارا چاچا حکمت یار یہ نہیں جانتا کہ تم لاہور سے کراچی منتقل ہوچکی ہو لہٰذا فی الحال تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہیں۔''

''میں مانتی ہوں وجدان!'' وہ شکر گزاری کے احساسات کے ساتھ بولی ''تم نے اب تک میری بھرپور مدد کی ہے اور آئندہ بھی اس سلسلے میں تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔ میں کوئی سوال کیے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ چند لمحات کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا ''میری کہانی تو تم بعد میں سنتے رہو گے۔ ابھی فوری طور پر تم مجھے کوئی ایسا ٹوٹکا بتاؤ جس سے میں اپنے دماغ اور سوچ کو قابو میں رکھ سکوں۔ تم نے میرے پاؤں کی موچ نکالتے وقت کوئی جادو کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اعصاب کو پُرسکون رکھنے کے لیے بھی تم مجھے گر کی کوئی بات ضرور بتاؤ گے!''

وہ سرخ وسفید پشتون دوشیزہ اس وقت بہت ہی سادہ اور معصوم نظر آرہی تھی۔ اس کی سادگی اور معصومیت میں شمہ بھر ملاوٹ نہیں تھی۔ اس قسم کے خالص اور سچے تاثرات اسی وقت نمودار ہوتے ہیں جب انسان اپنے کسی قابلِ اعتماد اور خیر خواہ کے سامنے ہو' وہ سامنے والے سے ہمدردی' خلوص اور تعاون کی امید رکھتا ہو اور اسے یقین ہو' سامنے والا اس کی بات اور معاملات کو اپنی ذات تک محدود رکھے گا۔

اس بات میں تو کسی شک وشبے کی گنجائش باقی نہیں تھی کہ زرگل مجھے پُرخلوص اور قابلِ بھروسا سمجھتی تھی۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو وہ فاضلیہ کالونی والی کوٹھی سے میرے ساتھ نہ جاتی' گلبرگ تھری والی کوٹھی میں قیام سے انکار کردیتی اور یوں ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لاہور سے کراچی نہ پہنچ جاتی! زرگل کا یہ بھروسا' اعتماد اور مدد کی توقع اپنی جگہ لیکن اس کے کھلتے اور نکھرتے ہوئے پُرپرزے کسی وارننگ سے کم نہیں

تھے.....کوئی سنگین دارنگ!

میں زرگل کے بارے میں نہیں جانتا تھا بلکہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا' سوائے اس کے چاچا حکمت یار.....اور ان کی دشمنی کے۔ اس کی داستان حیات سننے کے بعد ہی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ یا لائحہ عمل طے کیا جا سکتا تھا۔ میں اس کی کتنی اور کیسی مدد کر سکتا ہوں اس سلسلے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اپنی جانب سوالیہ نظر سے اسے دیکھتے پا کر میں نے شرارت آمیز لہجے میں کہا ''زرگل! تمہارا یقین بہ جا۔ میں اس سلسلے میں ٹپ دے سکتا ہوں لیکن مصیبت یہ ہے کہ جسے بھی کوئی گر کی بات بتاؤ وہ گرو سمجھنے لگتا ہے.....اور مجھے گرو بننے کا شوق ہے' نہ ہی چیلے چپاٹیاں پالنے کی فرصت!''

''میں ایسا نہیں سمجھوں گی۔'' وہ خفیف سا مسکرا کر بولی۔ ''ویسے بھی گرو تو بہت ہی عمر رسیدہ اور کہنہ مشق شخص کو کہا جاتا ہے جب کہ تم تو ماشاء اللہ ابھی بھرپور جوان ہو!''

آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کی تیز نگاہ سرتاپا میرے وجود میں بہت گہرائی تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگی تو مجھے کچھ بے چینی سی محسوس ہوئی۔ میں نے پہلو بدلتے ہوئے جلدی سے کہا۔

''زرگل! گرو یا چیلے کا عمر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ میں نے ایسے گرو بھی دیکھے ہیں جن کے چیلے عمر میں ان سے دوگنا اور تین گنا تھے۔''

میں نے محض اس کی توجہ بٹانے کے لیے بات برائے بات وہ ڈائیلاگ بولا تھا۔ وہ گہری دلچسپی سے میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''دھدان! تم نے بہت کچھ دیکھ رکھا ہے۔ پچھلے چند دنوں کے تجربے کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچی ہوں۔''

''اللہ نے یہ دو آنکھیں دیکھنے کے لیے ہی دی ہیں۔'' میں نے انگلی کی مدد سے پہلے اپنی اور پھر اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا ''اگر انسان ان کا بھرپور استعمال کرے تو دنیا میں نظاروں کی کمی نہیں۔''

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' وہ بدستور تکتے ہوئے بولی ''یہ الگ بات ہے کہ ان مناظر میں بعض خوش گوار اور بعض بہت ہی تلخ اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔''

میں نے اثبات میں جواب دیا ''یہ تو ہے۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ یہ شر اور خیر کے مختلف عناصر سے ترتیب پاتی ہے۔ ترش اور شیریں کا ملاپ ہی کسی شے کا وجود قائم رکھتا ہے' جیسے برقی رو کی ترسیل کو برقرار رکھنے کے لیے مثبت اور منفی پولز کی ضرورت ہوتی ہے بالکل اسی طرح انسانی زندگی بھی خوش گوار اور ناخوشگوار یادوں کا سرمایہ ہے اور یہ خوشگوار و ناخوشگوار یادیں' تلخ اور شیریں مناظر کی رہین منت ہوتی ہیں۔''

زرگل نے پُرسوچ انداز میں کہا ''انسان کی آنکھیں اگر متعدد خونچکاں نظاروں کے بعد صرف ایک دل خوش کن منظر دیکھ لیں تو ماضی.....گزرے ہوئے وقت کی ساری کلفت اور کدورت دور ہو جاتی ہے۔''

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''تصویر کا دوسرا رخ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ لگاتار اور مسلسل خوشیوں کے بعد اگر انسان اچانک کسی گہرے صدمے سے دوچار ہو جائے تو اگلی پچھلی ساری مسرتیں خاک میں مل کر رہ جاتی ہیں اور متاثرہ شخص کو سنبھلنے میں مہینوں بلکہ بعض اوقات کئی سال بھی لگ جاتے ہیں۔''

''ایسا کیوں ہوتا ہے؟'' اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''اس لیے کہ غم اور خوشی انسانی زندگی کا لازمی جزو ہیں۔''

''کیا ہم غم سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل نہیں کر سکتے؟''

''اس کے لیے زندگی کو خیرباد کہنا پڑے گا!''

''پھر کیا فائدہ۔'' وہ ہاتھ لہرا کر بولی ''جب زندگی نہ رہی تو پھر غم اور خوشی کی کیا اہمیت؟''

''اسی لیے تو میں کہہ رہا ہوں کہ زندگی غم اور خوشی کا مرکب ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کہیں کم' کہیں زیادہ۔ کہیں رنگین' کہیں سنگین!''

''تم یقین جانو۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولی ''میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جنہیں دنیا میں کوئی غم و فکر نہیں۔ وہ ہر وقت خوش اور خوش حال دکھائی دیتے ہیں۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا ''ایسے افراد کو موٹی کھال والا کہا جاتا ہے..... بے حس اور سفاک لوگ۔ وہ خوش اور خوش حال اس لیے نظر آتے ہیں کہ یہ دونوں نعمتیں انھوں نے دوسروں سے چھینی ہوتی ہیں ورنہ انسان کتنا بھی بااختیار یا اقتدار اور صاحب ثروت کیوں نہ ہو' یہ ممکن نہیں کہ اسے کوئی غم نہ ہو۔ اصول تو یہ ہے کہ انسان زندگی کے مختلف شعبوں میں جس قدر پھیلا ہوا ہے' اس کی پریشانی' فکر اور مسائل اسی قدر وسیع ہوتے ہیں۔'' میں نے تھوڑا توقف کیا پھر اس وضاحت کو مکمل کرتے ہوئے کہا ''ہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی پریشانیوں اور غموں کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے اور ہر حال میں مطمئن دکھائی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بہت باکمال' اعلیٰ ظرف اور قابل ستائش لوگ ہیں۔ ان کی ایک خاص پہچان ہے۔ یہ ہر حال میں آپ کو ''خوش'' تو نظر آئیں گے مگر کسی بھی حال میں آپ انہیں ''خوش حال'' نہیں دیکھیں گے۔ تم سمجھ رہی ہو' خوشحالی سے میری کیا مراد ہے؟''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ایک گہری طویل سانس لیتے ہوئے بولی ''دھدان! تم مجھے کوئی گرہتانے والے تھے!''

''ہاں گر!'' میں نے مخصوص انداز میں گردن کو جنبش دی اور کہا ''میں تمہیں ایک نہایت ہی مختصر اور آسان سی مشق بتاتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں اسے مکمل کیا جا سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں ذہنی دباؤ سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر اس ننھی منی مشق کو کچھ عرصے تک باقاعدگی سے جاری رکھا جائے تو نہ صرف شکستہ اعصاب کی مرہم پٹی ہو جاتی ہے بلکہ یہ قابو میں بھی آ جاتے ہیں۔''

''میں اس مفید مشق کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لوں گی۔'' وہ جوش بھرے لہجے میں بولی۔

پھر اس سے قبل کہ میں زرگل کو مذکورہ مشق کے بارے میں کچھ بتاتا' ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری گھنٹی پر میں نے فون ریسیو کر لیا۔ دوسری طرف شہزاد تھا۔

''ہیلو دھدان! منہاس صاحب نے ہیلو کیب اور دو مسلح سکیورٹی گارڈ یہاں بھیج دیے ہیں۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا ''میں تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ جب تم نے رنگ نہیں کیا تو سوچا' میں ہی تم سے رابطہ کر لیتا ہوں۔''

''بہت اچھا کیا تم نے۔'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا ''پروگرام وہی ہے۔ صبح سے پہلے پہلے فواد پر ہاتھ ڈالنا ہے۔ اس بھرے پر نہیں بیٹھا جا سکتا کہ فرصت ملے گی تو اسے بھی دیکھ لیں گے۔ میرا سابق تجربہ یہی ہے کہ مجھے کبھی فرصت نہیں ملے گی۔ تم ہیلو کیب میں میری طرف آ جاؤ۔ یہاں بیٹھ کر پروگرام کو فائنل کرتے ہیں۔''

''او کے' میں نکل رہا ہوں۔'' وہ مستعدی سے بولا۔

میں نے کہا ''شہزاد! اس وقت ملبوسات کی کوئی دکان کھلی ہو گی؟''

''اس وقت!'' اس نے الجھن زدہ انداز میں دہرایا ''رات کا ایک بج رہا ہے۔ مجھے نہیں امید ایسی کوئی دکان کھلی ہو۔ گارمنٹس اور بوتیک والے زیادہ سے زیادہ گیارہ بجے تک اپنا کاروبار سمیٹ لیتے ہیں۔ ویسے مسئلہ کیا ہے؟'' بات کے اختتام پر اس نے پوچھا۔

''مجھے ایک لیڈیز سوٹ چاہیے۔'' میں نے زرگل کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ''اگر شلوار قمیص مل جائے تو زیادہ اچھا ہے۔''

زرگل نے ابھی تک نائلہ کا دیا گلابی لباس پہن رکھا تھا۔ مجھے اتنی فرصت نہیں ملی تھی کہ میں اسے لباس تبدیل کرنے کے لیے کہتا اور ازخود اس نے نائلہ کے وارڈروب میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

شہزاد نے میرا مقصد سمجھ لیا' بولا ''آپ کو زرگل کے لیے لباس چاہیے نا؟''

''ہاں ہاں' اسی کے لیے۔'' میں نے جلدی سے کہا ''تم نے اسے دیکھا ہے۔ اس ناپ کا ایک لباس فوراً مہیا کر دو تو اچھا رہے گا۔ کل میں یہیں طارق روڈ سے اس کی مرضی کی شاپنگ کروا دوں گا۔''

شہزاد نے پوچھا ''لباس نیا ہونے کی شرط ہے یا دُھلا ہوا استعمال شدہ بھی چلے گا!''

''صاف ستھرا استعمال شدہ بھی دوڑے گا۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

پھر میں نے امجد مرحوم کا حوالہ دیتے ہوئے شہزاد کو بے حد محتاط رہنے کی تاکید کی۔ ساؤتھ والی کارروائی میں شہزاد علی بھی امجد کے ساتھ تھا لیکن خوش قسمتی سے شعیب کے ہتھے نہیں چڑھ سکا تھا۔

شہزاد سے رابطہ ختم ہوا تو زرگل نے تشویش بھرے لہجے میں کہا ''دھدان تمہاری باتوں سے پتا چلا ہے' تم فواد کو آج رات ہی چھاپنے کا فیصلہ کر چکے ہو' تم نے کہا تھا' اس مشن میں مجھے بھی اپنے ساتھ رکھو گے!''

''ہاں' کہا تو تھا!'' میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سوچ میں بھی ڈوبا ہوا تھا۔ حالات کی بساط پر میرا ذہن مہروں کی پلاننگ کر رہا تھا ''کیا تم واقعی اس مشن میں عملاً حصہ لینا چاہتی ہو یا فلیٹ پر اکیلے رہنے سے ڈر رہی ہو؟''

یہ سوال میں نے ایسے ہی پوچھ لیا تھا ورنہ میں نے اسے اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ فواد مجھے اور شہزاد کو چہروں سے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس کو گلشن والے فلیٹ سے باہر لانے میں زرگل بہت معاون ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ بات تو طے تھی کہ ہم نے فواد کے ساتھ جو بھی کارروائی کرنا تھی وہ اس اپارٹمنٹس بلڈنگ سے باہر کہیں کرنا تھی۔ وہ ایک رہائشی عمارت تھی۔ اگر ہم فواد کے فلیٹ پر کوئی غیر نصابی مضمون کھول بیٹھتے تو ایک مصیبت کھڑی ہو سکتی تھی!

میں نے سوالیہ نظروں سے زرگل کو دیکھا تو وہ دیانت

داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی'' دونوں ہی باتیں ہیں وجدان۔ مجھے یہاں تنہا رہتے ہوئے واقعی ڈر محسوس ہوگا۔ اس فلیٹ پر سہمنے اور خوف زدہ ہونے سے تو یہ اچھا ہوگا' میں تمہارا ہاتھ بٹاؤں۔''

اس کے لہجے سے اپنائیت اور خلوص ٹپکتا تھا۔ ''ہاتھ بٹاؤں'' کے الفاظ اس نے اتنی سادگی اور سچائی سے ادا کیے تھے کہ میں اس کی پیش کش سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ میں اسے ساتھ لے جانے کے بارے میں سوچ ہی چکا تھا، فراخ دلی سے کہا۔

''ٹھیک ہے زرگل! تم بھی ہمارے ساتھ ہی جاؤ گی۔''

''بس تو پھر جلدی سے مجھے وہ مختصر مشق بتادو۔'' وہ کسی ننھے بچے کی طرح مچل کر بولی'' تاکہ جب ہم اس مشن سے کامیاب لوٹیں تو میں اپنے بکھرے ہوئے اعصاب کو سمیٹ کر چین کی نیند سوسکوں۔''

میں چند لمحات تک خاموش رہ کر اپنے خیالات کو ایک نقطے پر مجتمع کرتا رہا پھر زرگل کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''کشیدہ اعصاب کسی تنی ہوئی ڈوری کے مانند ہوتے ہیں۔ ڈوری کو چاہے جتنا بھی کھینچ کر تان لیا جائے' اس میں مزید کی گنجائش موجود رہتی ہے۔ اس کی فطرت میں لچک ہوتی ہے جو اسے ٹوٹنے سے بچائے رکھتی ہے لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب اس کی فطری لچک کا اختتام ہوجاتا ہے اور ڈوری کے بل کھلنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ وہ کھلنے سے پہلے ٹوٹتے ہیں پھر بکھرتے ہیں۔ ان بلوں کے نازک ریشے شکست وریخت کا شکار ہوکر اپنی سالمیت کھو بیٹھتے ہیں۔ ڈوری کا وجود انہی ریشوں کی صحت پر منحصر ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی صورت شکل کو برقرار نہیں رکھ سکتے تو ڈوری کا وجود کب تک قائم رہ سکتا ہے۔

''انسان کے اعصاب کی طاقت اور ضعف کا دارومدار بھی لچک پر ہے۔ جس شخص کے اعصاب میں جتنی زیادہ لچک موجود ہوتی ہے وہ اتنی ہی زیادہ برداشت کا مالک ہوتا ہے۔

''تنے ہوئے اور مکمل اعصاب اپنی لچک کو کھودیتے ہیں جس کے نتیجے میں انسان ڈھے جاتا ہے اس لیے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے اعصاب میں لچک پیدا کرے تاکہ اس کی ذہنی اور جسمانی صحت بہ حال رہ سکے۔ تفکرات اور پریشانیاں اس لچک کے دشمن ہیں۔ آپ کی صحت کے یہ دونوں دشمن اگر ختم نہیں ہوسکتے تو نہ ہوں۔ انہیں اپنا کام کرنے دیجئے اور آپ اپنا کام جاری رکھیں..... اعصابی لچک کو بڑھانے کا کام' اپنی برداشت' تحمل اور صبر کو آزمانے کا کام!''

وہ ہمہ تن گوش یک ٹک مجھے دیکھے جارہی تھی۔ میں نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا'' یہ مشق اعصاب میں لچک پیدا کرکے تمہیں ذہنی سکون فراہم کرے گی، کسی بھی آرام دہ جگہ پر بیٹھ جاؤ' لیٹ جاؤ یا کھڑی ہوجاؤ۔ آرام دہ جگہ سے میری مراد ایک ایسی جگہ ہے جہاں تازہ ہوا کا گزر ہو اور کسی قسم کی کوئی مداخلت نہ ہوتا کہ تم پوری توجہ سے یہ مشق کرسکو۔ بیٹھ کر' لیٹ کر یا کھڑی ہوکر جیسے بھی تمہیں سہولت ہو' اپنی آنکھیں بند کرلو۔ اس کے بعد تین چار گہری اور ہموار سانسیں لو تاکہ پھیپھڑے تازہ ہوا سے معطر اور ذہن منور ہوسکے۔ اس مختصری تیاری کے بعد اپنے ذہن میں کسی کلف دار کپڑے کا تصور کرو۔ کھڑکھڑاتا' سرسراتا اور کڑک کپڑا۔ یہ ناراض اور غصیلا کپڑا تمہارے اعصاب ہیں۔ تم نے اس میں لچک اور نرمی پیدا کرنا ہے..... اور تم یقیناً ایسا کرکے دکھاؤ گی۔

''ایک گہری سانس کھینچو۔ دھیرے دھیرے ناک کے راستے تازہ ہوا کو اپنے پھیپھڑوں میں بھرنے دو۔ جب سانس کی آمد مکمل ہوجائے تو پھر منہ کے راستے سیٹی بجانے والے انداز میں' ہونٹوں کو سکیڑ کر اس سانس کو آہستہ آہستہ خارج کرو۔ تصور یہ قائم کرو کہ تم اس اکڑے ہوئے کپڑے پر پھونک مار رہی ہو۔ تمہاری پھونک میں بڑی تازگی اور فرحت ہے' بڑی نرمی اور لوچ ہے۔ اس پھونک کی ٹھنڈک اور ملائمت کپڑے پر اثر انداز ہورہی ہے۔ اس کی اکڑفوں نکل رہی ہے جس کی جگہ نرمی اور گداز پیدا ہورہا ہے۔ وہ کلف دار کپڑا رفتہ رفتہ ریشم میں بدل رہا ہے۔ اس کے اندر اتنی لچک اور لوچ پیدا ہوچکا ہے کہ یہ زمانے بھر کی تلخیوں' سختیوں اور کرختگی کو اپنے دامن میں سمو سکتا ہے..... ان منفی عناصر کی ہستیوں کو نیست و نابود کرکے راحت اور آرام کی فضا تخلیق کررہا ہے!

''یاد رکھو! نرمی سے زیادہ کوئی شے سخت نہیں ہوسکتی۔ خطرناک سے خطرناک تلوار کا وار روکنے کے لیے ڈھال بنائی جاسکتی ہے' اپنے جسم کو فائرنگ سے محفوظ رکھنے کے لیے بلٹ پروف ہیلمٹ اور جیکٹ تیار کی جاسکتی ہے لیکن نرمی کا وار روکنے کے لیے آج تک کوئی ڈھال' کوئی روک ایجاد نہیں ہوسکی کیوں کہ یہ جسم پر نہیں' دل پر وار کرتی ہے' ذہن کو مسخر کرتی ہے۔ انسان کے دل ودماغ کو تسخیر کرنا ہی اصل حکمرانی ہے۔ اپنی طاقت کے بل پر مخلوقِ خدا کو ہراساں کرکے انہیں اپنے اشاروں پر نچانا اور اپنے احکام کی بجا آوری پر مجبور کرنا ایک ناٹک ہے' اپنی برتری جتانے کا ایک کھوکھلا مظاہرہ۔ ایسے چھٹ بھیوں کی دنیا میں کمی نہیں!''

میری تقریر ختم ہوئی تو زرگل کو جیسے ہوش آگیا۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور ٹرانس کی سی کیفیت میں بولی'' پھر کیا ہوا؟''

''اور پھر دروازے پر دستک ہونے لگی۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔

اگلے ہی لمحے واقعی دستک ہونے لگی۔

زرگل نے دیدے پھیلا کر مجھے ناپنے کی کوشش کی۔ میں خاموشی سے اٹھا اور جاکر دروازہ کھول دیا۔ شہزاد علی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا!

☆☆☆

کرم اپارٹمنٹس سے چند گز پہلے ہی شہزاد نے میلو ہنڈائی روک لی۔ اس مقام پر نیم تاریکی تھی۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ ہم جس قسم کی کارروائی کرنے وہاں پہنچے تھے اس کے لیے مناسب وقت یہی تھا۔ کرم اپارٹمنٹس ایک بہت بڑا رہائشی منصوبہ ہے جس میں سیکڑوں فلیٹس ہیں جن میں بسنے والوں میں سے اکثر سو رہے تھے۔

شہزاد بہت موقع شناس اور باتدبیر بندہ تھا۔ میں نے زرگل کے لیے ایک لباس کی فرمائش کی تو وہ تین لباس اٹھا لایا۔ وہ میری طرف آنے سے پہلے منہاس باقر کے بنگلے پر گیا تھا اور زرگل کے لیے شبانہ کا ایک نیا لباس وہاں سے حاصل کرلایا۔ مذکورہ لباس شبانہ نے چند روز پہلے ہی خریدا تھا اور ابھی اس کے استعمال میں نہیں آیا تھا۔ شبانہ اور زرگل کی فزیک میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا اس لیے زرگل کے بدن پر وہ لباس بڑا فٹ بیٹھا تھا۔

دوسرے دو لباسوں کو دیکھ کر میں چونک اٹھا تھا اور میں نے حیرت بھرے لہجے میں شہزاد سے پوچھا تھا'' یہ وردیاں تم کیوں اور کہاں سے لائے ہو؟''

وہ دو پولیس یونی فارمز تھیں۔ شہزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا'' ایک لانڈری والے سے میری اچھی یاد اللہ ہے۔ اکثر پولیس والوں کی یونی فارمز اس کے پاس دھلنے کے لیے آتی ہیں۔ میں نے اس وقت اسے تھوڑی تکلیف دی اور وہ میرا مسئلہ حل کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ ہم اپنا کام نکالنے کے بعد یہ وردیاں لانڈری والے کو لوٹا دیں گے۔ وہ انہیں دوبارہ دھو کر سیٹ کردے گا۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر گہری سنجیدگی سے بولا'' وجدان! فواد کو کرم اپارٹمنٹس سے باہر لانے کے لیے ہمیں پولیس والوں کا سوانگ بھرنا ہوگا ورنہ اس رہائشی علاقے میں کارروائی خاصی مشکل ہوجائے گی۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا!''

... میں نے پُرمعنی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا'' لیکن یہ محض وردیاں ہیں۔ مخصوص قسم کے بیلٹس اور بیجز کے بغیر کہیں وہاں کا چوکیدار کسی شک میں مبتلا نہ ہوجائے!''

''میرا خیال ہے' ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ یقینی لہجے میں بولا'' اس شہر میں پولیس کی وردی دہشت اور خوف کی علامت بن گئی ہے' چوکیدار فردی معاملات پر توجہ نہیں دے گا۔ پھر ہمارے پاس ہتھیار بھی ہوں گے تو وہ دم نہیں مار سکے گا۔ اس پر ہم خالص پولیس والوں کا سا انداز اختیار کریں گے تو انگلی ٹیڑھی کیے بغیر گھی نکل آئے گا۔'' ذرا رک کر اس نے کہا'' تم اس مشن میں سینئر اور میں جونیئر پولیس والا ہوں۔ میں کلاشنکوف اٹھاؤں گا اور تم یہ پسٹل اپنے پاس رکھو گے۔ باقی کا کام ہم اپنی بھرپور اداکاری سے چلالیں گے۔ کیسا آئیڈیا ہے؟''

''آئیڈیا اچھا اور قابلِ عمل ہے!'' میں نے پُرسوچ انداز میں عندیہ دے دیا۔

شہزاد دو پولیس یونیفارمز کے ساتھ اسلحے کے نام پر ایک کلاشنکوف اور ایک ٹی ٹی پسٹل بھی لایا تھا۔ آئندہ چند منٹ میں ہم نے لباس تبدیل کیے اور کارروائی کے لیے لائحۂ عمل طے کرلیا تھا۔ اب ہم دو پولیس والوں کے بھیس میں میلو ہنڈائی میں عملی میدان میں کودنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ میں نے احتیاطاً فلیٹ سے روانہ ہوتے وقت اپنا سول ڈریس گاڑی میں رکھ لیا تھا۔ شاید یہ میری چھٹی حس کا کمال تھا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا یہ بھی دیگر ضروری لوازمات کا حصہ ہے اور کسی بھی وقت اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ زرگل چاق و چوبند عقبی نشست پر براجمان تھی۔ اس کے چہرے سے دبا دبا جوش ظاہر ہورہا تھا' میں نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور کہا۔

''زرگل! ہم اندر جارہے ہیں۔ تم گاڑی میں بیٹھ کر ہمارا انتظار کرو!''

''ٹھیک ہے' مجھے امید ہے تم لوگ اندر زیادہ دیر نہیں لگاؤ گے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ شہزاد نے زرگل سے پوچھا'' تمہیں ڈر تو نہیں لگے گا؟''

زرگل نے نفی میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔ ہم دونوں گاڑی سے باہر آگئے۔ میں نے زرگل سے کہا'' تم آگے پسنجر سیٹ پر آجاؤ۔ تاکہ واپسی کے سفر کو آسان بنایا جاسکے۔''

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ میں مطمئن ہونے کے بعد شہزاد کے ساتھ کرم اپارٹمنٹس کی جانب قدم اٹھانے لگا۔ میں نے پہلے یہی سوچا تھا کہ فواد سے باہر لانے کے لیے زرگل کا سہارا لوں گا۔ ایک مرتبہ وہ احاطے سے نکل آتا تو پھر ہم اس کے ساتھ ہر سلوک کے لیے تیار تھے مگر شہزاد کے آئیڈیا میں

زیادہ جان تھی لہٰذا اسے آزمانے کا فیصلہ کیا گیا۔ پولیس والوں کے روپ میں ہم فلیٹ کے اندر اور باہر فواد کے ساتھ ہر قسم کا سلوک کر سکتے تھے، کسی بھی شخص کو ہمارے رویے پر حیرت یا اعتراض نہ ہوتا۔ پولیس کے بارے میں معاشرے کی عمومی سوچ اس وقت میرے لیے خاصی آسانیاں فراہم کرنے کا وسیلہ بن گئی تھی۔ عوام آئے دن پولیس والوں کے ایسے ''کارنامے'' دیکھتے رہتے ہیں!

چوکیدار ہمیں دیکھتے ہی الرٹ ہوگیا۔ وہ چالیس سال کا ایک صحت مند شخص تھا۔ جس کے پاس ہتھیار نام کی کوئی شے نظر نہیں آرہی تھی۔ لباس کے اندر کچھ چھپا رکھا ہو تو الگ بات ہے۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی میں نے تحکمانہ انداز میں سوال داغ دیا ''تیرہ ڈی میں کون رہتا ہے؟''

میرے اکھڑے ہوئے لہجے نے اسے باور کرادیا کہ کوئی سنگین گڑبڑ ہے۔ اس نے کہا ''سر! اس فلیٹ میں ایک جوڑا رہتا ہے۔ دونوں میاں بیوی چند دن پہلے ہی آئے ہیں۔ جہانگیر کی بیوی بے چاری گونگی ہے۔''

چوکیدار کی فراہم کردہ اطلاعات چونکا دینے والی تھیں۔ ہماری معلومات کے مطابق اس فلیٹ میں صرف فواد کو ہونا چاہئے تھا۔ شہزاد نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا، میں خود بھی الجھ گیا تھا۔ ہماری لمحاتی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر چوکیدار نے پوچھا۔

''سر! خیریت تو ہے نا.....''

میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا ''خیریت بالکل نہیں ہے۔'' پھر میں نے اسے چکر دیا ''تم نے جس شخص کا نام جہانگیر بتایا ہے اس کا حلیہ یہ ہے نا؟'' اس کے بعد میں نے فواد کا تفصیلی حلیہ اور قد کاٹھ اس کے سامنے بیان کیا۔

وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''بالکل..... بالکل..... میں اسی جہانگیر کی بات کررہا ہوں۔''

مجھے بس اتنا ہی موقع درکار تھا' میں چوکیدار کے ذہن پر سوار ہوگیا ''تم جسے جہانگیر سمجھ رہے ہو اس کا نام فواد ہے اور وہ ایک خطرناک دہشت گرد ہے۔ ہم کافی دنوں سے اس کے تعاقب میں تھے۔ آج رات ہی اس کا سراغ ملا ہے وہ دس اور گیارہ بجے کے درمیان یہاں آیا ہے۔''

''سر! جہانگیر کے ساتھ تو اس کی گونگی بیوی.....''

''سب بکواس ہے' ایک ڈراما ہے۔'' میں نے چوکیدار کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ ''ابھی دیکھنا تم' ہم کس طرح اس خطرناک مجرم کو بے دست و پا کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ قانون کی نگاہ سے بچنے کے لیے یہ لوگ آج کل اسی طرح رہائشی علاقوں میں پناہ لے رہے ہیں اور خود کو فیملی والا ظاہر کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ گونگی عورت بھی اس کی ساتھی ہوگی..... اور عین ممکن ہے وہ گونگی بھی نہ ہو۔''

چوکیدار فکر اور سنسنی آمیز تاثرات کے ساتھ دیکھنے لگا۔ شہزاد نے کہا ''سر! جلدی کریں۔ اگر فواد کو پولیس کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ فرار ہوجائے گا۔ کئی ماہ کی کوشش کے بعد تو اس کی گرفتاری کے آثار پیدا ہوئے ہیں۔''

میں نے چوکیدار کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا ''تم شکل سے خاصے فرض شناس اور مستعد نظر آتے ہو۔ نام کیا ہے تمہارا؟''

''داؤد!'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''تم ادھر گیٹ پر ہی رہنا داؤد۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا ''ہم اوپر جارہے ہیں۔ اگر فواد کسی طرح ہمیں جُل دینے میں کامیاب ہوجائے اور فرار ہونے کی کوشش کرے تو تم اسے کوئی موقع نہ دینا..... بلکہ تم یہ چھوٹا گیٹ بھی بند کردو۔'' میں نے مین گیٹ کے اندر واقع چھوٹے گیٹ کی جانب اشارہ کیا۔ ''اسے روکنے کے لیے تم ہر سختی کر سکتے ہو!''

یہ ساری مکالمہ بازی' میں ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی خاطر کررہا تھا اور مجھے اپنی اس کوشش میں حد درجہ کامیابی حاصل ہوئی۔ چوکیدار اس طرح میرے احکام کی تعمیل کرنے لگا جیسے اس نے میری باتوں کو من و عن درست مان لیا ہو۔ دہشت گرد کا حوالہ خاصا مؤثر ثابت ہورہا تھا۔

میں نے شہزاد کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا اور ہم تیز قدموں سے چلتے ہوئے تیرہ۔ ڈی کی طرف بڑھنے لگے۔ چوکیدار نے مجھے مذکورہ فلیٹ کی لوکیشن بتادی تھی۔ ذیشان زرگل کی فراہم کردہ اطلاعات بھی میرے ذہن میں محفوظ تھیں۔ تیرہ۔ ڈی سیکنڈ فلور پر واقع ایک پی۔ کیٹگری فلیٹ تھا۔ چوکیدار کے مطابق جہانگیر (فواد) ایک کرائے دار کی حیثیت سے وہاں رہ رہا تھا۔

شہزاد نے کہا ''پہلا مرحلہ آسانی طے ہوگیا۔ لگتا ہے فواد نام بدل کر یہاں رہ رہا ہے لیکن گونگی بیوی کا قصہ سمجھ میں نہیں آرہا!''

ہم تیزی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ میں نے اس کے جواب میں کہا ''گونگی بیوی والا قصہ لوگوں کو دکھانے کے لیے ہے۔ خود کو معزز اور شریف شہری ظاہر کرنے کے لیے اس نے تنظیم ہی کی کسی عورت کو اپنے ساتھ رکھ لیا ہوگا اور مجھے یقین ہے، وہ عورت قوتِ گویائی سے مالا مال ہوگی!''

شہزاد نے ترنگ میں آتے ہوئے کہا ''دھدان! تم اس گونگی کی زبان کھلوانا، میں فواد کی زبان بند کرنے کا کام کروں گا۔ کم بخت نے نام بھی بدلا تو اپنے ہی ایک باغی ساتھی کا نام اسے پسند آیا۔''

شہزاد کا اشارہ اس جہانگیر کی طرف تھا جو سی ایف کے انحراف کے بعد مجھ سے آملا تھا لیکن پھر اچانک منظر سے غائب ہوگیا۔ اغلب امکان اسی کا تھا، شعیب خوری نے اسے ٹھکانے لگوادیا ہوگا۔ سی ایف کے ایسی تنظیموں میں راز اور راز داری کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور جہانگیر نے فواد کی موجودگی میں گلستان جوہر والے فلیٹ پر جو انکشاف کیے تھے، اس کے بعد تنظیم کے لیے جہانگیر کی حیثیت کسی خالی کارتوس کی سی تھی اور..... خالی کارتوس کو بیلٹ میں پرو کر سینے پر سجایا جاتا ہے، نہ ہی رائفل کی زینت بنایا جاتا ہے۔ اس کو کھلی شے کو حقیر اور بے وقعت جان کر پاؤں تلے روند دیا جاتا ہے!

ہم مطلوبہ دروازے پر پہنچ کر رکے تو میری نگاہ میں چند روز پہلے کا ایک منظر گھوم گیا۔ ایک رات میں اور شہزاد اسی طرح جہانگیر اور فواد کی سرکوبی کے لیے گلستان جوہر کے فلیٹ نمبر ڈی۔ تین سو آٹھ پر پہنچے اور چند خوش گوار و ناخوش گوار یادیں رقم کرآئے تھے۔

میرے اشارے پر شہزاد نے فلیٹ کے دروازے پر ہلکی دستک دی۔ ڈور بیل کو ہم نے دانستہ نظر انداز کردیا تھا۔ پہلی دستک بے اثر ثابت ہوئی۔ دوسری مرتبہ شہزاد نے قدرے زیادہ قوت صرف کی تو اندر سے کچھ اس قسم کی آوازیں ابھریں جیسے وہ لوگ دروازے کی طرف متوجہ ہوگئے ہوں اور اب تب میں دروازہ کھلنے ہی والا ہو۔

اسی کیفیت میں دس سیکنڈ گزر گئے اور دروازہ نہ کھلا تو ایک مرتبہ پھر دستک کا عمل دہرایا گیا۔ اس دروازے میں آئی گلاس نصب نہیں تھا۔ میری چھٹی حس مجھے آگاہ کررہی تھی، دروازے کے پیچھے کوئی موجود ہے اور دروازہ کھولنے میں پس و پیش سے کام لے رہا ہے۔ وہاں یقیناً فواد ہوگا یا اس کی ''بیوی مارکا'' ساتھی یا پھر وہ دونوں بھی ہوسکتے تھے۔

اس سے پہلے کہ میں شہزاد کو ایک مرتبہ پھر دستک کا اشارہ کرتا، دروازے کی اندرونی کنڈی گرنے کی آواز آئی۔ میں نے اپنے لہجے میں حسبِ ضرورت تبدیلی کرتے ہوئے کہا ''جہانگیر! دروازہ کھولو۔ میں داؤد ہوں۔ یہاں کا چوکیدار!''

چند لمحات کی خاموشی کے بعد دروازہ نیم وا ہوا اور نیند میں ڈوبی نسوانی آواز میں ''غوں غاں'' ابھری۔ وہ میری اس وقت آمد کے بارے میں استفسار کررہی تھی۔ گویا فواد نے گونگی چال چلی تھی!

شہزاد نے پلک جھپکتے میں، میرا اشارہ پاکر دروازے کو ایک زوردار دھکا دیا۔ دروازے کا پٹ، گونگی کے منہ پر لگا اور وہ الٹے قدموں کئی فٹ پیچھے جاگری۔ ہم بھرمار کر فلیٹ کے اندر داخل ہوگئے۔ اس عورت کی درد ناک گونگی کراہیں ابھرنے لگیں۔ اس کے ساتھ بری ہوئی تھی۔

اسی لمحے کھلے ہوئے دروازے کے پٹ کے پیچھے سے، ایک سایہ نمودار ہوا اور اس نے بڑی پھرتی سے شہزاد کی کمر پر لات رسید کی۔ وہ فواد کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا جو دروازے کی اوٹ میں چھپ کر صورتِ حال کو بھانپنے کی کوشش کررہا تھا۔ جب اس کی صورت میری نظر میں آئی تو میرے خیال کی تصدیق ہوگئی۔ وہ فواد ہی تھا۔

میں نے ایک جھٹکے سے فلیٹ کا دروازہ بند کیا اور فواد کی جانب لپکا جو زمین پر گرے ہوئے شہزاد کو دبوچنے کی کوشش کررہا تھا۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں، میں نے اندازہ لگالیا کہ فواد شہزاد سے زیادہ اس کی کلاشن کوف میں دلچسپی لے رہا تھا تاکہ پاسا پلٹ سکے۔

میں نے آگے بڑھ کر اپنے وزنی بوٹ سے فواد کے تھوبڑے پر ایک کاری ضرب لگائی۔ وہ تکلیف کی شدت سے کراہ اٹھا اور کلاشنکوف پر سے اس کی گرفت ختم ہوگئی۔ میں نے کالر میں ہاتھ ڈال کر اسے جھٹکا دیا اور اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیا۔ وہ زمین بوس گونگی پر جاگرا۔ میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''ہیلو مسٹر فواد! تم جہانگیر کب سے بن گئے؟''

وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میں نے اس کے چہرے پر خوف و ہراس کو منڈلاتے دیکھا، وحشت بھری آواز میں بولا ''دھدان..... یہ تم ہو!''

وہ شاید اب تک ہمیں پولیس والے ہی سمجھ رہا تھا۔ شہزاد کے نام سے وہ واقف نہیں تھا اس لیے مجھے مخاطب کررہا تھا۔ ہم جس دھواں دھار انداز میں فلیٹ کے اندر داخل ہوئے تھے، اس سے فوری طور پر فواد کو ہماری صورتوں پر دھیان دینے کا موقع نہیں دیا تھا۔

میں نے فواد کو اپنی نگاہ میں رکھتے ہوئے تحقیر آمیز لہجے میں کہا ''تم کیا سمجھ رہے تھے، یوں چلمن نشین ہوکر میرے ہاتھ سے بچ جاؤ گے۔ میں تمہیں، تمہارے باس اور بگ باس کو قبر کے کنارے تک ہراساں کروں گا۔''

''کیا چاہتے ہو تم؟'' اس نے میرے چہرے کو دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

میں نے کہا ''میں تم سے جو کچھ بھی چاہتا ہوں، وہ یہاں ممکن نہیں، خاص طور پر تمہاری گونگی بیوی کی موجودگی میں تو یہ انتہائی واہیات ہوگا۔ یہ بے چاری کیا سمجھے گی، ہم زبان والے اتنے ہی بے ہودہ ہوتے ہیں اور پھر..... میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہے۔''

اس دوران میں شہزاد نے گونگی کے دوپٹے کو رسی کی شکل دے کر اس کے دونوں بازو، کلائیوں کے مقام سے پشت پر باندھ دیے اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ''وجدان! یہاں زیادہ دیر رکنا ٹھیک نہیں۔''

میں نے فواد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''ہاں بھئی! شرافت سے ہمارے ساتھ چلو گے یا پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں توڑ دوں؟''

''تم لوگ ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہو؟'' اس نے ہراساں لہجے میں دریافت کیا۔

فواد اتنا بزدل یا گیا گزرا نہیں تھا لیکن گن پوائنٹ نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ شہزاد نے گونگی کو جکڑنے کے بعد فواد کو کلاشن کوف کے نشانے پر رکھ لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غیظ و غضب ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ شاید یہ اس کک کا نتیجہ تھا جو تھوڑی دیر پہلے فواد نے اس کی کمر پر رسید کی تھی۔ اس کے سوال پر شہزاد نے پھنکار کر کہا۔

''ہم تم دونوں کو اپنی لیبارٹری میں لے کر جائیں گے جہاں تمہارا میڈیکل ٹیسٹ ہوگا۔ تم نے پہلے بھی کئی لولی لنگڑی اور اندھی بہری لڑکیوں کو شادی کے نام پر بہت دھوکے دیے ہیں۔ دیکھنا ہوگا، تم اس گونگی کا شوہر بننے کے قابل بھی ہو یا نہیں؟'' بات ختم کرتے ہی اس نے زیرِ حراست عورت کی جانب اشارہ کیا۔

گونگی نے چمکی ہوئی نظر سے شہزاد کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی تھی۔ شاید شہزاد کی بات اسے پسند نہیں آئی تھی۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے۔ اس کی عمر لگ بھگ پینتیس سال رہی ہوگی۔ وہ ایک میانہ قد اور دبلی پتلی سانولی عورت تھی۔ اس کے گونگی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں حتمی طور پر فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

مجھے شہزاد کی اس بات سے صد فیصد اتفاق تھا کہ ہمیں اس فلیٹ یا اس عمارت میں زیادہ دیر نہیں رہنا چاہیے تھا۔ میں نے فواد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم پولیس والے ہیں، یہ بات ذہن میں بٹھا لو۔''

میرے لہجے میں سنگینی جھلکتی تھی ''تم دونوں کو اپنے ساتھ تھانے لے کر جائیں گے۔ باہر ہماری گاڑی کھڑی ہے۔ ضروری تفتیش کے بعد تمہیں چھوڑ دیا جائے گا لہٰذا.....''

میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی آنکھوں میں بڑی دور تک جھانکا اور سفاکی سے کہا ''تم لوگ شرافت کا مظاہرہ کرنا۔ اس بلڈنگ والوں کو میں تمہارے بارے میں بتا چکا ہوں کہ تم ایک خطرناک دہشت گرد ہو چنانچہ اگر تم نے کسی قسم کی جوئی کی کوشش کی تو ''پولیس مقابلے'' میں مارے جاؤ گے۔ میں تمہیں شوٹ کرنے میں ایک لمحہ نہیں لگاؤں گا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

میرے انداز میں بھری ہوئی سفاکی اور دہشت نے فواد کو باور کرا دیا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس پر بلا تاخیر عمل بھی کر ڈالوں گا۔ اس نے میرے سوال کے جواب میں سر کو تھوڑی جنبش دی۔ میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر مزید کہا۔

''اگر میری ہدایات پر من و عن عمل کرو گے تو تمہاری زندگی سلامت رہے گی۔ میں ضروری پوچھ تاچھ کے بعد تمہیں چھوڑ دوں گا۔''

اس نے بے اعتباری سے مجھے دیکھا۔ اس کا یہ ردِعمل عین فطری تھا۔ اصولی طور پر اسے میری بات کا یقین نہیں کرنا چاہیے تھا۔ شعیب غوری اور میرے درمیان دشمنی کی جو بساط بچھی ہوئی تھی، اس پر حریف کے کسی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ مہرے کے لیے بھی چھوٹ نہیں تھی۔ فواد کے پاس کوئی چارہ فرار نہیں تھا اس لیے وہ ہماری بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔

ہم سب آگے پیچھے چلتے ہوئے مین گیٹ پر پہنچ گئے۔ میں نے گونگی کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو دوپٹے کی گرہ سے تھام رکھا تھا۔ فواد، شہزاد کی گن کے ٹھوکے پر چل رہا تھا۔ گیٹ کے نزدیک چوکیدار کے علاوہ بھی تین چار افراد کھڑے نظر آئے۔ وہ وہیں کے رہنے والے دکھائی دیتے تھے۔ ان لوگوں کی سرگوشیوں سے اندازہ ہوا کہ ہماری اس ''کارروائی'' کی خبر چوکیدار تک محدود نہیں رہی تھی اور..... یہ ایک خطرناک صورتِ حال تھی! کسی وقت کوئی بھی اپ سیٹ ہو سکتا تھا۔ وہاں موجود افراد میں سے کسی کا دھیان ہمارے کندھوں یا کمر وغیرہ کی طرف چلا جاتا تو بڑی گڑبڑ ہو جاتی۔ اس کے بعد ہمارے ''فعلی'' ہونے کا راز کھل جاتا۔

میں نے چوکیدار کے پاس پہنچ کر سب کی طرف دیکھتے ہوئے بہ آوازِ بلند کہا ''تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں جا کر آرام سے سو جاؤ۔ ہم نے اس دہشت گرد کو گرفتار کر لیا ہے۔ اب تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

قسمت مہربان تھی کہ کسی نے ہم سے کوئی ٹیڑھا یا تیکھا سوال نہیں کیا۔ چوکیدار نے بڑی سرعت سے آگے بڑھ کر ہمارے لیے گیٹ کھول دیا۔ ہم گیٹ عبور کر کے اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔ فواد نے نہایت شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس دوران میں اپنی گردن جھکا رکھی تھی لیکن نیم تاریکی میں آتے ہی اس کی شرافت کا پول کھل گیا۔

وہ کسی عمدہ موقع کی تلاش میں تھا اور ایسا موقع نیم تاریکی نے اسے فراہم کر دیا۔ ہم یلو ہنڈائی سے چند قدموں کے فاصلے پر تھے کہ فواد نے گن کی پروا کیے بغیر اچانک ایک جانب دوڑ لگا دی۔ اس صورتِ حال نے ہمیں بوکھلا کر رکھ دیا۔

میں نے گونگی کو ایک جانب دھکا دیا اور ترش لہجے میں شہزاد سے کہا ''تم گاڑی لے کر مین روڈ کی طرف آؤ۔ میں اس سور ما کے بچے کو دیکھتا ہوں۔''

بات ختم کرنے سے پہلے میں فواد کے پیچھے لپک چکا تھا۔ فواد نے اسی اسٹریٹ پر دوڑ لگائی تھی جو آگے جا کر مین روڈ سے مل جاتی تھی۔ وہ چاہے کتنا بھی تیز رفتار ہوتا لیکن میرا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے چیتے کی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، مسجد بیت المکرم کے نزدیک اسے جا لیا۔ اس دوران میں شہزاد نے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے گن کو زحمت سے بچائے رکھا ورنہ رات کے آخری حصے میں ہونے والی فائرنگ کی تڑتڑاہٹ وہاں کے خوابیدہ لوگوں کی نیند خراب کر دیتی۔ ہم کسی قسم کی بدمزگی سے گزرے بغیر وہ مشن پورا کرنا چاہتے تھے۔

فواد نے ''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن'' والی صورتِ حال دیکھی تو مقابلے کے لیے تن کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت شہزاد بھی گاڑی لے کر وہاں پہنچ گیا۔ فواد کی گونگی ساتھی کو شہزاد نے ہنڈائی کی عقبی نشست پر ڈال دیا تھا۔ زرگل پسنجر سیٹ پر موجود تھی۔ شہزاد نے پوزیشن کی مناسبت سے بڑی عمدہ پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے گاڑی اس طرح روکی کہ فواد گاڑی اور میرے درمیان پھنس کر رہ گیا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں ایسا تاثر دیکھا جیسے وہ ایک مرتبہ پھر بھاگنے کی تیاری کر رہا ہو۔ میں نے اسے کوئی موقع نہ دیا اور قبل اس کے کہ وہ اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہناتا، میں حرکت میں آ چکا تھا۔ میری برق رفتار فرنٹ پش کک اس کے سینے پر پڑی۔ یہ ایک طوفانی ٹھوکر تھی۔ وہ ہوا میں پرواز کرتے ہوئے پیچھے کی سمت گیا اور گاڑی کے بونٹ سے ٹکرایا۔

ٹکراؤ خاصا شدید تھا۔ اس کی کمر پر خطرناک چوٹ آئی اور وہ بہ آوازِ بلند چیخنے پر مجبور ہو گیا۔ میں آن واحد میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ کراہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ میں نے اس کے جبڑے پر ایک گھونسا رسید کر دیا۔ اس کا چہرہ دوسری جانب گھوم گیا۔ میں نے اس کی گردن پر بازو لپیٹا اور اسے نیچے جھکاتے ہوئے، الٹی ایڑی کی ایک ٹھوکر اس کے چہرے پر ثبت کر دی۔

فواد چلاتے ہوئے مغلظات بکنے لگا۔ میرے پاس کھیل کود کی فرصت نہیں تھی لہٰذا میں نے اس کی مزاحمت کو نیست و نابود کرنے کے لیے تین چار پنے تلے وار کیے اور وہ سڑک پر گر کر ہانپنے لگا۔ اس کی حالت خاصی دگرگوں تھی۔ آئندہ ایک منٹ کے اندر میں نے شہزاد کی مدد سے فواد کو ہنڈائی کی عقبی نشست پر پہنچا دیا جہاں اس کی نام نہاد بیوی پہلے سے موجود تھی۔ مزید ''پیکنگ'' کے لیے میں بھی گھس کر اسی نشست پر بیٹھ گیا۔ میرے اشارے پر شہزاد نے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

گونگی کے ہاتھ اس کی پشت پر بڑی مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔ اس بات کے امکانات صفر سے زیادہ نہیں تھے کہ وہ اپنی جانب کا لاک ہٹا کر گاڑی سے باہر کودنے کی کوشش کرتی۔ اس کی طرف سے چیخنے چلانے کا اندیشہ بھی نہیں تھا۔ فواد کو میں نے پوری طرح فٹ کر رکھا تھا۔ اس کے ذہن پر مزید دہشت بٹھانے کے لیے میں نے پسٹل کی بے رحم نال کو اس کی پسلیوں میں چبھویا ہوا تھا۔

شہزاد بڑی مشاقی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ جب ہم نے حسن اسکوائر کا سگنل عبور کیا تو اس نے مجھ سے پوچھا ''وجدان! جانا کہاں ہے؟''

اس کے لہجے میں حد درجہ احتیاط اور سنجیدگی تھی۔ میں نے گمبھیر آواز میں کہا ''جہاں سے تم آئے ہو، وہاں تو ہرگز نہیں جانا۔''

میں فیصل والے معاملے کو ہر قسم کے مسائل سے الگ رکھنا چاہتا تھا۔ شہزاد نے بدستور سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا ''تو کیا وہاں چلیں جہاں سے تم آئے ہو؟''

''یہ بھی کسی طور مناسب نہیں۔'' میں نے حتمی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر؟'' شہزاد کے استفسار میں استعجاب اتر آیا۔

میں نے کہا ''کیا تمہارے پاس کوئی اور ٹھکانا نہیں..... تسلی بخش ٹھکانا!''

شعیب غوری پر یہ راز کھل چکا تھا کہ منہاس باقر میرا پشت پناہ بنا ہوا ہے لہٰذا ایسی کسی بھی جگہ پر فواد اور اس کی گونگی ساتھی کو لے جانا مناسب نہیں تھا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ منہاس باقر سے تعلق رکھتی ہو۔ اس طرح شعیب غوری یا چوہدری نوازش کا نیٹ ورک مجھ تک..... اور فیصل تک پہنچنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ کم از کم کل رات تک تو میں اس نوعیت کا کوئی رسک لینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

شہزاد نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا۔

''میرے پاس دو محفوظ ٹھکانے ہیں جن میں ہلکے پھلکے ٹارچر کا مناسب سامان بھی موجود ہے۔'' ذرا سا توقف دے کر اس نے اضافہ کیا ''ایک سیل سرجانی ٹاؤن میں ہے اور دوسرا بھٹائی کالونی میں۔ یہ دونوں اڈے آباد علاقے سے کافی ہٹ کر ہیں۔ وہاں کی جانے والی ''کارروائی'' کسی کی نظر یا سماعت تک نہیں پہنچتی۔ فواد تو حیوان ناطق ہے ہی، مجھے یقین ہے ٹارچر سیل میں پہنچ کر اس کی گونگی بیوی قوتِ گویائی سے مالا مال ہو جائے گی!''

شہزاد کے لہجے سے عیاں سنگینی نے فواد کو ایک جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا۔ وہ میری جانب گردن گھمانے کے بعد بولا ''آ..... آپ لوگ..... بہت پچھتاؤ گے.....''

''اس بات کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا کہ ہم میں سے کون پچھتائے گا۔'' میں نے پسٹل کی نال پر دباؤ بڑھاتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہا ''فی الحال تو تم اس بات کو ذہن میں بٹھا لو کہ اگر تم نے اب بولنے کی کوشش کی تو میں تمہاری پسلیوں میں ہوا دان بنانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کروں گا۔ زندگی سے ذرہ بھر بھی دلچسپی ہے تو زبان پر تالا ڈال لو۔ جب تک تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے تمہیں خاموش رہنا ہے۔''

وہ بے بسی سے گردن جھٹک کر رہ گیا۔ میں نے شہزاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''سرجانی ٹاؤن تو بہت دور ہے۔ میرے خیال میں بھٹائی کالونی والا ٹھکانا ہمارے مقصد کے حصول کے لیے زیادہ مناسب رہے گا۔''

شہزاد نے سر کو اثباتی جنبش دی اور گاڑی کو بھٹائی کالونی کی جانب دوڑانا شروع کر دیا۔ اس وقت تک بھٹائی کالونی ابھی اتنا آباد نہیں تھا، پھر یہ باقی شہر سے بھی خاصا کٹا ہوا تھا اس لیے رات کے آخری پہر وہاں اندھیرے اور سناٹے کی مکمل عمل داری تھی۔ قیوم آباد اور کراسنگ کے درمیان سفر کرتے ہوئے تو یوں محسوس ہوا جیسے ہم تاریکی کے کسی عمیق غار سے گزر رہے ہوں۔ میں نے احتیاطاً اپنے شکاروں کو ہیڈ ڈاؤن کے احکام دے دیے تاکہ وہ شہزاد کے اس خفیہ ٹھکانے کا محل وقوع ذہن نشین نہ کر سکیں۔ منزلِ مقصود پر پہنچنے کے بعد میں نے انہیں سر اٹھانے کی اجازت دی تھی۔

شہزاد کا ٹھکانا بھٹائی کالونی کے آباد حصے سے کافی آگے تھا۔ ہم گاڑی سمیت ایک احاطے میں داخل ہو گئے۔ وہ لگ بھگ ایک سو بیس گز کا پلاٹ تھا جس میں چار دیواری کے اندر بڑے سائز کا صرف ایک ہی کمرا بنا ہوا تھا۔ گاڑی کو احاطے میں چھوڑنے کے بعد ہم اس کمرے میں آ گئے۔ داخلے سے پہلے شہزاد نے کمرے کی واحد لائٹ آن کر دی۔

اس کمرے میں سامان کے نام پر ایک سنگل بیڈ، ایک چھوٹی میز اور چار آہنی کرسیوں کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ میں توقع کر رہا تھا، دیواروں پر ٹارچر کے آلات نظر آئیں گے لیکن وہاں ایسی کوئی شے موجود نہ تھی۔ ممکن ہے، شہزاد نے ان لوگوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے ٹارچر والی بات کی ہو..... اور یہ بھی ہو سکتا ہے، مذکورہ آلات کہیں چھپا کر رکھے گئے ہوں۔ بیڈ کے نیچے ایک پرانا سا جستی صندوق رکھا تھا۔ ایذا رسانی میں استعمال ہونے والے مخصوص آلات اس صندوق میں بھی ہو سکتے تھے۔

ہم نے فواد کی گونگی کو ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا اور خود آہنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے پسٹل جیب میں رکھ لیا تھا۔ تاہم شہزاد نے ان دونوں کو کلاشنکوف کے نشانے پر رکھا ہوا تھا۔ میرے استفسار پر جب شرافت کی زبان فواد کی سمجھ میں نہیں آئی تو شہزاد نے اس کی اچھی خاصی مرمت کر ڈالی۔ وہ پہلے ہی بری طرح زخمی تھا، شہزاد نے اسے دھنک کر رکھ دیا۔

دو منٹ بعد فواد کمرے کے فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا اور اس طرح کہ..... اس کے دونوں ہاتھ زمین پر پھیلے ہوئے تھے، ہتھیلیوں کا رخ اوپر کی جانب تھا۔ ان ہتھیلیوں کے عین وسط میں آہنی کرسی کے پائے پیوست تھے اور..... مذکورہ کرسی پر شہزاد بہ نفسِ نفیس موجود تھا۔ اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''وجدان! ابھی میں نے پورا زور نہیں ڈالا اور اس ناپاک جانور کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ تم نے جو پوچھنا ہے، پوچھ لو۔ اگر اس نے کسی غلط بیانی سے کام لیا یا تمہیں مس گائیڈ کرنے کی کوشش کی تو میں آرام سے پھیل کر بیٹھ جاؤں گا..... کرسی کے پائے اس مردود کی ہتھیلیوں میں گڑیں گے تو اس کی تڑی تمام شد ہو جائے گی۔''

فواد صورتِ حال کی سنگینی اور ہمارے بے رحم ارادے سے پوری طرح آگاہ ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف اور دہشت کے سائے لہرانے لگے۔ اسے یقین ہو گیا، اس کی جان چھوٹنے والی نہیں لہٰذا اس نے تعاون پر آمادگی ہی میں عافیت جانی اور اچھے بچے کی طرح میرے سوالات کے ٹھیک

ٹھیک جواب دینے لگا۔

اس کی گونگی ساتھی عورت کا نام عطیہ تھا اور وہ واقعی گونگی تھی۔ عطیہ کا سی ایف کے سے کوئی تعلق نہیں تھا، نہ ہی اسے یہ معلوم تھا کہ فواد اس خطرناک تنظیم کے لیے کام کرتا ہے۔ فواد نے چند روز پہلے عطیہ کو پھنسایا تھا اور اس سے شادی کا وعدہ کر رکھا تھا۔ پتا نہیں، عطیہ کی کیا مجبوری تھی کہ وہ اس کے ساتھ رہنے کے لیے آمادہ ہوگئی۔ فواد جیسے لوگ بے سہارا اور مجبور لڑکیوں کو اونچے خواب دکھا کر اپنے جال میں پھانسنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ عطیہ کے ساتھ میاں بیوی کی حیثیت سے رہتے ہوئے فواد نے بڑا معزز مقام حاصل کرلیا تھا۔ بہرحال، عطیہ ہمارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

میں نے فواد سے پوچھا ''تمہیں رہائشی علاقے میں اس طرح چھپ کر رہنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔ تم لوگوں کا رہن سہن اور طرزِ زندگی تو بہت مختلف ہے؟''

''آج کل بہت سختی ہورہی ہے۔'' وہ ناپسندیدہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ''تم نے ہمارا جوہر والا ٹھکانا دیکھ لیا تھا اور بگ باس کے حوالے سے بہت سارے راز جہانگیر کی حماقت سے تمہارے سامنے کھل گئے تھے۔ پھر یورپی سفیر جم براؤن والا مشن بھی تمہاری وجہ سے ناکام رہا اور نجیب اللہ وسراج احمد وغیرہ، پولیس کے ہتھے چڑھ گئے۔ بعد ازاں ساؤتھ والے آپریشن میں بھی ہمارے تین بندے گرفتار ہوگئے اس لیے اوپر سے خاصی سختی کی جارہی ہے۔ خاص طور پر مجھے کسی سرگرمی کی اجازت نہیں۔ تم یوں سمجھ لو، میں ان دنوں چھٹی پر ہوں۔''

''بکواس مت کرو چھٹی کے بچے!'' میں نے دہاڑ کر کہا ''تمہاری کوئی سرگرمی مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ تم بڑی باقاعدگی سے گارڈن ایسٹ کے چکر لگاتے ہو!''

وہ چونک کر سراسیمہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ اسی لمحے شہزاد نے کرسی کے پایوں پر وزن بڑھا دیا، فواد کے حلق سے ایک وحشت ناک چیخ بلند ہوئی۔ میں نے بے رحم لہجے میں کہا۔

''فواد، تمہاری ذرا سی غلط بیانی بھی قیامت ڈھا سکتی ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری طرف سے یا شعیب غوری کی جانب سے یا سی ایف کے سے متعلق کسی معاملے سے غافل ہوں۔ تم فلیٹ نمبر چار سو دو گارڈن ایسٹ میں غلام جیلانی نامی ایک شخص سے ملنے جاتے ہو۔ کیا تم میری بات کو جھٹلانے کی پوزیشن میں ہو؟''

''تت..... تو تم اس حد تک مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے ہو.....''

''تمہاری توقع سے کہیں زیادہ۔'' میں نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی شہزاد کو دباؤ کم کرنے کا اشارہ کیا اور دوبارہ فواد کی طرف متوجہ ہوگیا ''آج رات لگ بھگ ساڑھے نو بجے تک تم نے ایک حسینہ کے ساتھ طارق روڈ کے ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں ڈنر کیا ہے پھر اس حسینہ کو چھوڑنے کے لیے تم برنیز روڈ پر واقع ایک لگژری اپارٹمنٹس بلڈنگ میں پہنچے جس کے فلیٹ نمبر چار سو دو میں غلام جیلانی نامی ایک شخص رہتا ہے۔ بتاؤ، غلام جیلانی اور اس خوب صورت لڑکی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔

میرے اشارے کے بغیر ہی شہزاد نے اس کی دکھتی ہوئی انگلیوں کو دبادیا۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کے مانند ڈکرایا۔ میں نے کہا ''فواد، میں محسوس کررہا ہوں، تمہیں اپنی زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں۔ ٹھیک ہے، ہم تمہارا کام تمام کیے دیتے ہیں۔''

میرے لہجے میں جھلکتی سنگینی نے اس کی رہی سہی ہمت بھی ہوا کردی۔ وہ بچتی انداز میں بولا ''میرے ہاتھوں کو اس مصیبت سے نکالو۔ میں سب کچھ سچ سچ تمہیں بتادوں گا۔''

میں نے ایک لمحے میں محسوس کرلیا کہ وہ تعاون کے لیے انتہائی سنجیدہ تھا لہٰذا میں نے اس کی رہائی کے لیے شہزاد کو اشارہ کردیا۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں ہاتھ جھٹکتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ کرسی کے پایوں نے اس کی ہتھیلیوں میں ننھے ننھے گڑھے بنادیے تھے۔ تکلیف کی شدت اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ میں نے اسے ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے سے دباتے ہوئے وہ کرسی پر ٹک گیا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے اپنے سوال کو دہرایا تو وہ کسی پس وپیش یا تامل کے بغیر بولا ''زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔ میں بھی زندہ رہنا چاہتا ہوں اس لیے تمہیں سچ ضرور بتاؤں گا۔'' اس نے ایک لمحے کا توقف کیا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگا ''غلام جیلانی ہماری تنظیم کا ایک اہم رکن ہے۔ یوں سمجھ لو کہ وہ ''ایسٹ'' کے باس سراج الدین کو اسسٹ کرتا ہے۔ تم خود بھی اسی ایف کے میں کافی عرصہ کام کرچکے ہو۔ یہ سسٹم تمہارے لیے نیا نہیں۔''

''بے شک! میں سی ایف کے کے سسٹم سے بہ خوبی آگاہ ہوں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''ہل پارک کے نزدیک واقع تنظیم کا وہ ٹھکانا میرا دیکھا بھالا ہے۔ میں شعیب غوری سے بھی ایک مرتبہ وہاں ملاقات کرچکا ہوں لیکن تم تو ''ملیر'' سے وابستہ تھے۔ پھر ''ایسٹ'' میں کیسے نظر آرہے ہو؟''

''تم نے جوہر والے فلیٹ پر جو کارروائی کی تھی اس کو دیکھتے ہوئے مجھے ملیر سے ایسٹ میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ اب میں غلام جیلانی کے احکام کی تعمیل کرتا ہوں۔''

وہ نہایت ہی اہم انکشافات کررہا تھا۔ اگر میں غلام جیلانی پر قابو پالیتا تو وہ مجھے سراج الدین تک پہنچا سکتا تھا اور اس طرح ممکن تھا، میں شعیب غوری تک رسائی حاصل کرلیتا ''ایسٹ'' اور سراج الدین سے میں ناواقف نہیں تھا لیکن وہاں براہِ راست کوئی کارروائی کرنا سودمند ثابت نہیں ہوتا اس لیے سیڑھی کا سہارا لینا ضروری تھا۔

میں نے پوچھا ''گلستان جوہر والے فلیٹ پر جہانگیر بھی تمہارے ساتھ تھا۔ تم دونوں ملیر سے وابستہ تھے جہاں کا باس سلیم واسطی ہے۔ جہانگیر کے ساتھ تم لوگوں نے کیا کیا؟''

''جہانگیر کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو کسی غدار کا حق ہوتا ہے۔'' وہ زہرخند لہجے میں بولا ''جہانگیری ایف کے سے غداری کے بعد تم سے جا ملا تھا اس لیے تنظیم کے نزدیک وہ گردن زدنی تھا۔ وہ تو اس کی بدقسمتی اور میری خوش قسمتی کہ اس کی ''غفلت'' میں مجھے ہوش آگیا۔ وہ رقم وصول کرنے کے چکر میں تابندہ نامی اس لڑکی کے ساتھ ''مصروف'' تھا کہ میں خاموشی سے اس فلیٹ سے نکل آیا۔ ظاہر ہے، اس کے بعد میں سیدھا سلیم واسطی کے پاس پہنچ گیا۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر سفاکی سے بولا ''پھر جہانگیر کو اس فلیٹ سے زندہ نہیں نکلنے دیا گیا۔ وہ غداری کی سزا کو پہنچ گیا۔''

میں ایک طویل اور بوجھل سانس لے کر رہ گیا۔ فواد نے ہمارے اندازے کی تصدیق کردی تھی۔ میں اور منہاس باقر بھی اسی نتیجے پر پہنچے تھے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ جہانگیر، منہاس کے دفتر نہ پہنچ پاتا۔ سی ایف کے سے اسی قسم کی سفاکیت کی توقع کی جاسکتی تھی۔ میں نے فواد کو مخاطب کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اس ایفی شینسی پر تنظیم میں تمہارا رتبہ تو بلند ہوا ہوگا؟''

''ہاں، اس کارنامے نے مجھے خاصی ترقی دی ہے۔'' وہ فخریہ لہجے میں بولا ''اب میں ایک ایسے آدمی سے احکام لیتا ہوں جو باس کا اسسٹنٹ ہے۔ یہ میرے لیے خاصا اہم ہے۔''

مینا نے چبھتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا ''اس وقت تم خود کو کس خانے میں فٹ کرتے ہو۔ غدار یا وفادار؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''مطلب صاف ظاہر ہے۔'' میں نے بدستور سخت لہجے میں کہا ''جہانگیر نے مجھ سے الحاق کرتے ہوئے تنظیم کے رازوں پر سے پردے اٹھادیے۔ اس بات سے غرض نہیں کہ اس نے یہ کام میری دوستی یا تنظیم کی دشمنی میں کیا تھا۔ بہرحال، سی ایف کے کی نظر میں وہ ایک غدار تھا جو موت کا حق دار تھا اور تم بھی اس وقت یہی حرکت کررہے ہو.....'' میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر سرد نگاہ سے اسے دیکھا ''تم بھی تو مجھے تنظیم کے اہم رازوں سے آگاہ کررہے ہو۔ اگر اس کی بھنک سی ایف کے تک پہنچ گئی تو وہ تمہارا کیا حشر کریں گے، اس کا تمہیں اچھی طرح اندازہ ہوگا؟''

وہ مایوسی سے گردن جھٹکتے ہوئے بولا ''ہاں، ان معاملات کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں لیکن میرے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں۔'' اس نے تھوڑا توقف کرکے امید بھری نظر سے مجھے دیکھا اور رسانیت سے بولا ''اگر میں تم سے تعاون نہیں کرتا تو تمہارے ہاتھوں حرام موت مرنا ہوگا۔ میرے لیے تو آگے کنواں پیچھے کھائی والا معاملہ ہے البتہ جہانگیر کے مقابلے میں، میں خاصا سیف سائیڈڈ ہوں۔ میری تنظیم سے اس غداری کا کوئی گواہ نہیں۔ جہانگیر کی بدبختی کہ میں نے اس کے خلاف مخبری کردی۔ اب اگر تم مجھے چھوٹ دینا چاہو گے تو میرا جرم تنظیم کی نظر میں نہیں آئے گا۔ اس طرح میں اور میری غداری بھی پوشیدہ رہے گی۔'' پھر وہ عطیہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولا ''یہ بے چاری سی ایف کے یا اس کے کسی رکن کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ اس لیے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں، ویسے بھی اگر یہ کسی سے کچھ کہے گی تو کیا کہے گی۔ اس کی سمجھے گا کون؟''

فواد ایک کھلی حقیقت بیان کررہا تھا۔ واقعی وہ جہانگیر کے مقابلے میں خاصا خوش قسمت واقع ہوا تھا۔ میں نے اس کے کان کے کیڑے جھاڑتے ہوئے کہا ''تم اس گونگی عورت کو اتنا بے خبر اور بے بس نہ سمجھو۔ ابھی شعیب غوری، غلام جیلانی اور سی ایف کے سے متعلق ساری گفتگو اس کے سامنے ہوئی ہے۔ یہ اب تمہارے ساتھ تو ہرگز نہیں رہے گی اور الگ ہوکر تمہارے لیے کوئی مصیبت کھڑی کرسکتی ہے۔''

''یہ صرف گونگی ہی نہیں بلکہ بہری بھی ہے۔'' فواد بے پروائی سے بولا ''عطیہ صرف اشاروں کی زبان میں بولتی اور سمجھتی ہے۔ مجھے ایک فیصد بھی خدشہ نہیں کہ یہ میرے لیے کوئی پرابلم پیدا کرے گی اور بالفرض، اس نے اس قسم کی کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو میں اس کا معقول بندوبست

کردوں گا۔''

بات کے اختتام پر اس کے لہجے میں سفاکی در آئی۔ یہ سمجھنے میں مجھے قطعاً کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا کہ ''معقول بندوبست'' سے اس کی کیا مراد تھی۔ فواد جیسے سنگ دل اور قاتل لوگوں سے کچھ بعید نہیں ہوتا۔ یہ اپنی مطلب براری کے لیے سنگین سے سنگین تر قدم اٹھانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کرتے۔

میں آئندہ دس منٹ تک فواد سے شعیب غوری کے بارے میں کرید کرید کر پوچھتا رہا۔ وہ اپنے بگ باس کے بارے میں مجھ سے کم ہی جانتا تھا۔ میں نے ساحل کے حوالے سے بھی کئی سوال کیے لیکن یہ بات اس کے علم میں نہیں تھی کہ میری ساتھی کو لاہور سے کراچی پہنچایا گیا تھا اور وہ شعیب کے قبضے میں تھی۔ فواد کو صرف اتنا پتا تھا کہ میں کراچی آچکا ہوں۔ تنظیم کے دیگر کارکنان کی طرح فواد کو بھی میری طرف سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی گرم تھی کہ مجھے پکڑنے کے لیے شعیب غوری نے کوئی بہت ہی خفیہ منصوبہ بنایا تھا جو چند چنیدہ افراد تک ہی محدود تھا۔ میں نے ہر طرح کا دباؤ ڈال کر فواد کو گھسنے کی کوشش کی لیکن کوئی حوصلہ افزا نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

میں نے ایک نفسیاتی چال چلی اور فواد سے کہا ''اگر تم مجھے پکڑ کر شعیب غوری کے حوالے کردو تو اس کارنامے پر وہ تمہیں کسی بھی ضلع کا باس بنادے گا۔ اس کوشش کے بارے میں تم کیوں نہیں سوچتے؟''

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر شکایتی لہجے میں بولا ''کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔ میں تو اس وقت خود تمہارے رحم وکرم پر ہوں، تمہیں پکڑ کر بگ باس کے حوالے کیسے کرسکتا ہوں!''

''اس سلسلے میں، میں تمہاری مدد کروں گا۔'' میں نے لہجے کی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا ''اگر تم عندیہ دو تو میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔''

وہ بے یقینی سے مجھے تکنے لگا پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ سی ایف کے اس وقت تمہارے لہو کی پیاسی ہورہی ہے اور تم ازخود میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو۔ کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے یا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری فرمائش تو خودکشی کے مترادف ہے۔''

''تم کوئی خواب دیکھ رہے ہو اور نہ ہی میرا دماغ اپنی جگہ سے سرکا ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''اگر تم مجھے سیدھا شعیب غوری کے پاس لے چلو تو میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔ یہ کوئی مذاق ہے اور نہ ہی خودکشی کی کوشش۔''

''یہ کیسے ممکن ہے!'' وہ بدلے ہوئے انداز میں بولا ''میں نے آج تک بگ باس کو دیکھا ہے اور نہ ہی اس کے پتے ٹھکانے سے واقف ہوں۔ تم اس تنظیم کے فعال رکن رہ چکے ہو، اس کا طریقۂ کار تم سے ڈھکا چھپا نہیں۔ میں تو براہ راست ''ایسٹ'' کے باس سراج الدین سے بھی رابطہ نہیں کرسکتا، بگ باس کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''اگر کسی طرح تم میرے قابو آجاتے تو میں پہلی فرصت میں تمہیں غلام جیلانی کے حوالے کرتا۔ غلام جیلانی ایسٹ کے کرتا دھرتا سراج الدین تک یہ خوش خبری پہنچاتا۔ اس طرح سراج الدین کے ذریعے تمہاری اسیری کی اطلاع بگ باس تک پہنچ جاتی۔''

میں نے پُرسوچ انداز میں کہا ''تو پھر بے کار ہے۔ تم کسی کام کے بندے نہیں ہو!''

شہزاد نے پہلی مرتبہ ہماری گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ''وجدان! اگر یہ منحوس ہمارے کسی کام نہیں آسکتا تو پھر سی ایف کے لیے بھی کیوں مفید رہے۔ اس کی بقا کی کیا توجیہہ باقی رہ جاتی ہے۔'' شہزاد کے الفاظ کی سنگینی بہت واضح تھی۔

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو شہزاد۔'' میں نے شہزاد کی بات کی تائید کی تو فواد کے چہرے پر موت کا خوف بلکورے لینے لگا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''غلام جیلانی کا فون نمبر کیا ہے؟''

تھوڑے تامل کے بعد اس نے مذکورہ فون نمبر مجھے بتادیا۔

میں نے استفسار کیا ''رات کے پہلے حصے میں تمہارے ساتھ جو حسین وجمیل لڑکی تھی، ابھی تک تم نے اس کا تعارف نہیں کرایا؟''

''اس لڑکی کا نام شازلین ہے۔'' اس نے بتایا۔

''تم نے شازلین کو غلام جیلانی کے فلیٹ پر چھوڑا ہے۔'' میں نے کہا ''کیا وہ غلام جیلانی کی کچھ لگتی لگاتی ہے۔''

''تم جو بھی سمجھ لو۔'' وہ مبہم انداز میں بولا ''ماشاءاللہ کافی سمجھ دار ہو!''

میں نے کہا ''تمہارا اشارہ تو یہ بتاتا ہے کہ شازلین، غلام جیلانی کی داشتہ ہے۔''

''میں نے کہا نا، تم سمجھ دار ہو۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

''غلام جیلانی کی داشتہ تمہارے ساتھ کیا کرتی پھر رہی تھی؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

اس نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا ''شازلین بھی تنظیم سے وابستہ ہے۔ ہم ایسٹ سے آرہے تھے۔ راستے میں وہ فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ پڑا۔ شازلین کی فرمائش پر مجھے وہاں رکنا پڑا۔ شازلین کی عمر اور تجربہ تو زیادہ نہیں لیکن غلام جیلانی کی چہیتی ہونے کے سبب اس سے خاصا محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اس کی حکم نما خواہش سے انکار ممکن نہیں۔'' تھوڑا تامل کرتے ہوئے اس نے مزید بتایا ''یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ شازلین کو اصل میں غلام جیلانی پر فوقیت حاصل ہے۔ وہ اس کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھتی ہے اور ایسٹ میں اس کی رپورٹ بھی کرتی ہے۔''

''کیا یہ بات غلام جیلانی کے علم میں نہیں؟''

''ہوسکتا ہے، اسے حقیقت کا پتا ہو اور وہ اس سلسلے میں محتاط رہتا ہو۔''

''ویسے ایک بات ہے۔'' میں نے کہا ''شازلین تم دونوں سے زیادہ اہم ثابت ہوسکتی ہے۔ میں اسی کو اپروچ کروں گا۔''

میں نے شازلین کو بڑے غور سے دیکھا تھا۔ اس کی عمر ستائیس اٹھائیس رہی ہوگی۔ بلاشبہ وہ حسن کا مرقع تھی۔ اس کے نقوش بڑے جاذب اور تیکھے تھے۔ ایسی عورتیں ناممکن کو ممکن کر دکھانے کی اہلیت سے مالا مال ہوتی ہیں۔ فواد نے شازلین کے بارے میں جو سنی سنائی بتائی تھی، مجھے اس میں حقیقت دکھائی دینے لگی۔ سی ایف کے جیسی دہشت گرد تنظیموں میں کسی بھی کارکن پر اندھا اعتماد نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص کی نگرانی کا فریضہ کسی دوسرے کے سپرد ہوتا ہے، جیسے فواد اپنے ساتھی جہانگیر پر متعین تھا۔ اسی طرح یقیناً غلام جیلانی بھی کسی سینئر پر نگاہ رکھے ہوئے ہوگا اور شازلین پر بھی کسی جونیئر کی نظر گڑی ہوگی۔

فواد سے مزید کوئی مفید بات معلوم نہیں ہوسکتی تھی لہٰذا میں نے اسے نمونۂ عبرت بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے کمرے کے ایک کونے میں سرگوشیوں میں شہزاد کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ اس نے میری تائید کی اور پوچھا ''اس گونگی کا کیا کرنا ہے؟''

''یہ بے چاری غیر متعلق اور بے تصور ہے۔'' میں نے کہا ''واپسی میں اسے کسی بہ نسبت روشن جگہ پر ڈراپ کردیں گے۔ اس سے ہماری کوئی دوستی ہے نہ ہی دشمنی۔ ایک تجربے کے بعد شاید اسے کچھ عقل آجائے۔ مجھے نہیں پتا، یہ کس حد تک بول اور سن سکتی ہے البتہ میں اسے رخصت کرنے سے پہلے یہ نصیحت ضرور کروں گا کہ اس نے آج کی رات جو دیکھا، سنا اور بھگتا، اسے اپنی یادداشت سے صاف کردے ورنہ اس کی زندگی عذاب بن کر رہ جائے گی۔''

اگلے چند منٹ میں ہم نے گونگی کے ہاتھوں کو دوپٹے کی بندشوں سے آزاد کیا، میں نے لمبائی کے رخ دوپٹے کو پھاڑ کر جو ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ ایک ٹکڑے سے فواد اور دوسرے سے عطیہ کی آنکھوں پر دبیز پٹی باندھی تاکہ وہ شہزاد سے اس ٹھکانے کا اتا پتا نہ رکھ سکیں۔ آتے وقت بھی میں نے گاڑی سے باہر انہیں دیکھنے نہیں دیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم [illegible] مکان سے نکل کر سمندر کی جانب جارہے تھے۔ مکان چھوڑنے سے پہلے میں نے اپنا لباس تبدیل کرلیا تھا۔

سمندر کا وہ حصہ بہت ہی ویران، بدبودار اور عجیب و غریب تھا۔ شہزاد نے ایک جگہ گاڑی روک دی۔ میں نے زرگل سے پوچھا ''تم عطیہ کو سنبھال لوگی؟''

اس نے پُراعتماد انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''اس کی طرف سے تم بے فکر ہوکر جاؤ۔ میں اس جیتی جاگتی عورت کو سنبھال سکتی ہوں۔''

ہم دونوں آنکھیں بندھے فواد کو اپنے ساتھ لے کر سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ وہ بے حد سہما ہوا آتا تھا۔ ہم نے اس سے کیا سلوک کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اسے مطلق خبر نہیں تھی تاہم وہ سو فیصد یقینی انداز میں صرف اور صرف اپنی موت کے بارے میں سوچ رہا ہوگا۔ ایسا سوچنے میں وہ حق بہ جانب بھی تھا۔ سی ایف کے اس سوچ کی حامل تھی!

جب ہم کافی آگے نکل آئے تو میں نے سمندر کی طرف قدم بڑھادیے۔ شہزاد خاموشی سے میری تقلید کرنے لگا۔ فواد ہم دونوں کے بیچ میں تھا۔ شہزاد کو میں اپنے ارادے سے آگاہ کرچکا تھا۔ اس لیے اس نے کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تھوڑا آگے آنے کے بعد میں نے فواد کی آنکھوں پر بندھی بندش سے آزاد کردیا۔ چاروں جانب چوکنا نظروں سے دیکھنے کے بعد اس نے خوف میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وجدان! تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، اگر میں تمہارے ساتھ تعاون کروں تو تم میری جان بخش دو گے۔ کیا تم اپنے وعدے سے پھر جاؤ گے؟''

''میں زبان کا دھنی ہوں۔'' میں نے سرسراتی آواز میں کہا ''مجھے اپنا وعدہ اچھی طرح یاد ہے۔''

''پھر..... پھر یہ سب کیا ہے.....؟'' اس نے میرے ہاتھ میں دبے پسٹل کی جانب اشارہ کیا۔

میں نے سرسری انداز میں کہا ''یہ پستول ہے..... اور بس!''

''تمہارے تیور اچھے دکھائی نہیں دے رہے۔'' وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''اس میں تمہاری نظر کا قصور ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا ''کل تم کسی اچھے آئی اسپیشلسٹ سے اپنی آنکھوں کا معائنہ کروانا۔''

وہ بے یقینی سے بولا ''کل تک میں زندہ رہوں گا تب نا!''

''میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ تم اگر کل تک زندہ نہ رہے تو اس موت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہوگا۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

وہ تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولا ''پھر..... تم..... مجھے اس طرف..... کیوں لائے ہو؟''

''تمہاری نسلی بخش جاں بخشی کے لیے!''

''تت..... تم مجھے بہلا رہے..... ہو۔'' وہ گڑبڑا کر بولا۔

''اب تم اتنے ننھے بچے بھی نہیں ہو۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

فواد نے چلتے چلتے ایسی نظروں سے مجھے دیکھا جیسے وہ اپنے کسی اچھوتے خیال کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس سے پہلے کہ میں اس کے ارادے کو بھانپتا، اس نے بجلی کی سی سرعت سے شہزاد کو دھکا دیا اور اندھیرے میں ایک سمت دوڑ لگا دی۔

جب انسان کو موت یقینی نظر آئے تو وہ اپنی جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں ضرور مارتا ہے۔ فواد کو ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ میں اسے زندہ چھوڑوں گا لیکن اس کی جان لینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ فواد نے ایک منطقی ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں اس کا کھلا دشمن تھا..... اور جرائم کی دنیا میں اپنے دشمن پر بھروسا کرنا خودکشی کرنے کے مترادف ہوتا ہے!

شہزاد دھکا کھانے کے بعد پشت کے بل زمین پر گرا تھا۔ میں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے فواد کا نشانہ لیا اور ایک محفوظ فائر کر دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ چھپاک سے منہ کے بل گرا۔ میں نے پلک جھپکنے میں جان لیا، جھپاک کی وہ آواز پانی کے سبب پیدا ہوئی تھی۔ فواد نے اپنی جان بچانے کی کوشش میں کھلے سمندر کی طرف دوڑ لگائی تھی۔

میں نے گولی چلانے کے بعد اس کی جانب پیش قدمی جاری رکھی اور جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ کولہا تھامے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ایک لمحے میں اندازہ لگا لیا کہ میری چلائی ہوئی گولی اس کی تشریف کے ایک پورشن میں پیوست ہوگئی تھی۔ میں نے توازن کی فلاسفی پر عمل کرتے ہوئے انصاف کا تقاضا پورا کر دیا۔ پسٹل ایک مرتبہ پھر گرجا اور تشریف کے دوسرے پورشن میں بھی دور تک ایک آتشِ سرنگ سی بنتی چلی گئی۔

رات کی تاریکی میں ایک دردناک چیخ نمودار ہوئی لیکن ٹھاٹھیں مارتے سمندر نے اس فریادی چیخ کو اپنے مہیب وحشت ناک شور میں گم کر دیا۔ اس چیخ کے ساتھ ہی فواد ایک لمحے کے لیے فضا میں اچھلا پھر دھڑام سے گیلی ریت پر زمین پر تشریف فرما ہوگیا۔

میں فواد کے سر پر پہنچا تو شہزاد بھی کلاشن کوف تھامے میرے عقب میں حاضر ہوگیا۔ اس نے برق رفتاری سے گن کا رخ زمین پر پڑے ہوئے فواد کی جانب موڑا۔ اس کے انداز میں بے حد خطرناکی پائی جاتی تھی۔ اگر مجھے ایک لمحے کی تاخیر ہو جاتی تو شہزاد کلاشنکوف کا پورا میگزین فواد کے سینے میں انویسٹ کر دیتا۔

میں نے ہاتھ مار کر گن کے مہلک بیرل کو نیچے جھکا دیا پھر شہزاد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ''تم اپنی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے مجھے عہد شکن نہ بناؤ۔ طے شدہ پروگرام سے ہٹ کر کچھ نہیں ہوگا۔''

وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے معذرت آمیز نظر سے مجھے دیکھنے لگا ''سوری وجدان! میں جوش میں آ گیا تھا۔''

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ جوش میں ہوش رخصت ہو جاتا ہے؟''

''پتا نہیں، مجھے کیا ہوگیا تھا۔'' وہ نفی میں سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

میں نے رسانیت سے کہا ''اس کا پتا بعد میں کر لیں گے۔ چلو، پہلے ضروری کام کر لیں۔ تم فواد کے ہاتھ کو پکڑو!''

شہزاد، فواد کی جانب لپک گیا۔ عہد شکنی کے حوالے سے میں نے شہزاد سے جو بات کی تھی، اس میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ یہ واضح تھا کہ میں فواد کو جان سے نہیں مارنا چاہتا۔ فواد کو بھی اس حقیقت کا احساس ہوگیا تھا ورنہ میں شہزاد کو فائرنگ سے ہرگز نہ روکتا۔ فواد کے لیے بے یقینی اور الجھن کا باعث میرا

سمجھ میں نہ آنے والا رویہ تھا۔

شہزاد نے یکے بعد دیگرے فواد کے ہاتھوں کو زمین پر پھیلایا، اس طرح کہ اس کی ہتھیلیوں کا رخ آسمان کی طرف ہوگیا۔ یہ ہتھیلیاں تھوڑی دیر پہلے آہنی کرسی کے پایوں تلے دبی رہی تھیں۔ عملی طور پر نہ سہی لیکن درد کی شدت نے انہیں بہت دور تک چھید ڈالا تھا۔ میں نے تھیوری کو پریکٹیکل سے گزارا اور پسٹل کی دو گولیاں چند سیکنڈ کے وقفے سے ان ہتھیلیوں کے پار اتر گئیں۔ فواد تکلیف اور بے بسی کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ اس کی حالت دیدنی بلکہ عبرت انگیز تھی۔ وہ اپنی زندگی کے مایوس کن لمحات سے گزر رہا تھا۔

میرے پسٹل میں دو گولیاں باقی بچی تھیں۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر دو کلوز فائر کیے اور فواد کے تلوے سوراخ دار ہوگئے۔ اس کارروائی کے بعد میں نے خالی پسٹل شہزاد کی طرف بڑھایا اور فواد کو مخاطب کرتے ہوئے گمبھیر آواز میں کہا۔

''میں نے تم سے جاں بخشی کا وعدہ کیا تھا۔ دیکھ لو، میں زبان کا کتنا دھنی ہوں۔ میں تمہیں زندہ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مجھے امید ہے، تم کسی نہ کسی طرح سی ایف کے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور اپنے بڑوں کو بتا سکو گے کہ تمہارا یہ حشر کس نے کیا ہے۔ میں تمہاری زبان کو اسی لیے سلامت چھوڑے جا رہا ہوں کہ تم میرے بارے میں گل افشانیاں کر سکو تاکہ..... سی ایف کے اور شعیب غوری پر میری دھاک بیٹھتی چلی جائے۔''

میں نے چند لمحے رک کر اس کا جائزہ لیا۔ وہ تکلیف کی شدت اور زخموں کی حدت سے بری طرح تڑپ رہا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس نے میری دھمکی کو توجہ سے سنا ہوگا۔ مصیبت کے وقت انسان سب سے پہلے اپنی تکلیف پر توجہ دیتا ہے۔ تقریریں اور بھاشن کوئی نہیں سنتا۔

میں نے اس پر آخری نظر ڈالتے ہوئے کہا ''میں اگر اس مرتبہ تمہیں زندہ چھوڑ کر جا رہا ہوں تو یہ نہ سمجھنا کہ آئندہ بھی میں اس روایت کو نبھاؤں گا۔ اب اگر تم کبھی میرے راستے میں آئے تو میں ایک لفظ کہے سنے اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تمہیں جہنم واصل کر دوں گا۔ گڈ بائے!''

وہاں مزید رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا لہٰذا ہم نے واپسی کی راہ اختیار کی اور ہیلو ہنڈائی کے پاس پہنچ گئے۔ گاڑی کے اندر صورتِ حال نارمل تھی۔ عطیہ نامی اس گونگی عورت نے زرگل کے لیے کوئی پرابلم پیدا نہیں کی تھی، اس کی آنکھوں پر ابھی تک وہ پٹی موجود تھی۔ میں نے زرگل کو اشارہ کیا کہ وہ گونگی کی آنکھوں کو دعوتِ نظارہ دے دے۔ اس غیر متعلق مظلوم عورت سے ہمیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔

شہزاد نے گاڑی اسٹارٹ کر کے واپسی کا سفر شروع کیا تو زرگل نے مجھ سے استفسار کیا ''وجدان! کیا تم لوگوں نے فواد کا کام تمام کر دیا۔ میں نے چھ گولیاں فائر ہونے کی آواز سنی تھی؟''

''تمہارے شمار میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''میں نے لمحاتی فرق سے پسٹل کا کلپ خالی کر دیا ہے لیکن جہاں تک ''کام تمام'' کا تعلق ہے تو میں یہی کہوں گا کہ تمہارا اندازہ درست نہیں۔ میں مارنے سے ڈرانے کو زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔''

''وجدان!'' شہزاد نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے کہا ''تم نے فواد کو ڈرانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے تو وہ کھلی آنکھوں بھی تمہارے ہی سپنے دیکھے گا..... بے حد خوف ناک اور ڈراؤنے سپنے!''

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ کسی دشمن کو ایک ہی بار میں جان سے مارنے میں وہ لطف نہیں آتا جو اسے ایسی حالت میں پہنچا کر حاصل ہوتا ہے جہاں وہ پل پل مرتا رہے اور اچھے برے الفاظ میں آپ کو یاد کرتا رہے۔ لمحہ بہ لمحہ مرنا جینا دشمن کے لیے سب سے عمدہ سزا ہوتی ہے۔''

گونگی عطیہ نے ایک جھرجھری لی اور دہشت بھری نظر سے سائیڈ اسکرین کے پار گہری تاریکی میں گھورنے لگی۔ شاید وہ اپنے مقدر کا اس تاریکی سے موازنہ کر رہی تھی۔ میں نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد روئے سخن عطیہ کی جانب کیا اور کہا۔

''تم اگر سن سکتی ہو تو میری بات کو توجہ سے سنو۔ زندگی میں سیکھنے کے لیے ایک تلخ تجربہ کافی ہوتا ہے۔ بار بار ایسے تجربات سے بے وقوف ہی گزرا کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا تم کون ہو، کہاں سے آئی ہو، کہاں جاؤ گی..... اور نہ ہی میں یہ سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ بس میری ایک نصیحت پلے باندھ لو..... اور وہ یہ کہ اپنی حیثیت اور حلقے میں کسی ساتھی کو تلاش کرو۔'' ہر گیلی مٹی سونا نہیں ہوتی۔ فواد کے تجربے سے تم نے اگر کچھ نہیں سیکھا تو پھر قدم قدم پر تمہیں ٹھوکریں ہی ملیں گی۔''

وہ بدستور کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ مجھے نہیں معلوم، وہ میری باتوں کو کس حد تک سمجھ رہی تھی۔ میں نے اپنا فرض پورا کرتے ہوئے کہا ''میں تمہیں کسی روشن مقام پر گاڑی سے

اتار دوں گا۔ مجھے امید ہے، تم میری نصیحت پر عمل کر کے اپنی باقی ماندہ زندگی کو سنوارنے سجانے کی کوشش کرو گی۔''

تھوڑی ہی دیر بعد ایک ایسی جگہ نظر آ گئی جہاں عطیہ کو ڈراپ کیا جا سکتا تھا۔ میں نے شہزاد کو گاڑی روکنے کے لیے کہا۔ اس نے فوراً میری فرمائش پوری کر دی۔ وہ خیابانِ اتحاد اور ڈیفنس موڑ کے درمیان کا علاقہ تھا۔ رات کے آخری لمحات میں وہاں کسی بندے بشر کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ میں نے اپنی جیب میں سے والٹ نکالا اور اس میں سے گن کر ہزار والے پانچ نوٹ الگ کر لیے پھر رخصت کرنے سے پہلے میں نے وہ رقم عطیہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ رکھ لو۔ نئی زندگی شروع کرنے کے لیے تمہیں اس رقم سے بہت سہارا ملے گا۔ یہ سکہ رائج الوقت ہے اور آج کل کا ہر بند دروازہ اسی جنس سے کھلتا ہے۔ یہ تمہارے بہت کام آئیں گے۔''

اس نے وہ رقم لینے کے سلسلے میں تامل کیا تو میں نے واضح الفاظ میں کہا ''یہ نہ تو قرض ہے اور نہ ہی میں تم پر ترس کھا کر خیرات دے رہا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو، زندگی کے ایک کٹھن مرحلے پر بھی کسی نے میری مدد کی تھی۔ میں اس احسان کو آگے بڑھا رہا ہوں۔ اگر اللہ نے تمہیں توفیق اور استطاعت دی تو تم بھی کسی ضرورت مند کے کام آ جانا۔''

اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور کپکپاتی انگلیوں نے رقم کو چھو لیا۔ پھر اگلے ہی لمحے پانچ ہزار کے نوٹ گونگی عطیہ کے ہاتھ میں منتقل ہو چکے تھے۔ وہ ہم تینوں کو ممنونیت بھری نظر سے دیکھتے ہوئے گاڑی سے نیچے اتر گئی۔ شہزاد نے ایک جھٹکے سے ہنڈائی کو آگے بڑھا دی۔

زرگل نے پُراستعجاب لہجے میں کہا ''کیسا مذاق ہے۔ ہم نے عطیہ کو جس جگہ ڈراپ کیا ہے وہیں سڑک کے کنارے گونگے بہرے بچوں کا ایک اسکول بھی ہے۔ میں نے ایک عمارت پر اس قسم کے اسکول کا بورڈ لگا دیکھا ہے۔''

میں نے سرسری انداز میں کہا ''زندگی میں بہت کچھ اتفاقاً ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک ایسا ہی واقعہ ہو گا!''

شہزاد نے اس بات کی تصدیق کی کہ واقعی وہاں گونگے بہرے بچوں کا ایک اسکول واقع تھا پھر مجھ سے پوچھنے لگا ''میں تم دونوں کو فلیٹ پر چھوڑ دوں یا تم مجھے بنگلے پر ڈراپ کر کے واپس جاؤ گے؟''

جواب دینے سے قبل میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ میں نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا ''تم ڈیفنس موڑ سے گاڑی کو لیف

ٹرن دو۔ ہم پہلے بنگلے پر جائیں گے۔ مجھے فیصل کی یاد ستا رہی ہے۔ اسے ایک نظر دیکھ لوں گا تو مجھے قرار آ جائے گا۔ پھر میں پُرسکون نیند سو سکوں گا۔ تم وہیں بنگلے پر رہ جانا، ہم فلیٹ پر چلے جائیں گے۔ کل دن میں کسی وقت میں تمہیں ریلیف دینے آ جاؤں گا۔''

شہزاد نے کوئی اختلاف کیے بنا گاڑی کو موڑ لیا اور تھوڑی ہی دیر بعد ہم مذکورہ نامکمل تعمیر شدہ بنگلے پر پہنچ گئے۔ بنگلے کی اندرونی صورتِ حال تسلی بخش تھی۔ سہیل کے علاوہ دیگر دو سیکیورٹی گارڈز بھی نہ صرف جاگ رہے تھے بلکہ پوری طرح چوکس بھی تھے۔ نئے آنے والے گارڈز میں سے ایک کا نام عباس اور دوسرے کا زمرد خان تھا۔ وہ دونوں پوری طرح مسلح تھے۔ میں شہزاد کے ساتھ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں فیصل کو ''ٹھہرایا'' گیا تھا۔

اس کمرے کے ایک حصے میں فرش سے چھت تک پرانے اخبارات کے بنڈل بھرے ہوئے تھے۔ فیصل کو میں نے بڑے تشفی بھرے انداز میں ''پابند'' کر رکھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ الٹی ہتھ کڑی کی جکڑ میں تھے۔ پاؤں میں بیڑی موجود تھی۔ اس بیڑی اور ہتھ کڑی کو باہم منسلک کرنے والی زنجیر کا دوسرا سرا چھت میں نصب کنڈے میں پھنسا دیا گیا تھا۔ اس آہنی زنجیر میں صرف اتنی ''گنجائش'' تھی کہ فیصل اس کمرے میں دو چار گام تک حرکت کر سکتا تھا یا پھر اخبارات کے بنڈلز سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکتا تھا۔ بیٹھنے کا کوئی چانس نہیں تھا۔

اس وقت فرعون صفت چوہدری کا سپوت پشت کے بل بنڈلز کے ساتھ ٹکا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ یہ اندازہ لگانا ناممکن نہیں تھا، وہ واقعی سو رہا تھا یا سوتا ہوا نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ جن حالات سے گزر رہا تھا ان میں نیند مشکل ہی سے آتی ہے۔

شہزاد نے مجھ سے استفسار کیا ''دھدان! اگر گفتگو کا موڈ ہو تو میں اسے جگا دیتا ہوں۔''

''نہیں۔'' میں نے نفی میں گردن کو جنبش دی ''یہ بے چارہ نیند کا ماتا ہے۔ اسے سونے دو۔'' میرے لہجے میں طنز کی کوئی کمی نہیں تھی ''پتا نہیں، اس بدبخت کو پھر کبھی آنکھ لگانے کا موقع ملے یا نہیں۔''

شہزاد نے کہا ''میں نے اسے تھوڑا بہت کھلانے پلانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے کسی حد تک تعاون کیا ہے۔''

''یہ تم نے..... اور اس نے بہت اچھا کیا ہے۔'' میں نے مدبرانہ انداز میں کہا۔ پھر سیکیورٹی گارڈ سہیل کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا ''شہزاد کے جانے کے بعد اس بندے نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش تو نہیں کی؟''

وہ میرے نزدیک آ کر نہایت ہی فرمانبرداری سے بولا ''کوئی گڑبڑ تو نہیں کی جناب لیکن مجھے لالچ دینے کی کوشش ضرور کی ہے۔''

میں نے چونک کر سہیل کو دیکھا اور پوچھا ''کس قسم کا لالچ؟''

اس نے بتایا ''اس نے اپنی رہائی کے بدلے مجھے ایک کروڑ روپے دینے کی پیش کش کی ہے۔ کہہ رہا تھا۔ اس کا باپ بہت بڑا اور طاقت ور چوہدری ہے۔ اگر ایک کروڑ کم ہوں تو وہ رقم بڑھا بھی سکتا ہے۔''

''کہہ تو یہ بالکل ٹھیک رہا ہے سہیل۔'' میں نے زیرِ لب طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے فیصل کی طرف دیکھا ''اس کا باپ واقعی بہت مال دار ہے۔ ایک کروڑ کی رقم ان لوگوں کے لیے بالکل ایسے ہی ہے جیسے تمہارے لیے سو روپے کا ایک نوٹ!''

سہیل حیرت سے آنکھیں پھیلا کر مجھے تکنے لگا۔

میں نے ازراہِ مذاق اس سے پوچھا ''سہیل! تقدیر نے تمہیں زندگی سنوارنے کا ایک سنہرا موقع دیا تھا۔ کیا تم نے اس کی پیش کش پر ذرا بھی غور نہیں کیا؟''

وہ یک دم بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا پھر جذبات سے معمور لہجے میں بولا ''جناب! یہ موقع تقدیر نے نہیں بلکہ شیطان نے فراہم کیا تھا۔ میں اپنے بڑے سے بڑے فائدے کے لیے بھی شیطان کا آلہ کار نہیں بن سکتا۔ رزقِ حلال کی روکھی سوکھی، رزقِ حرام کے عیش و آرام سے زیادہ سکون بخش اور باعثِ عزت ہے۔''

میں..... فخریہ نظر سے سہیل کو دیکھنے لگا پھر توصیفی لہجے میں کہا ''تمہارے خیالات نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ مجھے امید ہے، تم جس راہ پر چل رہے ہو وہ تمہیں تمہاری منزل تک لے جائے گی۔ میں نے تو تمہیں محض آزمانے کے لیے وہ بات کی تھی۔''

''اللہ کا شکر ہے جناب!'' وہ تیقن سے بولا ''میں بہت پُرسکون اور خوش گوار زندگی گزار رہا ہوں۔ منہاس صاحب دوسرے مالکان سے بہت مختلف ہیں۔ وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

میں نے ایک فوری خیال کے تحت سہیل سے پوچھا ''اس بندے نے ایک کروڑ کے عوض تم سے رہائی کی جو بات کی تھی اس بارے میں کوئی تفصیل بھی بتائی تھی؟''

میں نے بات ختم کرتے ہی فیصل کی جانب دیکھا اور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ وہاں مجھے کسی قسم کا تغیر و تبدل نظر نہ آیا۔ اس کا یہی مطلب تھا، کھڑے کھڑے اس کی آنکھ لگ گئی تھی یا پھر وہ اپنے چہرے کے تاثرات کو چھپانے کا ماہر تھا، ہماری باتیں سن رہا تھا اور ظاہر یہی کر رہا تھا کہ وہ اپنے ماحول سے لاتعلق گہری نیند میں ہے!

سہیل نے میرے استفسار کے جواب میں بتایا ''اس نے کہا تھا، یہ اپنے فرار کو بالکل قدرتی رنگ دے گا۔ میں اسے آہنی بندشوں سے آزاد کر دوں۔ یہ مجھے زخمی کر کے ایسا تاثر دے گا جیسے اس نے مجھ سے گن چھین کر خود کو آزاد کروایا ہو۔ پھر یہ مجھے بے ہوش کر کے یہاں سے نکلے گا۔ باقی دو گارڈز کو یہ موت کے گھاٹ اتارے گا اور یہاں سے رفو چکر ہو جائے گا۔''

''کیا اس نے یہ پیش کش ان دو گارڈز کے سامنے کی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

سہیل نے جواب دیا ''نہیں، عباس اور زمرد اس وقت بنگلے کے بیرونی حصے میں پہرا دے رہے تھے۔ میں اس کے پاس یہاں کمرے میں تھا۔''

''تم نے اس کی پیش کش کا کیا جواب دیا؟''

''میں نے اسے کھری کھری سنائیں اور یہ غصے سے مجھے گھور کر رہ گیا۔''

میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور شہزاد کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ سہیل کو ہم نے فیصل والے کمرے میں چھوڑ دیا تھا۔ ہم گاڑی کے قریب آ گئے تو میں نے شہزاد سے کہا۔

''میرے ذہن میں ایک اچھوتا آئیڈیا آیا ہے۔ اس آئیڈیا کی بنیاد اس نکتے پر ہے کہ فیصل اس وقت سو رہا ہے اور اس نے ہماری باتیں نہیں سنیں۔''

شہزاد الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا لیکن کوئی سوال نہیں کیا۔

میں نے اپنے منصوبے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال تم عباس اور زمرد کو بنگلے کے بیرونی حصے تک ہی محدود کر دو اور انہیں سختی سے ہدایت کر دو کہ وہ بہت ہی توجہ سے پہرا دیں۔ خاص طور پر انہیں فیصل والے کمرے کی طرف بھٹکنے بھی نہ دینا۔''

شہزاد پوری توجہ اور دلچسپی سے مجھے سن رہا تھا۔ میں نے مزید کہا ''فیصل کی نگرانی کے لیے تم سہیل کو کمرے میں چھوڑ دو اور تم اپنی شکل بھی فیصل کو نہ دکھاؤ۔ وہ یہی سمجھے کہ تم واپس نہیں

آئے ہو لیکن کمرے سے باہر رہ کر تم پوری طرح چوکنا اور محتاط رہو گے۔''

شاید میری بات کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ میں نے شہزاد کے چہرے پر دبا دبا جوش انگڑائی لے کر بیدار ہوتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''فیصل کو یہ احساس ہے کہ تم میرے بہت قریب ہو اس لیے وہ تمہیں کسی قسم کی کوئی آفر نہیں کر سکتا۔ وہ منہاس پاقر سے بھی ناواقف نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے سہیل کو ایک عام گارڈ سمجھتے ہوئے ٹارگٹ بنانے کی کوشش کی ہے..... اور وہ آئندہ بھی یہ کوشش کر سکتا ہے۔ تم اس کوشش کے لیے اسے موقع فراہم کرو گے۔''

''میں تمہاری بات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' شہزاد نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

میں نے کہا ''اب اس آئیڈیا کی تہ بالکل واضح ہو چکی ہے۔ تم سہیل کو سمجھا دو کہ وہ فیصل والے کمرے میں رہتے ہوئے خود کو کسی کشمکش میں مبتلا ظاہر کرے۔ فیصل اس کو دیکھ کر اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ وہ اس کی ایک کروڑ والی پیش کش میں الجھا ہوا ہے لہٰذا وہ دوبارہ ٹرائی کرے گا۔ اس موقع پر ہمارے منصوبے کے عین مطابق سہیل تھوڑے پس وپیش کے بعد اس کی بات ماننے کو تیار ہو جائے گا لیکن رقم کی وصولی کے لیے وہ بے یقینی ظاہر کرے گا۔ وہ فیصل سے یقین دہانی چاہے گا کہ ایک کروڑ روپے اسے کب اور کیسے ملیں گے۔ فیصل اس سوال کا کوئی نہ کوئی جواب تو دے گا۔ سہیل اسے امید دلائے کہ وہ کل دوپہر تک اسے بنگلے سے نکالنے کی کوشش کرے گا لیکن اس سے پہلے وہ اس کے بتائے ہوئے، رقم کی وصولی کے ذرائع کی تصدیق ضرور کرے گا۔ عین ممکن ہے، فیصل اپنے کراچی نیٹ ورک کے کرتا دھرتا کا نام اور پتا بتا دے۔ وہ اس وقت اپنی زندگی کی سب سے بڑی مصیبت میں گرفتار ہے۔ اپنی آزادی اور بقا کے لیے وہ نیٹ ورک کے ہیڈ کو سامنے لانے میں کوئی حرج نہیں سمجھے گا کیونکہ وہ ''ہیڈ'' اس کے باپ چوہدری نوازش ہی کا ایک آلۂ کار ہوگا۔''

''آئیڈیا واقعی اچھوتا اور منفرد ہے۔'' شہزاد کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ ''اس وقت تو چوہدری کے کراچی نیٹ ورک کا روح رواں بھی بڑی کڑی آزمائش سے گزر رہا ہوگا۔ فیصل کی تلاش کے سلسلے میں چوہدری نوازش نے اس کی زندگی خراب کر رکھی ہوگی۔''

''فیصل کی تلاش اور میری سرکوبی کے لیے!'' میں نے تھوڑا اضافہ کر دیا۔

شہزاد نے کہا ''ٹھیک ہے، تم پوری طرح مطمئن ہو کر جاؤ۔ میں سہیل کو ایسا فیڈ کروں گا کہ فیصل اس کی اداکاری کو حقیقی جذبات کی عکاسی سمجھے گا جیسے ہی مجھے کوئی خاص بات معلوم ہوئی، میں تمہیں مطلع کر دوں.....'' اس نے بے ساختہ جملہ ادھورا چھوڑا پھر الجھن زدہ لہجے میں پوچھنے لگا ''اگر تم سو رہے ہوئے تو.....''

اس مرتبہ میں نے اس کا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا اور قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''میرے سونے اور جاگنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کسی اہم بات اور نازک معاملے کے لیے تم مجھے کسی بھی وقت کال کر سکتے ہو۔''

''اٹس اوکے!'' وہ اپنی گردن کو مخصوص انداز میں جھٹکتے ہوئے بولا۔

اختتامی رسمیات کے تبادلے کے بعد میں نے ہنڈائی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، زرگل پسنجر سیٹ پر آئی اور ہم طارق روڈ والے فلیٹ کی جانب روانہ ہو گئے۔

طارق روڈ پر آنے کے بعد میں نے بیلو ہنڈائی کو ایک چار منزلہ شاپنگ آرکیڈ کے نیچے سڑک کے کنارے پارک کیا اور زرگل کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ اس نے الجھی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے اس اشارے کی تعمیل کر دی۔ میں گاڑی کو لاک کرنے کے بعد زرگل کے ساتھ سڑک پار کرنے لگا۔

میں نے جس شاپنگ آرکیڈ کے سامنے بیلو ہنڈائی کو چھوڑا تھا۔ وہ میرے فلیٹ سے لگ بھگ پانچ سو گز کے فاصلے پر تھا اور میرے بیڈروم کی کھڑکی سے نظر بھی آتا تھا۔ میں بیڈروم کے اندر رہتے ہوئے گاڑی پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔ ویسے میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ کل کسی وقت آمد و شد کے اس وسیلے کو چھوڑ کر کوئی دوسری گاڑی اپنے استعمال میں لے آؤں گا۔ جب تک ساحل اور فیصل والا معاملہ نمٹ نہ جاتا، بے حد احتیاط کی ضرورت تھی!

زرگل جب کوئی سوال کیے بغیر خاموشی سے میرے ساتھ چلتی رہی تو میں نے وضاحتی انداز میں کہا ''تو اد چاہے کسی بھی حالت میں ہو، یہ گاڑی اس کی یادداشت میں محفوظ ہو چکی ہے۔ مجھے یقین ہے، اس نے ہنڈائی کا نمبر حفظ کر لیا ہوگا لہٰذا اس کو استعمال میں رکھنا خطرناک ہے اس لیے میں نے اسے اپنی اقامت گاہ سے کافی فاصلے پر کھڑا کیا ہے تاکہ اگر کوئی اس گاڑی کی بو سونگھتا ہوا ادھر آ نکلے تو میرا سراغ نہ لگا سکے۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کیا ''ویسے میں کل پہلی فرصت میں اس گاڑی سے نجات حاصل کر لوں گا۔''

''میں سمجھ گئی تھی۔'' اس نے صرف ایک جملہ بولنے پر اکتفا کیا۔

اس ایک جملے میں زرگل نے ''سمجھ گئی'' کی ادائی کچھ اس ڈھب سے کی جیسے وہ بہت سمجھ دار ہو۔ میں اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر رہ گیا۔

جب ہم فلیٹ کے اندر داخل ہوئے تو صبح کے پونے پانچ بج رہے تھے۔ مجھے سخت نیند آ رہی تھی۔ میں نے زرگل سے کہا ''تم اپنے کمرے میں جا کر اعصاب کو پُرسکون بنانے والی مشق کرو۔ میں تو سو رہا ہوں۔ تمہیں جب نیند آئے، سو جانا۔''

اس نے شاکی انداز میں مجھے دیکھا۔ چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے میں اس سے بے مروتی برت رہا ہوں۔ میں نے اس کے اطمینان اور تسلی کی خاطر مزید کہا۔

''کسی فکر اور اندیشے میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس فلیٹ میں تم محفوظ اور مامون ہو۔ حکمت یار کو ذہن سے جھٹک کر سونے کی کوشش کرنا۔''

وہ کوئی سوال و جواب کیے بغیر سر جھکا کر خاموشی سے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

میں نے اپنے دماغ کو مخصوص ہدایات دیں اور آنکھیں بند کر کے خود کو نیند کے حوالے کر دیا لیکن چند لمحات کے بعد ہی اس حوالگی میں رخنہ پڑ گیا۔

زرگل کی پکار نے مجھے گہری نیند میں پہنچنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا، وہ میرے بیڈروم میں، بیڈ کے نزدیک کھڑی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے زرگل؟''

وہ الجھن زدہ انداز میں بولی ''مجھے ڈر لگ رہا ہے!''

بے اختیار مجھے ہنسی آ گئی ''کیسا ڈر؟'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ''تم اتنی بزدل یا کمزور لڑکی تو نہیں ہو!''

''مجھے خود حیرت ہو رہی ہے۔'' وہ ندامت آمیز لہجے میں بولی۔

میں نے پوچھا ''کیا تم نے وہ مشق کر لی؟''

''بہت کوشش کی لیکن دل نہیں لگا۔'' وہ بتانے لگی ''پھر میں سونے کے لیے لیٹ گئی مگر نیند بھی نہیں آ رہی۔ عجیب سی بے چینی محسوس کر رہی ہوں۔''

وہ اس وقت انتہائی سنجیدہ تھی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا ''تم اپنی کیفیت کے بارے میں مجھے تفصیل سے بتاؤ۔''

میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ دھیرے سے بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی پھر کہا ''مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اس فلیٹ میں ہمارے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہو!''

میں نے چونک کر اسے دیکھا ''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''میں نے اپنے محسوسات سے تمہیں آگاہ کر دیا۔'' وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی ''یہ بات تو میں بھی جانتی ہوں، ہم دونوں کے سوا یہاں کوئی اور موجود نہیں۔''

میں نے کہا ''یہ تمہارے محسوسات نہیں بلکہ وہم ہے۔ لگتا ہے، حکمت یار کا خوف آسانی سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ خیر، تم میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے بیڈ سے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ ہم بیڈروم سے نکل کر اس کے بیڈروم میں آ گئے۔ میری متلاشی نظر ایک ایک شے کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں نے زرگل سے کہا ''تم بھی اچھی طرح دیکھ لو تاکہ تمہارا وہم نما شک رفع ہو سکے۔''

ہم نے زرگل والے بیڈروم کا تفصیلی معائنہ کیا، پھر ڈرائنگ روم کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اس کے بعد کچن اور واش رومز میں جھانکا گیا۔ سب سے آخر میں، میں نے داخلی دروازے کے لاک اور کنڈیاں چیک کیں پھر زرگل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب تو تمہاری تسلی ہو گئی ہوگی؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا ''میں اپنے وہم کو سمجھ رہی ہوں۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ شاید میں نے چاچا حکمت یار کو زیادہ ہی ذہن پر سوار کر لیا ہے جو مجھے لاشعوری طور پر ایک انجانے سے خوف میں مبتلا کر رہا ہے۔''

ہم ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دوبارہ بیڈروم میں آ گئے۔ میں نے زرگل سے کہا ''ایسا کرو، تم میرے بیڈ پر سو جاؤ۔ اگر ہم لوگوں نے بھرپور نیند نہ لی تو کل کا دن بڑا مسئلہ مندی میں گزرے گا جبکہ یہ دن میری زندگی میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔''

وہ متاثر انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولی ''اور تم؟''

میں اس کے دو لفظی جملے کی تہ تک پہنچ گیا اور کہا ''ظاہر ہے، مجھے بھی اسی بیڈروم میں سونا ہوگا ورنہ تم بار بار ڈرتی رہو گی اور.....'' میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''میں ادھر کارپٹ پر سو جاؤں گا۔ تم پورے اطمینان کے ساتھ اس بستر پر سو سکتی ہو۔''

اس کے چہرے پر طمانیت کے آثار نمودار ہوئے۔ میں نے لائٹ کو جلتا چھوڑ دیا اور سڑک کی جانب کھلنے والی کھڑکی کے پاس آ گیا۔ شاپنگ آرکیڈ کے سامنے میری ہنڈائی جوں کی توں کھڑی تھی۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے چار پانچ گہری اور جاذب سانسیں لیں پھر زرگل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''گڈ نائٹ! میں تو اب سوؤں گا۔'' پھر میں قالین کی جانب بڑھ گیا۔

''مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''کیا اچھا نہیں لگ رہا؟''

''میں بستر پر آرام سے سوؤں اور میرا محسن ادھر زمین پر پڑا رہے۔''

''پھر کیا کیا جائے؟'' میں نے پوچھا۔

وہ بولی ''تم بستر پر آ جاؤ، میں نیچے سو جاتی ہوں۔''

''ایک ہی بات ہے، اس سے فرق کیا پڑے گا!''

''بہت فرق پڑے گا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی ''اگر تم نیچے لیٹے تو میں ایک لمحے کے لیے سو نہیں سکوں گی۔ ندامت کا احساس مجھے شدت سے ستاتا رہے گا۔''

میں نے کہا ''اس کا مطلب ہے، میں پہلے تمہیں گہری نیند میں پہنچاؤں۔ اس کے بعد ہی خود سونے کے بارے میں سوچوں۔''

بات ختم کرتے ہی میں قالین سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ وہ خاصی بدکی ہوئی نظر آنے لگی۔ پتا نہیں، اس نے میرے اقدام کا کیا مطلب نکالا تھا۔ میں نے اسے اپنے وجود میں سمٹتے ہوئے دیکھا تو ضاحت ضروری ہو گئی۔

میں نے بیڈ کے نزدیک پہنچ کر تحکمانہ انداز میں کہا ''بستر پر چت لیٹ جاؤ، آنکھیں بند کر لو اور اپنی توجہ میری آواز پر مرکوز کر دو۔''

اس کی جان میں جان آئی، ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے محتاط لہجے میں دریافت کیا ''کیا تم مجھ پر کوئی عمل وغیرہ کرنا چاہتے ہو؟''

''ہاں!'' میں نے اثبات میں سر ہلایا ''اسے تنویمی عمل کہتے ہیں۔ میں مخصوص لب و لہجے میں تمہیں ترغیبات دوں گا۔ تم پورے انہماک سے میرے الفاظ کو اپنے ذہن میں اتارو گی۔ اگر تمہاری توجہ میری آواز پر مرکوز رہی تو بہت جلدی تم نیند کی گداز بانہوں میں سمٹ جاؤ گی۔ کیا تم اس عمل کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار ہو؟''

''ایک منٹ!'' اس نے سرسری انداز میں کہا پھر چاروں خانے چت ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

میں پانچ سیکنڈ تک اس خاموش طوفانی پیکر حسن و جمال کو تکتا رہا۔ پشتون دوشیزہ میں جوانی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس کے چہرے کی رعنائی کو انجانے خوف کی آمیزش نے خاصا سہما دیا تھا جس سے اس کی جاذبیت میں ایک معصومیت در آئی تھی۔ وہ اس وقت ایک ایسی ڈری سہمی ہرنی دکھائی دیتی تھی جسے کسی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش ہو!

میں نے ترغیبات کا سلسلہ شروع کیا ہی تھا کہ اس کی آنکھوں کے پیچھے اس نے سوال کیا ''وجدان! تم اتنے گہرے کیوں ہو؟''

''یہ بات تم پہلے بھی کئی مرتبہ کہہ چکی ہو۔'' پہلے مرحلے پر اس کی مداخلت مجھے پسند نہ آئی۔ اس لیے میرے لہجے میں اچھی خاصی سختی تھی۔

وہ بدستور آنکھیں بند رکھتے ہوئے بولی ''پہلے کی بات اور تھی۔ اس بار میں ایک خاص وجہ سے کہہ رہی ہوں۔''

''اب وہ خاص وجہ بھی خود ہی بتا دو۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔

''میں محسوس کر رہی ہوں، تمہاری گہرائی میں پُراسراریت بھی شامل ہے۔''

''پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟'' میں نے کہا ''کیا تم میری بات سے اتفاق کرتے ہو؟''

''اتفاق اور اختلاف بعد میں ہوتا رہے گا۔'' میں نے کہا کہ ''فی الحال اگر تم واقعی سونا چاہتی ہو تو خاموش رہ کر میری باتیں توجہ سے سنو اور انہیں اپنے ذہن میں بٹھانے کی کوشش کرو۔''

''جب تک تم میرے سوال کا جواب نہیں دو گے، میرے اندر ایک بے چینی سے پھیلی رہے گی۔'' وہ آنکھیں وا کرتے ہوئے بولی ''اور اس اضطراری کیفیت میں، میں تمہاری ترغیبات پر دھیان نہیں دے سکوں گی۔''

میں نے بے بسی سے ایک طویل سانس خارج کی اور بولا ''ٹھیک ہے، تم ایک سوال جلدی سے پوچھ لو..... صرف ایک سوال!''

اس نے پوچھا ''تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ دروازے کے باہر شہزاد علی موجود ہے۔ کیا تم غیب داں ہو؟''

میں اس کا اشارہ پلک جھپکتے میں سمجھ گیا۔ آج رات درمیانی حصے میں جب شہزاد ہمارے فلیٹ پر پہنچا تھا، اس وقت میں ایک مشق کے سلسلے میں زرگل کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ وہ اتنی محویت سے مجھے سن رہی تھی کہ ایک مرحلے پر

خاموش ہوا تو اس نے بے ساختہ پوچھا تھا، پھر کیا ہوا؟ اس سوال کے جواب میں، میں نے بے اختیار کہہ دیا تھا اور پھر دروازے پر دستک ہونے لگی۔ میری بات ختم ہوتے ہی شہزاد نے دروازہ ناک کیا تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا لیکن زرگل کا متجسس ذہن ہال کی کھال اتارنے پر تُلا ہوا تھا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''غیب کا علم صرف خدا کی ذات تک محدود ہے۔ کوئی انسان اس کا دعوے دار نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی اس زعم میں مبتلا ہے تو سمجھو، اس کی بربادی قریب آ پہنچی ہے۔'' میں نے ایک لمحے کا توقف کیا پھر گمبھیر لہجے میں اضافہ کیا ''دستک کے حوالے سے جو کچھ ہوا اسے تم ایک اتفاق کہہ سکتی ہو۔ اس میں میرے کسی علم یا شکتی کو دخل نہیں۔''

''جی کو بھی نہیں؟'' اس نے تیکھے لہجے میں دریافت کیا۔

''میرا خیال ہے، نہیں۔'' میں نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے، تم پُریقین نہیں ہو!''

وہ ایک نہایت ہی اہم نکتے کی جانب اشارہ کر رہی تھی۔ اگرچہ میں نے اس وقت محض بات برائے بات دستک کا ذکر کیا تھا لیکن یہ امر خارج از امکان نہیں تھا کہ وہ خیال جی کی کارفرمائی کے سبب میرے ذہن میں آیا ہو۔ بعض اوقات ہر انسان تھوڑا بہت مستقبل بین ہو جاتا ہے۔ جی کی قوت ظاہر ہے، اس کی صلاحیت میں اضافہ کر سکتی ہے۔ لاہور میں تو زرگل سے جی کے بارے میں زیادہ بات نہیں ہوئی تھی لیکن کراچی پہنچتے ہی اس نے اس سلسلے میں مجھے کافی کریدا ڈالا تھا اسی لیے وہ ایک اتفاقی بات جی کے کریڈٹ پر ڈال رہی تھی۔

میں اگر جی کی اثر پذیری پر اس سے گفتگو شروع کر دیتا تو پھر سونا نصیب نہ ہوتا کیونکہ یہ ایک انتہائی دلچسپ اور طولانی باب ہے، لہٰذا میں نے اپنے لہجے میں رکھائی کا عنصر شامل رکھتے ہوئے کہا۔

''زرگل! اگر تم واقعی سونے کا ارادہ رکھتی ہو تو پھر غیر متعلقہ باتوں کو کسی اور وقت کے لیے چھوڑ دو۔'' میں نے ذرا رک کر اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا اور کہا ''لیکن اگر تم ابھی سونا نہیں چاہتی ہو تو پھر شب بخیر!''

بات ختم کر کے میں پلٹنے لگا تو وہ جلدی سے آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی ''ٹھیک ہے، میں اب کوئی سوال نہیں کروں گی۔ تم اپنا عمل شروع کرو۔''

میں نے ترغیبات کا آغاز کیا اور زرگل کو گہری نیند میں پہنچانے کے لیے ہپناٹزم کی مخصوص تکنیک سے کام لینے لگا۔ پانچ منٹ بعد وہ ڈریم لینڈ کے ایک پُرسکون اور کیف آور گوشے میں پناہ گزیں ہو چکی تھی!

☆☆☆

رات کو دیر سے..... بلکہ صبح سے پہلے سوئے تھے اس لیے دوپہر کے قریب بیدار ہوئے۔ چھ گھنٹے کی نیند نے بڑی حد تک تھکاوٹ کو دور کر دیا۔ فریش اپ ہونے کے بعد ہم فلیٹ سے نکل آئے۔ ناشتے کا وقت بہت پیچھے رہ گیا تھا لیکن لنچ کے انتظار میں بھوکا نہیں رہا جا سکتا تھا۔ مین طارق روڈ پر آنے کے بعد میں نے زرگل سے کہا۔

''پہلے ہم بھرپور ناشتا کریں گے۔ اس وقت تک مارکیٹ پوری طرح کھل جائے گی پھر میں تمہیں ضروری شاپنگ کرا دوں گا۔''

''آج کے دن کا تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' اس نے میرے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

میں نے کہا ''میرا پروگرام زیادہ تر میں نہیں بناتا ہوں۔ حالات میرے لیے اسکرپٹ تحریر کرتے ہیں۔ میں تو اپنی مرضی کی لائنیں بول کر آگے بڑھ جاتا ہوں۔ بہرحال.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر تھوڑا توقف کیا اور مزید کہا ''ناشتے کے بعد میں شہزاد سے رابطہ کروں گا۔ وہاں کی صورتِ حالات جاننے کے بعد ہی کوئی منصوبہ ترتیب دیں گے۔''

ہم ایک ایرانی ریسٹورنٹ کی بالائی منزل پر آ بیٹھے۔ ریسٹورنٹ کا یہ حصہ ''فیملی ہال'' کے نام سے معروف تھا جہاں پر فیملیز کم اور فیملی کی تگ و دو میں مصروف جوڑے زیادہ وقت گزارتے تھے جن میں سے پانچ فیصد ہی فیملی بنانے میں کامیاب ہوتے۔ باقی ایک دوسرے سے گلے شکوے کرنے کے بعد راہ بدل کر کسی اور سمت قسمت آزمائی میں لگ جاتے!

ناشتے کے بعد میں نے زرگل کو بھرپور شاپنگ کرا ڈالی۔ مختلف قسم کے ملبوسات، سینڈلز، پرس، رسٹ واچ، ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اور میک اپ کی مکمل رینج۔ میک اپ کے سامان میں بعض آئٹمز ایسے بھی تھے جو زرگل کی سمجھ میں نہیں آئے۔ میں نے انہیں الگ پیک کروا لیا تھا۔ وہ ''نہ نہ'' کرتی رہی لیکن میں نے ''ہاں ہاں'' کرتے ہوئے اسے لاد پھاند دیا۔ جب وہ سوالات پر سوالات کرنے لگی تو میں نے کہا۔

''میں نے کچھ زیادہ نہیں کیا۔ موقع محل کی مناسبت سے یہ اشد ضروری تھا۔''

''موقع محل!'' اس نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا ''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''آج رات تم ایک دعوت ولیمہ میں جانے والی ہو۔ کیا روکھی سوکھی گھر کے کپڑے پہن کر دعوت میں شرکت کرو گی؟''

''کون سی دعوتِ ولیمہ؟'' اس کی حیرت دوچند ہو گئی۔

میں نے اسے منہاس باقر کی بیٹی شبانہ کی شادی کے بارے میں تفصیلاً بتایا۔ پرسوں رات کو شبانہ کی شادی ہوئی تھی۔ وہ بیاہ کر کراچی سے حیدرآباد گئی تھی اور آج یعنی منگل کو حیدرآباد میں ولیمے کی تقریب تھی۔ بات پوری کرنے کے بعد میں نے کہا ''منہاس صاحب کی فیملی کے ساتھ آج رات تم حیدرآباد جاؤ گی۔ اب آئی سمجھ میں بات۔''

''تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے میں اکیلی جاؤں گی۔'' وہ کھوجتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی ''کیا تم وہاں جانے کا ارادہ نہیں رکھتے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا ''میں نہیں جاسکوں گا۔ یہاں کا مشن دعوتِ ولیمہ سے زیادہ اہم ہے۔ میں نے منہاس صاحب سے چند ضروری باتیں کرنا ہیں اس لیے ہم سیدھے ان کے بنگلے پر جائیں گے۔ میں تمہیں وہاں چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔ تم شاپنگ کا ایک مرتبہ پھر جائزہ لے لو۔ کوئی شے کم ہو تو بتاؤ تاکہ اس کمی کو ابھی پورا کرلیا جائے؟''

''میرا خیال ہے، ہم نے ضرورت سے زیادہ خریداری کرلی ہے۔'' وہ سامان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا ''ایک نہایت ہی اہم شے باقی ہے اور مجھے حیرت ہے، تم اسے ابھی تک بھولے بیٹھی ہو!''

''ایسی کیا چیز ہے!'' زرگل نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا ''جیولری۔''

''اوہ!'' وہ چونکی ''شاید اس طرف میرا دھیان اس لیے بھی نہیں گیا کہ مجھے زیورات وغیرہ پہننے کا شوق نہیں۔''

''بات شوق کی نہیں، موقع کی ہوتی ہے۔'' میں نے اس کی گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''زیادہ نہ سہی، بندے، پینڈنٹ اور ایک آدھ رنگ تو چلے گی۔''

میرے خواہش نما اصرار کے سامنے اس نے ہتھیار پھینک دیے۔ میں نے زرگل کی جیولری کے ساتھ ہی شبانہ کے شوہر کے لیے بھی ایک قیمتی طلائی گفٹ پیک کروالیا۔ پھر زرگل سے کہا ''میری طرف سے تم یہ تحفہ دولہا کو دے دینا۔''

منہاس باقر کے ساتھ میرے مراسم جس نوعیت میں بدل چکے تھے اس کے پیشِ نظر سلوک کے موقع پر بہت کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت تھی۔ خدا نے مجھے بہت کچھ دے رکھا تھا اور میں کھلے دل اور ہاتھ کا مالک بھی تھا۔ شبانہ کو میں نے ایک جڑاؤ طلائی سیٹ شادی کے تحفے میں دیا تھا۔ منہاس کے ساتھ ساتھ شبانہ کو بھی وہ سیٹ بہت پسند آیا تھا۔

منہاس باقر اخبار کی کاپی پریس بھیجنے کے بعد گھر آجاتا تھا لہٰذا ہم سیدھے اس کے بنگلے پر پہنچ گئے۔ زرگل پہلی مرتبہ وہاں آئی تھی چونکہ میرے ساتھ آئی تھی اور ایک دوست کی حیثیت سے آئی تھی اس لیے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ میں نے اسے منہاس کی فیملی کے حوالے کیا اور خود منہاس کے ساتھ ایک کمرے میں بند ہوگیا۔

اب تک کے تمام واقعات سے میں نے منہاس باقر کو پوری طرح آگاہ رکھا تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''میں چوہدری نوازش سے فائنل گفتگو آپ کی موجودگی میں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ تو شام ہوتے ہی ولیمے اور حیدرآباد کے معاملات میں مصروف ہوجائیں گے لہٰذا آئندہ کے لیے جو لائحہ عمل تیار کرنا ہو اس کے بارے میں ابھی فیصلہ ہوجائے۔ میں آپ کو بالکل فری رکھنا چاہتا ہوں۔''

وہ چند لمحات تک گمبھیر انداز میں مجھے دیکھتا رہا پھر ایک مخصوص آواز میں بولا ''کیا یہاں سے فون کرنا مناسب ہوگا؟''

''میرے خیال میں عین مناسب ہوگا۔'' میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا ''چوہدری نوازش اور شعیب خوری کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ کراچی میں آپ میری پشت پناہی کررہے ہیں۔ اگر میں آپ کے کسی بھی پلیٹ فارم سے موو کروں گا تو یہ بالکل فطری عمل ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا، وہ ٹیلی فونک ایکس چینج کے تعاون سے یہاں کا نمبر ٹریس کرلیں گے اور انہیں معلوم ہوجائے گا، میں نے آپ کے بنگلے سے رابطہ کیا ہے۔ یہ ایسی کوئی خاص یا خطرے والی بات نہیں ہوگی۔ آپ کا تعلق صحافت سے ہے اور آپ بڑے بااثر شخص ہیں۔ شعیب خوری یا چوہدری کا نیٹ ورک براہِ راست آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ مجھے آپ کے مضبوط ٹھکانوں سے باہر ہی کہیں گھیرنا چاہیں گے خیر۔'' میں نے ایک لمحے کا توقف دے کر کہا ''اب تو میں نے خود کو کسی حد تک روپوش رکھنے کا بھی عارضی بندوبست کرلیا ہے۔''

پھر میں نے منہاس باقر کو میک اپ کے سامان اور دیگر ضروری اشیا کے بارے میں بتایا جن کے استعمال سے حلیے میں بڑی حد تک تبدیلی پیدا کی جاسکتی تھی۔

''یہ اچھا آئیڈیا ہے۔'' وہ سراہنے والے انداز میں بولا ''اس سلسلے میں، میں تمہاری مزید مدد کرسکتا ہوں۔'' وہ گہری سوچ میں بول رہا تھا ''ایک بہت ہی ماہر میک اپ مین میرے دوستانہ مراسم ہیں۔ ٹی وی کے اکثر اشارز کا میک اپ وہی کرتا ہے۔ شبانہ کو دلہن بنانے کے لیے میں نے کسی بیوٹی پارلر میں نہیں بھیجا بلکہ وہ میک اپ ماسٹر یہاں گھر پر آگیا تھا۔ تم کہو میں اسے بلوالیتا ہوں۔ وہ انکار نہیں کرے گا چونکہ اس کا تعلق شوبز سے ہے اس لیے حلیے میں تبدیلی کا اسے زیادہ تجربہ ہوگا!''

''آپ کی باتوں سے لگتا ہے، وہ ماہر میک اپ آپ کے بھروسے کا آدمی ہے!'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا ''میرے ذہن میں ایک اچھوتا آئیڈیا آرہا ہے۔'' واقعی میرا ذہن بہت تیز جارہا تھا۔

منہاس نے گہری سنجیدگی سے کہا ''اس پر میرے بھروسے کا اندازہ تم اس بات سے لگاسکتے ہو کہ میں نے شبانہ کی تیاری اس کے ہاتھوں سے کروائی ہے۔ میں اس پر مکمل اعتماد کرتا ہوں۔ وہ تمہارے حلیے کی تبدیلی کے سلسلے میں کہیں زبان نہیں کھولے گا۔'' ذرا رک کر اس نے پوچھا ''ویسے تمہارے ذہن میں کون سا اچھوتا آئیڈیا آیا ہے؟''

میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے فیصل اور سہیل کے بارے میں بتایا اور کہا ''مجھے امید ہے، فیصل سہیل کو دوبارہ پیش نہیں دے گا۔ سہیل ہماری ہدایت کے مطابق عمل کرے گا اور مجھے یقین ہے، اب تک خاصی پیش رفت ہوچکی ہوگی۔'' میں چند لمحات کے لیے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''سہیل کا قد کاٹھ اور صحت بڑی حد تک میرے قریب ہے، انیس بیس کا فرق تو چل جائے گا۔ میں نے سہیل کی بول چال اور نشست و برخاست کو بھی ذہن میں محفوظ کررکھا ہے۔ میرا خیال ہے، تھوڑی سی پریکٹس کے بعد میں سہیل کی حیثیت سے ایکٹ کرنے لگوں گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کا میک اپ ماسٹر کتنی مہارت سے میرے چہرے کو سہیل کے چہرے سے میچ کرتا ہے!''

''میں تمہارے منصوبے کو بڑی حد تک سمجھ رہا ہوں۔'' منہاس نے گمبھیر آواز میں کہا ''تم سہیل کی جگہ لے کر ایک خوب صورت کھیل کھیلنا چاہتے ہو۔ مجھے امید ہے، میک اپ مین بڑی آسانی سے یہ کام کردے گا۔ بعض مشہور شخصیات کے خاکے پیش کرنے کے سلسلے میں اس نے کئی اداکاروں کو میک اپ کے ذریعے نقل بہ مطابق اصل بنا کر ناظرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔''

''بس تو پھر آپ فوراً کام کے اس بندے کو یہاں بلوالیں۔'' میں نے کہا ''اس کے ساتھ ہی شہزاد سے بھی میری بات کروادیں تاکہ سہیل کو یہاں بلوایا جائے۔ میں اگر سہیل بن کر فیصل کے قریب پہنچ جاتا ہوں تو دشمنوں کی نظر میں آئے بغیر میں اپنے مشن میں زیادہ آزادی سے حصہ لے سکتا ہوں۔ سہیل یہاں آئے گا پھر میں سہیل کی جگہ یہاں سے جاؤں گا اور بس.....''

منہاس باقر نے اس آئیڈیے کو سراہا اور اگلے ہی لمحے میں شہزاد سے بات کررہا تھا۔ پہلے میں نے وہاں کی رپورٹ لی اور

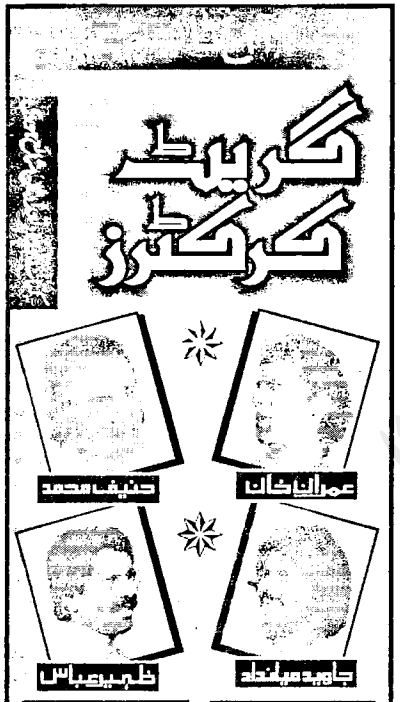
کرکٹرز
عمران خان
حنیف محمد
جاوید میانداد
ظہیر عباس
قیمت فی حصہ: 250 روپے
ڈاک خرچ فی حصہ: 25 روپے
دنیائے کرکٹ کے سپر اسٹارز کی داستانِ حیات خود ان کی زبانی
کرکٹ کی اس جگمگاتی دنیا کے چونکا دینے والے انکشافات اور لاتعداد کہانیاں، چار عظیم کھلاڑیوں کی زندگی کے پوشیدہ اور سربستہ راز جو کبھی منظرِ عام پر نہیں آئے۔ اردو زبان کی اپنی نوعیت کی واحد کتاب جس میں ان کھلاڑیوں کی زندگی کا ہر پہلو اور ہر دور نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔
منگوانے کیلئے آج ہی فون کریں
کتابیات پبلی کیشنز۔ کراچی
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 021-5804300
kitabiat1970@yahoo.com
C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے)

بہت سی چونکا دینے والی باتیں معلوم ہوئیں۔ میں نے اپنے منصوبے کے بارے میں سرسری طور پر اسے بتایا اور کہا۔

''تم پہلی فرصت میں سہیل کو منہاس باقر صاحب کے بنگلے پر بھیج دو۔ کچھ ہی دیر بعد میں سہیل کے روپ میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ باقی معاملات وہیں طے کرلیں گے۔''

رابطہ منقطع ہونے کے بعد میں نے منہاس باقر کو ادھر کی صورتِ حال کے بارے میں بتایا۔ فیصل نے سہیل کو شیشے میں اتارنے کے لیے ایک چال چلی تھی۔ منہاس معنی خیز انداز میں گردن ہلاتا رہا پھر اس نے میک اپ کے باہر کو فون کھڑکا دیا اور تاکید کی کہ جتنی جلدی ممکن ہوسکے، وہ وہاں پہنچ جائے۔ ریسیور کو کریڈل کرنے کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔

''اب تم جلدی سے چوہدری نوازش سے فائنل راؤنڈ کھیل لو تاکہ صورتِ حال کی وضاحت ہوسکے۔''

اگلے ہی لمحے میں نے رکھاں والی میں چوہدری نوازش سے رابطہ کرلیا۔ پانچ سیکنڈ بعد وہ آن لائن ہوگیا۔ میں نے اخلاقی رسمیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بڑے کھردرے لہجے میں کہا۔

''منگل کا سورج اپنا آدھا فاصلہ طے کرچکا چوہدری..... باقی فاصلہ بھی طے ہوہی جائے گا۔ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ منگل میں دنگل کا ارادہ تو نہیں!''

انداز دوٹوک اور خالی از مصلحت تھا لہٰذا چوہدری نے مجھے گھمانے پھرانے کی زیادہ کوشش نہیں کی اور زہریلے لہجے میں بولا۔ ''میں نے فیصل کو حاصل کرنے کے لیے شعیب سے بات کی تھی۔ وہ ساحل کی واپسی کے لیے دگنی رقم مانگ رہا ہے۔'' ہیرا پھیری اس کی گھٹی میں تھی۔

''تو دے دو۔ تمہارے پاس کون سی کمی ہے۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا ''ویسے مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں آیا۔''

''کس بات کا یقین نہیں آیا؟'' اس نے دریافت کیا۔

''یہی کہ برے وقت میں تمہارا نیا نویلا دوست بلیک میلنگ کی راہ اختیار کررہا ہے۔'' میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا ''تم نے پچھلی گفتگو میں شعیب کے حوالے سے بڑے بڑے دعوے کیے تھے۔ اب تمہارے دعوؤں کی حقیقت کھل رہی ہے۔ ویسے مجھے یقین ہے، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ شعیب گھٹیا پن کی اس سطح پر فائز نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتا ہے کہ اپنے دس کروڑ روپے واپس لے لے۔ ڈبل واپسی والی بات تمہارے پستہ ذہن کی پیداوار ہے۔ بہرحال، مجھے تم دونوں کی دوستی اور کاروبار سے کوئی مطلب نہیں۔ مجھے تو تم سیدھا سیدھا یہ بتاؤ، ساحل کو کہاں اور کس وقت میرے حوالے کررہے ہو؟''

اس سے قبل میں نے جب بھی ساحل کے حوالے سے بات کی، اس نے اپنی معذوری ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن میرے مسلسل اور سنگین انداز نے اسے باور کرادیا کہ وہ اس محاذ پر مجھے پس پانہیں کرپائے گا۔ گھنٹے اسی کو ٹیکنا ہوں گے۔ فیصل کی سلامت واپسی کے لیے ساحل کو میرے حوالے کرنا ہوگا.....

چاہے شعیب ایک پیسا لیے بغیر واپس کردے یا دس کروڑ کے بدلے دس ارب مانگ لے۔ چوہدری کو ہر حال میں شعیب غوری سے ساحل کو واپس لینا ہوگا!

میرے سوال کے جواب میں چوہدری نے کہا ''تم فیصل کی وجہ سے مجھے مجبور کررہے ہو ورنہ میں تم جیسے پلوں کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل کے رکھ دیتا ہوں۔ تم نے.....''

''ذلیل خاندان کے سیکنڈ لاسٹ ٹمٹماتے چراغ!'' میں نے غصیلے لہجے میں کہا ''میں نے یہ تمہاری آخری گالی سن لی اور اس کے ساتھ ہی تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ آئندہ میرے لیے تمہاری زبان سے کوئی نازیبا لفظ خارج نہیں ہونا چاہیے ورنہ تمہاری یہ ناپاک زبان منہ سے خارج ہوجائے گی۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

وہ جواباً کچھ نہ بولا۔ اٹرپیس میں اس کی خاموش پھنکاریں ابھرتی رہیں۔ وہ اس وقت چڑھی ہوئی سانسوں کے ان جانے طوفانوں سے گزر رہا تھا۔ زندگی میں اتنا برا وقت اس پر پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔ میں نے اپنے سوال کو دہراتے ہوئے کہا۔

''ساحل کو کس وقت اور کہاں میرے حوالے کررہے ہو چوہدری؟''

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا ''تم اس بنگلے کا راستہ تو نہیں بھولے ہوگے؟''

اس کے سوال پر میرے ذہن میں دو بنگلے گھوم گئے۔ نمبر ایک شعیب غوری کا ٹھکانا ساؤتھ اور نمبر دو ڈیفنس سوسائٹی کا غیر آباد بنگلا جہاں میں نے میاں زاہد حسین کی مشکل آسان کی تھی۔ میں نے اپنی طرف سے کوئی اشارہ دیے بغیر ڈانٹ کر کہا۔

''چوہدری! میرے پاس پہیلیاں بوجھنے کا وقت نہیں۔ تم خواہ مخواہ اپنے بیٹے کے لیے مشکلات پیدا کررہے ہو!''

بیٹے کے حوالے سے وہ تڑپ اٹھتا تھا جیسے ہاتھا پائی کے دوران میں کوئی شخص اپنے حریف کے جسم کے نازک حصے پر ہاتھ ڈال دے تو سامنے والا سر جھکانے اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ایسی ہی کیفیت چوہدری کی بھی ہورہی تھی۔ فیصل اس کی زندگی کا نازک ترین شعبہ تھا۔

وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا ''میں اس بنگلے کی بات کررہا ہوں جہاں تم نے زاہد حسین کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا!''

وہ نہایت ہی محتاط الفاظ کا استعمال کررہا تھا۔

میں نے کہا ''مجھے اس بنگلے کا راستہ ازبر ہے۔ بولو، کیا کہتے ہو؟''

''تم فیصل کو لے کر وہاں آجاؤ۔'' اس نے کہا ''میرے آدمی ساحل کو وہاں پہنچادیں گے۔ تبادلے کا مرحلہ بہ خیر و خوبی انجام پاجائے گا۔ کیا کہتے ہو؟''

''چوہدری!'' میں نے اسے تحقیر آمیز انداز میں مخاطب کیا ''میں نے تو تمہاری بہادری کے بہت سے قصے سن رکھے ہیں لیکن تجربے نے باور کرایا ہے کہ وہ قصے کہانیاں خوب صورت دھوکا ہے۔ تم انتہائی بزدل اور ڈرپوک انسان ہو۔ تم مردوں کی طرح کھل کھلا کر نہیں بلکہ مستورات کی طرح پردے میں رہ کر معاملاتِ زندگی نمٹاتے ہو۔ پردے داری بی بیوں کی طرح بنگلوں کے اندر آنے جانے کا چکر نہ چلاؤ۔ میں تمہارے کسی ٹریپ میں آنے والا نہیں!''

چوہدری کے لہجے میں، میں نے کسی سازش کی بو سونگھ لی تھی۔ وہ ایک غیر آباد بنگلے کے اندر بلاکر کوئی بھی منافقانہ چال چل سکتا تھا۔ میں نے اس کے ایک نہایت ہی اہم مہرے کو اس بنگلے میں موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ وہ میرے لیے وہاں ایک شاندار مدفن تیار کرواسکتا تھا۔

اس نے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں کہا ''پھر تم ہی بتادو، بندوں کا تبادلہ کہاں کرنا ہے؟''

''کسی پُرفضا اور عوامی جگہ پر۔'' میں نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا پھر اس سے پوچھا ''تم نے شارٹ شہید پارک میں کچھوے کا سر دیکھا ہے؟''

''میں نے یہ پارک دیکھا ہوا ہے اور نہ ہی تمہارے بیان کردہ کچھوے کا سر۔'' وہ اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولا ''تم مجھے کیا بتانے کی کوشش کررہے ہو؟''

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''تم نے ڈیفنس سوسائٹی والے جس بنگلے کا ذکر کیا ہے، اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر شارٹ شہید پارک ہے۔ سرسبز و شاداب اس خوب صورت پارک میں شام کے وقت اچھی خاصی چہل پہل ہوتی ہے۔ یہ ایک صحت افزا پبلک پلیس ہے۔ اس پارک کے وسط میں قدرے بلندی پر کسی بڑے درخت کے تنے کو اس طرح تراش خراش کر زمین میں گاڑا گیا ہے جیسے کوئی کنگ سائز چوبی کچھوا زمین سے گردن اور سر باہر نکالے، انسانوں پر ہنس رہا ہو۔ کچھوے کا منہ کھلا ہوا ہے اور دہانے کے اندر اس کے دانت بہ آسانی گنے جاسکتے ہیں۔ بعض لوگ اسے کچھوے کے بجائے ڈائنوسار سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہرحال اس سے کوئی فرق نہیں

انسانیت کے ان دشمنوں کی داستانِ عبرت جو اپنے مفادات کے لیے روزانہ ہزاروں انسانوں کی موت کا سامان پیدا کرتے ہیں

موت کے سوداگر

13واں اور 14واں حصہ شائع ہوگیا ہے

مصنف: اقلیم علیم

قیمت فی حصہ -/60 روپے ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

ٹیلی پیتھی کے ذریعے کائنات کی ماورائی طاقتوں کی جادوئی سرگزشت

46واں حصہ شائع ہوگیا ہے

ڈیوٹا

قیمت فی حصہ -/60 روپے
ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

46 حصے بکنا شروع ہیں دیر نہ کریں

معیاری نفسیاتی و علمی کتابیں

ٹیلی پیتھی مستقل بننی	-/40	دست شناسی کے نئے فرخ	-/40
ٹیلی پیتھی کی جدید تحقیقات	-/45	تحریر اور شخصیت	-/30
ہپناٹزم	-/30	مسائل اور حل	-/40
ہپناٹزم کے عملی طریقے	-/50	باطنی	-/25
ہپناٹزم کی جدید تحقیقات	-/60	چھٹی حس اکیسویں علوم	-/25
ذاتی ہپناٹزم	-/25	احساسِ کمتری	-/30
خوابوں کے اسرار	-/30	سگریٹ نوشی چھوڑیے	-/25
عورتوں کی نفسیات	-/60	کامیابی	-/25
مقناطیسیت	-/50	کرائے	-/50
اردو ادبی نفسیات	-/60	مثالیہ اور اکسیر سدباب	-/45
خوف، شرم اور اکسیر سدباب	-/50	امتحان میں کامیابی	-/30

کتابیات پبلی کیشنز
فون: 021-5804300
کتابیات1970@yahoo.com
سی 83 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے سن کورٹ روڈ (شارع فیصل سے متصل) کراچی 74200

پڑتا۔"

"تم یہ تفصیل مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" وہ الجھن زدہ انداز میں بولا۔

میں نے کہا "اس لیے کہ فیصل اور ساحل کے تبادلے کے لیے میں نے اس مقام کا انتخاب کیا ہے۔"

"اوہ!" اس نے ایک تکان زدہ سانس خارج کی "ٹھیک ہے، میں اپنے آدمیوں کو اس پارک کے بارے میں بتا دوں گا لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا۔" وہ پھنکارا پھر ایک لمحے کے توقف سے اضافہ کرتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں بولا "اگر تمہارے ذہن میں کوئی الٹی سیدھی منصوبہ بندی ترتیب پا رہی ہو تو اسے فوراً جھٹک دو۔ اگر مجھے تمہاری طرف سے ذرا بھی شک ہو گیا تو پھر ساحل کو تم زندہ نہیں دیکھ سکو گے!"

میں نے مضبوط لہجے میں کہا "تم سب کو اپنی طرح سازشی فائول پلیئر نہ سمجھو۔ میں زبان کا دھنی ہوں جو کہہ رہا ہوں وہ کر کے بھی دکھاؤں گا۔ اس لیے ایسی فضول دھمکیوں میں اپنی توانائی ضائع نہ کرو۔ بتاؤ، ساحل کو کتنے بجے پارک میں پہنچاؤ گے؟"

"میرے خیال میں نو بجے کا وقت ٹھیک رہے گا؟" وہ مکاری سے بولا۔

میں نے سخت لہجے میں کہا "سات بج کر ایک سیکنڈ بھی نہیں!"

میرے انداز میں ایسی قطعیت تھی کہ موضع رکھاں والی میں وہ بری طرح تلملا کر رہ گیا ہوگا۔ اس نے غصیلے لہجے میں کہا "تم میں ذرا سی بھی کاروباری سوجھ بوجھ اور مصلحت نہیں۔ سات اور نو..... میں آخر فرق ہی کیا ہے؟"

"یہ تم نے بالکل ٹھیک کہا کہ مجھ میں کاروباری سوجھ بوجھ نہیں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "اور وہ اس لیے کہ میں تم سے کوئی بزنس ڈیل نہیں کر رہا جس میں مجھے اپنے فائدے نقصان کی خاطر تمہاری مرضی اور خواہش کا خیال رکھنا ہو۔ ساحل کی واپسی میرا مطالبہ ہے اور یہ مطالبہ تمہیں ہر صورت میں پورا کرنا ہے، بشرطیکہ تمہیں اپنے بیٹے کی زندگی عزیز ہو!" میں نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا "سات اور نو میں تمہارے نزدیک کوئی فرق نہیں ہوگا مگر میں ایک ایک سیکنڈ کو شمار کرتا ہوں۔ میں نے تم پر واضح کر دیا تھا کہ میری دی ہوئی مہلت میں توسیع کی توقع نہ رکھنا۔ اگر آج کا سورج غروب ہو گیا تو تمہارے لختِ جگر کی زندگی کا چراغ بھی گل ہو جائے گا۔ میں ابھی تک اپنے فیصلے پر ثابت قدم ہوں لہٰذا تمہارے پاس چھ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ سٹ پٹائے ہوئے لہجے میں بولا "سات بجے شام ڈن!"

میں نے اس کی شکست خوردگی اور بے بسی پر محظوظ ہوتے ہوئے کہا "ٹھیک سات بجے شام تمہارا اسپوت بیچ وسالم مذکورہ کھجوے سے ٹیک لگائے کھڑا ہوگا لیکن کئی خفیہ آنکھیں اس پر نظریں گاڑے ہوں گی تاکہ تمہاری جانب سے کسی بے ایمانی کی صورت میں فیصل کو پھلنی کر دیا جائے....."

"ایے..... ایسا کچھ نہیں ..... ہوگا۔" وہ جھرجھری لیتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا "تو سمجھو پھر تمہارا بیٹا بھی محفوظ رہے گا۔ کوئی اس کی جانب میلی نگاہ سے بھی نہیں دیکھے گا۔" میں نے تھوڑا توقف کیا پھر بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جس طرح ٹھیک سات بجے فیصل مذکورہ مقام پر موجود ہوگا، بالکل اسی طرح تم ساحل کو بھی وہاں پہنچاؤ گے۔ میرا مطلب ہے، اپنے نمک خواروں کو ایسے احکام صادر کر دو گے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو خدا حافظ کہیں گے اور اگلے ہی لمحے وہ ایک دوسرے کی مخالف سمت میں چہل قدمی کرتے نظر آئیں گے۔ تمہارے آدمی فیصل کو اور میرے آدمی ساحل کو اپنے کور میں لے لیں گے۔ نہ کوئی بدنظمی اور نہ کوئی ہنگامہ آرائی۔ نہایت ہی پُرامن انداز میں بندوں کا تبادلہ ہو جائے گا۔ پارک میں موجود افراد کو ذرا بھی احساس نہیں ہوگا کہ وہاں ان کی نظروں کے سامنے کتنا بڑا معاملہ سیٹل ہو گیا۔ چوہدری!" میں نے چٹانی لہجے میں اسے مخاطب کیا اور کہا "میری طرف سے یہ فیئر ڈیل ہوئی لیکن اگر تمہاری جانب سے کسی چالاکی یا ہوشیاری کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا تو پھر بھیانک ترین نتائج کے لیے تیار رہنا!"

وہ میرے لہجے کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے بولا "میں فیصل کے معاملے میں کسی قسم کا رسک نہیں لے سکتا۔ تم اس سلسلے میں بے فکر رہو۔"

"یہ تمہاری دانش مندی ہوگی۔" میں نے کہا۔

"تم بھی کسی چھل فریب سے کام نہیں لینا!"

"میں الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے اپنا زبان کا دھنی ہونا ثابت کروں گا۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا "آج شام سات بجے تمہیں یقین آ جائے گا کہ وجدان کتنا بڑا فیئر ڈیلر ہے۔"

"دیکھوں گا!" وہ گمبھیر آواز میں بولا۔

میں نے ٹیلی فونک سلسلہ منقطع کر دیا اور سوالیہ نظر سے منہاس باقر کو دیکھنے لگا۔

وہ معنی بھرے انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا "تم نے بڑے اچھے طریقے سے معاملات طے کر لیے ہیں۔ نثار شہید

پارک میں مجھے بھی کئی مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ شام کے وقت وہاں بڑی چہل پہل اور رونق دیکھنے میں آتی ہے۔ مجھے امید ہے، کسی قسم کی بدمزگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ پارک انتظامیہ کی طرف سے مسلح سیکیورٹی گارڈز تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بڑے چوکس انداز میں ٹہلتے رہتے ہیں جو ہر قسم کی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے مجاز ہوتے ہیں لہٰذا وہاں کے ماحول کو دیکھتے ہوئے چوہدری کے بندے بہت محتاط رہیں گے البتہ پارک سے باہر کسی قسم کی بھی ناگفتہ بہ صورتِ حالات سے سابقہ پڑ سکتا ہے۔"

"یہ بات میرے ذہن میں بھی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "ساحل کو بہ حفاظت پارک سے نکال کر لانا اور پھر کسی محفوظ مقام پر پہنچانا ایک اہم مرحلہ ہوگا اور..... ابھی تک یہ بھی طے نہیں ہوا کہ بازیابی کے بعد ساحل کو کہاں رکھا جائے گا؟"

میں نے ذرا رک کر منہاس کی آنکھوں میں دیکھا اور کہا "پہلے میرے ذہن میں آپ کے بنگلے کا خیال تھا۔ ساحل سب سے زیادہ محفوظ یہیں رہ سکتی ہے لیکن آپ لوگ تو حیدرآباد جا رہے ہو۔ ایسی صورت میں....."

"ایسی صورت میں یہ بنگلا اور بھی زیادہ محفوظ اور مفید ہو جاتا ہے۔" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا "ہماری حیدرآباد جانے والی بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ تمام حلقے یہ جانتے ہیں کہ پرسوں میری بیٹی کی شادی ہوئی ہے اور آج حیدرآباد میں ولیمہ ہے۔ تم نے شادی کے موقع پر ہوٹل میں دیکھ ہی لیا ہوگا، زندگی کے ہر شعبے سے بڑے بڑے لوگ وہاں موجود تھے۔ مجھ جیسے معروف لوگوں کی سماجی سرگرمیاں پوشیدہ نہیں رہتیں لہٰذا ہمارے دشمن بھی بے خبر نہیں ہوں گے۔"

وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد دوبارہ گویا ہوا "اگر تم ساحل کو لے کر یہاں آ جاؤ گے تو کسی کا اس طرف دھیان نہیں جائے گا۔ ہم بنگلے کو لاک کر کے جائیں گے اور سیکیورٹی گارڈز وغیرہ کو بھی وہاں سے ہٹا دیا جائے گا تاکہ یہی محسوس ہو، بنگلے کے اندر کوئی بھی موجود نہیں۔ ویسے بھی تم اندرونی لائٹس کو آف ہی رکھنا تاکہ کسی قسم کا شک پیدا نہ ہو۔ بنگلے کی عقبی گلی میں ایک چھوٹا دروازہ کھلتا ہے، وہ اندر سے کھلا چھوڑ دیا جائے گا۔ تم اسی دروازے کو استعمال میں لا کر بہ آسانی بنگلے کے اندر آ جانا۔ میں اپنے ڈی ایس پی دوست خورشید شاہ سے کہہ کر چند سادہ لباس پولیس والوں کو بنگلے کی نگرانی پر مامور کروا دیتا ہوں تاکہ تمہارے دشمنوں میں سے اگر کوئی ادھر کا رخ کرے تو اس سے نمٹا جا سکے۔ ویسے تو رات گئے ہم واپس آ ہی جائیں گے۔"

وہ خاموش ہوا تو میں نے کہا "میرا خیال ہے، پولیس والوں کو اس معاملے میں ملوث کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا حلیہ تو ویسے بھی بدلا ہوا ہوگا۔ وجدان کی حیثیت سے کسی کا دھیان میری طرف نہیں جائے گا اور جہاں تک ساحل کا سوال ہے تو اس کو میں کسی نہ کسی طرح کور کر ہی لوں گا۔ آپ اس سلسلے میں زیادہ پریشان نہ ہوں۔"

"ہوں!" اس نے ایک ہنکاری بھری اور چند لمحے سوچنے کے بعد بولا "ٹھیک ہے، تم اپنے طور پر جیسے مناسب سمجھو، پلان بنا لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تم شہزاد اور میرے سیکیورٹی گارڈز کو اپنی مرضی سے استعمال کر سکتے ہو!"

میں نے کہا "شہزاد علی تو اس مشن میں میرے ساتھ رہے گا۔ اس سے میرا ذہن مل گیا ہے۔ سہیل یہاں پہنچنے والا ہے۔ اسے بنگلے کے اندر ہی رہنے دیں۔ جب ہم فیصل کو لے کر پارک کی جانب روانہ ہوں گے تو وہاں موجود دونوں گارڈز کو یہاں بھیج دیں گے۔ بنگلے کی حفاظت کے لیے یہاں پہلے سے دو گارڈز موجود ہیں۔ یہ چاروں افراد دو درجہ کر بنگلے کی نگرانی کرتے رہیں بس اتنا ہی کافی ہے۔ بنگلے کے نزدیک کسی قسم کی بھیڑ لگانا ٹھیک نہیں۔ مین گیٹ پر جھولتا تالا دشمن کو گم راہ کرنے کے لیے کافی ہوگا!"

"میں تمہارے منصوبے میں تھوڑی تبدیلی کر رہا ہوں۔" منہاس باقر نے بزرگانہ انداز میں کہا "بنگلے والے گارڈز منظر علی اور آفتاب احمد کو تو میں تمہاری خواہش کے مطابق نگرانی پر مامور کر دوں گا لیکن عباس اور زمرد خان کو یہاں بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ تم انہیں سات بجے سے پہلے ہی پارک کی طرف روانہ کر دینا۔ وہ طے شدہ مقام سے تھوڑے فاصلے پر موجود رہیں گے۔ جب تم ساحل کو لے کر پارک سے نکلو گے تو وہ دونوں تمہارے پیچھے پیچھے آئیں گے تاکہ کسی نوعیت کی بدمزگی میں تمہاری طاقت بڑھا سکیں۔ پھر جب تم بہ حفاظت اس بنگلے تک پہنچ جاؤ گے تو وہ واپس چلے جائیں گے..... وہیں جہاں سے آئے تھے!"

"آپ کی بات دل کو لگتی ہے۔" میں نے کہا "میں اس سلسلے میں زمرد خان اور عباس کو اچھی طرح بریف کر دوں گا۔"

"کسی مزید گاڑی یا اسلحے کی ضرورت محسوس کرو تو شہزاد سے کہہ دینا۔" منہاس نے دوستانہ انداز میں کہا "وہ فوراً بندوبست کر دے گا۔ میں نے تمہارے سلسلے میں اسے خصوصی ہدایات دے رکھی ہیں۔"

"میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں۔" میں نے کہا "شہزاد بہت جی دار اور مخلص آدمی ہے۔ مجھے امید ہے، ہمیں کسی دقت یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ویسے آپ لوگ

حیدرآباد کے لیے کتنے بجے تک روانہ ہوں گے۔"

منہاس باقر نے جواب دیا "اگرچہ کراچی میں موسمِ سرما اپنی بہار دکھانے میں اکثر ناکام رہتا ہے لیکن حیدرآباد کا حال اس سے بہت مختلف ہے۔ وہاں آج کل شام اور خصوصاً رات میں اچھی خاصی سردی ہو جاتی ہے۔ لڑکے والوں نے بھی قدرے جلد فارغ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ دو گھنٹے کا فاصلہ ہے۔ میرے خیال میں ہم شام ساڑھے چھ بجے نکلیں گے یا زیادہ سے زیادہ سات بج سکتے ہیں۔"

"یہ بالکل مناسب پروگرام ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میں بھی فوراً پارک سے نہیں نکلوں گا۔ کم از کم .... آدھا گھنٹا وہاں رک کر دشمنوں کی کسی بھی ممکنہ چال کو سمجھنے اور اس سے نمٹنے کی کوشش کروں گا۔ اگر سب خیریت رہی تو ہم ساڑھے سات بجے تک وہاں سے روانہ ہوں۔ اس وقت رات کا آغاز ہو چکا ہوگا۔"

ہمارے درمیان منصوبہ سازی جاری ہی تھی کہ سہیل بنگلے پر پہنچ گیا۔ اسے شہزاد نے کچھ نہیں بتایا تھا لہٰذا میں نے مختصر الفاظ میں اپنے آئندہ فرائض سے آگاہ کیا۔ میک اپ کے ذریعے عارضی شخصی تبدیلی اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ بہت دلچسپی اور سنسنی خیزی سے مجھے تکنے لگا پھر مضطرب لہجے میں بولا "سر! آپ تو کمال کے آدمی ہیں۔ مجھے یقین ہے، آپ اس بندے کے پڑوں تک ضرور پہنچ جائیں گے۔" بندے سے اس کی مراد فیصل تھی۔

میں نے کہا "شہزاد نے مجھے تمہارے اور فیصل کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں مختصراً بتایا ہے۔ اب تم اپنی زبان سے تفصیل سناؤ تاکہ فیصل کو ہینڈل کرنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہ آئے۔"

سہیل نے کم و بیش وہی باتیں بتائیں جو اس سے قبل میں شہزاد کی زبانی سن چکا تھا۔ اس کے مطابق اس نے ہماری ہدایات پر عمل کرتے ہوئے فیصل کو یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ اس کی پیش کش پر غور کر رہا ہے لہٰذا فیصل تھوڑا اور کھل گیا۔ سہیل نے خدشہ ظاہر کیا کہ فیصل اپنا کام نکلوانے کے بعد رقم سے انکاری ہو جائے گا۔ فیصل نے اسے یقین دلایا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ اگر سہیل اسے ایک فون کرنے کا موقع دے تو وہ اپنے کسی خاص آدمی سے بات کرے گا۔ سہیل اس آدمی سے جا کر مل لے، اسے مذکورہ رقم دے دی جائے گی۔ جب رقم سہیل کے قبضے میں چلی جائے تو وہ بنگلے پر آ کر فیصل کو فرار ہونے کا موقع فراہم کرے۔ سہیل نے اپنی کتھا سنا دی تو میں نے اسے دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔ نہایت ہی سیکرٹ اور پرائیویٹ گفتگو سے اسے دور رکھنا ضروری تھا۔ میک اپ والی بات اس سے چھپ نہیں سکتی تھی کیونکہ بعد میں بھی میرا اس سے واسطہ پڑ سکتا تھا۔ پھر میک اپ ماسٹر ہم دونوں کو ساتھ بٹھا کر ہی اپنے فن کا مظاہرہ کرتا۔

فیصل نے نہایت ہی ہوشیاری کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس میں ایک بات یہ بھی ثابت ہو گئی کہ گزشتہ رات اس نے ہمارے گھر نہیں سنی تھی ورنہ وہ پیش قدمی کی غلطی نہ کرتا۔ جب میں اور شہزاد اس کے نزدیک کھڑے باتیں کر رہے تھے تو وہ واقعی نیند میں تھا اور اسے مطلق خبر نہیں تھی، ہم نے اور سہیل نے اس کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کیا تھا۔

فیصل نے سہیل کو جو نیا راگ سنایا تھا اس سے اس کی ذہانت جھلکتی تھی۔ وہ سہیل کو بے وقوف بنا کر چوہدران میاں زاہد حسین کو دھکیلنا چاہتا تھا۔ وہ یقیناً اس شخص کو فون کرتا جو میاں زاہد حسین کو جہنم رواں کی کے بعد کراچی نیٹ ورک کو کنٹرول کر رہا تھا۔ اگر اس کے منصوبے کے مطابق سہیل ایک کروڑ روپے کی رقم فراہم کرنے اس کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ جاتا تو یہ گویا اس کا پروانۂ موت پر دستخط کرنے کے مترادف ہوتا۔ وہ لوگ سہیل کو قابو کر کے جبراً اس کی زبان کھلوا لیتے کہ فیصل کو کہاں رکھا ہے۔ اس کے بعد چوہدری کے نمک خواروں کے لیے بازی پلٹ آسان ہو جاتی۔ ٹارگٹ نگاہ میں آ جانے کے بعد ایک بہت سہل ہو جاتا ہے۔ وہ فیصل والے بنگلے پر ہلا بول دیتے اور آگ اور خون کے دریا سے گزر کر اسے چھڑانے کی کوشش کرتے۔ فیصل کو فرار ہونے کے لیے ہاتھ تک ہلانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

میں نے تشویش ناک نظر سے منہاس باقر کو دیکھا۔ وہ بھی میرے ہی انداز میں سوچ رہا تھا۔ اس نے گمبھیر آواز میں کہا "دھدان! چوہدری کا بیٹا اپنے باپ سے چار ہاتھ آگے ہی نظر آتا ہے۔ اس نے بڑی خطرناک چال چلنے کی کوشش کی ہے۔"

"لیکن میں اس کی چال اسی پر لوٹا دوں گا منہاس صاحب!" میں نے پُراعتماد انداز میں کہا۔ "اگر چوہدری اور اس کے نیٹ ورک کو دانتوں پسینہ نہ آ گیا تو میرا نام بھی دھدان نہیں!"

منہاس نے کھوجنے والی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا "اس کا مطلب ہے، تم کھیلنا چاہتے ہو؟"

"بالکل!" میں نے قطعیت سے کہا "یہ ایک شاندار انتقام ہوگا۔"

"کیا تم واقعی فیصل کو فون کرنے کا موقع فراہم کر دو گے؟" اس نے پوچھا "یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہاں پہنچ کر تم سہیل کا رول کرو گے۔"

میں نے جواب دیا "فون کا کارڈ میں ضرور کھیلوں گا لیکن اپنی مرضی سے۔" اس وقت میرا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ "میں فیصل پر بے اعتباری ظاہر کرتے ہوئے اس سے فون نمبر اگلواؤں گا اور کہوں گا، ڈائلنگ میں خود کروں گا، مجھے اندیشہ ہے، وہ اپنے لوگوں کو کوئی خاص اطلاع نہ دے دے۔ میرا خیال ہے، فیصل کو اس بات پر اعتراض نہیں ہوگا۔ اس کے لیے یہی بڑی بات ہوگی کہ میں اسے فون پر بات کرنے کا موقع ہی فراہم نہیں کر رہا بلکہ اس کے بچھائے ہوئے نادیدہ جال میں بھی قدم رکھ چکا ہوں۔ وہ زیادہ سوچ بچار نہیں کرے گا۔"

"تمہاری بات میں وزن ہے۔" منہاس باقر نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا پھر پوچھا "بالفرض، فیصل تمہاری بات مانتے ہوئے تمہیں اپنے کسی طاقت ور اور بااختیار بندے کا فون نمبر بتا دیتا ہے۔ کیا تم وہاں اس کی بات کروا دو گے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں نے دوٹوک انداز میں کہا "اگر اس کا رابطہ کروانا ہوتا تو پھر خود ڈائلنگ کرنے کی کیا ضرورت تھی!"

"تو پھر؟" اس مرتبہ منہاس کے لہجے میں قدرے الجھن تھی۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "جیسے ہی فیصل کی زبان سے وہ فون نمبر ادا ہوگا، میرے ذہن کی یادداشتی خانے میں نوٹ ہو جائے گا۔ میں اس کی نظر بچا کر آپ کا نمبر ڈائل کر دوں گا۔"

"میرا نمبر!" منہاس باقر اچھل پڑا "تم نے آخر کیا سوچ رکھا ہے بھئی؟"

میں نے کہا "منہاس صاحب! تھوڑی اداکاری آپ بھی تو کریں۔ آپ کی آواز "باس" کی تعریف پر پوری اترتی ہے۔ آپ کے لہجے کا اتار چڑھاؤ، فوری طور پر فیصل کو کسی شک میں مبتلا نہیں ہونے دے گا۔ میں چونکہ اس کے سر پر کھڑا رہوں گا اس لیے وہ نہایت ہی مختصر اور محتاط الفاظ استعمال کرے گا۔ میں فون لگتے ہی آپ سے کہہ دوں گا..... صاحب! فیصل صاحب آپ سے ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی بڑی رقم کا معاملہ ہے۔ اس کے بعد آپ اسے ہینڈل کر لیجئے گا۔ اسے زیادہ بولنے کا موقع ہی نہ دینا۔ آپ اپنی بھاری بھرکم آواز میں اس کے بارے میں گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے تسلی دیجئے گا کہ آپ اس کا اشارہ سمجھ گئے ہیں۔ وہ فوراً رقم کی وصولی کرنے والے کو بھیج دے۔ آپ اس سے "نمٹ" لیں گے۔ اگر فیصل نے فون نمبر کے ساتھ کوئی نام بھی بتایا تو میں آپ کو اسی نام سے مخاطب کروں گا۔ اس طرح کم از کم ہم میاں زاہد حسین کی جگہ لینے والے نئے باس کا پتا ٹھکانا معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر وہ کوئی اور شخص بھی ہوا تو نہایت ہی اہم ہوگا۔ ممکن ہے، وہ باس سے زیادہ اہم ہو۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا!"

منہاس باقر چند لمحات تک توصیفی نظر سے مجھے دیکھتا رہا پھر زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا "کیا تمہیں کچھ عرصہ الفریڈ ہچکاک کے ساتھ رہنے کا موقع بھی ملا ہے؟"

"آپ یہ غیر متعلقہ بات کیوں پوچھ رہے ہیں؟" میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ غیر متعلقہ سوال نہیں۔" اس نے کہا "تم بہت اچھی کہانی بُن لیتے ہو!"

"گویا آپ تصدیق کر رہے ہیں، میرا منصوبہ بے داغ اور قابلِ عمل ہے؟"

"تم بے فکر ہو جاؤ۔ میں اپنے حصے کا رول بہ خوبی نبھاؤں گا۔"

"باقی تمام معاملات میں دیکھ لوں گا۔" میں نے کہا۔

پھر میری فرمائش پر منہاس نے سہیل کو بلا لیا۔ میں نے اس سے پوچھا "تم نے فیصل کو کیا جواب دیا تھا؟"

اس نے بتایا "میں نے شہزاد صاحب سے مشورہ کرنے کے بعد فیصل سے کہا تھا، میں تین بجے اس کے مطلوبہ نمبر پر بات کروا دوں گا۔ اس نے پوچھا، تین بجے کیوں، فوراً کیوں نہیں؟ میں نے شہزاد کے مشورے کے مطابق جواب دیا کہ تین بجے شہزاد تھوڑی دیر کے لیے بنگلے سے چلا جائے گا۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ اس پر فیصل نے پوچھا "اگر شہزاد نامی وہ طرم خان یہاں موجود ہے تو صبح سے اس نے مجھے شکل کیوں نہیں دکھائی؟ میں نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ شہزاد دیگر ضروری کاموں میں الجھا ہوا ہے۔" ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا "سر! آپ تو جانتے ہیں، شہزاد صاحب آپ کی ہدایت پر ہی فیصل کے سامنے نہیں گئے۔"

"فیصل نے تم سے میرے بارے میں استفسار کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

اس نے بتایا "ہاں، وہ تین چار بار آپ کا پوچھ چکا ہے اور میں نے اسے ہر دفعہ یہی بتایا کہ آپ اسے ورثا سے معاملات طے کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور شام کو ہی بنگلے پر آئیں گے۔ اس سے فیصل نے خاصی طمانیت محسوس کی اور کریدکرید کر مجھ سے دیگر سیکیورٹی گارڈز اور وہاں کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں پوچھنے لگا لیکن میں نے یہی ظاہر کیا کہ جب تک ایک کروڑ روپے کی رقم میری جیب میں نہیں آ جاتی، میں اسے چھوٹی

سے چھوٹی بات بھی نہیں بتاؤں گا۔''

''یہ تم نے بہت اچھا کیا۔'' میں نے تعریفی نظر سے اسے دیکھا ''تم کافی سمجھ دار ہو۔ میں منہاس صاحب سے تمہاری تنخواہ میں اضافے کے لیے سفارش کروں گا۔''

اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ اس تمتماہٹ میں اپنی تعریف اور آمدنی میں اضافے کی خوشی یکساں طور پر شامل تھی۔ منہاس صاحب نے سہیل کو دوبارہ دوسرے کمرے میں بھیج دیا اور ہم ضروری امور پر بات کرنے لگے۔ دس منٹ بعد میک اَپ کا ماہر وہاں پہنچ گیا۔

اس فنکار کا نام نسیم جوہر تھا۔ اس سے مصافحہ کرنے کے بعد مجھے عجیب سا احساس ہوا پھر جب علیک سلیک ہوئی تو اس عجیب احساس میں مزید اضافہ ہوگیا۔ نسیم جوہر کی آواز، انداز اور اعضا میں ایک خاص قسم کی نرمی اور نزاکت پائی جاتی تھی جسے عرفِ عام میں نسوانیت کا نام دیا جاتا ہے۔

کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ لہٰذا منہاس باقر کی خواہش پر ہم سب نے پیٹ پوجا کی۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے بھرپور ناشتا کیا تھا اس لیے دوسروں کا ساتھ دینے کے لیے ہاتھ چلاتا رہا۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوگئے تو منہاس باقر نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔

''تم چاہو تو اپنی ساتھی سے مل لو۔ میک اَپ کے بعد تو تم بڑی حد تک بدل جاؤ گے۔''

''اچھا یاد دلایا آپ نے۔'' میں نے چونک کر کہا ''چلیے کی تبدیلی کا راز میں فی الحال زرگل سے بھی پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔'' پھر ایک فوری خیال کے تحت میں نے پوچھا ''کیا ممتاز واپس چلی گئی؟''

''وہ تو شادی کے دوسرے روز یعنی کل صبح ہی اپنے گاؤں چلی گئی تھی۔'' اس نے بتایا ''ہاں، البتہ وہ اپنے باپ کے ساتھ دیسے میں ضرور آئے گی لیکن اتفاق دیکھو کہ تم وہاں نہیں جاسکو گے ورنہ میرے دوست اور ممتاز کے باپ قاضی سے تمہاری ملاقات ہوجاتی۔ وہ یہ دوجوہ شادی میں نہیں آسکا اور تم دیسے کی تقریب میں شرکت نہیں کرسکو گے۔ تمہیں بہت یاد کرتا رہتا ہے۔''

میں نے ایک طویل سانس خارج کی اور کہا ''زندگی نے وفا کی تو بہت جلد میں قاضی صاحب سے ایک بھرپور ملاقات کروں گا۔''

زرگل کے ساتھ پندرہ منٹ گپ شپ کرنے کے بعد میں نسیم جوہر کے ساتھ مصروف ہوگیا۔ منہاس نے میک اَپ ماسٹر کو سب کچھ اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ انسان کے حلیے میں بالوں کے اسٹائل کی بہت اہمیت ہوتی ہے، نسیم جوہر بیوٹیشن کے ساتھ ہیئر ڈریسر بھی تھا۔ ایک گھنٹے کے اندر اس نے اپنے فن کا کمال دکھا کر انیس بیس کے فرق سے مجھے سہیل بنا دیا۔ رہی سہی کسر گارڈ کی وردی نے پوری کردی۔ اگر میں سہیل کے لب و لہجے اور نشست و برخاست کی نقالی کرلیتا تو فیصل کا باپ مجھے بھی پہچان نہیں سکتا تھا اور مجھے اپنی کارکردگی پر پورا بھروسا تھا..... جیسے نسیم جوہر کو اپنے فن پر بھروسا تھا۔

ایک ساتھ گزارے ہوئے اس ایک گھنٹے کے اندر ہمارے درمیان اچھی خاصی دوستی ہوگئی۔ نسیم نے مجھے میک اپ کے حوالے سے بہت سی مفید ٹپس بھی دیں۔ میں نے یہ فن سیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے کہا کہ مکمل مہارت کے لیے تو برسوں درکار ہیں تاہم وہ ایک دو سٹنگ میں مجھے اتنا طاق کردے گا کہ میں اپنی مرضی کے مطابق حلیہ تبدیل کرنے پر قادر ہوجاؤں گا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں پہلی فرصت میں اسے سٹنگ کی زحمت دوں گا۔ نسیم جوہر بہت ہی شستہ اور نفیس انسان تھا۔

ہیلو ہنڈائی کو میں نے منہاس باقر کے بنگلے پر ہی چھوڑ دیا۔ منہاس نے مجھے لائٹ گرین کلر کی ایک ہونڈا سوک فراہم کردی۔ تھوڑی دیر بعد میں اس سبک رفتار گاڑی میں بیٹھ کر بنگلے سے رخصت ہوگیا۔ یہ میرے نئے رول کا پہلا سین تھا!

☆☆☆

شہزاد بڑی بے چینی سے میرا انتظار کررہا تھا۔

میں پونے تین بجے وہاں پہنچا اور دس منٹ کے اندر نہایت ہی جامع اور مختصر الفاظ میں، میں نے شہزاد کو آئندہ کی پلاننگ سے آگاہ کردیا۔ نثار شہید پارک والے منصوبے کو اس نے سراہا اور اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ میں سہیل بن کر اس مشن میں حصہ لوں گا۔ میں نے بات کے اختتام پر اس سے کہا ''عباس اور زمرد خان کو بھی میرے بارے میں کچھ پتا نہیں چلنا چاہئے۔ میں ان سے بھی سہیل کی حیثیت سے ملوں گا۔ ویسے وہ ڈیوٹی کیسی دے رہے ہیں؟''

''ایک دم اطمینان بخش۔'' اس نے جواب دیا پھر پوچھا ''انہیں کب تک یہاں سے روانہ کرنا ہے؟''

''اس بارے میں بعد میں فیصلہ ہوگا۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''پہلے میں فیصل سے ''ملاقات'' کرلوں۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے مزید کہا ''سہیل کے جانے کے بعد تم فیصل کی طرف تو نہیں گئے؟''

''ایک مرتبہ اس پر اچٹتی سی نگاہ ڈالی تھی۔'' اس نے بتایا ''لیکن کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں دراصل اس پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کررہا ہوں کہ کسی اہم نوعیت کے کام میں مصروف ہوں۔''

میں نے کہا ''یہ تم بہت اچھا کررہے ہو۔ اب تم مجھ سے سینئر ہو کیوں کہ میں سہیل ہوں۔ میں ابھی فیصل کے پاس جاکر اسے یہ خوش خبری سناؤں گا کہ تم کسی کام سے بنگلے سے باہر چلے گئے ہو۔ ایک بات کا خیال رکھنا شہزاد! فیصل کو اس کی ''ڈیلیوری'' کے بارے میں بھنک بھی نہیں پڑنا چاہئے۔ نثار شہید پارک کی طرف لے جاتے ہوئے ہم اس پر یہی ظاہر کریں گے کہ اسے گھمانے پھرانے کے لیے آزاد فضا میں لائے ہیں۔ تفصیلی پروگرام ہم تھوڑی دیر بعد طے کریں گے۔ ذرا میں دیکھ لوں، فیصل ایک کروڑ روپے کے سلسلے میں کیا ہنر دکھاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ پُرخیال انداز میں بولا ''نثار شہید پارک کے حوالے سے اس وقت مجھے بنات خان یاد آرہا ہے۔ کافی دنوں سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ بنات خان سے میری اچھی یاداللہ ہے۔ وہ پارک میں سیکیورٹی گارڈ کی حیثیت سے ملازم ہے۔''

''یہ تم دور کی کوڑی لائے ہو۔'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا ''آن ریکارڈ تم کسی ضروری کام سے تھوڑی دیر کے لیے اس بنگلے سے باہر تو جاتے رہے ہو۔ میرا خیال ہے تم آف دی ریکارڈ چلے ہی جاؤ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ آیا بنات خان آج کل بھی پارک کے اندر ڈیوٹی انجام دے رہا ہے! ہم اس مشن میں اسے استعمال کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں بعد میں فیصلہ کریں گے!''

''تمہیں فیصل کو سنبھالنے میں کوئی دشواری تو نہیں ہوگی؟''

''قطعاً نہیں۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے، پھر میں بنات خان کا کھوج لگاتا ہوں۔'' اس نے کہا ''اور لنچ وغیرہ سے بھی نمٹ آتا ہوں۔''

میں نے سوال کیا ''کیا تمہیں سونے کا تھوڑا بہت موقع ملا تھا؟''

''ہاں، میں نے تین گھنٹے نیند لے لی ہے..... اور یہ کافی ہے۔''

''اگر بنات خان دستیاب ہوجاتا ہے۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''تو کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ وہ تعاون کے لیے تیار ہوجائے گا۔''

وہ پُراعتماد انداز میں بولا ''میرا خیال ہے، وہ میری بات سے انکار نہیں کرے گا اور ویسے بھی ہم اس سے کوئی غیر قانونی یا مجرمانہ کام تو نہیں لیں گے نا!''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے قطعیت سے کہا۔

شہزاد تھوڑی دیر بعد واپس آنے کا کہہ کر بنگلے سے رخصت ہوگیا۔ مذکورہ نثار شہید پارک اس بنگلے سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ مجھے امید تھی، شہزاد ایک گھنٹے میں لوٹ آئے گا۔ میں نے سہیل کے لب و لہجے کو ذہن میں تازہ کیا اور فیصل والے کمرے میں پہنچ گیا۔ میری اداکاری کا امتحان شروع ہوگیا۔

''تم کہاں غائب ہوگئے تھے؟'' مجھ پر نگاہ پڑتے ہی فیصل نے نیچی آواز میں استفسار کیا۔

میں نے اس کے قریب آکر سرگوشیانہ لہجے میں کہا ''میں شہزاد سے ہدایات لے رہا تھا۔ اس نے کافی وقت لے لیا.....''

''کیا وہ چلا گیا؟'' میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے سوال کردیا۔

میں نے اسے خوش کرنے کے لیے کوئی جھوٹ نہیں بولا بلکہ حقیقت بیان کردی ''ہاں، وہ ابھی بنگلے سے نکلا ہے۔'' میں بڑی کامیابی سے سہیل کا رول ادا کررہا تھا۔

''اور باقی دونوں گارڈز؟'' فیصل نے اپنے اندرونی جوش کو دباتے ہوئے دریافت کیا۔

''وہ حسبِ معمول اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔'' میں نے معتدل لہجے میں کہا۔

''یہ اچھا موقع ہے۔'' اس نے چار اچھینگے والے انداز میں کہا ''اگر تم مجھے ان آہنی بندشوں سے آزاد کردو تو میں تمہیں زخمی کرکے بنگلے سے نکل جاؤں گا۔ اگر ان گارڈز نے میرے راستے کی رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو میں ان کی لاشیں گرانے میں ایک لمحہ نہیں سوچوں گا۔''

''تم ایسے ہی خالی خولی کیسے چلے جاؤ گے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خشک لہجے میں کہا ''میرے ایک کروڑ کا کیا بنے گا؟''

وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس دیکھنے میں عیاری اور چالبازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ مجھے بے وقوف بنا کر چکما دینے کے موڈ میں تھا لیکن میں نے یہی ظاہر کیا جیسے میں اس کے چکر میں آنے والا نہیں۔ میں ایک لالچی مگر محتاط آلۂ کار کی ایکٹنگ کررہا تھا۔ فیصل نے فوراً پینترا بدلا اور بولا۔ اس کے انداز میں برہمی پائی جاتی تھی۔

''میں نے تو تمہیں رقم حاصل کرنے کا آسان راستہ بتایا تھا لیکن ابھی تک تم نے فون پر میری بات ہی نہیں کرائی۔ تم

نے حالانکہ وعدہ کیا تھا، تین بجے مجھے ایسا موقع دو گے!''

''میرا وہ وعدہ شہزاد کے جانے سے مشروط تھا۔'' میں نے وضاحت کی ''وہ ابھی ابھی نکلا ہے تو میں تمہاری طرف آیا ہوں۔ تم نہیں جانتے شہزاد اور دجدان کتنے سفاک ہیں۔ ان کی موجودگی میں سانس بھی سنبھل سنبھل کر لینا پڑتا ہے۔ میں اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر تمہارے کام آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

وہ تسلی آمیز لہجے میں بولا ''تمہیں اپنے اس فیصلے پر کبھی پشیمانی نہیں ہوگی۔ میں تمہیں اتنی دولت دلواؤں گا کہ تمہاری آنے والی سات نسلوں کو کام کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' اس نے ایک لمحے کو توقف کیا پھر مضطربانہ لہجے میں اضافہ کیا ''یہ نہایت ہی موزوں وقت ہے۔ دجدان صبح سے ادھر نہیں پھٹکا اور شہزاد بھی اس وقت بنگلے میں موجود نہیں۔ تم مجھے آزاد کردو تاکہ میں فون پر تمہارے لیے رقم کا بندوبست کرسکوں۔''

میں نے اسے شک زدہ نظر سے دیکھا اور کہا ''جب تک رقم کے سلسلے میں مجھے اطمینان نہ ہوجائے، میں تمہیں ان بندشوں سے آزاد نہیں کرسکتا۔ میں کسی قسم کا رسک لینے کو تیار نہیں۔''

''اگر میرے ہاتھ پاؤں یونہی بندھے رہیں گے تو میں فون کیسے کروں گا۔'' وہ خفگی بھرے انداز میں بولا ''تم میری حالت دیکھ رہے ہو؟''

میں واقعی اس کی حالت بلکہ بدحالت دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں محظوظ بھی ہو رہا تھا۔ میں نے چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور ٹھوس لہجے میں کہا ''تمہیں فون کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں ٹیلی فون سیٹ یہاں لے کر آ رہا ہوں۔ تم مجھے نمبر بتاؤ گے۔ ڈائلنگ میں کروں گا اور متعلقہ آدمی سے رابطہ ہونے پر میں ریسیور تمہارے کان سے لگادوں گا۔ تم جو بھی بات کرنا چاہو، کرلینا۔''

پھر فیصل کا جواب سنے بغیر میں وہاں سے ہٹ گیا۔ میں اس کمرے میں پہنچا جہاں ٹیلی فون رکھا تھا۔ سیٹ کے نزدیک ہی تار کا ایک بڑا سا گچھا رکھا تھا۔ یہ اسی ٹیلی فون کے تار کا بنڈل تھا۔ میں نے اس گچھے کو کھول کر فون کے تار کو کافی طویل کرلیا، پھر ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر فیصل والے کمرے میں آ گیا۔

وہ تذبذب بھری نظر سے مجھے تکنے لگا۔ شاید اسے فون سے متعلق میری اسکیم پسند نہیں آئی تھی لیکن اس کے پاس ویٹو پاور نہیں تھی لہٰذا حالات کی مجبوری اور مصلحت کے تقاضے نے اسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔ میں اس کی بے بسی پر اش اش کر اٹھا۔

میں نے اس کے قریب آ کر کہا ''فیصل! نمبر بتاؤ؟''

اس نے تامل کرتے ہوئے مطلوبہ نمبر اگل دیا۔

میں نے پوچھا ''کس سے بات کرو گے؟''

''تم نمبر ملا کر مجھے دے دو۔ میں بات کرلوں گا۔'' وہ چالاکی دکھانے لگا۔

میں نے سختی سے کہا ''فیصل! میں جان کی بازی لگا کر یہ کام کر رہا ہوں لہٰذا اپنے تحفظات میں کوئی رخنہ نہیں پڑنے دوں گا۔ تمہیں میری بات ماننا ہوگی۔ اگر نہیں تو پھر میں فون واپس لے کر جا رہا ہوں۔''

بات ختم کرتے ہی میں نے الٹے قدموں جنبش کی۔ وہ سٹپٹا کر بولا ''رک جاؤ، میں بتا رہا ہوں۔ واپس جانے کی ضرورت نہیں۔''

میں رک گیا اور گہری نظر سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ میں نے چشم تصور میں فیصل کو بری طرح ہانپتے کانپتے دیکھا۔ وہ مجھے ایک ایسا پیاسا سانڈر آیا جو زبان باہر لٹکائے پانی کی ایک بوند کو ترس رہا ہو۔ وہ ایک بااثر اور طاقت ور چوہدری کا بیٹا تھا۔ ایسا چوہدری جو کراچی میں اپنا ایک مضبوط نیٹ ورک رکھتا تھا۔ اس کے ایک اشارے پر درجنوں، سیکڑوں انسانوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح تلف کردیا جاتا تھا لیکن قسمت کی ستم ظریفی نے فیصل کو میرے پنجۂ جبر میں کس کر بے چارگی کی افسوس ناک تصویر بنا دیا تھا۔ وہ بڑی امید بھری نظر سے مجھے تک رہا تھا۔

میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے فون سیٹ کی جانب اشارہ کیا اور ریسیور اٹھا کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ وہ تھوک نگلتے ہوئے گویا ہوا۔

''جے۔ڈی ملک!''

میں اس مختصر جملے سے سمجھ گیا، وہ جے ڈی ملک نامی کسی شخص سے بات کرنا چاہتا تھا۔ عین ممکن تھا، یہ جے ڈی ملک میاں زاہد حسین کی جگہ لینے والا باس ہو۔ میں نے اثبات میں گردن ہلا کر فیصل کو اطمینان دلایا اور اس کا بتایا ہوا نمبر بٹن پشت ڈال کر منہاس باقر کے بنگلے کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

ڈائلنگ کی تکمیل پر رابطہ ہوگیا اور دوسری گھنٹی پر فون اٹینڈ کرلیا گیا۔ میں نے جانی پہچانی ''ہیلو'' کے جواب میں کہا۔

''میں سہیل بول رہا ہوں۔ جے ڈی ملک سے بات کروا دیں۔''

منہاس باقر کی ستائشی آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''ویل ڈن مائی سن!''

میں نے اداکاری جاری رکھتے ہوئے فیصل کی طرف دیکھا اور ماؤتھ پیس میں کہا ''چوہدری نوازش علی کا صاحب زادہ فیصل رقم کے سلسلے میں جے ڈی ملک سے بات کرے گا۔''

پھر اگلے ہی لمحے میں نے آگے بڑھ کر ریسیور فیصل کے کان سے لگا دیا اور کہا ''تمہارا جے ڈی آن لائن ہے۔''

میں نے منہاس باقر کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ فیصل کی نگاہ کی پیڈ پر نہ پڑ سکے۔ میں نہیں چاہتا تھا، اسے کسی قسم کا شک ہو۔ پتا نہیں، دوسری جانب سے منہاس نے اس سے کیا کہا ہوگا، وہ جلدی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''میں سہیل نامی اس بندے کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ آپ پہلی فرصت میں اسے ایک کروڑ روپے کی رقم دے دیں۔ یہ شخص مجھے رہائی دلانے میں بہت تعاون کرنے والا ہے۔'' پھر اس کا انداز معنی خیز ہوگیا۔ ''آپ میری بات سمجھ رہے ہیں.....''

میں نے فیصل کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ریسیور اس کے کان سے ہٹا کر کریڈل کردیا۔ اس کی بات پوری تو ہوگئی لیکن دوسری طرف پہنچ نہ سکی۔ وہ برہمی آمیز نظر سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے سنگین لہجے میں کہا۔

''فیصل! تمہاری ہدایت سے ڈی ملک تک پہنچ گئی۔ اب مجھے وہاں پہنچنا ہے۔ وہاں کا ایڈریس بھی تم ہی بتاؤ گے؟''

وہ چند لمحات تک سوچتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے جے ڈی ملک کا پتا بتا دیا۔ وہ ڈیفنس فیز دن کے ایک بنگلے کا ایڈریس تھا۔ مذکورہ بنگلا ڈیفنس مارکیٹ کی عقبی سمت تین چار گلیاں چھوڑ کر واقع تھا۔ ٹیلی فون نمبر کی طرح وہ پتا بھی میں نے اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا۔

میں نے فیصل سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ''جیسے ہی شہزاد واپس آئے گا، میں یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا۔ اگر ایک کروڑ روپے مجھے مل گئے تو میں تمہاری رہائی کے لیے اپنی جان لڑا دوں گا..... چاہے اس کے لیے مجھے شہزاد ہی سے کیوں نہ ٹکرانا پڑے۔''

بات کے اختتام پر میں نے اپنے لہجے میں اچھا خاصا جوش بھی شامل کرلیا تھا۔ فیصل میری جذبات نگاری سے متاثر ہوا اور معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگا۔ میں نے صاف محسوس کرلیا، وہ اس وقت سوچ رہا تھا..... بچے! تم ایک مرتبہ جے ڈی ملک کے پاس تو پہنچو۔ پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ ایک کروڑ روپے حاصل کرنے کے لیے کتنے ارب عذابوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ فون پر اضطراری جملے بولنے کے بعد وہ خاصی طمانیت محسوس کر رہا تھا جیسے اسے یقین ہو چلا ہو، اب تب میں جے ڈی ملک کے بندے اس کی رہائی کے لیے اس بنگلے پر ہلا بولنے والے ہوں۔ میں نے اسے خوش فہمی میں مبتلا رہنے دیا اور ٹیلی فون سیٹ کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا۔

اس کمرے کے اندر رہتے ہوئے فیصل والے کمرے کے دروازے پر کڑی نگاہ رکھی جاسکتی تھی مگر فیصل کو اس کا احساس نہیں ہوسکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شہزاد واپس آ گیا۔ میں نے اسے اور اس نے مجھے تازہ ترین حالات سے آگاہ کیا۔

''وجد .....سوری!'' وہ بولتے بولتے رک گیا۔ پھر سنجیدگی سے کہنے لگا۔ ''مجھے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ سہیل! تمہاری چال کامیاب رہی۔ فیصل کو تم نے خوب الو بنایا ہے۔ چلو، اس طرح اس کے ایک اہم آدمی کا پتا اور فون نمبر تو ہاتھ آیا۔''

''اور تم کیا کر کے آ رہے ہو'' میں نے پوچھا ''بنات خان سے رابطہ ہوسکا؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا ''میں اس سے مل کر آ رہا ہوں۔ وہ آج کل اسی پارک میں متعین ہے۔ آج اس کی ڈیوٹی بھی ہے۔ اس نے وعدہ کیا ہے، اگر کوئی غلط کام نہ ہوا تو وہ ہم سے ہر قسم کا تعاون کرنے کو تیار ہے۔ میں نے اس سے کہا ہے، وہ کھوے والے مقام کے اریب قریب رہے۔ میں اسے بتا دوں گا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ میں اس سے رابطے کے لیے فون نمبر لے آیا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، ہم پہلے اپنے طور پر لائحۂ عمل ترتیب دے لیں'' میں نے کہا ''اس کے بعد بنات خان کے لیے رول نکالیں گے۔''

اس وقت چار بجنے والے تھے۔ شہزاد نے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا ''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

میں نے ایک آنکھ دبائی اور کہا ''میں فیصل کو اشارہ کر کے آتا ہوں پھر جے ڈی ملک کی طرف روانہ ہوجاؤں گا۔''

وہ معنی خیز انداز میں گردن ہلانے لگا۔ میں نے پوچھا ''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟''

''میں.....'' وہ پُرسوچ انداز میں بولا پھر اس کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔ اس نے عجیب سے لہجے میں مجھ سے پوچھا ''یار! کیا یہ بدبخت فیصل یہاں سے سوکھا سوکھا چلا جائے گا؟''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو شہزاد!'' میں نے حیرت سے اسے

دیکھا۔

''یار! میرے ہاتھ پاؤں میں بہت چُل ہو رہی ہے۔''

''تو تم فیصل سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتے ہو؟''

''اسے صحیح سلامت واپس کرنا ہے تو آہنی بندشوں کو کھولنا ہوگا'' شہزاد نے اپنا شوق پورا کرنے کے لیے ایک منطقی راہ نکالی ''وہ بھی ذرا ہاتھ پاؤں کھول لے گا تو نارمل نظر آنے لگے گا۔ اسے ہم اسٹریچر پر ڈال کر تو پارک میں لے جانے سے رہے۔ اسے اپنے پاؤں پر چل کر وہاں پہنچنا چاہیے۔''

میں نے تائیدی انداز میں کہا ''بات تو تمہاری معقول ہے شہزاد!''

''پھر کیا ارادہ ہے؟'' وہ انگلیوں کے پٹاخے نکالتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا ''اس معرکے کے لیے میں تمہیں صرف آدھا گھنٹا دے سکتا ہوں اور وہ بھی پانچ سے ساڑھے پانچ بجے کا وقت۔ ہم ٹھیک چھ بجے اس بنگلے سے نکل جائیں گے۔''

''تو کیا اس وقت تک ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں گے؟'' شہزاد نے کہا ''پانچ بجنے میں تو ابھی ایک گھنٹا باقی ہے۔''

میں نے کہا ''میں فیصل کو ذرا شکل دکھا آؤں تاکہ وہ مطمئن ہو جائے کہ میں نے اس کے بچھائے ہوئے نادیدہ جال میں قدم رکھ دیا ہے۔ اس کے بعد ہم اپنے پروگرام کو فائنل ٹچ دیں گے۔ اس ضروری کام سے نمٹنے کے بعد تم اپنے ارمان نکال لینا لیکن'' میں نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''لیکن کیا؟'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

میں نے گمبھیر آواز میں کہا ''فیصل کی کنڈیشن ایسی نہیں کہ وہ جم کر تمہارا مقابلہ کر سکے اس لیے ذرا ہلکا ہاتھ رکھنا۔ بس سمجھ لو، اس کی مشق کروانا ہے۔ جیسے اکھاڑے میں ایک پہلوان دوسرے پہلوان کو زور کراتا ہے۔''

''تم فکر نہ کرو، میں اسے کوئی خطرناک چوٹ نہیں لگاؤں گا۔'' شہزاد نے سنجیدگی سے کہا ''میں دراصل یہ دیکھنا چاہتا ہوں، ایک بلیک بیلٹ مارشل آرٹسٹ کمزوری اور بے چارگی کی کیفیت سے گزرنے کے بعد کس طرح اپنا دفاع کرتا ہے!''

''میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں، تم کیا دیکھنا چاہتے ہو!'' میں نے گھور کر اسے دیکھا۔

شہزاد کے لبوں پر بڑی سنگین مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔

میں فیصل کو اپنی ایک معنی خیز اور مطلب انگیز جھلک دکھا کر واپس شہزاد کے پاس آ گیا پھر ہمارے درمیان فیصل اور ساحل کے تبادلے کے سلسلے میں سنجیدہ اور فکر انگیز گفتگو ہونے لگی۔

میں نے چوہدری نوازش علی کو شاہ شہید پارک اور مقبرہ کچھوا کے بارے میں تفصیلاً بتایا تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا، اس لیے شعیب غوری کو اس راز میں شریک نہ کیا ہو۔ میں شعیب غوری اور اس کی تنظیم کو اچھی طرح جانتا تھا۔ ''سی ایف کے'' پلیٹ فارم سے کام کرتے ہوئے مجھے ان لوگوں کی پہنچ اور طاقت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ شعیب اور چوہدری نوازش میں نئی دوستی ہوئی تھی۔ شعیب اس مشن میں خاموش تماشائی کا رول ادا نہیں کر سکتا تھا۔ چوہدری سے میری بات لگ بھگ تین گھنٹے قبل ہوئی تھی۔ شعیب کے لیے یہ بہت زیادہ وقت تھا۔ وہ پارک کے اندر اور باہر ایسا ''بندوبست'' ضرور کر سکتا تھا کہ مجھے لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اس کے پاس مرنے اور مارنے والے بندوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ہر قدم پھونک کر اٹھانے کی ضرورت تھی!

میں نے اپنے ذہن میں پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ سات بجے سے بہت پہلے میں اس علاقے میں پہنچ جاؤں گا لیکن پارک میں قدم رکھنے سے قبل میں اپنی تسلی ضرور کر لوں گا۔ بے دھڑک کوئی قدم اٹھا کر میں ٹریپ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے مجھے امید نہیں، جو کبھی ہنگامہ آرائی ہوگی وہ پارک کے باہر ہی ہوگی خصوصاً پارک سے نکل کر منہاس باقر کے بنگلے کی سمت آنے کے دوران میں، میں نے پارک میں کچھ وقت گزارنے کا اسی لیے فیصلہ کیا تھا۔

میں نے شہزاد سے کہا کہ وہ اپنے دوست بنات خان کو فون کر کے کہہ دے کہ ہمارے دو بندے اس کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ عباس اور زمرد نامی یہ دو افراد پارک کے اطراف چکراتے رہیں گے اور اگر کوئی بھی غیر معمولی سرگرمی انہیں نظر آئی تو وہ فوراً ہمیں اطلاع دیں گے۔ اس سلسلے میں بنات خان ان سے تعاون کرے گا۔ فی الحال وہ ہمیں اتنا فیورڈ دے دے۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔

شہزاد نے میری ہدایت کے مطابق بنات خان کو فون کر دیا۔ میں نے زمرد خان اور عباس کو اپنے پاس بلا لیا۔ چونکہ سہیل کے سوانگ میں تھا اس لیے میں نے شہزاد کو بریف کر دیا کہ انہیں کیا سمجھانا ہے۔ شہزاد نے میری پلاننگ کے مطابق انہیں سادہ لباس میں پارک کی جانب روانہ کر دیا۔ زمرد خان کے پاس ٹی ٹی پستول تھا۔ عباس کو ریوالور سے لیس کر دیا گیا۔ انہوں نے یہ ہتھیار اپنے لباس میں چھپا لیے اور ہماری ہدایات پر عمل کرنے کا یقین دلانے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گئے۔ وہ شہزاد کے اعتماد کے بندے تھے اس لیے مطمئن ہو گیا۔

عباس کی کلاشنکوف شہزاد کے پاس پہنچ گئی۔ سہیل والی کلاشنکوف میرے قبضے میں تھی۔ وہ دونوں ساڑھے چار بجے بنگلے سے نکلے تھے۔ پانچ بجے تک ہم نے آئندہ کا مکمل پروگرام ترتیب دے لیا۔ ہم نے چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ اس پلاننگ میں ہم دونوں کے مشورے اور اعتراضات شامل تھے۔ جب بنگلے میں فیصل کے علاوہ ہم دونوں باقی رہ گئے تو شہزاد نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''پانچ بج گئے۔ تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا؟''

بات کرنے کے دوران میں وہ مسلسل انگلیاں چٹخا رہا تھا۔ اس کی بے قراری دیکھنے کے قابل تھی۔ میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''میں فیصل کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ اپنے سامنے سہیل کو زندہ سلامت دیکھ کر چونک اٹھے گا۔ میں اس کی پریشانی سے لطف اٹھانے کے لیے تھوڑا ڈراما کروں گا۔ اس دوران میں تم بھی سر پر پہنچ جانا اور اپنے سنیئر ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھے لتاڑنا شروع کر دینا کیونکہ میں اس وقت فیصل کی آہنی بندشیں کھول رہا ہوں گا۔''

''یہ اچھی اور پُرمزہ ترکیب ہے۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

میں کلاشنکوف سمیت فیصل کے پاس پہنچ گیا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اسے ایک جھٹکا سا لگا ''تت..... تم.....؟'' وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔

فیصل کی آنکھیں حیرت سے پھٹی جا رہی تھیں۔ میں نے اس کے حواس باختہ بشرے پر نظر جماتے ہوئے کہا ''تم واقعی وعدے کے پکے ہو فیصل۔ تمہارے جے ڈی ملک نے پورے ایک کروڑ روپے مجھے دے دیئے۔ اب میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا۔''

وہ جھگڑی کی چابی میرے ہاتھ میں دیکھ کر اور بھی بوکھلا گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں واقعی اسے آزاد کرنے والا ہوں۔ وہ شک زدہ لہجے میں متفسر ہوا ''کک..... کیا تم نے رقم وصول کر لی؟''

''تمہیں میری بات کا اعتبار کیوں نہیں فیصل؟'' میں نے اس کی پشت پر جا کر جھگڑی کے لاک میں چابی گھماتے ہوئے کہا ''میں تم سے جھوٹ بولوں گا کیا؟''

''نہیں..... بے ربط اور یقین سے عاری الفاظ میں بولا ''نن..... میرا مطلب ہے.....''

''یہ کیا ہو رہا ہے سہیل؟'' یہ گرج دار آواز شہزاد کی تھی۔

فیصل اپنا جملہ نامکمل چھوڑ کر متوحش نظر سے شہزاد کو دیکھنے لگا۔ شہزاد کلاشنکوف سونتے، پاؤں پھیلائے دروازے میں کھڑا تھا۔ میں نے نارمل انداز میں اسے مخاطب کیا اور بے تکلفی سے کہا۔

''کم آن شہزاد! قسمت بار بار دروازے پر دستک نہیں دیتی۔ تم بھی چاہو تو تمہاری لائف بن جائے گی۔''

بات ختم کرتے کرتے میں جھگڑی کا لاک کھول چکا تھا۔ شہزاد نے معنی خیز انداز میں مجھے دیکھا اور پوچھنے لگا ''کیا فیصل کو آزاد کرنے سے لائف بن جاتی ہے؟''

''اور نہیں تو کیا؟'' میں نے عجیب سے لہجے میں کہا ''فیصل نے مجھے اس نیکی کے عوض پورے ایک کروڑ روپے دلوائے ہیں۔ اگر تم میرا ہاتھ بٹاؤ گے تو میں تمہیں اس بزنس میں ففٹی پرسنٹ کا پارٹنر بنا لوں گا۔ کیا ارادہ ہے؟ وجدان تو سو کھے وعدوں پر ٹرخاتا رہتا ہے لیکن..... تمہاری جان کی قسم، میں بالکل پکا وعدہ کر رہا ہوں!''

شہزاد کسی لالچی انسان کی اداکاری کرتے ہوئے آگے بڑھا ''میں بھی امیر بنوں گا۔ مجھے بھی دولت چاہیے..... بہت سی دولت!'' وہ ان الفاظ کی تکرار کرنے لگا۔

70 کی دہائی میں شائع ہونے والا آسمانی و انگشت کا پہلا اور منفرد سلسلہ

ش۔ صفیر ادیب کے قلم سے

فرعون

نئی ریلیز

مشرق کی سب سے پُراسرار سرزمین ''مصر'' کا طلسم کدہ ریاض عالم جس کے بارے میں ایک ممی نے بتایا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی انسان ہے اور اسے قدم قدم پر پُراسرار واقعات سے سامنا رہے گا۔

ریاض عالم کی اس سرگزشت میں حسن و عشق کی ہوشربا داستانیں بھی ہیں اور پُراسرار واقعات کے دل دہلا دینے والے قصے بھی

قیمت فی حصہ -/60 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون 5802552-5895313 فیکس 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

75500

فیصل ہکا بکا تھم میں سے ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، یہ ہمیں اچانک بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، ہم اس طرح دل و جان سے اس کی مدد میں جت جائیں گے۔ اس کے ذہن نے یہی فیصلہ دیا ہوگا کہ ہمارے دماغ چل گئے ہیں۔ بہرحال، وہاں جو کچھ ہورہا تھا وہ اس کی فہور میں تھا اس لیے وہ خاموش تماشائی بنا اپنی بندشیں ختم کرواتا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہاتھ پاؤں سے آزاد ہوگیا۔ آہنی زنجیر، ہتھکڑی اور بیڑی اس کے جسم سے علیٰحدہ ہوگئیں۔

میں دبے قدموں سے چلتے ہوئے کمرے کے دروازے میں جا کھڑا ہوا اور شہزاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''میں اس کروڑ روپے میں سے تمہیں ایک پیسا نہیں دوں گا۔''

''اگر تم مجھے رقم نہیں دو گے تو میں اس میں سے وصول کروں گا!'' اس کا اشارہ فیصل کی طرف تھا ''تم نے اکیلے اسے آزاد نہیں کیا۔ میں نے بھی خاصی کسرت کی ہے۔''

میں نے بے اعتنائی سے کہا ''میں نے وصول کرنے سے کب منع کیا ہے۔ تمہیں تو ویسے بھی کسرت کی بہت عادت ہے۔ میں یہاں کھڑا ہوں۔ تمہارا شکار بھاگ کر کہیں نہیں جائے گا۔ تم اس کے اندر سے جتنی رقم نکال سکتے ہو، نکال لو۔ اس وقت تم فیصل کو ایک انسان نہیں، بلکہ آٹو میٹیڈ ٹیلر مشین سمجھ لو۔ جو مختلف بٹن دبانے پر کرارے نوٹ فراہم کرتی ہے۔''

''کرارے نوٹوں کے بدلے میں کرارا مکا!'' شہزاد نے وحشیانہ انداز میں کہا اور فیصل کے منہ پر ایک طاقت ور پنچ جڑ دیا۔

فیصل لاکھ مارشل آرٹسٹ سہی لیکن وہ شہزاد کی طرف سے ایسے رویے کی توقع نہیں کررہا تھا۔ اس کا ذہن تو ہماری بے سروپا اور فاترالعقل باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ شہزاد کا مکا کھانے کے بعد وہ دھڑام سے پشت کے بل زمین پر بوس ہوگیا۔

شہزاد کسی باکسر کے مانند اسٹانس بنا کر قدموں پر اچھلنے لگا۔ فیصل زیادہ دیر تک بے وقوف نہیں بن سکتا تھا۔ صورتِ حال کی سنگینی کو سوتھتے ہی وہ سمجھ گیا، ہم نے اس کے ساتھ بھرپور ڈراما کھیلا تھا۔ وہ دانت پر دانت جما کر زمین کا سہارا لیتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے بدن میں لاکھ لوہیت کی کمزوریاں سہی مگر بنیادی طور پر وہ ایک مارشل آرٹسٹ تھا اس لیے خم ٹھونک کر وہ مقابلے پر اتر آیا..... کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا!

شہزاد اپنے قدموں پر اچھلتے ہوئے ہوا میں مکے برسانے لگا۔ وہ ایک طرح سے فیصل کو اشتعال دلا رہا تھا تاکہ وہ اس پر حملہ آور ہو۔ فیصل نے اٹیک سے پہلے پینترا بدلا پھر اس کی کک ہوا میں بلند ہوئی۔ اس کک میں وہ دم نہیں تھا جو ہونا چاہیے تھا۔ میں پلک جھپکتے میں سمجھ گیا، رگ پٹھوں کی اٹھن اور کمزوری نے فیصل کو غیر مستعمل بنا دیا تھا۔ اس حالت میں اسے زدوکوب کرنا فیصل کی نہیں، اس کے فن کی بے عزتی ہوتی۔

''رک جاؤ شہزاد! کوئی فائدہ نہیں۔'' میں نے باآوازِ بلند کہا۔

شہزاد نے پلٹ کر میری طرف دیکھا پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، ہمیں چونک جانا پڑا۔ بنگلے کے بیرونی حصے میں درجن بھر افراد کے کودنے کی آوازیں ابھری تھیں۔ ہماری نگاہیں ابھی چار ہی تھیں، کہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں ہماری سماعتوں پر دستک دینے لگیں۔ اس سے قبل کہ ہم کوئی جنبش کرتے، بنگلا بے دریغ فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھا۔ لگتا تھا، درجنوں گنوں کے دہانے بیک وقت کھول دیئے گئے ہوں!

فیصل بھی اس صورتِ حال سے بے خبر نہیں تھا۔ اس نے بے ساختہ دروازے کی جانب دوڑ لگا دی لیکن میں اسے چھوڑنے والا کہاں تھا۔ وہ میرا ایک زوردار دھکا کھا کر منہ کے بل کمرے کے پختہ فرش پر گرا۔

میں نے ایک جھٹکے سے کمرے کا دروازہ بند کیا اور فیصل کو گھسیٹتے ہوئے شہزاد سے کہا ''اخبارات کے بنڈل ہٹا کر چھپنے کی جگہ بناؤ۔ جلدی..... ہری اپ!''

ان لمحات میں بنگلے سے فرار ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ وہ پتا نہیں کون لوگ تھے اور کس مقصد سے وہاں چڑھ دوڑے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا، وہ سر سے کفن باندھ کر تقسیمِ اجل کرنے نکلے ہوں۔ بہرحال، وہ دوست نہیں ہوسکتے تھے۔ دوست اور خیر خواہ دستک دے کر آتے ہیں، گولیوں کی برسات کرتے ہوئے نہیں۔ حملہ آوروں کی گنیں مسلسل موت اگل رہی تھیں۔

جس کمرے میں ہم موجود تھے وہ بنگلے کے دور افتادہ حصے میں واقع تھا۔ لہٰذا موت کے ہرکاروں کو وہاں تک پہنچنے میں چند سیکنڈ لگے۔ ہم ابھی پوری طرح سنبھل بھی نہیں پائے تھے کہ دروازے پر ایک زوردار ٹھوکر پڑی۔

اس کمرے کا دروازہ بے چون و چرا کھلتا چلا گیا۔ اگلے ہی لمحے، بے رحم اور سفاک موت بھرا مار کر ہمارے سامنے آن کھڑی ہوئی!

میں نے زندگی میں بارہا موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ کبھی ایسے ہی سنگین اور ہلاکت خیز لمحات تھے۔ شہزاد کی پھرتی کام آگئی ورنہ درجنوں گولیاں ہمارے اجسام کو چھلنی بنا چکی ہوتیں۔ ان لوگوں کے کمرے میں داخلے سے قبل ہم اخبارات کے بنڈلز کے پیچھے پناہ گزیں ہوچکے تھے۔ اس عارضی پناہ گاہ میں پہنچتے ہی شہزاد نے فیصل کو اپنے بازو کی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا اور میں ایک درز سے کھلے ہوئے دروازے کے فریم میں سجا وحشت ناک منظر دیکھ رہا تھا۔

وہ تین افراد تھے۔ دو آگے اور ایک قدرے پیچھے۔ آگے والوں کے ہاتھوں میں کیے نظر آرہی تھیں جب کہ ان کا تیسرا ساتھی پستول بردار تھا۔ میں افراتفری کی کیفیت میں صرف دروازہ ہی بند کرپایا تھا' اگر اسے لاک بھی کردیتا تو وہ لوگ اتنی آسانی سے کمرے میں داخل نہیں ہوسکتے تھے۔ ان تینوں نے چوکنا نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا پھر ایک کلاشن کوف بردار نے کہا۔

''یہاں تو کوئی بھی نہیں!'' اس کے لہجے سے حیرت عیاں تھی۔

''انہیں یہیں ہونا چاہئے تھا۔'' پستول بردار شخص نے آگے بڑھ کر کہا ''یہ دیکھ رہے ہو تم دونوں۔'' اس نے کمرے کے فرش پر پڑی آہنی زنجیر' ہتھکڑی اور بیڑی کی جانب اشارہ کیا ''فیصل کو اسی کمرے میں قید رکھا گیا تھا لیکن ان چیزوں کی موجودگی ظاہر کررہی ہے' اسے آزاد کرکے کہیں اور منتقل کر دیا گیا ہے۔''

''اگر وہ لوگ اسی بنگلے میں کہیں چھپ کر بیٹھے ہیں تو ہماری نگاہ سے بچ نہیں سکیں گے۔'' دوسرے کلاشنکوف والے نے کہا ''ہمارے ساتھی بنگلے کا کونا کونا چھان ماریں گے۔''

ہم تینوں دم سادھے حملہ آوروں کی باہمی گفتگو سن رہے تھے۔ میں نے اور شہزاد نے تو از خود سانس روک رکھی تھی جب کہ فیصل کے ساتھ نیک لاک کی مجبوری تھی۔ شہزاد نے اس کی گردن کو اپنے بازو میں اس طرح دبوچ رکھا تھا کہ وہ زبان کو استعمال کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اگلے لمحے چار پانچ مزید افراد اس کمرے میں پہنچ گئے۔ یقیناً یہ وہی لوگ تھے جو اس بنگلے کے مختلف حصوں میں ہمیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ کلاشنکوف پر میری گرفت اور مضبوط ہوگئی اور میں دو بنڈلز کے درمیان والی درز سے آنکھ ہمارے تازہ ترین سنگین صورتِ حال کا جائزہ لینے لگا۔ اس شکل دفت میں وہ جھری کسی ٹیلی اسکوپ کا کام کررہی تھی۔

پستول بردار شخص نے سوالیہ نگاہ سے آنے والوں کو دیکھا۔ وہ اپنی اداؤں سے ان کا سرغنہ دکھائی دیتا تھا ''ان کا کوئی سراغ ہاتھ لگا؟'' اس نے رعب دار آواز میں پوچھا۔

اسے نفی میں جواب موصول ہوا ''ہم نے پورے بنگلے کی اچھی طرح تلاشی لے لی ہے باس! یہاں، مارے سوا اور کوئی انسان موجود نہیں۔''

''دو کمرے تو اخبارات کے بنڈلز سے بھرے ہوئے ہیں۔'' تلاش کنندگان میں سے ایک نے کہا ''جیسے یہ کمرا آدھا بھرا ہے۔''

''تم لوگ ایک مرتبہ پھر بنگلے کی تلاشی لو۔'' باس ٹائپ شخص نے گرج کر کہا ''مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ ابھی بنگلے سے نکلے نہیں ہیں۔ باہر کار پورچ میں دو گاڑیاں کھڑی ہیں۔ اگر وہ لوگ یہاں سے رخصت ہوچکے ہوتے تو گاڑیاں نظر نہ آتیں۔ ہمیں ہرحال میں فیصل کو حاصل کرنا ہے' چاہے اس کے لیے درجنوں افراد کو خون میں نہلانا پڑے۔ او کے..... کوئیک.....!''

وہ باس نما شخص گاڑیوں کے حوالے سے بہت دور کی کوڑی لایا تھا۔ اس نے دو مرتبہ فیصل کا نام لیا تھا جس کا واضح مطلب یہی تھا' وہ کوئی بہت ہی اہم آدمی تھا۔ اسے فیصل کی یہاں موجودگی کی خبر تھی اسی لیے وہ اتنا پُراعتماد تھا۔ اس کا حکم سنتے ہی وہ لوگ تیزی سے کمرے سے خارج ہوگئے' صرف ایک کلاشنکوف بردار اس کے پاس رہ گیا۔ وہ دونوں کمرے کے فرش پر پڑی آہنی بندشوں کا جائزہ لینے لگے۔ ان کے انداز میں بڑی تشویش ہائی جاتی تھی۔

میرے پاس یہ سوچنے کی فرصت نہیں تھی کہ انہیں ہمارے خفیہ ٹھکانے کا پتا کیسے چلا۔ یہ کام تو کسی بھی طرح ہوچکا تھا اسی لیے وہ دندناتے ہوئے اس بنگلے میں گھسے تھے اور شکرے کے مانند ہمیں شکار کرنے کے لیے وہ مختلف کمروں میں چکرا رہے تھے۔

آہنی زنجیر' ہتھکڑی اور بیڑی کو باریک بینی سے دیکھنے کے بعد باس نے اپنے ساتھی سے کہا ''نادر! میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں' انوا کنندگان نے مغوی فیصل کو اپنی مرضی سے آزاد کیا ہے۔ اور..... وہ لوگ اس بنگلے سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔'' اس کے لہجے میں بڑا وثوق پایا جاتا تھا ''تم یہ بنڈل ہٹاؤ!'' اس نے سنسناتی ہوئی نظر سے اخباری بنڈلز کو دیکھا۔

باس نما شخص کے آخری جملے نے میرے بدن کے سارے خون کو دماغ میں پہنچا دیا۔ وہ نادر نامی اپنے ماتحت کو نہایت ہی خطرناک حکم دے رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا' وہ

اخبارات کو نہیں بلکہ براہِ راست ہمیں دیکھ رہا ہو۔ دراز قامت اس شخص کی آنکھوں میں بے پناہ سفاکی پائی جاتی تھی۔ اگر اخبار کے وہ بنڈلز وہاں سے ہٹائے جاتے تو ہماری روپوشی کا راز عیاں ہو جاتا۔ اس نازک موقع پر میں جیتی ہوئی بازی کو ہارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کن نظر سے شہزاد کی آنکھوں میں جھانکا' اس نے کسی یارِ غار کی طرح گردن کو اثباتی جنبش دی۔ وہ میرے عزائم کو بڑی وضاحت سے سمجھ گیا تھا۔

نادر نامی کلاشنکوف بردار اپنے باس کا حکم پا کر بنڈلز کی جانب پیش قدمی کر چکا تھا۔ ان بنڈلز کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے لیے دونوں ہاتھوں کا استعمال ضروری تھا لہٰذا اس نے کلاشن کو پٹے کی مدد سے کندھے پر لٹکا لیا۔ وہ سیدھا ہماری طرف آیا۔

میرے اعصاب تن گئے۔ اگر وہ ہمارے سامنے سے ایک بنڈل بھی اٹھا لیتا تو ہم ان دونوں کے ٹارگٹ بن جاتے۔ میرے ذہن نے فیصلہ دیا' یہ کسی صورت نہیں ہوگا! نادر نے جیسے ہی بنڈل اٹھانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے' وہ بنڈل توپ سے نکلے ہوئے کسی گولے کے مانند اس کے سینے پر لگا۔ میرے طوفانی ہینڈ پش نے بنڈل کو راکٹ بنا دیا تھا۔ نادر بنڈل سمیت چار فٹ پیچھے' فرش پر جا گرا۔ یہ ایک جناتی وار تھا جس نے نادر کو چاروں خانے چت کر دیا۔

میں نے ہیل کرتے ہوئے برق کی رفتار سے ہائی جمپ لگائی اور کلاشنکوف سونتے بنڈلز کے عقب سے نکل کر پختہ فرش پر پہنچ گیا۔ دراز قامت باس کے لیے یہ ایک غیر متوقع صورتِ حالات تھی۔ اسے ہماری روپوشی کا یقین تو تھا لیکن یہ امید نہیں تھی کہ کوئی چھلاوے کے مانند نکل کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوگا۔ فطری ردِعمل کے طور پر اس نے مجھ پر گولی چلا دی۔

میں نے بجلی کی سی سرعت سے لیفٹ ڈائیو کیا اور ہوا میں تیرتے ہوئے ایک کونے میں پہنچ گیا۔ میرے جسم پر ایک سیکیورٹی گارڈ کی یونیفارم تھی اور میں مکمل طور پر سہیل کے میک اپ میں تھا لہٰذا وجدان کی حیثیت سے مجھے پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ پستول بردار باس نے مجھے صحیح سلامت دیکھ کر اپنی گن کو ایک مرتبہ پھر زحمت دی لیکن اب میں اس کی ایک دیکھنے والا نہیں تھا۔ ہمارے درمیان بہ مشکل تین فٹ کا فاصلہ رہا ہوگا۔ جیسے ہی اس کا پستول والا ہاتھ ہوا میں بلند ہوا' میں نے ایک لیفٹ کریسنٹ کک اس کے تھوبڑے پر جڑ دی۔

میری تیز رفتار کک ''شائیں'' کی آواز پیدا کرتے ہوئے چہرے پر مہلک بوسہ ثبت کرنے سے پہلے اس کے کندھے سے ٹکرائی۔ اس کے بائیں ہاتھ میں دبے پستول سے گولی اگلی لیکن ٹھوکر کھانے کے بعد اس کا زاویہ بدل گیا اور میرا ایک بال بھی بانکا کیے بغیر مشرقی دیوار میں جا لگی۔ پھر اس نے باس نما شخص کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔

وہ کریسنٹ کک کھا کر لڑکھڑاتے قدموں سے چند فٹ پیچھے چلا گیا تھا۔ میں نے ایک طویل اسٹیپ لے کر اس کی پسلیوں میں سائیڈ کک ٹکا دی۔ وہ ایک دھماکے کی آواز پیدا کرتے ہوئے اخبارات کے بنڈلز سے ٹکرایا۔ اگر چہ اسے کوئی مہلک چوٹ نہیں لگی تھی تاہم وہ طیش کے عالم میں گالیاں بکنے لگا۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں ایک دو بنڈل اس کے اوپر آن گرے تھے۔

اسی لمحے مجھے اپنے عقب میں غیر معمولی سرگرمی محسوس ہوئی' میں ایک جھٹکے سے پلٹ گیا۔ اس دوران میں نادر اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا اور بڑے خطرناک انداز میں کلاشنکوف کے برسٹ میں مجھے نہلانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کا ارادہ تکمیلی مراحل سے نہ گزر سکا اور وہ کمرا اس کی کرب ناک چیخوں سے گونج اٹھا۔

شہزاد اخبارات کے بنڈلز کے عقب سے نکل کر سامنے آ گیا تھا۔ اس کی کلاشنکوف سے نکلنے والی گولیوں نے نادر کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کسی گردن کٹے جانور کی طرح فرش پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے حلق سے بڑی وحشت ناک کراہیں خارج ہو رہی تھیں۔ میں نے ایک لمحے میں اندازہ لگا لیا' شہزاد کی فائرنگ نے اسے زخموں سے چور کر دیا تھا۔ اس کے زخم شدید نوعیت کے تھے..... بہت ہی شدید!

شہزاد کی نمود داری نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا۔ ہم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں طے کیا تھا' وہ فیصل کو ''سنبھالے'' گا۔ مجھے اپنی جانب الجھن زدہ نظر سے دیکھتے پا کر اس نے جلدی سے کہا۔

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ جہانِ بے خبری میں ہے۔'' بات ختم کرتے ہی اس نے اپنی گردن کو سہلایا۔ یہ ایک مخصوص اشارہ تھا۔

میں فوراً سے پیش تر سمجھ گیا' اس نے فیصل کے ساتھ کیا کیا ہوگا۔ یہ میرا پسندیدہ حربہ تھا جو میں اپنے دشمنوں کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کرنے کے لیے آزماتا تھا۔ میری آنکھوں میں تائیدی تاثرات کی جھلک دیکھ کر شہزاد اچھل کر باہر آ گیا۔

اس اثنا میں باس سنبھل چکا تھا اور متوحش نگاہ سے نادر کے چھلنی وجود کو تک رہا تھا جس کی تڑپ اور پھڑک میں..

بتدریج کمی آ رہی تھی۔ شاید وہ ٹھنڈا ہونے جا رہا تھا۔ میں نے شہزاد سے کہا۔

''تم بد معاشوں کے اس باپ لم ڈھینگ کو سنبھالو۔ میں دوسروں کی خبر لے کر آتا ہوں۔'' لم ڈھینگ میں نے اسے دراز قامت کے حوالے سے کہا تھا۔

بات ختم کرتے ہی میں کلاشنکوف کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ میرے اندازے کے مطابق پانچ چھ حملہ آور ابھی باقی تھے جو اپنے باس کے حکم پر ہمیں کھوجنے میں مصروف تھے۔ ان پر قابو پانا بہت ضروری تھا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اس لیے میں کسی قسم کی آنکھ مچولی کا کھیل نہیں ہو سکتا تھا۔

ان خیالوں سے نمٹنے کے بعد مجھے ساحل کی طرف جانا تھا۔ ساحل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے انسان کو بڑی جدوجہد کرنا پڑتی ہے اور میں تو اس وقت بیچ سمندر میں کھڑا تھا!

میں جیسے ہی کمرے سے نکل کر راہ داری میں آیا' دو حملہ آوروں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ اچانک ہی سامنے آ گئے تھے اور ان کے انداز سے گواہی ملتی تھی کہ ہمارے کمرے میں ہونے والی فائرنگ نے انہیں اس طرف متوجہ کیا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ چونک اٹھے۔ مجھے سیکیورٹی گارڈ سمجھتے ہوئے انہوں نے اپنی گنوں کا رخ میری جانب پھیر لیا۔ ایک کے ہاتھ میں کے کے اور دوسرے کے ہاتھ میں پسٹل تھا۔ وہ مجھے مارنا نہیں بلکہ زخمی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے میرے قدموں میں فائرنگ کرنے کے لیے اپنے گنوں کے ٹریگرز دبا دیے۔ میں ان کی ابدانی جنبشوں سے ان کا ارادہ بھانپ چکا تھا لہٰذا پلک جھپکتے میں' میں نے اپنے جسم کو ہوا میں اٹھایا اور فرنٹ سمر سالٹ کرتے ہوئے ان دونوں کے سر پر پہنچ گیا۔ فائرنگ کی آواز گونجی مگر میں محفوظ رہا۔ ان کا نشانہ خطا گیا۔

فطری ردِعمل کے طور پر انہوں نے بیک وقت اوپر کو دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی گنوں کا زاویہ بھی عمودی ہو گیا لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ سمجھ پاتے یا مجھے پر فائرنگ کرتے' ان پر قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی۔ سمر سالٹ کی تکمیل پر میں ہوا میں رہتے ہوئے ان کے وسط میں پہنچ چکا تھا پھر زمین پر آنے سے پہلے ہی میں نے ڈبل سائیڈ فلائنگ کک چلا دی۔

میرے بوٹوں کی وزنی ٹھوکروں نے ان کی کھوپڑیوں پر دستک دی اور وہ دو مخالف سمتوں میں لڑھک گئے۔ گنیں ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دور جا گریں پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے' مجھے ایک اور مشکل سے دوچار ہونا پڑا۔ مزید تین افراد وہاں پہنچ گئے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور اور دوسرے کے ہاتھ میں کلاشن تھی۔ تیسرا انہتا تھا۔

انہوں نے حیرت بھری نظروں سے اپنے ساتھیوں کو دیکھا پھر مجھ پر بے دریغ فائرنگ کرنے لگے۔ میں ان نازک لمحات میں انہیں آسانیاں فراہم کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ان کے ٹریگرز دبنے سے پہلے ہی میں نے خود کو باؤنسنگ بال بنا لیا۔ فرنٹ سمر سالٹ' بیک سمر سالٹ' سائیڈ سمر سالٹ اور بیک فلپ کی آمیزش سے میں راہ داری میں اچھلتا پھر رہا تھا۔ ان کی گنیں گولیاں اگل رہی تھیں لیکن ان کا نشانہ دیواریں اور چھت بن رہے تھے۔ چند سیکنڈ میں ان کے ہتھیار خالی ہو گئے۔ اس بے سمت فائرنگ کے نتیجے میں ان کے دو ساتھی لقمۂ اجل بن گئے۔ یہ دو افراد ہی تھے جو ان سے پہلے راہ داری میں داخل ہوئے تھے۔ مکمل شکست کی صورتِ حالات کو دیکھ کر وہ تینوں الٹے قدموں فرار ہونے لگے۔

میں نے کلاشنکوف کو سیدھا کیا اور ان کے دوڑتے ہوئے قدموں میں ایک شارٹ برسٹ مارا۔ تیز چیخوں کی آواز کے ساتھ ان میں سے دو منہ کے بل پختہ فرش پر گرے۔ تیسرا راہ داری سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ وہی انہتا شخص تھا جو تھوڑی دیر پہلے ہونے والی فائرنگ میں شامل نہیں تھا۔ میں لپک کر آگے آیا اور فرش پر پڑے زخمیوں کا سرسری جائزہ لیا۔ ان کے پاؤں اور پنڈلیاں بری طرح گھائل تھے۔ وہ اپنے قدموں پر اٹھ کر کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہے تھے۔ ان کی خالی گنیں بھی خطرناک نہیں رہی تھیں۔ لہٰذا میں ان کے اوپر سے پھلانگ کر اس جانب دوڑ گیا جدھر ان کا انہتا ساتھی فرار ہوا تھا۔

وہ راہ داری تین مختلف کمروں کو آپس میں ملاتی تھی جن میں دو کمرے اخبارات کے بنڈلز والے تھے۔ میں محتاط قدموں سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ ان دونوں کمروں میں کہیں دستیاب نہ ہوا۔ اس مفرور شخص کو بنگلے کے اندر گھیرنا ضروری تھا۔ اگر وہ یہاں سے نکل جاتا تو صورتِ حال ہمارے لیے زیادہ سنگین ہو جاتی۔ میرے اندازے کے مطابق حملہ آوروں میں وہ آخری آدمی تھا جو اس وقت ہمارے قابو میں نہیں تھا۔ باہر پہنچ کر وہ مزید کمک لا سکتا تھا جس کے نتیجے میں ہماری دشواریوں میں لامحدود اضافہ ہو جاتا۔

میں نے مفرور حملہ آور کو چاروں طرف دیکھ لیا لیکن وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ میں اضطراری قدموں سے چلتے ہوئے بنگلے کے مین گیٹ کی طرف آ گیا۔ وہ گیٹ نیم وا تھا۔ میں سمجھ گیا' جب میں اور شہزاد اس دور افتادہ کمرے میں فیصل کے ساتھ ''اٹھکیلیوں'' میں مصروف تھے' حملہ آوروں

میں سے کسی نے دیوار پھلانگ کر اس گیٹ کو کھولا تھا' پھر باقی مسلح افراد بھی اندر آ گئے تھے۔

اچانک بنگلے کے عقب میں مجھے کسی موٹر سائیکل کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں چونک اٹھا اور برق رفتاری سے خود بہ خود میرے قدم گیٹ کی جانب اٹھ گئے۔ میں گیٹ کھول کر باہر نکل آیا اور بنگلے کے عقب میں پہنچ گیا۔ موٹر سائیکل سوار میری فائرنگ رینج سے باہر نکل گیا تھا۔ اس کا تعاقب کیے بغیر میں اسے پکڑ نہیں سکتا تھا اور ظاہر ہے' میں اس پوزیشن میں نہیں تھا۔ ویسے میں نے موٹر سائیکل پر فرار ہونے والے کو پہچان لیا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس کی تلاش میں' میں بنگلے سے نکل کر گیٹ کی طرف آیا تھا۔ شکار ہاتھ سے نکل جانے کا مجھے بے حد افسوس ہوا۔

میں تشویش ناک انداز میں بنگلے کے عقب کا جائزہ لینے لگا۔ وہاں مجھے دو گاڑیاں کھڑی نظر آئیں۔ ان میں ایک ہیوی انجن والی موٹر سائیکل ''جی ٹی او'' تھی جب کہ دوسری ایک بڑی جیپ تھی۔ رینج روور نامی اس جیپ میں خاصے آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ نامعلوم حملہ آور انہی گاڑیوں میں سوار ہو کر ہمارے بنگلے کی طرف آئے تھے۔ نامعلوم کو معلوم بنانے کے لیے میں دوبارہ بنگلے کے اندر آ گیا۔ آتے ہوئے میں گیٹ کی کنڈی لگانا نہیں بھولا تھا۔

چند سیکنڈ کے بعد میں اسی راہ داری میں پہنچ گیا جہاں میں دو زخمیوں کو چھوڑ کر گیا تھا مگر اب مجھے وہاں ایک ہی نظر آیا۔ میری نگاہ راہ داری کے دوسرے سرے تک رینگ گئی۔ وہاں مجھے کچھ گڑبڑ نظر آئی مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ دوسرا زخمی خود کو فرش پر گھسیٹتے ہوئے ادھر جا نکلا تھا اور اس کی یہ کوشش خالی از مقصد نہیں تھی۔ وہاں دو افراد مردہ حالت میں پڑے تھے جو انہی لوگوں کی بے ربط فائرنگ کا نشانہ بنے تھے۔ مذکورہ زخمی مرنے والے ایک شخص کی گن تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا میں دوڑ کر اس کے سر پر جا پہنچا۔ اسے اس مکاری کی سزا ملنا چاہیے تھی۔

رینگتے ہوئے گھائل شخص نے کلاشنکوف پر ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ میں نے اس کی کلائی پر بوٹ کی زوردار ضرب رسید کی۔ وہ تکلیف کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ گن کا خیال دل سے نکال کر وہ فرش پر تڑپنے لگا۔ میرے بوٹ کی ضرب نے اس کی کلائی کا کچومر نکال دیا تھا۔

میں نے زہرخند لہجے میں کہا ''لگتا ہے' زندگی تمہیں راس نہیں آئی۔ تمہیں بھی تمہارے مرحوم ساتھیوں کے پاس ہی پہنچانا پڑے گا۔'' بات ختم کرتے ہی میں نے اس کے چہرے کو نشانہ بنایا اور ایک دھواں دھار ٹھوکر رسید کر دی۔ یہ ضرب پہلے والی ضرب سے زیادہ خوفناک تھی۔

راہ داری اس کی وحشت ناک چیخوں سے گونج اٹھی۔

اسی لمحے شہزاد کمرے سے نکل آیا۔ کلاشنکوف ہنوز اس کے ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی۔ میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا ''اندر کی کیا صورت حال ہے؟''

''تسلی بخش ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا ''میں نے اس کے لم ڈھینگ باس کو بھی لمبا لٹا دیا ہے لیکن لگتا ہے.....'' اس نے راہ داری کے ایک سرے سے دوسرے سرے کی جانب نگاہ دوڑائی اور بولا ''تمہارے حصے میں زیادہ کام آیا ہے۔''

میں نے گمبھیر انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''یہ کام اور کارکردگی کو ناپنے کا وقت نہیں۔ ان نامعلوم نامرادوں کا ایک ساتھی بنگلے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ ہمیں فوراً نکلنا ہوگا۔'' ایک لمحے توقف دے کر میں نے پوچھا ''فیصل کا کیا حال ہے؟''

''وہ ابھی تک بے ہوش ہے۔'' اس نے بتایا۔

میں نے گہری تشویش سے کہا ''اس کی بے ہوشی کو طول نہیں کھینچنا چاہئے۔ اس کی ڈیلیوری میں بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔''

''لگتا ہے' میں نے کچھ زیادہ ہی دباؤ ڈال دیا ہے۔'' شہزاد نے کہا۔

''یہ غلطی سنگین صورت بھی اختیار کر سکتی ہے!'' میں نے ہونٹ سکیڑے۔

''اب تو جو ہونا تھا' وہ ہو چکا!''

میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے عقب میں کھڑی گاڑیوں کے بارے میں بتایا پھر کہا ''تم فوراً باہر جا کر اس جیپ کی مکمل تلاشی لو۔ مجھے امید ہے' رینج روور میں سے کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ہاتھ آ جائے گا جس سے حملہ آوروں کی شناخت میں مدد مل سکے۔ یہ فیصل کو آزاد کرانے یہاں آئے تھے۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے' یا تو یہ چوہدری نوازش علی کے آدمی ہیں یا پھر شعیب غوری کے۔ کسی تیسری سمت ذہن دوڑانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

میں نے سب سے پہلے فیصل کا جائزہ لیا۔ وہ اخبارات کے بنڈل کے عقب میں بے سدھ پڑا تھا۔ شہزاد نے صورت حال کا تقاضا نبھایا تھا لیکن فیصل کی یہ بے ہوشی اگر طویل ہو جاتی تو بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ فیصل کے علاوہ اس کمرے میں دو افراد اور موجود تھے جن میں سے نادر زندگی

ہار گیا تھا جب کہ ان سب کا باس وہ دراز قامت شخص عالم غفلت میں پڑا تھا۔ راہ داری کی صورت حالات مکمل طور پر ہمارے حق میں تھی۔ وہاں دو افراد کی لاشیں اور دو زندہ شدید زخمی پڑے تھے۔ اس لمحاتی معرکے میں دشمن کے تین افراد کام آئے تھے۔ اور ایک فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شہزاد واپس آ گیا۔ اس نے آ کر مجھے بتایا کہ ریچ رووَر میں سے کام کی کوئی شے نہیں ملی تھی۔ گاڑی کے کاغذات وہ اٹھا لایا تھا۔ ریچ رووَر کسی یوسف ہمدانی کے نام رجسٹرڈ تھی۔ پتا ناتھ نگر آباد کا تھا۔ میں نے ان کاغذات پر سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد شہزاد سے کہا۔

''تم ان دونوں زخمیوں کو پابند بنانے کے لیے آہنی زنجیر' ہتھ کڑی اور بیڑی کو استعمال میں لاؤ۔ اس کے بعد فیصل اور ''باس'' پر گہری نظر رکھو۔ میں منہاس صاحب کو فون کرنے جا رہا ہوں۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے مزید کہا ''باس سمیت ان شیطان زادوں کی جامہ تلاشی بھی لے لینا۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر سر کو اثباتی جنبش دی اور میری خواہش کی تکمیل کے لیے چل پڑا۔

پھر میں ٹیلی فون والے کمرے میں آ گیا۔ منہاس باقر نے مجھے بتایا تھا' وہ حیدر آباد جانے کے لیے ساڑھے چھ سے پہلے نہیں نکلیں گے۔ اس وقت شام کے پانچ چالیس ہو رہے تھے اس کا مطلب یہی تھا' وہ ابھی گھر پر ہی ہوگا۔ کوئی بھی جذباتی قدم اٹھانے سے پہلے اسے مطلع کرنا ضروری تھا۔

فون منہاس باقر ہی نے ریسیو کیا۔ میرے ''ہیلو'' میں پائے جانے والی گمبھیرتا نے اسے پوچھنے پر مجبور کر دیا ''خیریت تو ہے وجدان؟''

''سمجھیں خیریت نہیں ہے!'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا بات ہے؟'' وہ یک دم بے حد مستعد ہو گیا۔

میں نے نہایت ہی مناسب الفاظ میں اسے پیش آمدہ صورت حال سے آگاہ کیا اور تشویش بھرے لہجے میں کہا ''ہمیں فوری طور پر اس بنگلے کو خیر باد کہنا ہوگا!''

''یہ تو ہے!'' وہ دوٹوک لہجے میں بولا ''کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

میں نے کہا ''آپ بتائیں۔ میں طارق روڈ والے فلیٹ پر نہیں جا سکتا۔ وہ شاہد پارک سے خاصے فاصلے پر ہے اور فیصل کی ڈیلیوری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یہیں آس پاس ہی کہیں موجود رہیں۔''

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''میرا بنگلا مذکورہ پارک سے زیادہ دور نہیں لیکن ان حالات میں ادھر کا رخ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ تمہیں کسی غیر معروف یا نئی جگہ پر پناہ لینا ہوگی۔''

''میں فیصل کے ساتھ حملہ آوروں کے ممکنہ باس کو بھی اس بنگلے سے نکال لے جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا ''ہوش میں آنے کے بعد وہ شخص مفید معلومات اگل سکتا ہے۔''

''تمہارا آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن اگر میری مانو تو اس ''باس'' پر لعنت بھیجو۔'' منہاس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''ہم جانتے ہیں' وہ لوگ یا تو چوہدری نوازش سے تعلق رکھتے ہیں یا پھر یہود نواز تنظیم سی ایف کے کے بھیجے ہوئے ہیں اس لیے باس پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں تم لوگ فیصل کو لے کر فوراً وہاں سے نکل جاؤ۔''

''لیکن جائیں کہاں؟'' میں نے الجھن زدہ انداز میں استفسار کیا۔

''تم شہزاد کو فون پر بلاؤ۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''کوئی حل نکالتا ہوں میں اس مسئلے کا بھی' کچھ تو کرنا پڑے گا نا!''

میں نے کہا ''حملہ آوروں کا مسئلہ حل طلب ہے۔ آپ کے اس بنگلے میں تین لاشیں اور دو شدید زخمی پڑے ہیں بے ہوش باس ان کے علاوہ ہے۔ اگر ہم ان لوگوں کو یونہی چھوڑ کر چلے گئے تو بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔''

''ان کا بھی کچھ کرتے ہیں۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''شہزاد سے میری بات کرا دو۔''

میں نے منہاس کو ہولڈ آن کرنے کو کہا اور شہزاد کو بلانے چلا گیا۔ اس دوران میں وہ دونوں زخمیوں کو آہنی بندشوں کے ذریعے بے دست و پا کر چکا تھا۔ وہ پہلے ہی بری طرح زخمی تھے۔ ان سے مزید کسی شیطانی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ شہزاد کو فون کی طرف بھیجنے کے بعد میں اپنے اصل شکار کی طرف بڑھ گیا..... چوہدری نوازش علی کے فرزند ارجمند کی طرف!

فیصل ہنوز بے ہوش تھا۔ میں نے اسے مختلف زاویوں سے ٹٹول کر اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ وہ آئندہ ایک گھنٹے میں کسی بھی وقت عالم ہوش و حواس میں داخل ہو جائے گا۔ یہ ایک حوصلہ افزا بات تھی۔ سات بجے تک اسے نارمل ہو جانا چاہئے تھا۔

فیصل کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے مبینہ باس کا جائزہ لیا۔ اس کی بے ہوشی اور زخم بڑے ''تسلی بخش'' تھے۔ شہزاد نے اپنا سارا غم و غصہ اسی دراز قامت پر خارج کیا

تھا۔ آئندہ پانچ چھ گھنٹوں تک اس کی ''بیداری'' کا امکان نہیں تھا۔

میں ہر طرف سے اطمینان پانے کے بعد ٹیلی فون والے کمرے میں آ گیا۔ اس دوران میں شہزاد منہاس سے ضروری ہدایات حاصل کر چکا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ مطلب یہی تھا' اب میں بات کروں۔ میں نے ریسیور کان سے لگا لیا۔

''ہاں وجدان!'' منہاس کی بھاری بھرکم آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''تمہیں کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے فوری نوعیت کے مسائل کا حل نکال لیا ہے۔ شہزاد تم سے تفصیلی بات کرے گا۔ میں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ''اور جب تم اپنی ساحل کو حاصل کر لو تو مطمئن ہونے کے بعد میرے بنگلے پر ہی آنا' جیسا کے پہلے ہم طے کر چکے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جب رات گئے ہم لوگ حیدر آباد سے واپس لوٹیں گے تو تم اپنی ساحل کے ساتھ ہمارا استقبال کرو گے۔''

''خدا آپ کی زبان مبارک کرے!'' بے اختیار میری زبان سے نکلا۔

''وش یو گڈ لک!'' اس نے خلوص دل سے کہا۔

ٹیلی فونک رابطہ منقطع ہونے کے بعد میں نے سوالیہ نظر سے شہزاد کو دیکھا ''ہاں بھئی! منہاس صاحب نے تمہیں کیا ہدایات دی ہیں؟'' میں نے اضطراری لہجے میں دریافت کیا۔

وہ بولا ''ہمیں فوری طور پر اس بنگلے سے نکلنا ہے۔ ہم فیصل کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ باقی سب کو یہیں چھوڑ دیں گے۔''

''لیکن جائیں گے کہاں؟''

''تفصیل میں تمہیں یہاں سے نکلنے کے بعد بتاؤں گا۔'' وہ افراتفری کی کیفیت میں بولا ''ہم بند وین میں جائیں گے۔ ہوٹا سوک اسی بنگلے پر کھڑی رہے گی۔'' ذرا رک کر اس نے اضافہ کیا ''میں فیصل کو لا رہا ہوں وجدان! تم وین کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالو۔ چابیاں وہ رکھی ہیں۔'' اس نے میز کی جانب اشارہ کیا۔

اگر ہم بڑے ایزی حالات سے گزر رہے ہوتے تو میں پوری بات سنے اور اپنی تسلی کیے بغیر وہاں سے قدم نہ نکالتا۔ ایک تو شہزاد میرے بھروسے کا آدمی تھا' دوسرے وہاں رکنا انتہائی خطرناک تھا اس لیے میں چابیاں اٹھا کر وین کی طرف بڑھ گیا۔ ویسے اس بات کا مجھے اطمینان تھا' منہاس باقر نے شہزاد کو جو بھی اسکیم بتائی ہوگی، وہ میرے فائدے کے لیے ہی ہوگی۔ اب تک منہاس نے ایک مخلص اور پُرخلوص بزرگ کا رول ادا کیا تھا۔

میں ایک مرتبہ پھر اسی وین میں آ بیٹھا جس میں فیصل کو اس بنگلے تک پہنچایا گیا تھا۔ وہ وین ایک چھوٹے ٹرک سے مشابہ تھی جو بار برداری کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ نیلے رنگ کی اس وین کے سامنے والے حصے پر سرخ رنگ سے بڑا بڑا ''پریس'' لکھا ہوا تھا۔ ہم نے اس وین کے عقبی بند حصے پر فیصل والے صندوق کو ٹاور سے یہاں تک پہنچایا تھا۔ میں سیکیورٹی گارڈ سہیل کی یونیفارم اور حلیے میں تھا۔ شہزاد کی بہ نسبت میرا ڈرائیونگ کرنا زیادہ محفوظ ہوتا۔ شاید اسی خیال کے پیش نظر شہزاد نے مجھے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کا مشورہ دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شہزاد' فیصل کو لے کر بنگلے کے بیرونی حصے میں آ گیا۔ فیصل کو اس نے کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ میں اس کی مدد کے لیے وین سے باہر آ گیا۔ اسی وقت میں نے دیکھا شہزاد نے فیصل کی کلائیوں کو دوبارہ الٹی ہتھ کڑی میں جکڑ دیا تھا۔ ہم دونوں نے مل کر مغوی چوہدری زادے کو وین کے بند حصے میں منتقل کیا اور دروازے کو بند کر کے لاک کر دیا۔ چند لمحات کے بعد ہماری وین بنگلے سے نکل کر مصروف سڑک پر آ گئی۔

شہزاد نے بنگلا چھوڑتے وقت مین گیٹ کو پوری طرح کھول دیا تھا۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ میں نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے شہزاد سے پوچھا۔

''کس طرف جانا ہے؟''

''سیدھا منہاس صاحب کے دفتر!''

''تفصیل کیا ہے؟'' میں نے سنسنی خیز لہجے میں استفسار کیا۔

وہ بتانے لگا ''نثار پارک کے نزدیک ہی ایک نئی اپارٹمنٹس بلڈنگ تیار ہوئی ہے۔ اس بلڈنگ میں ''ڈی ایچ اے'' کے ملازمین کو مفت رہائش دی جا رہی ہے۔ ہمارے اخبار میں ایک صاحب فوٹو گرافر ہیں۔ ان کی اہلیہ کسی کالج میں لیکچرر ہیں۔ اسی بنیاد پر ایک فلیٹ انہیں بھی الاٹ ہوا ہے۔ ان لوگوں نے ابھی وہاں شفٹ نہیں کیا۔ ویسے بھی بلڈنگ میں ابھی تک آٹھ دس فلیٹ ہی آباد ہوئے ہیں۔ مذکورہ فوٹو گرافر کا نام طارق وسیم ہے۔ جو ان دنوں اپنی فیملی کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر کو گیا ہوا ہے۔ منہاس صاحب

نے مجھے بتایا ہے' ان کے فلیٹ کی چابیاں ادھر دفتر میں رکھی ہیں۔ ہم وہاں اسی مقصد سے جا رہے ہیں۔ یہ اپارٹمنٹس بلڈنگ ایک طرح سے ابھی غیر آباد ہی ہے۔ لہٰذا ہماری طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا۔ ویسے بھی ہمیں بہ مشکل ایک گھنٹے کے لیے کسی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش ہے۔ اس فلیٹ سے زیادہ موزوں مقام اور کوئی نہیں ہوسکتا۔''

میں نے پوچھا'' اور اس بنگلے کا کیا ہوگا جسے ہم جوں کا توں چھوڑ آئے ہیں؟''

''منہاس صاحب بہت دور اندیش اور سمجھدار آدمی ہیں۔'' شہزاد نے سنجیدگی سے کہا'' انہوں نے بنگلے کا مسئلہ بڑے منطقی انداز میں حل کر دیا ہے۔''

''وہ منطقی حل مجھے بھی تو بتاؤ۔'' میری آواز میں تشویش تھی۔

اس نے بتایا'' انہوں نے کہا ہے' وہ ہمارے بنگلے سے نکلنے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد متعلقہ تھانے میں فون کر کے اطلاع دیں گے کہ ان کے نامکمل بند بنگلے میں چند شرپسند دہشت گرد گھس آئے ہیں اور پتا نہیں وہ لوگ وہاں کیا کر رہے ہیں لہٰذا پولیس کو چاہئے کہ وہ موقع پر پہنچ کر تفتیش کرے اور جرائم پیشہ افراد کو حراست میں لے کر ان کے ساتھ قرار واقعی انصاف کرے۔''

شہزاد سانس لینے کے لیے چند ساعت کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا'' پولیس والوں کے لیے منہاس صاحب کوئی اجنبی نہیں ہیں اس لیے فوری کارروائی کی توقع کی جاتی ہے۔ منہاس صاحب نے اپنے جنرل منیجر بختیار کامل کو خصوصی ہدایات دی ہیں کہ ان کی غیر موجودگی میں وہ پولیس والوں سے نمٹیں۔ پولیس والوں کو بھی بختیار صاحب کے بارے میں بتا دیا جائے گا۔ میں نے بنگلے سے باہر آتے وقت دونوں زخمیوں کو بندشوں سے آزاد کر دیا ہے۔ ان لوگوں کا باس مطلق بے ہوش پڑا ہے۔ مردے تو کچھ بول نہیں سکتے البتہ پولیس زخمیوں کی زبان کھلوانے کے لیے اپنا پورا زور مارے گی اور تم جانتے ہو' وہ یہ تو نہیں کہیں گے کہ انہوں نے کسی فیصل کی تلاش میں اس بنگلے پر چڑھائی کی تھی۔ منہاس صاحب نے پولیس کو بتانا ہے کہ وہ بنگلا بند تھا۔ اس صورتِ حال میں حملہ آوروں کو کوئی جواب نہیں بن پائے گا۔ وہاں کا نقشہ دیکھ کر پولیس پر واضح ہو جائے گا کہ دو مخالف پارٹیوں میں کوئی زبردست معرکہ ہوا ہے۔ پھر بنگلے کے عقب میں حملہ آوروں کی دو گاڑیاں کھڑی ہیں۔ رینج روور اور'' جی ٹی او'' ون ٹو فائیو ان لوگوں کے لیے بہت مشکلات پیدا کر دیں گی۔ اوپر سے منہاس صاحب اپنے تعلقات کا بھی استعمال کریں گے۔ بختیار صاحب بڑے تیز آدمی ہیں۔ نامعلوم حملہ آوروں کو مصیبت پڑ جائے گی۔''

''اور یہ بھی ممکن ہے' پولیس کی آمد سے پہلے ان میں سے کوئی بنگلے سے نکلنے کی کوشش کرے۔'' میں نے بند وین کو کھلی سڑک پر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''ایسی صورت میں وہ لوگ اور زیادہ مشکل میں پھنس جائیں گے۔'' شہزاد نے خیال آرائی کی'' اس نوعیت کی کوشش ان دو زخمیوں میں سے کوئی کر سکتا ہے۔ وہ بالفرض بنگلے سے باہر آ بھی جاتے ہیں تو موٹر سائیکل یا جیپ ڈرائیو کرنا ان کے بس کا کھیل نہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ ایسی کسی سعی کے دوران ہی میں پولیس کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا'' اور اگر وہ مفرور کسی قسم کی بیرونی مدد لے کر واپس لوٹتا ہے تو یہ سونے پر سہاگے والی بات ہوگی۔ پولیس کو ان لوگوں کے خلاف ایک مضبوط کیس بنانے میں آسانی ہو جائے گی۔ پولیس ان بدمعاشوں کے مقابلے میں منہاس صاحب کی بات کو زیادہ معتبر جانے گی کیوں کہ واردات ان کے بند بنگلے میں ہوئی ہے۔ وہ لوگ کسی فیصل یا وجدان کا تذکرہ اپنی زبان پر نہیں لائیں گے۔ ایسی صورت میں نہ صرف پولیس بلکہ ان کے بڑے بھی ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ لہٰذا ہم ہر حوالے سے سیف سائیڈ پر ہیں۔''

شہزاد کی باتوں میں بہت وزن تھا اور منہاس صاحب نے بھی ایک بھرپور حکمتِ عملی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن میرا دل جانے کیوں مطمئن نہیں تھا۔ میں کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے تیزی سے سوچنے لگا۔ ساحل اور فیصل والا معاملہ اتنا نازک ہو چکا تھا کہ میں کسی قسم کا رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔ میرے اور چوہدری نوازش کے حساس گوشوں کے تبادلے میں بہت کم وقت رہ گیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا' اس قلیل مدت کے لیے میں کسی اور پناہ گاہ میں جا بیٹھوں!

مجھے سوچ میں ڈوبا اور خاموش دیکھ کر شہزاد نے پوچھا'' وجدان! تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے؟''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا'' شہزاد! میں منہاس صاحب کے منصوبے پر عمل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا'' چھ کب کے بج چکے' سات بجنے میں زیادہ وقت نہیں۔ میں کسی فلیٹ میں چھپ کر بیٹھنے سے بہتر سمجھتا ہوں' گھوم پھر کر یہ وقت گزار لیا

جائے۔ ویسے بھی ہمیں طے شدہ وقت سے تھوڑا پہلے ہی پارک کے اندر ہونا چاہئے لہٰذا طارق وسیم کے فلیٹ کو تم بھول جاؤ لیکن ہم منہاس صاحب کے دفتر ضرور جائیں گے۔''

''جب اس فلیٹ کو استعمال نہیں کرنا تو پھر وہاں جانے کی بھی کیا ضرورت ہے؟'' اس کی الجھن میں اضافہ ہوگیا۔ ''دفتر تو ہم فلیٹ کی چابی لینے ہی جا رہے تھے!''

میں نے پُرسوچ انداز میں کہا'' اب ہم وہاں گاڑی بدلنے جائیں گے۔''

''گاڑی بدلنے! میں سمجھا نہیں؟''

میں نے کہا'' یہ مت بھولو کہ حملہ آوروں میں سے ایک شخص فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ وہ اس بات کا چشم دید گواہ ہے کہ ہمارے بنگلے پر ایک لائٹ گرین ہونڈا سوک اور ایک یہ نیلی وین کھڑی تھی۔ اس نے واپس اپنے کیمپ میں پہنچ کر ان گاڑیوں کے بارے میں ضرور بتایا ہوگا لہٰذا وین میں سفر ہمارے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے!''

''اوہ! اس طرف میرا دھیان نہیں گیا تھا۔'' شہزاد نے تشویش بھرے لہجے میں کہا'' ہمیں پہلی فرصت میں اس نیلی وین سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔''

''اور اس سے پہلے فیصل کو ہوش میں لانا ضروری ہے۔'' میں نے مربیانہ لہجے میں کہا'' اسے حواس میں آجانا چاہئے تاکہ تبادلے کے وقت وہ نارمل نظر آئے۔ ہم منہاس صاحب کے دفتر سے گاڑی تبدیل کریں گے اور واپس مذکورہ پارک کی طرف چل پڑیں گے۔ کیا فوری طور پر ہمیں وہاں سے کوئی گاڑی مل جائے گی؟''

''یقیناً مل جائے گی۔'' وہ پُروثوق لہجے میں بولا'' اور کوئی نہ بھی دست یاب ہوئی تو دفتر کی ہائی روف ضرور موجود ہوگی۔ ہم اس گاڑی میں پہلے بھی ایک مشن سر کر چکے ہیں۔''

''تم گرین ہائی روف کی بات کر رہے ہو؟''

''بالکل وہی۔'' اس نے میرے خیال کی تائید کی۔

میں نے کہا'' ٹھیک ہے' وہ ایک مبارک اور خوش بخت گاڑی ہے' ہم نے اسے استعمال کرتے ہوئے گلستان جوہر والی کامیابی حاصل کی تھی۔'' پھر میں نے وین کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا'' میں وہاں میڈیکل اسٹور کے سامنے گاڑی روک رہا ہوں۔ تم منرل واٹر کی دو بوتلیں لے آؤ۔ اور وین کے عقبی حصے میں پہنچ کر فیصل کو بیدار کرنے کی کوشش کرو۔ اس کی ہتھ کڑی کھولنے کی فی الحال ضرورت نہیں۔ دفتر پہنچنے سے پہلے اسے باقاعدہ ہوش و حواس میں آجانا چاہئے۔ میں بہ دستور ڈرائیونگ جاری رکھوں گا۔''

پھر میں نے سڑک کے کنارے ایک محفوظ مقام پر وین روک دی۔ شہزاد نے میری ہدایت پر عمل کیا اور میڈیکل اسٹور سے منرل واٹر کی دو بوتلیں خرید لایا۔ میں نے وین کو اس زاویے سے روکا تھا کہ شہزاد کے عقبی حصے میں سوار ہونے کی طرف کسی کی نگاہ نہ جاتی۔ جب شہزاد نے وین کے اندر پہنچنے کے بعد عقبی دروازہ بند کر دیا تو میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

آئندہ پندرہ بیس منٹ میں ہم نے گاڑیوں کی تبدیلی والا مرحلہ طے کر لیا۔

☆☆☆

نثار شہید پارک ایک پُرفضا تفریحی مقام ہے۔ شام کے وقت وہاں خوش حال اور صحت افزا چہروں کی بہتات دیکھنے میں آتی ہے۔ ذوقین افراد حسین اور دل کش صورتوں کے نظارے سے تسکین پاتے ہیں۔ متلاشی طبع لوگوں کے لیے وہاں بہت کچھ ہے۔ اسی پارک کے ایک کونے میں بچوں کی تفریحِ طبع کے لیے ایک صاف ستھرا'' سندباد'' بھی موجود ہے جہاں کا سیکیورٹی نظام تسلی بخش ہے۔ پارک میں داخلے کے وقت بھی گارڈز باقاعدہ تلاشی لیتے ہیں۔

اس وقت شام کے ساڑھے چھ بجے تھے۔ گرین ہائی روف تیز رفتاری سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ شہزاد ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ فیصل ہم دونوں کے درمیان سینڈوچ بنا بیٹھا تھا۔ اس کی کلائیاں ہتھ کڑی کی گرفت سے آزاد نہیں کی گئی تھیں۔ یہ نیک کام اس وقت سرانجام دیا جاتا جب گاڑی سے نکال کر اسے پارک میں لے جایا جاتا۔ ہتھ کڑی کی چابی میری جیب میں محفوظ تھی۔ جب سے میں نے اسے بتایا تھا' ہم اسے چوہدری نوازش کے بندوں کے سپرد کرنے جا رہے ہیں' وہ خاصا شانت ہوگیا تھا۔ ویسے بھی ہم نے اس کے ساتھ کوئی مس بی ہیو نہیں کیا تھا اس لیے وہ ہماری بات پر یقین کرنے کے لیے مجبور تھا۔ البتہ ساحل کے حوالے سے میں نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ اس خیال سے مطمئن تھا کہ ہم اس کی جان چھوڑنے والے ہیں۔ اس کے باوجود بھی ہم اس کی طرف سے بے احتیاط نہیں تھے۔ وہ کسی وقت بھی گل کھلا سکتا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا پروجیکٹ تھا جسے میں کسی بھیڑ بھاڑ کے بغیر نہایت ہی خاموشی سے پایۂ تکمیل کو پہنچانے نکلا تھا۔ زیادہ پھیلاؤ سے یہ معاملہ بگڑ جاتا!

منہاس باقر کے دفتر سے روانہ ہونے سے قبل میں نے شہزاد کے ساتھ آئندہ کا لائحۂ عمل طے کر لیا تھا۔ اسے پارک سے باہر گاڑی میں موجود رہنا تھا۔ جب کہ میں فیصل کو اپنے ساتھ پارک کے اندر لے جاتا۔ اس پارک میں داخلے کے

لیے کئی گیٹ ہیں۔ ہم نے ایک ایسے گیٹ کا انتخاب کیا' جدھر نہ ہونے کے برابر رش ہوتا۔ زیادہ ہجوم ''سندباد'' والے حصے میں ہوتا ہے۔ ویسے کسی بھی گیٹ سے داخل ہوں' جوبلی کچھوے کا کنگ سائز سرتقریباً پارک کے وسط میں واقع ہے' اس لیے فاصلہ کم وبیش ایک جتنا ہے۔ میں ایک سیکیورٹی گارڈ کی وردی میں تھا اس لیے سہیل کے حلیے میں میری شناخت کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

شہزاد پارک کے باہر میرا انتظار کرتا۔ اگر مغوی افراد کا تبادلہ بہ سہولت ہوجاتا تو میں آدھا گھنٹا پارک میں گزارنے کے بعد شہزاد کے پاس آجاتا پھر ہم ساحل کے ساتھ منہاس صاحب کے بنگلے کی جانب روانہ ہوجاتے۔ کسی اپ سیٹ کی صورت میں شہزاد کو فوراً پارک کے اندر پہنچنا تھا۔ لیکن مجھے امید تھی کہ پارک کے اندر کسی ہنگامی صورتِ حال کا امکان پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ وہاں کا سیکیورٹی نظام قابلِ تحسین تھا۔

اسلحے کے نام پر ہمارے پاس دو کلاشن تھیں جو گرین ہائی روف ہی میں چھوڑ آئے تھے یہ واپسی کے سفر میں کسی ایمرجنسی کی صورت میں ہمارے کام آتیں۔ پارک کے اندر اسلحہ لے جانے کی ممانعت تھی۔ ہم نے سہ پہر میں دو سادہ لباس سیکیورٹی گارڈز کو پارک روانہ کردیا تھا جن میں سے عباس کے پاس ریوالور اور زمرد خان کے پاس ٹی ٹی پستول تھا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد شہزاد کے پاس بنات خان کا فون آگیا کہ وہ اسلحہ اندر نہیں لے جانے دیں گے۔ یہ دونوں ہتھیار لائسنس یافتہ تھے جو سیکیورٹی گارڈینات خان نے اپنے پاس جمع کرلیے تھے تاہم پارک کے اندر اس نے ہر نوعیت کے حفاظتی تعاون کا یقین دلایا تھا اور ہماری ضرورت کے مطابق اس نے پارک کے متعلقہ حساس حصے کو اپنی نگاہ کا مرکز بنالیا تھا۔ گویا پارک کے اندر ہمیں افرادی قوت پر ہی بھروسا کرنا تھا' یقیناً یہی صورتِ حال دوسری پارٹی کے لیے بھی ہوگی!

چھ پینتالیس پر میں نے پارک سے تھوڑے فاصلے پر گاڑی رکوائی۔ شہزاد نے گاڑی روکنے کے بعد سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ میرا یہ اقدام اس کے لیے خلافِ توقع تھا۔

میں نے معنی خیز لہجے میں کہا ''وہ سامنے پبلک کال آفس ہے' میں وہاں سے وجدان کو فون کروں گا۔ چوہدری نوازش کو اطلاع تو دے دیں کہ ہم اس کے لختِ جگر کو لے کر آگئے ہیں۔ وجدان نے مجھے ہدایت کی تھی کہ مطلوبہ مقام پر پہنچنے سے پہلے میں اسے فون کروں۔ میری کال کے بعد وجدان موضع رکھاں والی میں چوہدری نوازش سے رابطہ کرے گا۔''

میں چونکہ سہیل کے روپ میں تھا اس لیے فیصل کے سامنے وجدان کی حیثیت سے بات نہیں کرسکتا تھا تاہم شہزاد اپنی زودفہمی کے بل پر میری بات کی تہ تک..... پہنچ گیا۔ اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''ذرا جلدی آجانا سہیل ہمارے پاس وقت بہت کم ہے!''

''ابھی پانچ منٹ میں آیا۔'' میں یہ کہتے ہوئے گاڑی سے اتر گیا۔

فیصل نے نفرت آمیز نظر سے مجھے دیکھا۔ اس کی اس نگاہ کے دو اسباب تھے۔ نمبر ایک شہزاد نے گاڑی کے اندر رہتے ہوئے فیصل کو گن پوائنٹ پر رکھ لیا تھا۔ اس کے باوجود بھی کہ اسے الٹی ہتھ کڑی لگی ہوئی تھی۔ نمبر دو وہ میرے حوالے سے بہت خار کھائے بیٹھا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ ایک کھیل کھیل کر اس سے ان کے ایک اہم آدمی کا نام پتا اور ٹیلی فون نمبر اگلوالیا تھا۔ اپنی رہائی کے جھانسے میں آکر اس نے مجھے کسی جے۔ ڈی ملک کے بارے میں تفصیلاً آگاہ کردیا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ مجھے کچا کھا جاتا۔ ہم نے پچھلے کچھ عرصے سے اسے بے بس بنا رکھا تھا۔ اس کی رہائی میں اب چند منٹ باقی رہ گئے تھے' یہ تکلیف دہ اسیری اسے جھنجلاہٹ میں ڈال رہی تھی۔

میں نے پی سی او میں آنے کے بعد رکھاں والی کے چوہدری نوازش علی کو فون کھڑکا دیا۔ چوہدری کے لیے میرے دل میں بہت غصہ تھا۔ تھوڑی دیر پہلے منہاس باقر کے نامکمل بنگلے پر جو واقعات پیش آئے تھے' میں اس کا ذمے دار بالواسطہ یا بلاواسطہ چوہدری ہی کو سمجھتا تھا اس لئے اس کی گوشمالی ضروری تھی۔

چوہدری جب آن لائن ہوا تو میں نے نان اسٹاپ اسے کھری کھری سنائیں پھر اس کے تازہ ترین ''کرتوت'' کا ذکر کیا اور کہا ''چوہدری! تمہیں احساس نہیں تم سے کتنی سنگین غلطی سرزد ہوئی ہے!''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی.....'' اس نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

'غلط فہمی کے بچے!'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''میں نے تمہاری منافقانہ بکواس سننے کے لیے فون نہیں کیا۔

وہ پھنکارا لیکن اس پھنکار میں وہ تیزی اور تندی ناپید تھی جو ہمیشہ سے اس کا خاصہ رہی تھی۔ چڑھی ہوئی سانس کے درمیان اس نے کہا ''میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں مجھے اس واقعے کا علم نہیں۔''

''پھر تم اپنے اس ناجائز انڈے سے پوچھو'' میرا اشارہ شعیب غوری کی طرف تھا ''اگر اس واقعے کے پیچھے تمہارا ہاتھ نہیں تو پھر وہ لوگ سی الیف کے سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ ان کے سرغنہ نے دو تین بار فیصل کا ذکر کیا تھا۔ فیصل کا طلب گار تم دونوں کے سوا اور کون ہوسکتا ہے؟''

وہ قدرے نرم پڑتے ہوئے بولا ''میں ابھی شعیب کو فون کرتا ہوں۔''

''یہ تمہارا مسئلہ ہے!'' میں نے بے رخی سے کہا۔

اس نے پوچھا ''میں فیصل کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں؟''

''فیصل گزشتہ آدھے گھنٹے سے پارک کے اندر موجود ہے۔'' میں نے اسے چکر دیا ''لیکن ٹھیک سات بجے اسے طے شدہ مقام پر لایا جائے گا۔ تمہیں شعیب غوری یا جے۔ ڈی ملک سے اطلاع مل جائے گی۔''

''جی ڈی ملک!'' اس نے اس انداز میں دہرایا جیسے بجلی کے جھٹکے تار کو چھو لیا ہو ''تم اس شخص کو کیسے جانتے ہو؟''

چوہدری کے اضطراب سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا کہ مذکورہ شخص اس کے لیے بہت اہم تھا۔ میں توقع بھی یہی کررہا تھا۔ میں نے اسے اندھیرے اور تشویش میں رکھنے کی خاطر کہا۔

''چوہدری! میں حرام زادوں کی ایک طویل فہرست ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ تم میری معلومات کو چیلنج کرنے کے چکر میں نہ پڑو۔''

اسے جیسے سانپ سونگھ گیا۔ پانچ سیکنڈ کے وقفے کے بعد وہ کمزور سی آواز میں مستفسر ہوا ''پھر..... بھی.....!''

میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ ''میں تمہیں فیصل کے پارک میں پہنچنے کی خوش خبری سنا چکا ہوں۔ تم میری ساحل کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟''

میری بات ختم ہوئی ہی تھی کہ ٹیلی فونک سلسلہ منقطع ہوگیا۔ یہ سلسلہ میں نے ختم نہیں کیا تھا۔ میں کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے تو چوہدری سے ایک ایسا سوال کیا تھا' جس کا جواب سنے بغیر میں فون بند کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ یقیناً چوہدری ہی نے ریسیور کریڈل کردیا تھا۔ میرے لیے یہ ایک خلافِ توقع اور آؤٹ روٹ بات تھی۔

میں نے چشم زدن میں دوبارہ اس کا نمبر ڈائل کیا لیکن انگیج ٹون سے واسطہ پڑا جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اب ریسیور ہٹا کر رکھ دیا گیا تھا..... یا پھر اس کے فون میں کوئی فالٹ پیدا ہوگیا تھا۔ بہرحال یہ ایک پریشان کن صورتِ حال تھی۔

میری جھنجلاہٹ کو دیکھتے ہوئے پی سی او والا میری طرف متوجہ ہوگیا اور شائستگی سے بولا ''سر! کیا مسئلہ ہے؟''

''لائن کٹ گئی ہے۔'' میں نے بیزاری سے کہا ''بات پوری نہیں ہوسکی۔''

''کوئی بات نہیں سر! آپ دوبارہ ٹرائی کرلیں۔''

وہ میری سیکنڈ ٹرائی سے واقف نہیں تھا شاید اسی لیے یہ مشورہ دے رہا تھا۔ میں نے اکتاہٹ آمیز انداز میں رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ سات بجنے میں صرف آٹھ منٹ باقی تھے۔ اب مزید کسی ٹرائی کے لیے گنجائش باقی نہیں بچی تھی۔ ٹھیک سات بجے مجھے پارک کے اندر مقررہ مقام پر ہونا چاہیے تھا۔

میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے بٹوے سے کال کی ادائی کی اور پی سی او والے کے مفید مشورے کے جواب میں صرف اتنا کہا ''اٹس او کے!''

پی سی او سے نکل کر گاڑی کی طرف آتے ہوئے میرا ذہن برق رفتاری سے سوچ رہا تھا۔ چوہدری کے جالیہ رویے نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا۔ جو بھی گڑبڑ ہوئی تھی، اس کی طرف سے ہوئی تھی۔ وہ میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا تھا لیکن کیوں؟

یہ سوال کسی ناگ کی طرح پھن پھیلائے میری سوچ کے مختلف زاویوں کو ڈس رہا تھا اور بار بار ایک ہی جواب ابھر کر سامنے آرہا تھا اور وہ یہ کہ چوہدری کی نیت میں کوئی فتور پیدا ہوگیا تھا۔ کیا فتور؟ یہ فوری طور پر سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

اب مجھے یقین ہوچلا تھا کہ از خود ریسیور کریڈل کردیا گیا تھا۔ میرے ذہن نے مجھ سے پوچھا ''اگر چوہدری خلافِ معمول جارہا ہے تو کیا مجھے طے شدہ پروگرام پر عمل کرنا چاہیے؟ اس خطرناک سوال کا جواب یہی تھا..... نہیں!

میں اسی اُدھیڑبُن میں گاڑی کے نزدیک آگیا اور پھر گاڑی کے اندر بیٹھنے سے قبل میں ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ میں نے فیصل کے برابر والی سیٹ سنبھال کر دروازہ بند کیا تو شہزاد نے مستفسرانہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا ''کیا پروگرام ہے سہیل! آگے بڑھیں یا.....؟''

وہ میرے چہرے سے ہویدا الجھن تک پہنچ گیا تھا اسی لیے اس نے سوالیہ انداز میں اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

میں نے نااہل کرتے ہوئے کہا ''وجدان سے میری بات ہوگئی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے چوہدری نوازش سے رابطہ کیا تھا۔ ہمیں آگے تو بڑھنا ہے لیکن پروگرام میں تھوڑی تبدیلی ہے۔''

شہزاد نے گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا ''مثلاً کیسی تبدیلی؟''

میں نے معنی خیز لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا ''تازہ ترین ہدایات کے مطابق، فیصل کو پارک کے اندر لے جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ تمہارے پاس گاڑی میں رہے گا اور مجھے امید ہے، شرافت سے رہے گا۔'' میں نے لمحہ بھر کو رک کر فیصل کی طرف دیکھا پھر شہزاد کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے اپنی بات مکمل کردی ''میں اکیلا پارک کے اندر جاؤں گا پھر جب چوہدری نوازش کے بندے طے شدہ مقام پر پہنچ جائیں گے تو میں ان سے معاملات طے کروں گا۔ اس کے بعد میں ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر یہاں آؤں گا اور فیصل کو ہتھکڑی سے آزاد کرنے کے بعد ان کے حوالے کردیا جائے گا۔ وجدان نے سختی سے ہدایت کی ہے کہ میں اپنی تسلی کئے بغیر ان لوگوں کو فیصل کے پاس نہ لے کر آؤں۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا ''اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ وجدان بہت ہی ٹیڑھا آدمی ہے۔ وہ جب تک اپنے مطالبے کی مکمل شکل کو آنکھوں سے نہیں دیکھ لے گا، اس کی تسلی نہیں ہوگی۔ میرا خیال ہے، وہ چوہدری پر پوری طرح بھروسا نہیں کررہا!''

''وجدان نے ابھی مجھے بتایا ہے کہ چوہدری ہاتھ پاؤں جوڑ کر اس کا مطالبہ ماننے کو تیار ہے۔'' میں نے کہا ''فیصل کو وہ زندگی کے ہر مسئلے پر فوقیت دے رہا ہے لہٰذا کسی بدمزگی کا اندیشہ نہیں۔ ادھر چوہدری کے بندوں نے ساحل کو وجدان کے حوالے کیا، ادھر ہم فیصل کو ان کی تحویل میں دے دیں گے۔ اللہ اللہ خیر سلا!''

شہزاد نے کہا ''سہیل! تم بے فکر ہوکر جاؤ، میں فیصل کو سنبھال لوں گا۔ ویسے یہ خاصا سمجھ دار بندہ ہے۔ خوش اسلوبی سے نمٹتے ہوئے اس معاملے کے اختتام پر یہ کوئی گند نہیں کرے گا اور اگر..... اس نے ایسی کوئی کوشش کی تو میں اسے پچھتانے کا موقع بھی نہیں دوں گا۔'' بات کے اختتام پر شہزاد کا لہجہ خاصا سنگین ہوگیا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''ایسی کوئی صورتِ حال پیش نہیں آئے گی۔'' پھر میں نے خاص طور پر فیصل کو سنانے کی غرض سے کہا ''پارک کے اندر اور باہر چاروں طرف ہمارے مسلح آدمی پھیلے ہوئے ہیں جو کسی بھی ہنگامی صورتِ حال میں بے دریغ فائرنگ شروع کرسکتے ہیں، بس ہمارے ایک اشارے کی ضرورت ہے۔ فیصل خاصا عقل مند نظر آتا ہے۔ موت کے منہ میں جانے والی کوئی حماقت نہیں کرے گا۔''

ہم مذکورہ پارک پہنچ گئے۔ میں نے ایک مرتبہ پھر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ سات بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ شہزاد نے ایک گیٹ کے قریب گاڑی روک دی۔ اس گیٹ کے بارے میں ہم پہلے ہی فیصلہ کرچکے تھے۔ اس طرف زیادہ رش نہیں تھا۔ شہزاد نے سڑک پر گاڑی اس انداز میں کھڑی کی کہ کسی اچانک صورتِ حال کے پیشِ نظر ہمیں وہاں سے نکلنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

میں نے فیصل کو راہ مستقیم پر رکھنے کی خاطر ونڈ اسکرین کے پار دور تک نگاہ دوڑائی اور پھر سر کو ایسے انداز میں تفہیمی جنبش دیتا چلا گیا جیسے وہاں کے خفیہ بندوبست کا جائزہ لے رہا ہوں۔ پوری طرح مطمئن ہونے کی اداکاری کرنے کے بعد میں نے شہزاد سے کہا۔

''تم گاڑی میں میرا انتظار کرو۔ میں اندر کی صورتِ حال کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

ہم دونوں کے درمیان زبان سے کم اور آنکھوں سے زیادہ باتیں ہورہی تھیں۔ ہمارا یہ انداز فیصل سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ میں گاڑی سے نکلنے لگا تو اس نے بے یقینی سے کہا۔

''تم لوگ پھر کوئی چکر چلانے کے موڈ میں تو نہیں ہو؟''

کافی دیر کے بعد اس نے لب کشائی کی تھی۔

''کیسا چکر؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

وہ برہمی سے بولا ''سہیل! تم پہلے بھی بے وقوف بنا کر مجھ سے ایک آدمی جے ڈی ملک کا ٹھکانا اور فون نمبر معلوم کرچکے ہو۔ اب بھی تم کوئی چال تو نہیں چل رہے؟''

''میں تم سے غلط بیانی نہیں کروں گا فیصل!'' میں نے متحمل لہجے میں کہا ''میں تو ہر وقت کوئی نہ کوئی چال چلتا رہتا ہوں، یہ الگ بات ہے، وہ چالاکی کسی کے لیے نقصان دہ نہیں ہوتی۔ ہاں، البتہ اگر سامنے والا سیانا کوا بننے کی کوشش کررہا ہو تو میں اسے گو کے ڈھیر پر پہنچنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کرتا۔ تم نے مجھے ایک کروڑ روپے کا لالچ دے کر موت کے منہ میں دھکیلنے کی سازش کی تھی۔ میں جیسے ہی تمہارے جے ڈی ملک کے پاس پہنچتا، وہ مجھے بے بس بنا دیتا پھر وہ لوگ مجھے ایسی اذیتوں سے گزارتے کہ میں تمہارا پتا ٹھکانا اگلنے پر مجبور ہوجاتا لیکن میں نے تمہاری سازش کامیاب نہیں ہونے دی اور تمہاری چال تمہی پر لوٹا دی۔'' جملے کے اختتام پر میں نے دھمکی آمیز انداز میں اضافہ کرتے ہوئے کہا ''وجدان کے ساتھ کام

کرنے والوں کو کبھی بے وقوف یا کمزور نہ سمجھنا! اگر میری یہ نصیحت تمہیں یاد رہی تو زندگی بھر عیش کروگے۔''

بنگلے پر پیش آنے والے ہنگامی حالات کے بارے میں فیصل کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس دوران میں وہ گہری بے ہوشی میں رہا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا، ہم نے ڈیلیوری کے لیے اسے بنگلے سے نکالا ہے۔ اس نصیحت کے جواب میں وہ مجھے گھور کر رہ گیا۔ میں نے شہزاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اگر فیصل کسی قسم کی کوئی گڑبڑ پھیلانے کا ارادہ ظاہر کرے تو تم بے دریغ اسے بھون کر رکھ دینا۔ جب کوئی خود ہی زندہ نہ رہنا چاہے تو ہم کیا کرسکتے ہیں!''

میرے الفاظ میں سفاکی اور سنگینی بھری ہوئی تھی۔ شہزاد بڑی وضاحت سے میری بات کو سمجھ گیا اور بولا ''سہیل! تم مطمئن ہوکر جاؤ، مجھے امید ہے، بدامنی کی نوبت نہیں آئے گی۔''

میں گرین ہائی روف سے نکل کر پارک کے گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ جب میں ٹکٹ حاصل کرنے کے بعد پارک کے اندر داخل ہوا تو چھ بج کر اٹھاون منٹ ہورہے تھے۔ بندوں کے تبادلے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔ میں تیز قدموں سے مطلوبہ مقام کی طرف بڑھنے لگا۔

اس وقت میرے ذہن و دل کی عجیب کیفیت ہورہی تھی۔ دل ساحل کی جھلک دیکھنے کو مچل رہا تھا اور ذہن میں ایک ایسی بساط بچھی تھی جس کا ہر مہرہ لحہ بہ لحہ اپنی صورت بدل رہا تھا۔ چوہدری سے فون پر ہونے والی گفتگو نے میرے اندر کھلبلی مچا رکھی تھی۔ بار بار میرے ذہن میں یہ سوال ابھر رہا تھا کہ چوہدری کی نیت میں کوئی فتور پیدا ہوگیا ہے۔ فون میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی بلکہ چوہدری نے از خود ریسیور رکھا ہے، پھر جب میں نے دوبارہ رنگ کرنے کی کوشش کی تو اس نے اس سے پہلے ہی ریسیور ہٹا کر رکھ دیا۔

انہی متضاد سوچوں کے ساتھ میں آگے بڑھتا رہا۔ پھر مجھے وہ مقام دکھائی دینے لگا جہاں پر ایک کنگ سائز چوبی کھوے کی گردن استادہ ہے۔ وہاں مجھے چند بچے کھیلتے ہوئے نظر آئے۔ ایک بچہ کھوے کے سر کو تھام کر اس کی گردن پر چڑھ بیٹھا تھا اور ہاتھ کے اشارے سے کسی کو اپنے پاس بلا رہا تھا۔ اسی وقت نزدیک ہی گھاس پر بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک کیمرا بردار شخص بچے کے قریب آیا اور اس کی تصویر بنادی۔ بچے پھر کھیل کود میں مصروف ہوگئے۔

میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ رسٹ واچ کو دیکھا۔ میری گھڑی کی سوئیوں نے سات بجنے کا منظر دکھا دیا۔

میں نے بے قراری سے کھوے کی سمت نگاہ دوڑائی لیکن وہاں ساحل کا نام ونشان نہیں تھا۔ وہی بچے آپس میں اٹکھیلیاں کررہے تھے۔

میں گہری تشویش کے گھیرے میں آگیا۔ اس وقت ساحل اور فیصل کو اس مقام پر ہونا چاہیے تھا۔ فیصل کو تو میں گاڑی میں چھوڑ آیا تھا لیکن ساحل کہاں گئی؟

میں نے بے چینی سے گردوپیش میں نگاہ دوڑائی۔ اگلے ہی لمحے عباس اور زمرد خان میری نظر میں آگئے۔ وہ مطلوبہ مقام سے چند گز کے فاصلے پر ٹہل رہے تھے۔ انہوں نے آپس میں محدود فاصلہ رکھا ہوا تھا تاکہ کسی کو شک نہ گزرے۔ میں شہزاد کے دوست بنات خان کو نہیں جانتا تھا۔ ممکن ہے، وہ بھی کہیں آس پاس ہی ہو!

زمرد خان اور عباس مجھے دیکھ نہیں پائے تھے۔ میں فوارے کے نزدیک بنے ہوئے ایک ستون کی اوٹ میں کھڑا تھا۔ وہ اگر مجھے دیکھ بھی لیتے تو میں ان کے لیے سہیل تھا..... ان کا ایک ساتھی سیکیورٹی گارڈ! شہزاد نے ان دونوں کو بنگلے سے روانہ کرتے وقت سختی سے ہدایت کی تھی کہ اگر وہ پارک کے اندر کوئی غیر معمولی سرگرمی نوٹ کریں تو ہمیں فوراً اطلاع دیں۔ پتا نہیں، انہوں نے بنگلے پر کوئی فون کیا تھا یا نہیں۔ وہاں جو حالات پیش آئے، انہوں نے ہمیں کسی اور طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

میں اس ستون کی آڑ میں کھڑا چوکنا نظر سے آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب مزید دو منٹ تک مجھے ساحل کی صورت نظر نہ آئی تو میں نے میدانِ عمل میں کودنے کا فیصلہ کیا اور ستون کی آڑ سے نکل کر اپنے آدمیوں کی طرف بڑھنے لگا۔

چوہدری نوازش علی کی کمینگی اور درندگی مجھ سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اس سے کسی وقت کسی بھی چال کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اس کی طرف سے میرا ذہن منفی خیالات سے اٹا پڑا تھا۔ اس ذخیرے میں ایک امکانی خیال قدرے بہتر کنڈیشن میں تھا۔ میں اسے اپنی خوش گمانی بھی کہہ سکتا تھا..... اور وہ یہ کہ ممکن ہے، چوہدری بھی میری طرح احتیاط سے کام لے رہا ہو۔ وہ فیصل کو صورتِ حال دیکھے بغیر ساحل کے سامنے نہ لانا چاہتا ہو! چوہدری نوازش سے میری مراد اس کے احکام سے تھی۔ وہ شیطان صفت جاگیردار خود تو اس وقت موضع رکھاں والی میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں جو کچھ بھی ہونا تھا، اس کی ہدایت کے مطابق ہونا تھا۔ چوہدری کا نیٹ ورک اس کی مرضی کے خلاف کیسے جاسکتا تھا۔

عباس سے نظر ملی تو میں نے اشارے سے اسے اپنے

پاس بلالیا۔ تازہ ترین صورتِ حال کے بارے میں جاننا بہت ضروری تھا۔ اس نے میرے نزدیک آکر پوچھا ''سہیل! شہزاد نظر نہیں آرہا..... اور اب تو سات سے اوپر کا وقت ہوگیا ہے؟''

میں نے کہا ''شہزاد یہیں قریب میں ایک خفیہ مقام پر موجود ہے۔ تم اپنی رپورٹ پیش کرو۔''

اس نے قدرے خفگی آمیز نظر سے مجھے دیکھا۔ شاید رپورٹ والی بات اسے پسند نہیں آئی تھی۔ وہ رتبے کے اعتبار سے مجھے (یعنی سہیل کو) اپنے برابر سمجھتا تھا، جبھی چھوٹتے ہی اس نے شہزاد کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ میں نے اس کی الجھن کو دور کرنے کی غرض سے کہا۔

''مجھے شہزاد ہی نے یہ بات معلوم کرنے کے لیے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔''

وہ قدرے مطمئن ہوتے ہوئے بولا ''یہاں پر سب خیریت ہے۔''

''کیا تم نے یا زمرد نے اس دوران میں بنگلے پر فون کیا تھا؟''

اس نے نفی میں گردن ہلادی ''اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔''

''بنات خان کہاں ہے؟''

اس نے ایک وردی پوش سیکیورٹی گارڈ کی طرف اشارہ کردیا۔

میں نے اس لمحاتی گفتگو میں عباس کو مزید چوکنا اور محتاط رہنے کی تاکید کی اور صحت مند سیکیورٹی گارڈ بنات خان کی جانب بڑھ گیا۔ اس دوران میں، میں مسلسل چوبی کھوے اور اس کے گرد و نواح کو بھی نگاہ میں رکھے ہوئے تھا۔ میں نے بنات خان کے پاس پہنچنے کے بعد شہزاد کے دوست کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا اور پارک کی صورتِ حال کے بارے میں استفسار کیا۔

اس نے جواب دینے سے قبل سوال کر ڈالا ''وہ شہزاد کدھر ہے؟'' اس کے ساتھ ہی اس نے میرے عقب میں دور تک نگاہ دوڑائی۔

میں نے کہا ''وہ پارک کے باہر گاڑی میں موجود ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اندر بھی آجائے گا۔'' اس کے بعد میں نے اپنا سوال دہرایا۔

وہ چند لمحے مجھے گہری نظر سے دیکھتا رہا پھر دھیمے لہجے میں بتانے لگا ''کوئی بڑی بات تو دیکھنے میں نہیں آئی۔ سب کچھ معمول کے مطابق ہے لیکن میری عقابی نظر نے دو افراد کو تاڑ لیا ہے۔ وہ دو قطعے سے اس کھوے کے پاس آتے رہے اور خاموشی سے دوسری طرف نکل جاتے ہیں۔ ان کی اس حرکت کو کسی اور نے نوٹ نہیں کیا ہوگا۔ وہ دونوں افراد یقیناً یہی شوکر رہے ہیں کہ دوسرے افراد کی طرح وہ بھی وہاں تفریح کی غرض سے آئے ہیں لیکن میں نے ان کی حرکات و سکنات میں خاصی تشویش اور سنسنی پائی ہے۔''

بنات خان ایک نہایت ہی اہم انکشاف کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا، ہمارے دونوں سادہ پوش گارڈز بھی ان دو افراد کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے ہوں گے کیونکہ وہ بھی مذکورہ مقام ہی کی نگرانی کر رہے تھے۔ بنات خان کی طرف کسی کا دھیان نہیں جاسکتا تھا کیونکہ وہ پارک کے سیکیورٹی گارڈ کی یونی فارم میں تھا۔ اس حوالے سے مجھ پر بھی کوئی توجہ نہ دیتا، میں بھی اس وقت سیکیورٹی گارڈ کی وردی میں تھا۔

میں نے بنات خان سے اپنے خدشے کا اظہار کیا تو وہ تائیدی انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر میں نے نگرانی کرنے والے پُراسرار دو افراد کے بارے میں پوچھا تو اس نے خاموشی سے دو جانب یکے بعد دیگرے اشارہ کردیا۔ میں نے تجاہلِ عارفانہ سے ان کا جائزہ لیا۔ ان میں سے ایک دبلا پتلا تھا اور اس نے نیلے رنگ کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا جبکہ دوسرا قدرے فربہ تھا۔ وہ سیاہ پتلون اور گرے شرٹ میں نظر آرہا تھا۔ میں نے بھی ان کی ''اداؤں'' سے اندازہ لگالیا کہ وہ ہمارے دشمن کے آدمی تھے۔ گویا دوسری جانب سے بھی مثلی جلتی چال چلی جارہی تھی!

میں نے بنات خان سے کہا ''اگر میں زمرد خان یا عباس سے کھسر پھسر کروں گا تو یقینی طور پر ان مشکوک افراد کی نگاہوں میں آجاؤں گا لہٰذا تمہیں موقع پاکر ایک کام کرنا ہے!''

وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا ''کیسا کام؟''

''کام بہت آسان ہے۔'' میں نے مشکوک افراد اور مقامِ کھوا کو نظر میں رکھتے ہوئے کہا ''اور اس کام کے بعد سمجھو، تمہاری چھٹی۔ تم نے ہماری جتنی مدد کی اس کا شکریہ۔ اب ہمیں تمہارے تعاون کی مزید ضرورت نہیں۔ بعد میں شہزاد تمہیں فون پر تفصیل سے آگاہ کردے گا۔''

وہ ہکا بکا مجھے تکنے لگا پھر بولا ''بولو، کیا کام کرنا ہے؟''

میں نے کہا ''تم ان دونوں مشکوک افراد کی نظر بچا کر عباس یا زمرد خان سے کہو کہ اب ان کی نگرانی کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ کام میں خود کرلوں گا۔ وہ حساس مقام سے فاصلے پر چلے جائیں اور فرنٹ میں آئے بغیر اپنے دشمن پر نگاہ رکھیں۔ میرا اشارہ اس پتلون قمیص اور شلوار سوٹ والے کی طرف ہے!''

''سمجھ گیا سہیل صاحب!'' اس نے فرمانبرداری سے کہا پھر مجھے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے کچھ کہنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

میں نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے پوچھا ''تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

بنات خان نے ہچکچاتے ہوئے کہا ''میں نے شہزاد سے کسی قسم کی تفصیل نہیں پوچھی تھی۔ اس نے صرف اتنا بتایا تھا، کسی کے چند آدمیوں کو تحفظ کی ضرورت ہوگی۔ میں ایک اس کے سیکیورٹی گارڈ ہوں اور پارک میں آنے والے ہر شخص کو تحفظ فراہم کرنا میری ذمے داری ہے مگر شہزاد نے جس انداز میں تعاون کی درخواست کی تھی، اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ کوئی بہت ہی خاص واقعہ پیش آنے والا ہے لیکن ابھی تک تو کوئی پُراسرار اور سنسنی میں نہ آنے والا ہے۔ آپ ہم کو اس سب کچھ کے بارے میں کچھ بتاؤ؟''

میں نے ٹالنے کے لیے اسے ایک الٹی سیدھی مختصر سی کہانی سنادی جس میں اس کا فائدہ تھا اور نہ میرا کوئی نقصان وہ مطمئن ہوکر ایک طرف بڑھ گیا۔ میں ایک چوبی بینچ پر بیٹھ کر اس مقام کا جائزہ لینے لگا جہاں چوہدری کے بندوں نے ساحل کو اور میں نے فیصل کو پہنچانا تھا۔ وہاں کھلنڈرے بچوں کے سوا مجھے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ اب مجھے تشویش ہونے لگی۔

میں نے چوہدری نوازش کو کڑی تاکید کی تھی کہ ٹھیک سات بجے ساحل کو پارک میں پہنچ جانا چاہئے اور اس نے وعدہ بھی کیا تھا مگر لگتا تھا، وہ وعدہ خلافی پر اتر آیا تھا۔ ایک طرح سے وعدہ خلافی میں بھی کر رہا تھا۔ ہوسکتا ہے میری طرح دوسری پارٹی بھی بے حد محتاط ہو.....!

آئندہ دو منٹ کے اندر عباس اور زمرد خان میری نگاہ سے اوجھل ہوگئے۔ بنات خان نے انہیں میری ہدایات پہنچا دی تھیں۔ ایک منٹ بعد دشمن کے نگران بھی غائب ہوگئے۔ ایک لمحے کو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس بھرے پرے پارک میں میرے سوا اور کوئی بھی نہ ہو۔ میں نے خود کو اندر سے تنہا پایا۔ مجھے سمجھنے میں ایک لمحے کی دیر نہ لگی کہ وہ احساسات ساحل کے وہاں نہ پہنچنے کی وجہ سے تھے۔ میں بے چین ہوکر یک لخت بینچ سے اٹھ گیا۔

مجھے اپنے پورے وجود میں ایک انجانا سا اضطراب پھیلا ہوا محسوس ہوا۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی، کوئی بڑی گڑبڑ ہوچکی ہے۔ ساحل کا وہاں نہ پہنچایا جانا خالی از علت نہیں تھا۔ ان حالات میں، میں پارک میں زیادہ دیر رک کر انتظار نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا تھا۔ میں اس بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ پارک کے باہر فائرنگ کی آواز گونجی۔

میں نے بے ساختہ پلٹ کر اس سمت میں دیکھا۔ یہ وہی حصہ تھا جہاں گرین ہائی روف میں شہزاد، فیصل کے ساتھ موجود تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہاں کوئی سنگین واقعہ پیش آگیا تھا۔ میں نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر پارک کے گیٹ کی طرف دوڑ لگادی۔

فائرنگ کی آواز ایک مرتبہ پھر سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی کسی گاڑی کے تیزی سے آگے بڑھنے کی صدا بھی بلند ہوئی۔ میں ممکنہ تیزی سے بھاگتے ہوئے پارک سے باہر نکل آیا۔ اسی لمحے میری نگاہ گرین ہائی روف پر پڑی۔ شہزاد بیک گیئر میں اسے گیٹ کی طرف لا رہا تھا۔ میں نے گولی کی رفتار سے دوڑ کر گیٹ اور ہائی روف کا درمیانی فاصلہ طے کیا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر گاڑی کے اندر پہنچ گیا۔

شہزاد نے ایک تشویش ناک نظر مجھ پر ڈالی اور ایک جھٹکے سے گرین ہائی روف کو آگے بڑھادیا۔ اس وقت وہ کسی عقاب کے مانند فعال دکھائی دیتا تھا۔ میرے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ فیصل وہاں موجود تھا۔

شہزاد نے اضطراری لہجے میں مجھ سے کہا ''گن اٹھالو۔ وہ لوگ ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔ میں ڈرائیونگ سے فاصلہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہوں، تم فائرنگ سے انہیں روکو۔ اگر وہ لوگ ہمارے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تو بڑی گڑبڑ ہوجائے گی۔''

میں نے کلاشنکوف کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اپنے عقب میں نگاہ دوڑائی۔ ایک نیلی پجارو بڑی تیزی سے ہمارے تعاقب میں تھی۔ اس کی تیزی سے بڑھتی ہوئی رفتار بتا رہی تھی، وہ پہلی فرصت میں ہمیں چھونا چاہتی ہے۔

میں نے پجارو کے اگلے پہیوں کو نشانہ بنا کر پہلی فائرنگ کی۔ اس عمل کے لیے مجھے ہائی روف کی کھڑکی سے اوپری دھڑ باہر نکالنا پڑا۔ یہ فائرنگ بے نتیجہ رہی مگر حیرت انگیز طور پر پجارو میں سے ہم پر گولیاں نہیں برسائی گئیں۔

میں نے شہزاد سے کہا ''وہ لوگ بہ راہِ راست ہمیں نشانہ نہیں بنائیں گے کیوں کہ فیصل ہم دونوں کے بیچ موجود ہے۔ وہ اس کی زندگی کا رسک نہیں لے سکتے۔ تم ڈرائیونگ اور اسپیڈ پر توجہ دو۔ پجارو والے ہائی روف کے عقبی ٹائروں کو نشانہ بنانے کی کوشش کریں گے تاکہ ہم رکنے پر مجبور ہوجائیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ پہلے بھی انہوں نے ہوائی فائرنگ ہی کی ہے یا پھر گاڑی کے ٹائروں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے۔'' شہزاد نے رفتار بڑھاتے ہوئے میری تائید کی ''میں فیصل کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ تم گاڑی کے عقبی حصے میں چلے جاؤ تاکہ انہیں روکنے میں آسانی ہو۔''

میں نے سیٹ کے اوپر سے سلائیڈ کیا اور بہ مشکل ہائی روف کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ چوہدری نے میرے ساتھ کھلا دھوکا کیا تھا۔ ساحل کو میرے حوالے کرنے کے بجائے اس نے فیصل کو چھیننے کی پلاننگ کی تھی۔ اس مقصد کے لیے اس نے یقیناً پارک کے باہر اپنے بندوں کا جال پھیلا دیا ہوگا اور انہی میں سے کسی کی نظر گرین ہائی روف میں بیٹھے فیصل پر پڑ گئی ہوگی۔

شہزاد کا ذہن بھی میرے انداز میں سوچ رہا تھا' گمبھیر آواز میں اس نے بتایا ''ہمارے دشمن خفیہ طریقے سے پارک کے بیرونی حصوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ میں نے غیر معمولی نوعیت کی سرگرمی دیکھی تو ہوشیار ہوگیا۔ پھر اس سے قبل کہ میں تم تک کوئی اطلاع پہنچاتا' وہ لوگ مجھے گھیرنے لگے۔ مجھے روکنے کے لیے انہوں نے باقاعدہ فائرنگ شروع کر دی۔''

''اسی فائرنگ نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''مجھے لگتا ہے' وہ ایک پجارو پر اکتفا نہیں کریں گے!'' شہزاد کے لہجے میں تشویش تھی۔

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے عقبی منظر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''اس نیلی پجارو کے پیچھے تھوڑے فاصلے پر مجھے دو اور گاڑیاں بھی نظر آ رہی ہیں۔ ان کے تیور بھی بڑے خطرناک دکھائی دیتے ہیں۔''

فیصل نے غصیلے لہجے میں کہا ''تم لوگ اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔ میرے آدمی جہنم تک تمہارا تعاقب کریں گے۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو فوراً گاڑی روک دو۔''

''ہمارا جہنم کی طرف جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔'' میں نے سفاکی سے کہا ''اور اگر تم نے زبان بند نہ رکھی تو تمہیں اس جانب پارسل کرنا پڑے گا۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟''

وہ کینہ توز نظر سے مجھے گھور کر رہ گیا۔ شہزاد نے کہا ''چلو یہ اچھا ہوا..... تم نے اپنی زبان سے اقرار کر لیا' متعاقب گاڑیوں میں تمہارے بندے ہیں۔ اب یہ بھی بتا دو' وہ جے ڈی ملک کے بھیجے ہوئے ہیں یا پھر ان کا تعلق شعیب غوری کی تنظیم سی ایف کے سے ہے؟ تو لوگ ایک ہی تھیلی کے چٹے ہو!''

اس سے پہلے کہ فیصل کوئی جواب دیتا' گرین ہائی روف بڑے خطرناک انداز میں لہرائی عقب سے ایک مرتبہ پھر ہماری گاڑی کو فائرنگ کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ہائی روف کے ٹائرز تو برسٹ ہونے سے محفوظ رہے تاہم چند گولیاں اس میں لگیں اور ایک اچٹتی سی گولی نے بیک اسکرین کی ایک خاصی مزاج پرسی کر ڈالی۔ شیشے کے درجنوں محفوظ ٹکڑے میرے اوپر بھی آن کر گرے۔ میں نے گردن کو جھکائے ہوئے کلاشنکوف سیدھی کی اور پجارو کے اگلے ٹائروں کو ایک مرتبہ پھر نشانہ بنایا۔

میری یہ کوشش کسی حد تک کامیاب ہوئی۔ پجارو کے سامنے والا ایک ٹائر ناکارہ ہوگیا۔ وہ سڑک پر بری طرح لہرائی اور ڈرائیور نے اسے سائیڈ پر روکنے کی کوشش کی۔ ایک ''ٹانگ'' تڑوانے کے بعد پجارو والے ہمارا تعاقب جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ میں عقب میں نظر جمائے ریڈ الرٹ ہو رہا تھا۔ پجارو کے پیچھے آنے والی دو گاڑیوں میں سے ایک وہیں رک گئی اور دوسری نے تعاقب کا فریضہ سنبھال لیا۔ سوزوکی جیپ پجارو کی مدد کے لیے ٹھہری تھی جب کہ ٹویوٹا ہائی لکس ہماری گرد پانے کے لیے اندھا دھند دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

ہم اس وقت ڈی ایچ اے کے قلب میں ''آنکھ مچولی'' کھیل رہے تھے۔ اس علاقے کی سڑکیں کم معروف اور زیادہ صاف ہیں لہٰذا اس خونی دوڑ کے نتیجے میں کوئی بدامنی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ ٹویوٹا ہائی لکس کی طوفانی رفتار کے سامنے ہائی روف زیادہ عرصہ ٹھہر نہیں سکتی تھی اس لیے شہزاد اسے مسلسل کسی ایک سڑک پر رکھنے کے بجائے بار بار ''پڑی'' بدل رہا تھا۔ جن حالات سے گزر رہے تھے' ان میں کسی فیصلے تک پہنچنا بھی مشکل تھا۔ فوری طور پر یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ ہمیں کس منزل پر پہنچنا ہے۔ ہماری حتی الامکان کوشش یہی تھی کہ کسی طرح متعاقبین کو ڈاج دینے میں کامیاب ہو جائیں..... اور یہ کوشش کچھ زیادہ بار آور ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔

ہائی لکس بتدریج فاصلہ کم کرتے ہوئے ہمارے قریب سے قریب تر پہنچ رہی تھی۔ مختلف سڑکوں پر گھومنے کے بعد شہزاد ہائی روف کو گزری کی طرف لے آیا۔ اب ہم خیابان حافظ پر دوڑ رہے تھے۔ سعودی ایمبیسی خیابان شمشیر اور پیچھے چھوڑ کر ہم خیابان بحریہ سے آگے بڑھتے گئے۔ خیابان ہلال کو عبور کرنے کے بعد ہمارا رخ سمندر کی طرف ہوگیا۔ یہ علاقہ کم آباد اور خاصا کھلا تھا۔ اس وقت ہلکا ہلکا اندھیرا

ہونے لگا تھا۔

میں نے شہزاد سے کہا ''یہ اچھا موقع ہے یہ علاقہ اور ملگجا اندھیرا ہمارا ساتھ دے گا۔ تم کسی طرح ان شیطانوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرو۔ اگر ہم نے.....''

میری بات ادھوری رہ گئی' اسی وقت ہائی لکس سے ہم یعنی ہائی روف کے عقبی ٹائروں پر ایک برسٹ فائر کیا گیا جواباً میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فائرنگ کر دی۔ یہ دو طرفہ فائرنگ بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی رکنے پر مجبور نہ ہوا۔

میں دوبارہ فائرنگ کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ہائی لکس کے عقب میں مجھے ایک پولیس موبائل دکھائی دی۔ وہ بڑی تیز رفتاری سے ہمیں چیز کر رہی تھی۔ پتا نہیں پولیس والے کب ہمارے پیچھے لگ گئے تھے۔ میری نگاہ میں وہ ابھی آئے تھے۔ یہ ایک خطرناک اور سنسنی خیز صورتِ حال تھی۔

شہزاد بھی پولیس موبائل کو دیکھ چکا تھا' تشویش ناک لہجے میں بولا ''ہم تو برے پھنس گئے۔ یہ الو کے پٹھے کہاں سے نازل ہوگئے؟''

''ہم جس قسم کے کارنامے انجام دے رہے ہیں، وہ انہیں دعوت دینے کے مترادف ہے۔'' میں نے عقبی صورتِ حال پر نگاہ میں رکھتے ہوئے کہا ''اوکھلی میں سر ڈال دیا ہے تو موسلے بھی آئیں گے!''

''وجدان! ہمیں سب سے پہلے پولیس والوں سے پیچھا چھڑانا ہوگا!'' شہزاد کی آواز میں بوکھلاہٹ تھی۔ میں سر پیٹ کر رہ گیا' بے دھیانی میں وہ بہت غضب ڈھا گیا تھا۔

فیصل نے چونک کر مجھے دیکھا اور حیرت بھرے لہجے میں مستفسر ہوا ''تت..... تم..... سہیل ہو یا وجدان؟''

شہزاد سے بوکھلاہٹ میں جو غلطی سرزد ہوئی تھی' اس کی تلافی ممکن نہیں تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں فیصل کو ایک طویل انٹرویو دینے بیٹھ جاؤ۔ میں نے اسے جھاڑ پلاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

''تم سہیل اور وجدان کے چکر میں نہ پڑو۔ میں ہر صورت میں تمہارا باپ ہوں!''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟'' اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔

میں نے اس کے گال پر الٹا طمانچہ رسید کیا اور خون خوار لہجے میں کہا ''میں نے تمہیں نصیحت کی تھی' اپنی ناپاک زبان کو بند رکھنا لیکن لگتا ہے کسی اور سے سننے سے پہلے تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کرنا پڑے گا!''

''تم اچھا نہیں کر رہے ہو وجدان!'' اس کے الفاظ میں دھمکی کا شائبہ تھا۔

میں نے نفرت آمیز لہجے میں کہا ''تم اور تمہارا باپ کسی بھی اچھے سلوک کے مستحق نہیں ہو۔'' ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر میں اس سے بہ حیثیت وجدان بات کر رہا تھا ''میں نے تو یہی چاہا تھا' تمہیں چوہدری نوازش کے حوالے کر دوں لیکن تم لوگوں کی گٹھی میں عہد شکنی اور دغابازی شامل ہے۔ دیکھ لو' تمہارے باپ نے میری بات نہ مان کر تمہیں کس عذاب میں دھکیل دیا ہے۔ اب تم پوری طرح میرے رحم و کرم پر ہو۔ میں تمہیں پارچہ جات میں تقسیم کر کے کسی تکے کباب والے کے ہاتھ فروخت کروں گا۔''

اس نے مجھے گالی دینا چاہی لیکن الفاظ ہونٹوں سے جدا ہونے سے پہلے ہی میں نے اس کے تھوبڑے پر کلاشن کوف کا بٹ مارا۔ وہ تکلیف کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ اب مجھے اس کے حلیے اور صحت کی ذرا بھی پروا نہیں رہی تھی۔ جب میری ساحل مجھے نہیں ملی تھی تو پھر میں اس حرامی پلے کو کیوں سینت سینت کر رکھتا؟ میں فیصل کا وہ حشر کرنے والا تھا جسے دیکھ کر چوہدری کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے!

رائفل کا بٹ کھانے کے بعد فیصل کا چہرہ لہولہان ہوگیا۔ اس کے ہاتھ پشت پر آہنی گرفت میں تھے اس لیے اس کا بس صرف زبان تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے اس کی بولتی بند کرنے کے لیے اس کی ناک کو نشانہ بنایا اور ایک زوردار پنچ ٹارگٹ پر جڑ دیا۔ فیصل کے لیے میرے دل میں بہت غصہ بھرا تھا۔ وہ اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکا اور بُری طرح چلانے لگا۔

میں نے نمک پاشی کرتے ہوئے کہا ''تم کیسے مارشل آرٹسٹ ہو۔ یہ ذرا سی تکلیف نہیں سہہ سکے۔ میں نے تو سنا ہے تم نے بلیک بیلٹ حاصل کر رکھی ہے اور کئی غیر ملکی ٹورنامنٹس بھی جیت چکے ہو۔ میں تو یہ محسوس کر رہا ہوں تم نے بلیک بیلٹ اپنی محنت سے نہیں بلکہ.....'' میں نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ خالی جگہ پُر کر کے اس نامکمل جملے کو اپنی ضرورت کے مطابق سنگین سے سنگین تر بنایا جا سکتا تھا۔

وہ بپھرے ہوئے لہجے میں غرایا ''تم مجھے آزاد کر کے دیکھو۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا' میں نے بلیک بیلٹ کہاں سے اور کیسے حاصل کی تھی!''

''میں تمہاری یہ حسرت ضرور پوری کروں گا' پہلے تمہارے ان متعدد والد صاحبان سے نمٹ لو۔'' میں نے گن کی نال سے عقب میں اشارہ کیا۔

ادھر میری بات ختم ہوئی' ادھر پولیس موبائل پر گولیوں کی برسات کر دی گئی۔ یہ دو طرفہ فائرنگ تھی۔ موبائل کے پیچھے مجھے وہی سوزوکی جیپ نظر آئی جو زخمی پجارو کی ''عیادت'' کے لیے رک گئی تھی۔ اس جیپ اور ہائی کلس سے بے دریغ پولیس موبائل پر فائرنگ کی جارہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا' دشمن پولیس والوں کو ہمارا ساتھی سمجھ رہے تھے اور ہم سے پہلے انہیں نیست و نابود کرنے پر تل گئے تھے۔ یہ ایک کھلی قانون شکنی تھی!

پولیس والے بھی چوڑیاں پہن کر موبائل دوڑانے نہیں نکلے تھے۔ وہ اپنی دانست میں خطرناک مجرموں کا تعاقب کر رہے تھے۔ انہوں نے دو کے بجائے ایک محاذ پر لڑنے کا فیصلہ کیا اور موبائل کی رفتار گھٹا کر سوزوکی کی جیپ پر فائرنگ شروع کر دی۔ اس طرح وہ لوگ ہائی کلس سے ہونے والی فائرنگ سے محفوظ ہوگئے۔ ہائی کلس والوں نے عقبی ''معاملات'' کو یک سر نظر انداز کر کے ہمارا تعاقب جاری رکھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لوگ ہم سے خاصے فاصلے پر رہ گئے۔

یہ صورتِ حال ہمارے لیے خاصی حوصلہ افزا تھی۔ اب ہمیں صرف ایک ہائی کلس سے نمٹنا تھا۔ پولیس والوں سے پیچھا چھوٹنے کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہر قسم کی جواب دہی سے بچ گئے تھے۔ ہماری گاڑی میں ایک ہتھ کڑی لگا زخمی موجود تھا۔ جسے ہم اپنی مرضی سے کہیں لے جارہے تھے۔ اگر ہم پولیس والوں کے ہتھے چڑھ جاتے تو کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے تھے۔ پولیس والوں نے جیپ والوں کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ہی وائرلیس پر ہائی روف اور ہائی کلس کے بارے میں اپنے ہرکز کو بتا دیا ہوگا لہٰذا اس بات کے قوی امکانات تھے' ہمیں چاروں جانب سے گھیرا جائے گا۔

میں نے شہزاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''تم اچانک گاڑی کی رفتار کم کرو مگر اس طرح کہ ہائی کلس والوں کو فائرنگ کرنے کا موقع نہ ملے۔ میں اس لمحاتی فرصت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ اگر کچھ دیر مزید یہ چیزنگ جاری رہی تو ہم متعدد پولیس موبائلز کے نرغے میں آجائیں گے۔ پیچھے آنے والی پولیس موبائل نے یقیناً ہمارے بارے میں اپنے لوگوں کو فوری مطلع کر دیا ہوگا!''

میری ہدایت کے اختتام پر شہزاد نے ہائی روف کو سڑک پر بری طرح لہرایا اور لیفٹ ٹرن کے لیے اسٹیرنگ گھما دیا۔ موڑ کی وجہ سے گاڑی کی رفتار کم کرنا پڑی ورنہ ہائی روف کو خطرناک حادثہ بھی پیش آسکتا تھا۔

ہائی کلس والوں نے بھی ہماری تقلید میں گاڑی موڑ لی۔ اس دوران میں مجھے ہائی کلس کے پہلو میں فائرنگ کرنے کا موقع مل گیا۔ کاشکوف کی مہلک گولیوں نے ہائی کلس کی باڈی کو چھید ڈالا لیکن سوئے اتفاق کہ اس کے ٹائرز محفوظ رہے۔ البتہ ہمارے درمیان فاصلہ خاصا بڑھ گیا۔ سنسناتے ساتھ ہی ہائی کلس سے بھی ہم پر فائرنگ کی گئی۔ ہم فائرنگ سے باہر تھے چنانچہ ہمیں اور ہماری گاڑی کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

''یہ تو جہنم کی بلاؤں کی طرح ہمارے پیچھے لگ گئے ہیں!'' شہزاد عقب نما آئینے پر نگاہ ڈالتے ہوئے بڑبڑایا۔

فیصل زہر خند لہجے میں بولا ''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا' میرے آدمی جہنم تک تمہارا تعاقب کریں گے۔ اب وقت ہے۔ اگر میری بات سمجھ میں آرہی ہے تو گاڑی روک میں اپنے آدمیوں سے تمہاری سفارش کر دوں گا۔''

فیصل کے آخری جملے سے اعتماد جھلکتا تھا۔ لگتا تھا کہ نے صورتِ حال سے مقابلہ کرنے کے لیے خود کو سنبھال لیا اور اس وقت اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں عصیلی نظر سے اسے دیکھا اور کہا۔

''اپنے وعدے سے پھر تو نہیں جاؤ گے؟''

''کون سا وعدہ؟''

''سفارش والا وعدہ!''

وہ شک آمیز نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''کیا تم بے وقوف سمجھتے ہو؟''

شہزاد کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھتے ہوئے سڑکیں بدل رہا تھا۔ جب وہ خیابان پر آیا تو میں نے کہا ''اس سڑک کو نہیں چھوڑنا۔ میں تمہیں ہدایات بعد میں دوں گا۔''

خیابانِ اتحاد خاصی وسیع اور کم مصروف سڑک ہے۔ پر مجھے بارہا سفر کرنے کا موقع ملا تھا۔ سی ویو سے کشمیر تک اس پر بے دریغ گاڑی دوڑائی جاسکتی ہے۔ میں اپنے عقب میں ہائی کلس کا جائزہ لیا۔ وہ لمحہ بہ لمحہ اپنی فا کرتے ہوئے ہمارے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بھی ہائی روف کو اڑانے کی کوشش میں تھا۔

متعاقب گاڑی پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے میں فیصل مخاطب ہوا اور اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا اور تمہارا باپ کتنے بے وقوف ہو' یہ بات تم لوگوں کو زیادہ طرح معلوم ہوگی۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ تم لوگ اول در کے عیار اور وعدہ خلاف ہو۔ تمہارے باپ سے جو ڈیل ہو والی تھی۔ اس کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر تمہارا اور سا

کا تبادلہ دیانت داری سے ہو جاتا تو اس کارچیزنگ کی نوبت ہی نہ آتی۔'' میں ایک لمحے کو متوقف ہوا اور عواقب و جوانب کا جائزہ لینے کے بعد کہا ''لیکن تمہارا باپ خود کو زیادہ سیانا اور ثابت کرنا چاہتا ہے۔ وہ مقررہ وقت پر ساحل کو پارک میں پہنچائے بغیر تمہیں مجھ سے چھیننے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم اس وقت میرا نوالہ بنے ہوئے اور تمہارے باپ نے یہ نوالہ چھیننے کے لیے جبڑوں میں ہاتھ ڈال دیا ہے اس لیے.....'' میں نے کلاشن کی نال سے اس کے سر کے عقبی حصے کو دستک دی اور بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا ''میں تم لوگوں کی کسی بات پر بھروسا نہیں کر سکتا۔''

''تمہاری مرضی ہے ورنہ میں تو اپنے وعدے پر قائم ہوں'' وہ جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ میں نے اس اعصابی تعمیل کو جاری رکھتے ہوئے کہا ''یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو اگر ہم گاڑی روک دیں تو تم اپنے لوگوں سے ہماری سفارش کرو گے۔ وہ ہمیں ٹیڑھی نظر سے بھی نہیں دیکھیں گے اور یہ خوشی جانے کی اجازت دے دیں گے؟'' اسے گھسنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

''اگر تمہیں میری بات کا یقین نہ ہو تو گاڑی روک کر دیکھ لو!'' فیصل نے کہا۔

''کیا خیال ہے شہزاد!'' میں نے اپنے عقب میں ہائی کلس پر نگاہ جماتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا ''اس کے باپ کو تو آزما لیا' اسے بھی آزما کر دیکھ لیتے ہیں؟''

''وجدان! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' شہزاد کے لہجے میں الجھن تھی۔

میں نے کہا ''اچھا! تو تم یہ کہنا چاہتے ہو' اس کی باتوں میں نہ آؤں؟''

''ظاہر ہے' فیصل کی بات ماننا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے!''

''لو بھئی فیصل! میرا ساتھی نہیں مان رہا'' میں نے مایوسی سے کہا۔

وہ دانت کچکچاتے ہوئے بولا ''میں سب سمجھ رہا ہوں' تم لوگ مجھے اعصابی طور پر کمزور کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا!''

''تم ذہنی' جسمانی اور اعصابی طور پر بری طرح متاثر ہو'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''لہٰذا ایسی کوشش میں ہمیں وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر شہزاد مان جاتا تو تم میری بات کا ثبوت بھی دیکھ لیتے۔''

وہ زبان سے کچھ نہیں بولا' بس خون خوار نظر سے مجھے گھور کر رہ گیا۔

''او مائی گاڈ!'' اسی وقت شہزاد کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔

میں نے بے اختیار پلٹ کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھا اور پریشان ہو کر رہ گیا۔ سامنے سڑک پر ایک کمبیر الجھن پیدا ہوگئی تھی۔ بائیں جانب والی سائیڈ اسٹریٹ سے ایک واٹر ٹینکر نکل کر روڈ پر آگیا تھا اور تشویش ناک بات یہ تھی کہ وہ ٹینکر روڈ پر رک گیا تھا..... اس طرح کہ ہم وہاں سے گزر نہیں سکتے تھے۔ ٹینکر کا عقبی حصہ سائیڈ اسٹریٹ کو اس طرح گھیرے ہوئے تھا کہ گاڑی کو اس اسٹریٹ پر موڑا نہیں جاسکتا تھا۔ ہمیں ہر صورت میں رکنا تھا یا پھر ہائی روف کو ٹینکر سے ٹکرانا تھا۔ اسی لمحے میری چھٹی حس نے پکار کر کہا' وہ واٹر ٹینکر کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سڑک پر لا کر ہماری راہ میں رکاوٹ پیدا کی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا' بڑے وسیع پیمانے پر ہمیں چھاپنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ ہمارے لیے آگے کنواں' پیچھے کھائی والی صورتِ حال پیدا ہوگئی۔

یہ تمام خیالات سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میرے ذہن سے گزرے اور اس سے پہلے کہ ہائی روف اور واٹر ٹینکر کے درمیان حائل فاصلہ صفر کے برابر رہ جاتا' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''شہزاد! گاڑی کو روک لو۔''

اس کے ساتھ ہی میں نے بڑی سرعت سے اپنی جیب سے ہتھکڑی کی چابی نکالی۔ اس وقت میرا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ میں نے عقب میں آنے والی دشمن ہائی کلس کو یک سر نظر انداز کر دیا۔ اس طرف سے ہمارے رکنے کی صورت میں فائرنگ کا خطرہ نہیں رہا تھا۔ وہ ہمیں روکنے کے لیے ہی اپنی گنوں کو زحمت دے رہے تھے' قتل و غارت گری ان کا مقصد اول نہیں تھا۔ اس طرح فیصل کی جان کی ضمانت نہ رہتی۔ ایسی حماقت وہ کسی صورت نہیں کر سکتے تھے۔

میں نے ہائی روف رکنے سے قبل چند سیکنڈ کے وقفے میں فیصل کی ہتھ کڑی پر بلک جھپکتے میں کارروائی کی اور ایک ہاتھ کی ہتھ کڑی سے آزاد کر دیا۔ اگلے ہی لمحے فارغ ہونے والی کڑی کو میں نے سیٹ کے عقب میں نصب ایک پائپ سے منسلک کر کے لاک کر دیا۔ اب فیصل ایک طرح سے اس پائپ سے بندھا ہوا تھا اور اپنی مرضی سے گاڑی کو چھوڑ کر باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ یہ کام میں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر کیا تھا تاکہ پیش آمدہ افراتفری میں وہ فرار ہونے کی کوشش نہ کرے۔

ٹائروں کی تیز چرچراہٹ کے ساتھ ہائی روف رک گئی۔ عقب میں آنے والی ہائی لکس نے ہماری تقلید کی اور چند گز کے فاصلے پر ٹھہر گئی۔ فضا میں چند لمحات کے لیے سناٹا چھا گیا۔ لگتا تھا وقت چند ثانیوں کے لیے تھم گیا ہو۔ وہ بڑی ہی مہلک اور نازک ساعت تھی۔ شہزاد نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر دوسری کے کے سنبھال لی اور سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے سفاکی سے کہا ''تم ان حرام زادے کو گن پوائنٹ پر رکھو۔ جب تک یہ ہمارے قبضے میں ہے' وہ لوگ ہمیں فائرنگ کا نشانہ نہیں بنائیں گے۔ میں ان سے نمٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''تم اکیلے ہی کیوں کوشش کرو گے!'' شہزاد نے جی داری سے کہا ''یہ نامراد تو گاڑی کے اندر فکس ہو چکا۔ میں بھی کیوں نہ تمہارا ساتھ دوں؟''

''اس کا موقع آیا تو ضرور اپنی خواہش پوری کرنا۔'' میں نے کہا ''فی الحال فیصل پر توجہ مرکوز رکھو۔''

فضا پر طاری ہونے والا سکوت لمحاتی ثابت ہوا۔ ہماری اس گفتگو کے دوران ہی میں ہائی لکس کے عقبی حصے میں سے چار گن بردار اچھل کر نیچے اتر آئے پھر وہ ہائی روف کو نشانے پر رکھتے ہوئے چند قدم آگے آنے کے بعد رک گئے۔ اسی وقت ہائی لکس کے اگلے حصے میں سے ایک لحیم شحیم شخص برآمد ہوا۔ دراز قامت اور گورے چٹے اس شخص کے ہاتھ میں پسٹل نظر آ رہا تھا۔ اس نے گاڑی سے باہر آنے کے بعد اپنے مسلح ساتھیوں کو ایک مخصوص اشارہ کیا' پھر ہماری جانب پیش قدمی شروع کر دی۔

ہائی لکس میں سے نمودار ہونے والوں کے اسٹائل سے لگتا تھا' وہ اپنی دانست میں ہمیں زیر کر چکے تھے۔ میں نے انہیں اسی خوش فہمی میں مبتلا رکھا اور شہزاد کے نزدیک چہرہ لے جاتے ہوئے کہا۔

''میں اس موٹے کو باتوں میں لگاتا ہوں۔'' میرا انداز سرگوشیانہ تھا ''اس دوران میں تم گاڑی کو بیک گیئر میں ڈال کر تیزی سے پیچھے لانے کی کوشش کرو۔'' یہ آئیڈیا فوراً ہی مجھے سوجھا تھا۔

''یہ بہت خطرناک ہوگا وجدان!'' وہ دوبارہ اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا ''خطرناک اور مفید سوچنے کا وقت نہیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں' تم وہی کرو۔ جیسے ہی میں موٹے سے بات چیت شروع کروں' تم گاڑی کو اس انداز میں پیچھے لانا جیسے ان سب کو روند ڈالنے کے بعد ڈائریکٹ ہائی لکس کو ہٹ کرنا چاہتے ہو!'' وہ پوری توجہ سے میری بات سن رہا تھا۔ میں نے گن کا رخ موٹے کی طرف کرتے ہوئے کہا ''پھر تم ہائی روف کو طوفانی انداز میں موڑتے ہوئے واپسی کے راستے پر ڈال دو گے!''

''او کے باس!'' شہزاد نے چٹانی لہجے میں کہا۔

یہ ایک خطرناک چال تھی جو انتہائی مہلک ثابت ہو سکتی تھی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس بات کا میں بہ خوبی اندازہ لگا چکا تھا' فیصل کی وجہ سے وہ ہمیں اندھا دھند فائرنگ کا نشانہ نہیں بنانا چاہتے تھے ورنہ وہ اب تک ہمیں گولیوں کی باڑ پر رکھ چکے ہوتے۔ وہ فیصل کی سلامتی کے لیے ہمیں گرین دے رہے تھے۔

ابھی وہ موٹا پستول بردار ہائی روف سے چند قدم دور ہی تھا کہ فیصل نے ایک عجیب حرکت کی۔ وہ کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر موٹے کو خبردار کرنے لگا ''گاڑی کے نزدیک نہ آنا' یہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔ ان کی گاڑی کو روکنے کی کوشش کرو!''

میں نے حالات بگڑتے دیکھے تو شہزاد کو آنکھوں ہی آنکھوں میں ایکشن کا اشارہ دے دیا۔ وہ گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈالنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ فیصل کی چیخ پکار پر موٹا چونکا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا ہوگا' رکی ہوئی ہائی روف کو وہ کس طرح روکنے کی کوشش کریں۔

پھر جب تک وہ فیصل کی بات کے مفہوم تک پہنچتا' شہزاد ان پر چڑھائی کر چکا تھا۔

ہائی روف توپ میں سے نکلے ہوئے گولے کی طرح پیچھے کو بڑھی۔ اس کا پہلا نشانہ وہ موٹا ہی بنا۔ میں نے چار گن بردار افراد کے قدموں میں فائرنگ کی۔ وہ اس غیر متوقع صورتِ حال پر گڑبڑا گئے اور جواباً بے دریغ ہم پر گولیاں برسانے لگے۔ ہائی روف حرکت میں تھی لہٰذا ان کی گنوں سے فائر ہونے والی گولیاں گاڑی کی باڈی میں لگیں۔

شہزاد نے کسی بات کی پروا کیے بغیر حیران و پریشان افراد کو روند ڈالا اور ہائی لکس کو ایک زوردار ٹکر مارنے کے بعد اسٹیئرنگ کو واپسی کے لیے گھما دیا۔ میں اس دوران میں چوکنی نظر سے میدانِ جنگ کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے دیکھا ہماری راہ کھوٹی کرنے والے واٹر ٹینکر میں سے بھی دو بردار نکل کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہو گئے..... اور پر فائرنگ کرنے لگے۔ وہ ہر ممکنہ طور پر ہمیں روکنے کی کوشش کرنے لگے۔

ہائی لکس طوفانی ٹکر کھانے کے بعد اپنے قدموں پر

سرک گئی تو شہزاد کے لیے آسانی پیدا ہو گئی۔ اسی وقت ساتھ چلتی ہائی لکس کے ٹائروں کو نشانہ بناتے ہوئے فائرنگ میں نے کر دی۔ گاڑی کو فلیٹ ہونے میں دیر نہیں لگی' اب وہ ہمارے تعاقب کے قابل نہیں رہی تھی۔ میں نے اپنے عقب میں دیکھتے ہوئے دشمنوں پر گولیاں برسائیں۔ مقصد انہیں ہلاک کرنا نہیں تھا۔ میں انہیں شدید زخمی کر کے تعاقب سے روکنا چاہتا تھا۔ اسی لیے میں نے گن کی نال نیچے رکھتے ہوئے ان کے جسموں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ نتیجے میں کرب ناک انسانی چیخوں سے فضا گونج اٹھی۔ ہماری ہائی روف نے پہلے ہی دشمنوں کو بڑی بے دردی سے روند ڈالا تھا۔ اس فائرنگ نے قیامت برپا کر دی۔ موٹے اور اس کے چاروں گن بردار ساتھیوں پر برا وقت آن پڑا۔ واٹر ٹینکر سے نمودار ہونے والوں نے انہیں کور دیا اور ہماری گاڑی کو نشانہ بنانے لگے۔ میں انہیں روکنے کی کوشش میں تھا تاہم مدِمقابل میں سے جو قدرے سنبھلے ہوئے تھے' وہ ہم پر فائرنگ کر رہے تھے پھر اس سے پہلے کہ شہزاد گاڑی کو واپسی کی راہ پر ڈالتا' ایک خوفناک دھماکے سے فضا لرز کر رہ گئی۔ اس کے ساتھ ہی فیصل کی تیز چیخ بھی سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر عقب میں دیکھا تو ایک دہشت ناک منظر سے سامنا ہوا۔

ہائی لکس آگ کا گولا بنی نظر آئی۔ شاید اس اندھا دھند فائرنگ کے نتیجے میں کوئی من چلی گولی اس کے فیول ٹینک سے جا لگی تھی یا ممکن ہے گاڑی کا کوئی اور حساس حصہ فائرنگ کی زد میں آ گیا ہو۔ ایسی ہی ایک شریر گولی نے فیصل کے کندھے پر بھی بوسہ دیا تھا۔ وہ اپنا بازو جھٹکتے ہوئے ہولے ہولے کراہنے لگا۔ افسوس کہ اس وقت وہ اپنے آزاد زخمی بازو کو تھامنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' تھامنے والا ہاتھ آہنی جکڑ میں تھا!

آتش و آہن کے اس خونیں منظر کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم کافی دور نکل آئے۔ اس لحاظی کارروائی کے دوران میں تین گاڑیاں ہمارے پیچھے خاصے فاصلے پر رک گئی تھیں اور خاصی ''شش و پنج'' میں تھیں لیکن ان لوگوں میں سے کسی نے کوئی مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ پرائی آگ میں کودنا کسے اچھا لگتا ہے!

شہزاد اس وقت رانگ سائیڈ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ میں نے دھیمے لہجے میں کہا ''گاڑی کو کسی سائیڈ اسٹریٹ میں موڑ لو اور راستہ بدل کر بنگلے پر پہنچنے کی کوشش کرو۔''

''وہ میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے بولا ''کون سا بنگلا؟''

''جہاں ہمیں مشن کی تکمیل کے بعد جانا تھا!''

اس کے بعد شہزاد نے کوئی سوال نہ کیا۔

فیصل کی دبی دبی کراہیں گاڑی میں ابھر رہی تھیں۔ میں نے اس کے زخمی کندھے کا جائزہ لیا۔ شریر گولی ٹرائی سیپ مسل میں گھسی بیٹھی تھی۔ ٹرائی سیپ کندھے کا بہت ہی اہم حصہ ہوتا ہے۔ اس کے عقب میں جوڑ کی ہڈی واقع ہوتی ہے۔ مجھے خدشہ تھا' گولی نے اس کے بازو کی ہڈی کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ شروع میں اس نے زخمی بازو کو ایک دو مرتبہ جھٹکا تھا لیکن اب وہ کسی تڑی کے مانند لٹکا ہوا تھا..... بے جان اور معطل سا!

میں نے نمک پاشی کرتے ہوئے کہا ''او مسٹر بلیک بیلٹ! تم تو بہت ہی بودے ثابت ہو رہے ہو۔ ایک ذرا سی چوٹ پر عورتوں کی طرح ٹسوے بہانے بیٹھ گئے!''

وہ کوئی جواب دینے کے بجائے ناپسندیدہ نظر سے مجھے گھورنے لگا۔

میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''تم اپنے انہی آدمیوں سے ہماری سفارش کرنے والے تھے نا۔ دیکھو لو' انہوں نے تمہیں گولی مار دی۔ اس دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے پیارے!''

میں اسے تنگ کرنے کے لیے چھیڑ چھاڑ سے کام لے رہا تھا۔ وہ میرے انداز کو سمجھ گیا اس لیے کسی قسم کی بحث و تکرار کے بجائے وہ نفرت آمیز اور انتقام انگیز نگاہ سے مجھے تکتا چلا گیا۔ اس کی بے بسی اور بے کسی پر مجھے ہنسی بھی آئی اور افسوس بھی ہوا۔ رکھاں والی کے مطلق العنان چوہدری نوازش کا فرزندِ ارجمند اپنی زندگی کے نازک ترین دور سے گزر رہا تھا۔ اور آگے چل کر ان حالات کی نزاکت میں مزید اضافہ ہونے والا تھا۔ چوہدری نے اپنی چالاکی نما حماقت سے بیٹے کو بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا۔

شہزاد گاڑی کو ڈیفنس فیز ٹو کی مختلف سڑکوں پر گھمانے کے بعد اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ اس اطمینان کے ساتھ کہ کسی دوست یا دشمن نے ہمارا تعاقب نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

رات کا ایک بجا تھا۔ میں اس وقت منہاس باقر کے ساتھ ایک کمرے میں بند نہایت ہی اہم امور پر بات کر رہا تھا۔ وہ پانچ منٹ پہلے حیدر آباد سے لوٹا تھا۔ میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں اسے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہ گہری سنجیدگی سے میری بات سننے کے بعد بولا۔

''چوہدری نے اپنی چالاکی دکھانے کے لیے جو رسک لیا

ہے اس کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے' اسے اپنے بیٹے فیصل سے وہ محبت نہیں جس کا وہ دعوے دار ہے!''

میں نے کہا'' منہاس صاحب! شاید آپ کا واسطہ نوازش علی جیسے چوہدریوں یا وڈیروں سے نہیں پڑا۔ یہ لوگ انتہائی سخت القلب اور سفاک ہوتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اتنی خطرناک بازی کھیلتے ہیں کہ اپنے پیاروں کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔''

''جیسا کہ چوہدری نوازش نے فیصل کے معاملے میں ثبوت دیا۔''

''میں اس چوہدری کے بچے کی زندگی خراب کردوں گا۔'' میں نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا'' یہ آخری دھوکا ہے جو میں نے اس سے کھایا ہے۔ میرا ردِعمل اسے بہت مہنگا پڑے گا۔''

منہاس نے کہا'' میں اسے تمہاری جزوی کامیابی ہی کہوں گا کہ تم نے فیصل کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دیا۔ جب تک وہ تمہارے قبضے میں ہے' تمہیں چوہدری پر برتری حاصل رہے گی۔''

ہم نے بنگلے پر پہنچتے ہی فیصل کو دوبارہ الٹی ہتھ کڑی پہنا دی تھی۔ اس موقع پر شہزاد نے اس کی اچھی خاصی مرمت بھی کر ڈالی۔ ازاں بعد ہم نے اسے ایک باتھ روم میں بند کردیا تھا۔ میں نے منہاس کو اس بارے میں بتا دیا تھا۔ فیصل کو مستقل طور پر اس بنگلے میں رکھنا مجھے مناسب نہیں لگ رہا تھا لہٰذا میں نے منہاس سے کہا۔

''جناب! یہ بنگلا آپ کی رہائش گاہ ہے۔ آپ یہاں اپنی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس بنگلے کو ہم اپنی کارروائیوں میں کسی حوالے سے استعمال کریں۔ میرے خیال میں فیصل کو کہیں اور منتقل کردینا چاہئے۔''

''تمہارا خیال بالکل درست ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا'' تمہارے دونوں دشمن چوہدری اور غوری یہ بات جانتے ہیں کہ میں تمہیں مکمل سپورٹ دے رہا ہوں۔ تم ان لوگوں کو فیصل کی جھلک دکھا کر غائب ہوگئے ہو۔ اس بات سے بحث نہیں کہ پارک سے مین اتھارٹی تک تعاقب کرنے والوں کا تعلق چوہدری نوازش سے تھا یا شعیب غوری سے یا پھر دونوں کے مشترکہ آدمیوں سے! ہر صورت میں وہ لوگ آپس میں دوست اور ہمارے دشمن ہیں۔ وہ لوگ اپنی ناکامیابی اور جھنجلاہٹ کو مٹانے کے لیے ادھر کا رخ کرسکتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں فوری طور پر سیکورٹی گارڈ کو الرٹ کردیتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی فیصل کے کسی مناسب بندوبست کے بارے میں بھی سوچتا ہوں۔''

میں نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا'' منہاس صاحب! ایک بات تو طے ہے' میری ساحل یہیں کراچی میں موجود ہے۔ میں اپنی کوششوں سے اس تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ اس وقت میری نگاہ میں دو ٹارگٹ ہیں۔ میں باری باری ان کا ہٹ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پوچھا'' کون سے ٹارگٹ؟''

''جے ڈی ملک.....اور.....غلام جیلانی!''

ان دونوں افراد کے بارے میں منہاس بھی میرے بارے ہی جانتا تھا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کے آثار پیدا ہوئے' گہری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا'' تمہارے دونوں ٹارگٹ نہایت ہی اہم ہیں۔ ایک کا تعلق شعیب غوری سے اور دوسرے کا چوہدری نوازش علی سے ہے۔ تم پہلے کس ہدف کو ہٹ کرنا چاہتے ہو؟''

میں نے جواب دینے سے پہلے اسے چوہدری کے ہونے والی آخری مختصر گفتگو کے بارے میں بتایا۔ پھر کہا'' چوہدری نے جے ڈی ملک کے ذکر پر جس حیرت کا اظہار کیا ہے' اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ شخص اس کے لیے بہت ہی اہم ہے۔ واثق توقع یہی ہے کہ جے ڈی ملک جنہم مکانی میاں زاہد حسین کی جگہ کام کررہا ہے۔'' اس نے سانس لینے کے لیے ذرا توقف کیا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں پہلے جے ڈی ملک کی گردن ناپنا چاہتا ہوں۔ دشمنی کے حوالے سے اس کا پہلا'' حق'' بنتا ہے۔ اگر چوہدری نوازش علی نے شعیب غوری سے ساحل کو واپس لینے کی اس بات کے قوی امکانات ہیں' وہ جے ڈی ملک کی حفاظت میں ہو۔ غلام جیلانی میرا سیکنڈ آپشن ہے!''

چند لمحات تک خاموش رہنے کے بعد منہاس نے مجھ سے استفسار کیا'' اس معرکہ آرائی سے واپس لوٹنے کے بعد تم نے چوہدری سے رابطہ کیا ہے؟''

''ابھی نہیں۔'' میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''پہلی فرصت میں اسے فون کرو اور اس کھلی بدعہدی پر اسے بے نقط سنا ڈالو۔ ممکن ہے کوئی نئی بات سامنے آجائے۔'' منہاس نے مشورہ دینے والے انداز میں کہا۔

دیر میں' میں فیصل کی منتقلی کے بارے میں کچھ سوچتا ہوں۔ پھر وہ اس کمرے میں رکھے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا'' تم اسے استعمال میں لاؤ۔ میں دوسرے فون سے کام چلا لوں گا۔''

پھر وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ دوسرا فون مذکورہ کمرے میں تھا۔ میں نے منہاس کے مشورے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے موضع رکھاں والی میں چوہدری نوازش کا نمبر ڈائل کیا۔ ڈائلنگ مکمل ہوئی تو پہلی ہی گھنٹی پر فون اٹینڈ کرلیا گیا۔ اس عجلت کے نتیجے میں لائن کٹ گئی۔ لگتا تھا' دوسری طرف کوئی فون کے ریسیور پر ہاتھ رکھے بیٹھا گھنٹی بجنے کا انتظار کررہا تھا۔

مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن دوبارہ ڈائلنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا لہٰذا میں نے اس کوشش کو دہرایا۔ اس مرتبہ دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا۔ پھر میری سماعت پر ایک بوکھلائی ہوئی آواز نے دستک دی۔ میں نے اس پریشان حال آواز کو پل جھپکتے میں پہچان لیا۔ وہ موٹی کھال والے چوہدری نوازش علی کی آواز تھی جس کی حالت اس وقت خاصی پتلی ہورہی تھی۔

اس کی بکھری ہوئی ''ہیلو'' کے جواب میں' میں نے زہریلے لہجے میں کہا'' چوہدری! خود کو سنبھالو۔ ابھی تو کھیل کی ابتدا ہوئی ہے۔ اگر تم اتنی جلدی ہانپنے لگے تو مقابلہ جاری کیسے رہ سکے گا؟ تم پہلے راؤنڈ میں ڈھے جاؤ گے جب کہ میں آخری راؤنڈ تک جانا چاہتا ہوں.....''

''تم اپنی ناپاک زبان کو بند کرو۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے دہاڑا'' بتاؤ میرا فیصل کہاں ہے؟''

''دردناک عذاب میں!'' میں نے پوری سفاکی سے کہا۔

''میں پوچھتا ہوں' تم نے اسے کہاں چھپایا ہے؟'' وہ عالمِ دہشت میں گرجا۔

میں نے مکمل لہجے میں کہا'' تم یہ سوال کرنے کا حق کھو چکے ہو۔ عہد شکن لوگ گردن جھکا کر ندامت کا اظہار کرتے ہیں' یوں چلا کر استفسار نہیں کرتے۔ لگتا ہے تمہارا دماغ چل گیا ہے!''

''میں تمہاری فضول بکواس نہیں سن سکتا۔'' وہ مجروح لہجے میں بولا'' مجھے فیصل کے بارے میں فوراً بتاؤ۔''

''تم اپنے بیٹے کو کھو چکے ہو چوہدری!..... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔'' میں نے چٹانی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا'' اب تم کبھی اس کی صورت نہیں دیکھ سکو گے۔ وہ زندہ رہے گا لیکن ہر لمحہ مرنے کی دعائیں مانگے گا۔ عہد شکنی کی بڑی سزا ہوتی ہے۔ چوہدری نوازش علی! تم نے اپنی ہوشیاری میں بیٹے کو ناقابلِ بیان مشکل میں ڈال دیا ہے۔''

''عہد شکنی تو تم نے بھی کی ہے!'' وہ زہرخند لہجے میں بولا'' ہمارے درمیان ہونے والے عہد کے مطابق ٹھیک سات بجے شام فیصل کو پارک کے اندر طے شدہ مقام پر ہونا چاہئے تھا!''

میں نے کہا'' وہ پارک کے اندر نہ سہی مگر پارک کے باہر ضرور موجود تھا اور یہ بات ثابت بھی ہوچکی ہے۔ تمہارے بندوں نے اسے مجھ سے چھیننے کی بھرپور کوشش کی لیکن میں نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی.....اور یہ بھی سن لو میں نے یہ احتیاط کیوں برتی تھی!''

''سناؤ'' وہ پھنکارا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا'' میں نے پارک میں داخل ہونے سے پہلے تمہیں فون کیا تھا۔ ابھی ہماری گفتگو جاری ہی تھی کہ تم نے فون بند کردیا۔ میں نے دوبارہ تمہارا نمبر ملایا مگر تم نے ریسیور ہٹا کر فون انگیج کردیا۔ تمہاری بدنیتی مجھ پر کھلی تو میں بدک گیا۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد میں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا'' جب تم نے فون کے ساتھ وہ گندی حرکت کی' اس وقت ہمارے درمیان ساحل پر بات ہورہی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ تم ساحل کو میرے حوالے نہیں کرنا چاہتے بلکہ تمہارے ذہن میں کوئی اور خطرناک پلاننگ ہے لہٰذا میں نے فیصلہ کرلیا کہ جب تک ساحل کو اپنی آنکھوں سے پارک میں دیکھ نہیں لوں گا' فیصل کو اندر لانے کی غلطی نہیں کروں گا۔ دیکھ لو چوہدری' میرا اندازہ کتنا درست نکلا؟ تم نے ساحل کو پارک میں پہنچانے کے سلسلے میں کوئی مثبت احکام نہیں دیے بلکہ فیصل کو مجھ سے چھیننے کے لیے تم نے پارک کے باہر اپنے خطرناک پالتو کتوں کا جال بچھا دیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

دوسری جانب گمبھیر خاموشی طاری ہوگئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی اور شخص سے کھسر پھسر کررہا ہو۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی سوال کرتا، اس نے جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔

''اگر تم مجھ پر بے اعتمادی ظاہر کررہے ہو تو میں کیسے یقین کرلوں کہ تم فیصل کو میرے بندوں کے حوالے کرنے کے لیے نیک نیت تھے۔ تمہارا جھوٹ تو اسی بات سے پکڑا جارہا ہے کہ تم نے پارک کے اندر جاکر ساحل کو چیک کرنے کی کوشش کی تھی۔ میری معلومات کے مطابق تم نے اس پارک کے اندر قدم بھی نہیں رکھا۔''

میں آج دوپہر کے بعد سے سہیل کے حلیے میں سرگرم عمل

تھا اسی لیے چوہدری کے آدمی مجھے پہچان نہیں پائے تھے۔ یہ ایک خوش کن خبر تھی البتہ گاڑی میں شہزاد کی بوکھلاہٹ نے فیصل پر میرا راز کھول دیا تھا۔ فی الحال یہ زیادہ تشویش کی بات نہیں تھی۔ فیصل جب تک ہماری تحویل میں تھا' گویا جیلے کی تبدیلی والا راز بھی میری مٹھی میں تھا۔

میں نے چوہدری کی بال پر ایک بھرپور شاٹ لگاتے ہوئے کہا'' تمہاری معلومات انتہائی ناقص اور فرسودہ ہیں چوہدری! لگتا ہے تمہارے نیٹ ورک میں کام کرنے والوں کے لیے عقل کا اندھا اور بصیرت سے پیدل ہونا شرط ہے!''

مجھے یقین تھا' وہ اس ''چوٹ'' پر بلبلا اٹھا ہوگا۔ میں نے حملہ جاری رکھتے ہوئے کہا'' اوئے اندھوں میں کانا راجا! میں تو پورا وقت پارک میں موجود رہا ہوں۔ کیا تمہارے آدمی اس سیکیورٹی گارڈ کو نظر انداز کر گئے جو پارک کے گارڈز کی مخصوص یونیفارم میں تھا اور بیش تر وقت کچھوے کے سر کے اریب قریب ٹہلتا رہا تھا۔ میں نے پارک کے ایک گارڈ کو اغوا کر کے اس کی جگہ لے لی تھی۔'' میرا اشارہ بنات خان کی طرف تھا اور چوہدری سے میں نے دانستہ یہ جھوٹ بالا تھا تاکہ وہ چکرا کر رہ جائے'' تم اپنے آدمیوں سے پوچھنا' وہ تمہیں مذکورہ سیکیورٹی گارڈ کے بارے میں تفصیلاً بتائیں گے۔ میں تمہیں چند اشارے دیتا ہوں۔ تمہارے دو بندے کچھوے کے سر کے قریب ٹہل رہے تھے جن میں سے ایک نے نیلی شلوار قمیص پہن رکھی تھی جب کہ دوسرا سیاہ پتلون اور گرے شرٹ میں ملبوس تھا۔ انہوں نے ضرور اس سیکیورٹی گارڈ کو دیکھا ہوگا جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔''

میرا یہ انکشافی بیان چوہدری کو چکرانے کے لیے کافی تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا'' اگر تم کسی سیکیورٹی گارڈ کے بہروپ میں پارک میں موجود تھے تو پھر فیصل کو کس طرح بچا لے گئے؟''

اس کا سوال اہم تھا تاہم میں اسے کوئی موقع دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے کہا'' تم وہاں لاہور کے ایک نواحی گاؤں رکھاں والی میں بیٹھے ہو اور یہاں کراچی میں تمہارے سب کام ہو رہے ہیں۔ کیا میں اتنا گیا گزرا ہوں کہ پارک میں رہوں اور پارک سے باہر میرے کام نہ ہوں؟''

وہ کسی بحث و تکرار میں پڑے بغیر مطلب کی بات پر آ گیا'' مجھے فیصل کی آواز سناؤ۔ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم سے بڑا احمق اس دنیا میں نہیں ہوگا۔'' میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا'' اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی کیا تم یہ سمجھتے ہو میں فیصل سے تمہاری بات کرا دوں گا؟ کیا میں نے ایک مرتبہ بھی ساحل کے بارے میں بات کی؟ جو لوگ کے بھجوے ہوتے ہیں' میں ان کے ساتھ بڑا ہی اچھا سلوک کرتا ہوں۔ جھوٹی آن بان اور شان والے زنخے میں تمہاری اصلیت کو نشر کر کے دم لوں گا۔ اے مرد تمہیں اندازہ نہیں وجدان کس طوفان کا نام ہے!''

میرے الفاظ میں ایک سنگین دھمکی پوشیدہ تھی۔ اس نے پوچھا'' تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا'' بچھ عرصے سے میں تمہارے پیچھے بھاگتا آیا ہوں۔ اب ر عمل شروع ہو گیا ہے۔ میں تم سے ساحل کے بارے سوال کروں گا اور نہ ہی مطالبہ۔ اسے اپنی حکمت عملی اور سے حاصل کر لوں گا۔ تم جیسے پشت دکھانے والے چوہدری سے کیا کلام کرنا لیکن.....'' میں نے دانستہ جملہ چھوڑ کر ذرا توقف کیا پھر اس کے کانوں کے کیڑے جھ ہوئے کہا'' آج کے بعد تم میری تلاش میں مارے پھرو گے کیوں کہ فیصل تک پہنچنے کے لیے تمہیں میری ضر ہوگی اور میں تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گا۔ اس کا ہ ہے' فیصل تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ تم اس کی ایک دیکھنے کے لیے رو رو کر جیتائی کھو دو گے اور میری وجہ سے پے نقصانات اٹھاتے رہو گے۔ میں تمہیں' تمہاری چو اور تمہارے نیٹ ورک کو تار تار کر دوں گا۔ یہ وجدان کا وعدہ ہے!''

''یہ مت بھولو کہ تمہاری ایک عزیز ترین ساتھی میری .....''

''اب اس بکواس کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔'' میں نے کی بات کاٹ کر کہا'' جو ایک بار دھوکا کرے' وہ بار بار بھی ہے۔ تم میری نظر میں دنیا کے گھٹیا اور ذلیل ترین انسان میں نے کہا نا ساحل کو حاصل کرنا میری ذمے داری اسے کہیں بھی چھپا لو' میں اسے پاتال سے بھی کھینچ لاؤں

ایک مرتبہ پھر مجھے محسوس ہوا' وہ اپنے پاس موجود سے مسکوٹ کر رہا ہو۔ میرے ذہن میں خدشہ پیدا ہوا وہ مجھے ٹریس کروانے کی مہم میں نہ لگا ہو۔ میں نے ہوئے لہجے میں کہا۔

''خواہ مخواہ اس تگ و دو میں وقت برباد نہ کرو۔ وقت کراچی کے ایک معروف پبلشر کے گھر سے ہوں اور فون رکھنے کے بعد یہاں سے نکل جاؤں گا۔ میں نے پہلے ہی ایک خفیہ مقام پر منتقل کر دیا ہے۔

باقر سے بھی کوئی رابطہ نہیں رکھوں گا۔ تم اس طرف کا رخ کر کے بھی کچھ حاصل نہیں کر سکو گے..... کچھ بھی نہیں!''

''وجدان! فون بند نہ کرنا۔'' وہ اضطراری لہجے میں بولا'' میں فیصل کے سلسلے میں تم سے.....''

''سلسلہ منقطع ہو چکا ہے چوہدری!''

''تم سنو تو.....'' وہ پھڑک اٹھا۔

''نو..... نیور..... ناٹ ایٹ آل!'' میں نے حتمی لہجے میں فیصلہ سنا دیا۔

وہ ہکلایا۔ جذبات کی شکست و ریخت میں الفاظ زبان کا اور زبان الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی'' تت..... تب..... تم.....''

''دش یو بیڈ لک فار یور!''

دوسری جانب وہ تو تلاتا ہی رہا۔ میں نے پوری سنگ دلی سے ریسیور کریڈل کر دیا۔

چوہدری جیسے زبان اور معاملات کے چوہے شخص سے مذاکرات کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں اس سے لاتعلق رہ کر اسے زیادہ نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اگر میں اس کے رابطے میں نہ رہتا اور اس کے نیٹ ورک کو مسلسل کچوکے لگاتا رہتا تو یہ اس کے لیے ناقابل برداشت اذیت ہوتی۔ وہ جھنجلاتا' کڑھتا اور رفتہ رفتہ نفسیاتی مریض بنتا چلا جاتا۔ اپنے دشمن کو یک مشت مارنے سے بہتر ہوتا ہے' اسے قسطوں میں ہلاک کرتے رہو۔ قطرہ قطرہ مل کر سمندر بن جاتا ہے۔ میں بھی چوہدری کو ہلکان کرنا چاہتا تھا حتیٰ کہ اس کی زبان نکل آتی اور وہ بے دم ہو کر منہ کے بل گرتا۔

تھوڑی دیر بعد منہاس باقر میرے پاس آ گیا اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے چوہدری سے ہونے والی اپنی گفتگو سے اسے آگاہ کیا تو وہ حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

''ویل ڈن!'' پھر اس نے پوچھا'' کیا تم واقعی اب چوہدری سے رابطہ نہیں کرو گے؟''

میں نے جواب دیا'' فی الحال تو یہی فیصلہ کیا ہے۔''

''میں تمہارے فیصلے کو سراہتا ہوں۔'' اس نے کہا'' بلی چوہے والا یہ کھیل زیادہ دل چسپ اور سنسنی خیز ہوگا لیکن ایک بات مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے!''

''کون سی بات؟'' میں نے استفسار کیا۔

''مجھ سے رابطہ بہ حال نہ رکھنے والی بات!'' اس نے کہا'' وہ تو میں نے چوہدری کو گم راہ کرنے کے لیے کہا تھا!''

''وہ تو پہلے ہی کچھ کم گم راہ ہے؟''

منہاس کی اس بات پر مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ ایک سنجیدہ طبع شخص تھا اور ہنسی مذاق کی بات بہت کم ہی اس کی زبان سے سننے میں آتی تھی لہٰذا میرا حیران ہونا فطری بات تھی۔ میں نے اس تبصرے پر محظوظ ہوتے ہوئے منہاس باقر سے پوچھا۔

''آپ نے کیا بندوبست کیا ہے فیصل کے سلسلے میں؟''

''بہت ہی جان دار انتظام کر کے آ رہا ہوں بھئی۔'' وہ اپنی مخصوص سنجیدگی سے بولا'' ہم چوہدری لمڈے کو ایسی جگہ شفٹ کریں گے جدھر بھولے بھٹکے سے بھی دشمنوں کا دھیان نہیں جا سکتا!''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا'' ایسی جگہ کون سی ہو سکتی ہے جناب؟''

''وہی بنگلا جہاں فیصل کو آج شام تک رکھا گیا تھا!''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب؟''

''تم کیوں الجھ رہے ہو؟''

منہاس باقر مختصر سا جملہ بول کر چند لمحات کے لیے خاموش ہو گیا۔ اس نے بالکل درست کہا تھا' بنگلے والی بات پر میں واقعی الجھ کر رہ گیا تھا۔ وہ بات ہی ایسی تھی۔ کچھ پوچھنے کے بجائے میں سوالیہ نظر سے اسے دیکھنے لگا تو وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''میں نے ابھی بختیار کامل سے بات کی ہے۔ اس نے مجھے رپورٹ دی ہے کہ پولیس نے اس نامکمل بنگلے پر پہنچ کر کارروائی مکمل کر لی ہے۔ تمہارے بیان کے مطابق وہاں تین لاشیں دو زخمی اور ایک شخص بے ہوش پڑا تھا لیکن پولیس نے وہاں سے پانچ لاشیں برآمد کی ہیں۔ بے ہوش شخص وہاں کہیں نہیں پایا گیا۔ اسی طرح بنگلے کے باہر بھی عقب میں وہ رینج روور دکھائی نہیں دی۔ صرف وہاں ''جی ٹو او'' ون ٹو فائیو کھڑی ملی ہے اور.....''

میں نے منہاس کی بات کاٹتے ہوئے ہیجانی لہجے میں کہا'' اس کا مطلب ہے' بے ہوش شخص کو خلافِ توقع قبل از وقت ہوش آ گیا تھا اور وہ باس نما دراز قامت اپنے دو شدید زخمی ساتھیوں کو شوٹ کرنے کے بعد رینج روور میں وہاں سے فرار ہو گیا ہے؟''

''ایگزیکٹلی!'' منہاس باقر نے کہا'' یہی بات قرین قیاس ہے۔''

میں نے کہا'' جناب! یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ اگر وہ دراز قامت بے ہوش شخص پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا تو ہماری پوزیشن زیادہ صاف رہتی۔ اب پتا نہیں پولیس والے ان پانچ لاشوں سے کیا مطلب اخذ کریں۔''

''ہماری پوزیشن اس صورت میں بھی بہت صاف ہے

وجدان!'' وہ پُراعتماد لہجے میں بولا ''میں نے بختیار کامل سے رپورٹ لینے کے بعد متعلقہ تھانے بھی فون کیا ہے۔ اس معاملے کی تفتیش کرنے والے پولیس آفیسر سے میری بات ہو چکی ہے۔ اس کا کہنا ہے دو مخالف مجرمانہ گروہ اس بنگلے میں ٹکرائے ہیں۔ ہم کسی بھی طور اس معاملے میں ملوث نہیں سمجھے جا رہے۔ بے ہوش شخص کے غائب ہونے سے اس لیے بھی فرق نہیں پڑتا کہ وہاں کی دیواریں اور چھت ہماری غیر متعلقی کی گواہی دے رہی ہیں۔ ان مقامات پر فائرنگ نے اپنے ان مٹ اور بین ثبوت چھوڑے ہیں اس لیے فکر کی کوئی بات نہیں۔''

''اوہ!'' میں نے ایک مطمئن سانس خارج کی ''یہ بہت اچھا ہوا!'' پھر میں نے پوچھا ''کیا پولیس نے اپنی کارروائی مکمل کرنے کے بعد بنگلا ہمارے تصرف میں دے دیا ہے؟''

''ان کا تو لمبا چوڑا پروگرام تھا۔'' منہاس باقر نے بتایا۔ ''لیکن میں نے اپنے تعلقات اور صحافتی حوالہ استعمال کیا۔ وہ لوگ کل فائنل وزٹ کریں گے۔ میرا خیال ہے دوپہر کے بعد ہمیں اس بنگلے کو اپنی مرضی سے استعمال کرنے کی اجازت مل جائے گی۔''

''اس کا مطلب ہے کل شام تک ہی فیصل کو وہاں شفٹ کیا جا سکتا ہے!''

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا ''لیکن اس مرتبہ وہاں زیادہ رش نہیں لگایا جائے گا۔ فیصل کے لیے کوئی ایک نگران کافی ہوگا۔ تم جلد از جلد اس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کر لو۔ بہرحال اسے زیادہ عرصے کے لیے اس طرح قید و بند میں نہیں رکھا جا سکتا۔ وہ تمہارا شکار ہے۔ اس کے مستقبل کا فیصلہ بھی تم ہی کرو گے!''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا ''میں دو چار روز میں اس کی قسمت کا فیصلہ کر لوں گا۔ ذرا میں جے ڈی ملک اور غلام جیلانی کی ''خیر و عافیت'' جان لوں۔''

''جتنی جلدی ممکن ہو سکے، فیصل والے معاملے کو نمٹا لو۔'' منہاس نے کہا ''تمہارے سر کرنے کے لیے ابھی بہت سے پہاڑ باقی ہیں۔''

''فیصل کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کے لیے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہی ضروری ہے۔'' میں نے کہا ''چوہدری نوازش نے مجھ سے جتنا بڑا دھوکا کیا ہے اس کا ایک خطرناک پس منظر ضرور ہے۔ میں اس پس منظر کو جاننا چاہتا ہوں۔ اگر ساحل کو میرے حوالے کیے بغیر فیصل کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی گئی ہے تو اس کا یہی مطلب ہے انہوں نے بہت کچھ سوچ رکھا ہے۔ بہت کچھ طے کر رکھا ہے۔''

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''چوہدری نوازش ہو یا شعیب غوری ان لوگوں کا نیٹ ورک بہت فعال ہے۔ اس نیٹ ورک کے کرتا دھرتا لوگوں سے کچھ بعید نہیں۔''

میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا ''منہاس صاحب! آپ کے دفتری استعمال والی گرین ہائی روف شام والے معرکے میں بڑی سرگرم رہی ہے۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں، چیزنگ میں تھوڑے وقفے کے لیے ایک پولیس موبائل شامل رہی ہے۔ ممکن ہے ہماری ہائی روف کا نمبر وغیرہ پولیس کے ریکارڈ پر آ چکا ہو۔ لہٰذا کچھ عرصے کے لیے اس گاڑی منظرِ عام پر نہیں آنا چاہیے۔ مجھے خدشہ ہے، کہیں پولیس والے بنگلے پر ہونے والی چاند ماری کو اس کار چیزنگ سے منسلک کر دیں۔'' میں ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اگر ایسا ہوا تو گرین ہائی روف ہمارے لیے مشکلات کھڑی کر سکتی ہے!''

''تمہاری بات میں وزن ہے لیکن یہ بھی تو سوچو، واقعی ہماری گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا گیا ہے تو اس نمبر کے ذریعے بھی ہمارا سراغ لگایا جا سکتا ہے بہرحال۔'' وہ چند سوچنے کے بعد بولا ''میں چند روز کے لیے گرین ہائی روف منظر سے ہٹا دوں گا۔ ویسے بھی اس میں خاصی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہے۔ اسے بھرپور آرام اور ماہرانہ مرمت کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی.....'' وہ گہری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''میں سہیل کو کچھ عرصے کے لیے چھٹی دے دیتا ہوں تاکہ تم اس کے روپ میں آزادانہ گھوم پھر سکو۔ اس پچھلے دنوں مجھ سے چھٹی کے لیے کہا بھی تھا۔''

پھر منہاس باقر نے بتایا کہ سہیل کا تعلق فیصل آباد سے تھا۔ اس کے والدین وہاں رہتے تھے البتہ فیملی کے بیشتر لوگ کراچی میں بھی سیٹل تھے۔ اس ہنگامی ملاقات کے اختتام پر میں نے کہا۔

''اس وقت فیصل آپ کے بنگلے کے ایک باتھ روم میں بند ہے۔ کیا کل دوپہر یا شام تک وہ یہیں رہے گا؟''

''مجبوری ہے!'' اس نے کندھے اچکائے ''نامکمل کی کلیئرنس کے بعد ہی اسے وہاں منتقل کیا جا سکتا ہے۔'' گمبھیر لہجے میں بولا ''فیصل والا معاملہ ابھی تک میری علم میں نہیں آیا۔ اگر گھر کے افراد میں سے کسی کو معلوم گھر میں ایک شخص کو پتہ کڑی لگا کر باتھ روم میں بند کیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ میں سوچ رہا ہوں.....''

وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

میں اس کی پریشانی کو بڑی وضاحت سے سمجھ گیا۔ فیصل کو بنگلے کے اندر قید رکھنے والا معاملہ واقعی بہت نازک تھا۔ منہاس نے میری دوستی میں کہہ تو دیا تھا کہ کل شام تک فیصل کو یہیں رکھیں گے لیکن تکنیکی طور پر یہ درست نہیں تھا۔

میں نے اس کی مشکل آسان کرنے کی خاطر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''منہاس صاحب! ایسا کرتے ہیں، فیصل کو کورنگی شفٹ کر دیتے ہیں۔ کل شام کو اسے بنگلے پر منتقل کر دیا جائے گا۔''

''کورنگی کیوں اور کس جگہ؟'' اس نے سوال کیا

میں نے بھٹائی کالونی کے آخری حصے میں واقع شہزاد کے خفیہ ٹھکانے کا ذکر کیا اور کہا ''ہم گزشتہ رات پوچھ گچھ کے لیے فواد کو وہیں لے گئے تھے۔ اس کے علاوہ شہزاد کے پاس سرجانی ٹاؤن میں بھی ایک ایسی ہی محفوظ جگہ ہے، بس ایک رات..... بلکہ آدھی رات اور آدھے دن کی بات ہے۔'' فواد والا واقعہ اس کے علم میں تھا۔

وہ معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''شہزاد خاصا چلتا پرزہ قسم کا بندہ ہے۔ میں نے اسی لیے اسے تمہارے ساتھ لگایا تھا۔'' وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوا پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا ''سرجانی ٹاؤن تو شہر کو دوسرا کنارہ ہے۔ اس وقت ہم ڈسٹرکٹ ساؤتھ کے اختتام پر بیٹھے ہے البتہ بھٹائی کالونی یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں۔ ادھر کا رخ کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ میں شہزاد سے بات کرتا ہوں۔''

پھر اگلے ہی لمحے اس نے شہزاد کو بھی وہیں بلا لیا۔ اور اس مسئلے پر تبادلہ خیال ہوا جس کے نتیجے میں بہی طے پایا کہ فیصل کو سردست بھٹائی کالونی والے ٹھکانے پر منتقل کر دیتے ہیں اور اس کی نگرانی کے لیے شہزاد خود وہاں موجود رہے گا۔ واضح رہے کہ اس وقت آج کل کی طرح بھٹائی کالونی میں اس قدر وسعت نہیں آئی تھی..... اور شہزاد کا وہ خفیہ ٹھکانا آبادی سے خاصے فاصلے پر سمندر کے نزدیک تھا۔

فیصل والا معاملہ طے پا گیا تو منہاس باقر نے مجھ سے پوچھا ''تم تو یہ رات یہیں گزارو گے نا؟''

اس وقت ہم دونوں کے سوا کمرے میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ شہزاد، فیصل کو تھوڑا کھلانے پلانے کی غرض سے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ فیصل کا بایاں کندھا شدید زخمی تھا۔ میرے اندازے کے مطابق گولی گوشت کے اندر تھی۔ گولی کو برآمد کرنے کے بعد مناسب ٹریٹمنٹ ضروری تھا ورنہ خطرناک نتائج کا سامنا ہو سکتا تھا۔ اس سلسلے میں بھی میں نے شہزاد کو خصوصی ہدایات دے دی تھیں۔ فیصل کی ''تیمارداری'' کے لیے جن چیزوں کی ضرورت پیش آ سکتی تھی، وہ میں نے اسے بتا دیں۔ وہ لاکھ دشمن سہی اور کروڑ دشمن کا بیٹا سہی لیکن جب تک وہ میری کسٹڈی میں تھا، انسان ہونے کے ناتے اس کی انتہائی ضروریات کا خیال رکھنا میرا فرض بنتا تھا۔

سوال کرنے کے بعد منہاس جواب طلب نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا ''میری تو یہ خواہش ہے میں طارق روڈ والے فلیٹ پر چلا جاؤں۔''

''میں تمہاری خواہش کے راستے میں دیوار نہیں بنوں گا۔'' وہ معتدل انداز میں بولا۔

''میں تو یہ بات اس لیے پوچھ رہا تھا کہ وہ بہت بے چین ہو رہی ہے۔ دو تین مرتبہ وہ تمہارے بارے میں مجھ سے استفسار کر چکی ہے۔''

''وہ کون؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''میں زرگل کی بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ!'' میں ایک طویل سانس خارج کر کے رہ گیا۔

زرگل آج شام منہاس باقر کی فیملی کے ساتھ ولیمہ کی تقریب میں شرکت کے لیے حیدر آباد گئی تھی اور جب سے یہ لوگ واپس آئے تھے میری اس سے ملاقات نہیں ہو سکی زرگل کی بے قراری بے جا اور بے محل تھی۔ وہ میری مہم کے بارے میں جاننے کے لیے بھی مضطرب ہوگی۔

منہاس نے مزید کہا ''اگر آپ لوگ یہاں رکنا چاہتے ہوں تو میں آپ دونوں کے لیے شب بسری کا الگ بندوبست کرواتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے، ہمارا فلیٹ پر جانا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

''لیکن جب تک میں فیصل کو بھٹائی کالونی والے ٹھکانے پر چھوڑ نہیں آتا، زرگل یہیں رہے گی۔ واپسی میں، میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

منہاس باقر نے میری بات سے اتفاق کیا پھر ضروری امور نمٹانے کے لیے ہم اپنی اپنی جگہ پر مصروف ہو گئے۔

گرین ہائی روف کو فی الحال باہر نکالنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لائٹ گرین ہونڈا سوک ہم نامکمل بنگلے پر چھوڑ آئے تھے البتہ معلوم کرنے پر مجھے پتا چلا کہ یہ بلو ہنڈائی یہیں بنگلے پر موجود تھی۔ فیصل کی منتقلی کے لیے ٹیکسی نما اس گاڑی کو استعمال کرنا زیادہ مناسب اور محفوظ تھا۔

ٹھیک دو بجے رات..... ہم منہاس باقر کے بنگلے سے روانہ ہوئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شہزاد موجود تھا۔ میں فیصل

کے ساتھ عقبی نشست پر بیٹھا تھا۔ فیصل کو کنٹرول کرنے کے لیے نیند کا انجکشن دے دیا گیا تھا۔ اس سے قبل اسے تھوڑا کھلا پلا بھی دیا۔ ہم نے بھی چند لقمے ڈنر کے نام پر اپنے معدوں میں اتار لیے تھے۔ فیصل کی آنکھوں پر پٹی باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ وہ آنکھیں موندے خاموش بیٹھا تھا۔ میں نے اس کی گردن کو نشست کی پشت گاہ سے ٹکانے کے بعد اس کے کندھے پر اپنا بازو چڑھا دیا تاکہ دور سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہو کہ ہم بے تکلفی سے بیٹھے ہیں۔ کسی ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لیے شہزاد نے ایک لوڈڈ کلاشنکوف اور ایک پستول بھی ساتھ رکھ لیا تھا۔ ازیں علاوہ ہلکی سرجری اور مرہم پٹی کا ضروری سامان بھی ہم ساتھ لے آئے۔ فیصل کے کندھے میں سے گولی نکالنا بے حد ضروری تھا۔

ہیلو ہنڈائی نے بھی کیا قسمت پائی تھی۔ وہ جب سے میرے تصرف میں آئی' اس کے ''نصیب'' کھل گئے۔ پہلے ہم نے اسے استعمال کرتے ہوئے کرم اپارٹمنٹس میں فواد والا معاملہ نمٹایا۔ بعد ازاں اسی گاڑی میں فواد کو بھٹائی کالونی والے ٹھکانے پر لے جایا گیا اور اب..... فیصل بھی اس پیلی سواری کی مسافرت کا لطف اٹھا رہا تھا۔

اس سفر کے دوران میں میرا ذہن برق رفتاری سے ساحل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں امید کر رہا تھا کہ آج کی رات ہم دونوں ایک ہی چھت کے نیچے گزاریں گے۔ گزشتہ چند روز ہم نے جس کرب ناک ہجر میں گزارے تھے وہ کئی صدیوں پر بھاری تھے۔ جدائی میں بیتے ہوئے ایک ایک لمحے کو میں شمار کرنا چاہتا تھا' وصل کی گھڑیوں میں یک ٹک میں ساحل کا دیدار کرنا چاہتا تھا لیکن سب کچھ ملیا میٹ ہوگیا..... چوہدری کی دغابازی نے میری امید اور آس پر پانی پھیر دیا۔ یہ ایک ایسی شکست تھی جس کا داغ میں چوہدری کے خون سے دھونا چاہتا تھا' چاہے وہ خون فیصل کی ہی شکل میں کیوں نہ ہو۔ چوہدری نوازش علی نے یہ شکست بیٹے کو داؤ پر لگا کر میرے حصے میں ڈالی تھی' گویا فیصل کی بھینٹ چڑھا کر اس نے مجھے توڑنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ دنیا میں ایسے باپ بھی ہوتے ہیں جو اپنی اولاد کو فیصل کی طرح داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ یہ ایک کھلی حقیقت تھی اور آنکھوں دیکھے اس المیے کو جھٹلانا ممکن نہیں تھا۔

ہم کسی بدمزگی کے بغیر شہزاد کے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔

یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ گزشتہ رات بھی دو بجے کے بعد ہی ہم یہاں آئے تھے۔ فواد نے اس ٹھکانے پر نہایت اہم راز اگلے تھے۔ ایسٹ کے باس سراج الدین اور غلام [illegible] کا تعلق میرے لیے بہت معلومات افزا تھا' پھر شازلین [illegible] ایک دلچسپ اور سنسنی خیز کردار ثابت ہونے والی تھی۔

ایک سو بیس گز رقبے پر مشتمل شہزاد کے اس ٹھکانے پر صرف ایک ہی کمرا بنا ہوا تھا جس میں ایک سنگل بیڈ' کرسیاں اور ایک میز رکھی تھی۔ بیڈ کے نیچے ایک پرانا سا [illegible] صندوق بھی موجود تھا۔ اس صندوق کو دیکھ کر میں نے اندازہ قائم کیا تھا کہ اس کے اندر ٹارچر کا سامان ہوگا۔ گزشتہ رات اس صندوق کو کھولنے کی نوبت نہیں آئی تھی مگر آج سب سے پہلے شہزاد نے اسی صندوق کو کھولا۔

صندوق کسی پنڈورا بکس سے کم نہیں تھا۔ شہزاد نے اس کے اندر سے ایک طویل آہنی زنجیر برآمد کی اور فیصل پر فٹ آہنی پابندیاں عائد کرنے کے لیے مختلف کارروائیوں میں مصروف ہوگیا۔ اس خفیہ ٹھکانے پر پہنچتے ہی ہم نے فیصل کو پرلٹا دیا تھا۔ وہ نیم بے ہوش تھا۔ چند لمحات کے بعد فیصل کو [illegible] بندشوں سے آراستہ کرنے کے بعد اس بیڈ تک محدود کر دیا گیا پھر میں اس کے زخمی کندھے کا بہ غور جائزہ لینے لگا۔

فرسٹ ایڈ اور مائنر سرجری کا سامان ہم بنگلے سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس بات کی تصدیق ہونے کے بعد کہ گولی فیصل کے جسم میں موجود ہے' شہزاد کی تشویش میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

''وجدان! گولی نکالنے سے پہلے اسے نیند کا ایک اور انجکشن نہ دے دیں؟'' وہ فیصل کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا ''سرجری کے دوران اسے بے پناہ تکلیف ہوگی' اس کی نیند ٹوٹ جانا لازمی ہے۔ پھر یہ جس طرح ڈکرائے گا وہ ہمارے لیے خطرناک بھی ثابت ہوسکتا ہے!''

میں نے فرسٹ ایڈ کٹ کھول کر اس کے اندر نگاہ دوڑائی پھر مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا ''مزید کسی انجکشن کی ضرورت نہیں۔ اسے بہت زیادہ گہری نیند میں پہنچانا خطرناک ہوگا۔ اس کی تکلیف کا بندوبست میں لوکل سے کرلوں گا۔''

''لوکل؟'' شہزاد نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا ''لگتا ہے میڈیکل کے بارے میں تمہاری معلومات زیادہ نہیں ہے!'' پھر میں نے اسے زائلوکین انجکشن کی وائل دکھاتے ہوئے کہا ''اس شیشی میں گوشت کو سُن کرنے کی دوا ہے۔ میں فیصل کے کندھے کے متاثرہ حصے کو اس انجکشن کی مدد سے سُن کردوں گا یعنی لوکل کردوں گا' پھر سرجری کے دوران اسے تکلیف کا احساس نہیں ہوگا۔''

''اوہ!'' اس نے ایک متاسفانہ سانس خارج کی ''تم تو ایک مستند ڈاکٹر کی طرح مجھے اس عمل کے بارے میں بتا رہے ہو۔ کیا تم میڈیکل کے اسٹوڈنٹ بھی رہ چکے ہو؟''

''باقاعدہ نہیں بلکہ بے قاعدہ!''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا۔

میں اس گفتگو کے دوران میں اپنا کام بھی جاری رکھے ہوئے تھا۔ شہزاد کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ''میں نے باقاعدہ کسی میڈیکل انسٹیٹیوٹ سے یہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن میرے حلقہ احباب میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی ڈاکٹر ضرور رہا ہے۔ ان لوگوں کی صحبت نے مجھے بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع دیا ہے۔''

اس نے اچانک پوچھا ''ان دنوں تم کس ڈاکٹر سے وابستہ ہو؟''

''ڈاکٹر صدف!'' بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا۔

وہ حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ''صدف..... میں نے تو اس نام کی کوئی لڑکی تمہارے آس پاس نہیں دیکھی!''

میں نے اسے صدف کے بارے میں کچھ تفصیل بتائی پھر فیصل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ''یہ شخص صدف ہی کی مہربانی سے میرے ہتھے چڑھا ہے۔''

اس کے بعد میں نے شہزاد کو صدف کے عسکری فن کے بارے میں بھی بتا دیا۔ وہ حیرت اور دلچسپی سے میری بات سنتا رہا پھر جوشیلے لہجے میں بولا ''میرے اندر صدف سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوگیا ہے۔''

''انسان کے اندر اگر کسی شے کا شوق پیدا ہوجائے تو پھر وہ جلد یا بدیر اپنے مقصد کو حاصل بھی کرلیتا ہے۔'' میں نے اپنے ہاتھوں کو مصروف رکھتے ہوئے کہا ''انشاء اللہ بہت جلد تم صدف سے ملاقات کروگے۔''

یہ بات میں نے بے دھیانی میں ایسے ہی کہہ دی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا' مستقبل میں' میں صدف سے کب اور کہاں ملوں گا۔ صدف کے تذکرے نے میرے ذہن میں اس کے خیال کو اجاگر کردیا۔ وہ ایسی لڑکی نہیں تھی جو کسی جھونکے کی طرح آئے اور گزر جائے۔ وہ بڑی جاگزیں اور تاثر انگیز شخصیت کی مالک تھی۔ ذہن میں اس کا تصور روشن ہوا تو پھر اس کی باتیں اور گھاتیں یاد آنے لگیں۔ اگر وہ اس موقع پر یہاں موجود ہوتی تو مجھے کسی ماہر سرجن کی طرح کام کرتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتی' پھر میرے لیے جواب دہی مشکل ہوجاتی کہ میں نے فن یہ کہاں سے حاصل کیا ہے! وہ شہزاد کی طرح آسانی سے مطمئن نہ ہوتی۔ اس کی تسلی کے لیے مجھے خاصی کرتب بازی کا مظاہرہ کرنا پڑتا۔ جمناسٹک کی کرتب بازیوں نے اس کے دماغ کو الٹا سیدھا کردیا تھا۔ اسے قائل کرتے ہوئے ذہن کی چولیں ہل جاتیں!

بیس منٹ کی حساس کوشش کے بعد میں نے فیصل کے زخمی کندھے کی سرجری کر ڈالی۔ اندر دھنسی گولی کو میں نے بڑی احتیاط سے باہر نکال لیا۔ ابتدائی معائنے سے مجھے اندازہ ہوگیا' جوڑ کی ہڈی کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا۔ زخم کو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد میں نے اسپرے لگائے اور ڈریسنگ کردی۔ اس کام سے فارغ ہوکر میں نے فیصل کو ایک پین کلر انجکشن بھی دے دیا۔ تاکہ ہوش میں آنے کے بعد وہ بہت زیادہ تکلیف محسوس نہ کرے۔

''اب میں چلوں گا شہزاد!'' میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

''تم بے فکر ہوکر جاؤ۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔'' اس نے پراعتماد لہجے میں کہا ''کل دوپہر سے پہلے اس طرف چکر لگا لینا۔ یہاں فون کی سہولت میسر نہیں اور میں فیصل کو تنہا چھوڑ کر باہر سے کال کرنے کا رسک نہیں لے سکتا۔''

میں نے کہا ''میں ہیلو ہنڈائی اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔ کل صبح تم سے ملاقات ہوگی۔ اس ٹھکانے کے بارے میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا لہٰذا مجھے ہی تمہارے پاس آنا ہوگا۔ یہ رات تم جیسے تیسے اس ''مریض'' کے ساتھ یہاں گزار لو۔''

وہ مجھے گاڑی تک چھوڑنے آیا۔ میں نے لوڈڈ کلاشن کوف اس کے حوالے کردی اور کہا ''مجھ سے زیادہ تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی۔''

اس نے زیرلب مسکراتے ہوئے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا پھر میں اس ٹھکانے سے رخصت ہوگیا۔ شہزاد پچھلے کچھ دنوں سے میرے تجربے میں تھا اور میں نے اسے قابل بھروسا پایا تھا لہٰذا فیصل کے سلسلے میں اس پر اعتماد کرنا قباحت آمیز نہیں تھا۔

لگ بھگ تین بجے میں منہاس باقر کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ اس کے سوا گھر کے باقی افراد سو چکے تھے۔ میں نے اسے فیصل کے تازہ ترین حالات کے بارے میں تفصیلاً آگاہ کیا تو وہ مجھے ایک الگ تھلگ کمرے میں لے آیا اور بولا ''تمہاری ساتھی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ وہ مجھ سے تمہارے بارے میں کئی مرتبہ پوچھ چکی ہے۔ کہو تو اسے یہاں بلا لوں تمہیں دیکھ کر اس کی تسلی ہوجائے گی!''

میں نے کہا ''کیا آپ نے زرگل کو میرے بدلے ہوئے حلیے کے بارے میں بتا دیا ہے؟''

''اوہ!'' وہ چونکا ''اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا۔ تم تو اس وقت سہیل کے میک اپ میں ہو۔ وہ تمہیں دیکھ کر حیران رہ جائے گی۔ کیا تم میک اپ صاف کرنے کے بعد اس کے سامنے آنا چاہتے ہو؟''

میں نے نفی میں گردن ہلائی اور کہا ''میں فی الحال حلیہ تبدیل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اس میک اپ میں رہتے ہوئے مجھے موو کرنے میں زیادہ مزہ آئے گا۔ آپ اور سہیل کے سوا کوئی اس راز سے واقف نہیں کہ سہیل کے بہروپ میں وجدان چھپا بیٹھا ہے..... یا پھر فیصل پر یہ راز عیاں ہو چکا ہے۔ وہ جب تک ہماری کسٹڈی میں ہے' فکر کی کوئی بات نہیں بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ ابھی تو میں نے آپ کے میک اپ ماسٹر سیم جوہر سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔'' میں ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''آپ زرگل کو یہاں لے آئیں' دیکھتے ہیں' وہ کیا ردعمل ظاہر کرتی ہے!''

چند لمحات کے بعد زرگل میری نظر کے سامنے آ گئی۔ منہاس اسے مجھ سے ملوانے کا کہہ کر لایا ہوگا جبھی وہ الجھن زدہ انداز میں کبھی مجھے اور کبھی منہاس باقر کو تک رہی تھی۔ میں نے اس کے استعجاب کو ختم کرنے کی خاطر کہا۔

''بیٹھ جاؤ زرگل! یہ میں ہی ہوں..... وجدان!''

آواز کی مانوسیت سے اس کا چہرہ کھل اٹھا' تحیر آمیز آواز میں اس نے کہا ''یہ..... یہ تم نے اپنے حلیے کے ساتھ کیا کیا ہے؟''

''جو بھی کیا ہے' کیسا ہے؟'' میں نے استفسار کیا ''تفصیل تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔''

''ونڈرفل!'' اس نے میرے سوال کے جواب میں کہا ''اگر تم آواز بدل کر بولتے تو یقین جانو میں تمہیں پہچان نہ پاتی۔''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''دشمنوں کو دھوکا دینے کے لیے ایسے حربے آزمانا پڑتے ہیں۔ اب میں دوسروں کے لیے سہیل ہوں مگر اپنوں کے لیے وجدان ہی ہوں۔ تم اس فرق کو ذہن میں نقش کر لو۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''دشمنوں کے ذکر پر یاد آیا کہ تم آج شام چوہدری نوازش علی سے ایک بہت بڑی ڈیل کرنے والے تھے۔ اس کا کیا بنا؟''

میں نے کہا ''اس کے بارے میں' میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا۔''

وہ باز نہ آئی اور پوچھ بیٹھی ''تمہارے لہجے سے جو شکستگی جھلک رہی ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے' سا... معاملہ گڑبڑ ہو گیا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

زرگل نے میرے چہرے کو بڑے واضح انداز میں پ... لیا تھا۔ ساحل کا قصہ اب اس سے ڈھکا چھپا نہیں رہا تھا... باتیں میں نے اسے بتائی تھیں اور بہت سی اس نے حالا... واقعات سے اخذ کر لی تھیں۔ زرگل کا شمار میرے قر... ساتھیوں میں ہونے لگا تھا لہٰذا اسے کوئی چکر دینا مناس... نہیں تھا۔

میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''تم... اندازہ بالکل درست ہے!''

اس سے پہلے کہ زرگل اس سلسلے میں مزید کوئی ... کرتی' منہاس باقر نے کہا ''وجدان' اگر تم نے جانے کا ... کر ہی لیا ہے تو پھر دیر نہ کرو۔ رات کا بہت کم حصہ باقی ... ہے' تمہیں سونا بھی ہوگا!''

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا ''ییلو ہنڈائی کے علاوہ ... کوئی گاڑی مل جائے تو زیادہ اچھا ہوگا۔'' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا ''اور ہاں..... کل آپ مجھے ایک نئی گاڑی دلوائیں گے!''

''میں تمہارا مقصد سمجھ رہا ہوں۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا ''تم میرے ذاتی استعمال والی سفید شیورلے لے جاؤ۔ میں ییلو ہنڈائی میں دفتر چلا جاؤں گا۔''

منہاس باقر علی الصباح اپنے اخبار کے دفتر جاتا ہے... تھوڑی دیر بعد ہم اس کے بنگلے سے رخصت ہو کر طارق روڈ والے فلیٹ کی جانب روانہ ہو گئے۔ راستے بھر زرگل ولیمے کی تقریب کے بارے میں بتاتی رہی۔ وہ ابھی تک ڈریس ہی میں تھی اور ہلکی پھلکی جیولری کے ساتھ وہ کسی دیس کی مخلوق نظر آ رہی تھی۔ اس کے حسن اور جوانی میں کلام نہیں تھا۔ سلیقے کے بناؤ سنگار نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ صحیح معنوں میں اس پر نظر نہیں ٹک رہی تھی۔ اگر موقع ہوتا تو اس کے ساتھ بھرپور دل لگی کی جا سکتی تھی لیکن وقت میرا دل بہت بوجھل تھا اس لیے ''ہوں' ہاں'' کرتا گیا۔

اس نے جلد ہی میری کیفیت کو بھانپ لیا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولی ''سوری وجدان! میں پتا نہیں کہاں کا ذکر لے بیٹھی۔ مجھے تمہارا خیال کرنا چاہیے۔''

آخری جملہ اس نے بڑی محبت اور خلوص سے ادا کیا تھا۔ میں خاموش رہا تو وہ شام والے واقعے کے بارے میں کریدنے لگی۔ میں نے نہایت ہی مختصر اور محتاط الفاظ میں اسے روداد سنا دی۔ یہ حقیقت جاننے کے بعد وہ خاصی افسردہ ہو گئی۔

باقی کا سفر خاموشی میں طے ہوا۔ میں کچھ بولا اور نہ ہی زرگل نے کوئی بات کی۔ گاڑی کے اندر مضمحل سکوت طاری رہا۔ اس جذبات شکن فضا میں سفر کرتے ہوئے ہم فلیٹ پر پہنچ گئے۔ جب ہم نے فلیٹ کے اندر قدم رکھا تو رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔

آج کا پورا دن ہنگامہ خیز گزرا تھا اور ایک لمحے کو بھی آرام نہیں ملا تھا۔ میدان عمل میں آگے بڑھنے کے لیے تھوڑا آرام ناگزیر تھا۔ لباس تبدیل کیے بغیر میں نے زرگل سے کہا۔

''مجھے شدید نیند آ رہی ہے۔ تم بھی سونے کی کوشش کرو۔ باقی باتیں صبح ہوں گی۔''

''اگر تم فریش اپ ہو جاتے تو اچھا تھا!'' وہ یک ٹک مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

زرگل نے یہ جملہ بڑی اپنائیت سے ادا کیا تھا۔ میں پلٹ کر سنجیدگی سے اسے تکنے لگا۔ وہ بھی اس وقت براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ زیادہ دیر تک مجھ سے نگاہ نہ ملا سکی اور متذبذب لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''کل رات تم نے مجھے سلایا تھا۔ آج یہ فریضہ میں ادا کروں گی۔''

پھر میرا جواب سنے بغیر وہ دوسرے بیڈ روم میں چلی گئی۔ مجھے اس کی اس ادا پر حیرت ہوئی گزشتہ رات وہ بڑی ڈری سہمی تھی لیکن آج خاصے اعتماد کا مظاہرہ کرتی نظر آ رہی تھی۔ میں چپ چاپ واش روم میں گھس گیا۔ مجھے یقین تھا' وہ بھی اس وقت دوسرے بیڈ روم میں فریش ہو رہی تھی!

پندرہ منٹ بعد میں جب لباس تبدیل کر کے اور تر و تازہ ہو کر بیڈ روم میں نمودار ہوا تو زرگل پہلے سے وہاں موجود تھی۔ اس کے شہابی بدن پر مجھے گلابی نائٹی نظر آئی۔ آج دوپہر میں' میں نے طارق روڈ سے اسے بھرپور شاپنگ کرائی تھی' یہ نائٹی اسی شاپنگ کا ایک حصہ تھی۔

زرگل ایک دراز قامت اور گوری چٹی پشتون دوشیزہ تھی۔ گلابی رنگ اس کے حسن میں چار چاند لگا دیتا تھا۔ لاہور میں فرید پاشا کے بنگلے پر جب اس نے نائلہ کا گلابی لباس زیب تن کیا تھا تو میں اس کے حسن سے نظر چرا کر زیریں منزل پر اتر آیا تھا۔ اس وقت بھی گلابی نائٹی میں وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔ گزشتہ رات والا ڈر' خوف اور اندیشہ ہائے دور دراز کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لگتا تھا جیسے اس کی جون بدل گئی ہو۔

وہ بیڈ کے ایک کنارے پر بیٹھی تھی۔ مجھ پر نگاہ پڑی تو اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے معنی خیز نظر سے اسے دیکھا۔ اس کے لبوں پر بڑی شیریں مسکراہٹ کھیل رہی تھی' آنکھوں میں ان گنت طلسماتی کہانیوں کا نشہ تھا۔ میں زیادہ دیر اس سے نگاہ نہ ملا سکا اور اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے متلاطم لہجے میں پوچھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''کوکونٹ آئل ہے۔'' وہ دل آویز انداز میں بولی پھر ہاتھ میں موجود نیلے رنگ کی ایک چھوٹی بوتل کو مجھے دکھاتے ہوئے کہا ''یہ واش روم کے کیبنٹ میں رکھی تھی۔ میں اٹھا لائی ہوں۔''

میں نے اچنبھک انداز میں اسے دیکھا۔ رات کے آخری پہر زرگل مجھے کسی معمے سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ شاید یہ اس کا رعب حسن تھا جو میری قوت مشاہدہ کو مفلوج کر رہا تھا۔ میں جو کچھ دیکھ رہا تھا' اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا اور جو کچھ سمجھ میں آ رہا تھا اسے بیان کرنا آسان نہیں تھا۔ میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھا کہ زرگل نائٹی میں جھلک رہی تھی یا وہ نائٹی اس گل بدن پر چھلک رہی تھی۔

میں نے اس کے ملکوتی سراپا سے توجہ ہٹانے کے لیے سر کو جھٹکا اور قدرے مضبوط لہجے میں پوچھا ''کیبنٹ میں رکھی تھی تو رکھی رہنے دیتیں' یہاں کیوں اٹھا لائی ہو؟''

زرگل بڑے دل کش انداز میں ہنسی۔ اس کی ہنسی میں بڑی معصومیت تھی۔ پھر اس کی سریلی آواز میری سماعت میں رس گھولنے لگی ''وجدان! تمہاری طرح مجھے کوکی تنویمی عمل تو آتا نہیں۔ میں اس آئل سے تمہارے سر میں مساج کروں گی۔ دیکھنا تم کتنی جلدی نیند کی حسین وادی میں اتر جاؤ گے۔''

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' میں سبک خرامی سے بیڈ پر آ گیا ''تم نے میرے سلوک کو قرض سمجھا ہے..... اور اس قرض کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر واپس لوٹانا چاہتی ہو۔ اس کا مطلب ہے' میں نے جو کچھ سنا تھا' ٹھیک ہی سنا تھا!''

وہ بستر پر بیٹھے ہوئے بولی ''تم نے کیا سنا تھا؟''

''یہی کہ تم لوگ قرض کی وصولی اور ادائی میں بہت اصول پابند ہوتے ہو!''

''کیا یہ کوئی غلط بات ہے؟'' اس نے الٹا مجھ سے سوال

کر ڈالا۔

میں نے رواروی میں کہہ دیا ''نہیں ایسا کچھ غلط بھی نہیں ہے۔''

''وجدان!'' وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولی'' میرے اس فعل میں روایتی اصول اور ضابطے کا کوئی دخل نہیں۔ یہ نہ کوئی بدلہ ہے اور نہ ہی کوئی قرض۔ میں تمہاری حالت اور کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں' تم ایک بھرپور اور سکون آور نیند لو۔ کوکونٹ آئل کا مساج تمہیں گہری نیند میں اتار دے گا۔ بس اتنی سی بات ہے!''

''یہ جتنی سی بھی بات ہے' بڑی اچھی بات ہے!'' میں نے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں'' تم کوکونٹ آئل کو میرے سر میں اتارو' میں نیند کی وادی میں اترنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

آنکھیں بند کرتے ہی میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی..... میں نہایت ہی پرسکون' میٹھی اور گہری نیند سوؤں گا اور ٹھیک ایک گھنٹے بعد میری آنکھ ہشاش بشاش کھل جائے گی۔ ایک گھنٹے کی یہ نیند میری ذہنی اور بدنی تھکاوٹ کو زائل کر دے گی.....!

میری یہ ہدایت ختم ہوئی تو مجھے اپنے سر میں نغمگی سی اترتی محسوس ہوئی۔ زرگل کی مخروطی موی انگلیوں کا ترنم بڑے دھیمے اور رومانی انداز میں آئل کے ساتھ چھیڑ خانی میں مصروف تھا۔ اس کی انگلیوں کی چلبلی جنبشوں میں ایک جادو سا تھا۔ یوں لگتا تھا' وہ میرے سر میں مساج نہ کر رہی ہو بلکہ کوئی سحر پھونک رہی ہو۔

اس جادوگرنی کی یہ سحر کاری جاری رہی اور پتا نہیں' میں کب نیند کی گداز آغوش میں جا چھپا۔ میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ میری ہدایت کے اثرات تھے یا زرگل کی کیف آور کوشش کے ثمرات! حسن کی فسوں گری' عقل کی چارہ گری پر ہمیشہ حاوی رہی ہے۔

☆☆☆

ٹھیک پانچ بجے صبح میری آنکھ کھل گئی۔

کمرے کی لائٹ آن تھی۔ پلک جھپکتے میں مجھے کسی خوش گوار تبدیلی کا احساس ہوا۔ ایک گھنٹا پہلے میں تکیے پر سر رکھ کر سویا تھا لیکن اب میرا سر زرگل کے زانو پر ٹکا ہوا تھا۔ میری قوت لامسہ نے گداز کی اس تفریق کو محسوس کیا تو میرے رگ و پے میں بجلی سی کوند گئی۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

زرگل نے میری نیند کے دوران میں تکیے کو اپنی تھائی سے بدل لیا تھا۔ وہ میرے پہلو میں اس طرح نیم دراز تھی کہ اس کی ایک ٹانگ دراز اور دوسری فولڈ تھی۔ اس نے تکیہ کو کمر کے نیچے بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ اس نیم درازی کی حالت میں اس کی آنکھیں بند تھیں۔

میں جب یک لخت اٹھ کر بیٹھا تو میں نے واضح طور پر محسوس کیا' زرگل کو میری بیداری کا پتا چل گیا تھا لیکن وہ آنکھیں موندے یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے گہری نیند میں ہو۔ میں چند لمحات تک یک ٹک اس ''خوابیدہ'' مرقع حسن کو دیکھتا رہا اور بے ساختہ مسکرا اٹھا۔ میری اس مسکراہٹ میں حیرت اور استعجاب نہیں بلکہ ایک ناقابل بیان سی معنی آفرینی تھی' زرگل کے اس انداز میں بڑی سنگینی تھی۔ میں فیصلہ نہ کر پایا' وہ زرگل تھی یا گل تھی یا گل کا زر!

میں نے ایک بھرپور نگاہ اس کے مجسم سراپا پر ڈالی اور بستر چھوڑ دیا۔ دس منٹ بعد میں اپنی ابتدائی ضروریات سے نمٹ کر فارغ ہو گیا۔ پھر میں نے سڑک کی جانب کھلنے والی کھڑکی وا کر دی ان دنوں موسم خاصا گلابی ہو رہا تھا۔ خنک ہوا نے میرے چہرے پر بوسہ دیا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے چند گہری اور متوازن سانسیں لیں پھر قالین پوش فرش پر آسن جما کر یوگا کی نہایت ہی اہم مشقیں کرنے لگا۔

نقلی وجدان کے نصیحت آمیز الفاظ میری یادداشت میں نقش ہو کر رہ گئے تھے۔ اگر میں ''چی'' کی مشقوں کی طرف سے غافل ہو جاتا تو وہ نقلی وجدان یعنی میرا پرتو کسی بدی کی قوت کے قبضے میں چلا جاتا..... اور یہ مجھے کسی طور منظور نہیں تھا ''چی'' کی ان ایڈوانس مشقوں کو بڑے انہماک سے کیا جاتا ہے' اس دوران میں' میں اپنے گرد و پیش سے یک سر بے گانہ ہو جاتا تھا۔

میں نے مخصوص مشقوں سے فارغ ہونے کے بعد آنکھ کھولی تو زرگل کا چہرہ نظر آیا۔ وہ بڑی محویت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوئیں تو وہ دھیرے سے مسکرائی۔ میں نے پوچھا۔

''تم کب اٹھی ہو؟''

''تم اتنی جلدی کیوں بیدار ہو گئے؟''

''مجھے تو ایک گھنٹے بعد اٹھنا ہی تھا..... اس لیے..... لیکن تم؟''

ہم جواب دیے بغیر ایک دوسرے سے سوال پوچھے جا رہے تھے۔ بالآخر اسے ہار ماننا پڑی۔ بولی ''پتا نہیں کیوں اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں لائٹ جل رہی تھی میں نے دیکھا' تم بستر پر موجود نہیں تھے پھر تم مجھے ادھر قالین پر

نظر آ گئے جب سے اب تک تمہیں ہی دیکھے جا رہی ہوں۔ معلوم نہیں کیسی عجیب و غریب اور الٹی سیدھی مشقیں کیے جا رہے ہو۔ کبھی سر نیچے' کبھی ٹانگیں اوپر اور کبھی کچھ اور!''

اس کی حیرت اور الجھن پر میں مسکرا اٹھا۔ مشقوں کے حوالے سے اس کا بیان درست تھا مگر میں یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اچانک اس کی آنکھ کھلی ہو۔ مجھے پورا یقین تھا کہ یا تو وہ ابھی تک سوئی ہی نہیں تھی یا پھر میرے اٹھنے سے اس کی آنکھ کھلی تھی لیکن اس نے مجھ پر خود کو سوتا ہوا ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ عورت کی فطری چالاکی کا مظاہرہ کر رہی تھی جسے بھولے پن نے دھانپ رکھا تھا۔

میں نے اس کی خوش فہمی برقرار رکھتے ہوئے کہا'' مجھے تو کچھ یاد نہیں۔ تم میرے سر میں کوکونٹ آئل کا مساج کر رہی تھیں اور میری آنکھ لگ گئی۔ شاید تم بھی میرے قریب ہی سو گئی تھیں' میری آنکھ کھلی تو تم بے خبر سو رہی تھیں۔ میں دھیرے سے اٹھا اور اپنے معمولات میں مصروف ہو گیا۔''

''میں تو یہی سمجھ رہی تھی' تم صبح دیر تک سوؤ گے لیکن ابھی تو صبح ہونے میں بھی دیر ہے۔'' وہ ایک انگڑائی لے کر بدن کو توڑتے ہوئے بولی'' تم نے بتایا ہے' تمہیں تو ایک گھنٹے بعد ہی اٹھنا تھا اور میں دیکھ رہی ہوں' تم تو تیار بھی ہو چکے ہو۔ کیا کوئی خاص پروگرام ہے؟''

''ہاں خاص ہی پروگرام ہے۔'' میں نے جھلملاتی نائٹی سے نگاہ چراتے ہوئے کہا'' میں ایک دو گھنٹے کے لیے فلیٹ سے باہر جاؤں گا۔ تم آرام سے سو جاؤ۔ میں فلیٹ کی ایک چابی ساتھ لے جاؤں گا۔ واپسی پر میں خود ہی دروازہ کھول کر اندر آ جاؤں گا۔ اس دوران میں تم اپنی نیند پوری کر لو۔ تمہارے حالیہ تیوروں سے مجھے یقین ہو گیا ہے' اب تم نے ڈرنا چھوڑ دیا ہے' تم خاصی بے باک ہو گئی ہو!''

آخری جملہ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ادا کیا تھا۔ وہ ذرا سا جھینپی اور نگاہ چراتے ہوئے بولی'' واقعی میں محسوس کر رہی ہوں کہ ڈر اور خوف بڑی حد تک زائل ہو چکا ہے۔ میں اپنے اندر ایک کانفیڈنس محسوس کر رہی ہوں۔''

''اگر تم اسی طرح نڈر بننے کی کوشش کرتی رہیں تو مجھے یقین ہے تمہارا کانفیڈنس اور بڑھے گا۔ ٹرائی اٹ اپ!''

وہ اچانک موضوع بدلتے ہوئے بولی'' تم ایک دو گھنٹے کے لیے کس خاص پروگرام سے جا رہے ہو؟''

میں نے سردست اور قبل از وقت اسے تفصیل بتانا ضروری نہ سمجھا ورنہ یا تو وہ میرے ساتھ جانے کی ضد کرتی یا پھر متعدد سوالات نکال کر بیٹھ جاتی۔ میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا'' مجھے کسی شخص سے ملنے جانا ہے۔ وہ ملک سے باہر جا رہا ہے۔ اسے سی آف کرنے ڈیفنس سوسائٹی تک جاؤں گا۔''

اس نے شک زدہ نظر سے مجھے دیکھا لیکن کوئی اعتراض نہ کیا' بس اتنا ہی کہا'' ذرا جلدی آنے کی کوشش کرنا۔ میں اب اتنی بھی نڈر اور بے خوف نہیں ہوئی!''

''تم فکر نہ کرو' رہی سہی کسر بھی پوری ہو جائے گی۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا'' میں واپس آؤں گا پھر ناشتا کریں گے۔''

وہ خاموش نظر سے مجھے دیکھتی رہی۔ اس دوران میں دو تین مرتبہ اس نے خاصی کشادہ جماہیاں بھی لیں۔ میں نے فلیٹ سے رخصت ہونے سے پہلے اسے ہدایت کی کہ وہ آرام سکون سے سو جائے۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں' میں بہت جلد لوٹ آؤں گا۔

اس نے مجھے ''خدا حافظ'' کہا اور دروازہ بند کر لیا۔

میں اپارٹمنٹس بلڈنگ سے باہر آ گیا۔ چاروں طرف اندھیرے کا راج تھا۔ سورج نکلنے میں ابھی کم و بیش ایک گھنٹا باقی تھا۔ میں نے دھائٹ شیر ڈکوچ نہیں کیا اور پیدل ہی لبرٹی کی جانب بڑھ گیا۔ لبرٹی سگنل کے قریب رات بھر دو تین ٹیکسیاں کھڑی رہتی تھیں۔ میں ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ڈیفنس' کلفٹن اور انہی جیسے دوسرے پوش علاقوں میں لوگ دیر تک جاگتے ہیں اسی لیے صبح جلدی اٹھنے کا رواج نہیں۔ ان علاقوں میں عموماً دس بجے سے پہلے صبح نہیں ہوتی اسی لیے میں نے علی الصباح کارروائی کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ ایسا وقت تھا جب میرے شکار کی نیند اپنی گہرائی کی انتہا پر ہوتی۔ میں جے ڈی ملک کو صبح دم شکار کرنا چاہتا تھا۔

لبرٹی سے میں نے ٹیکسی لی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ سیٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے میں جے ڈی ملک کے بارے میں سوچنے لگا۔

اس شخص کی اہمیت مجھ پر واضح ہو چکی تھی۔ چوہدری نوازش اس کا نام سن کر جس طرح چونکا تھا، وہ نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا' پھر فیصل نے اپنی مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے جے ڈی ملک تک ہی رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ الگ بات کہ اس کی کوشش سے فائدہ اٹھا کر میں نے جے ڈی ملک کا پتا اور فون نمبر اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔

اپنے پروگرام کے مطابق میں پہلے جے ڈی ملک کو چھاپنا چاہتا تھا۔ ساحل کے بارے میں اس سے مفید معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔ میرے اندازے کے مطابق یہ شخص چوہدری کے کراچی نیٹ ورک کو کنٹرول کررہا تھا۔ اس وقت میں اپنے اصل حلیے میں تھا۔ سہیل والا میک اپ دو بار کے فریش اپ نے ختم کردیا تھا۔ میں نے سوچا پہلی فرصت میں نسیم جوہر سے مل کر اس فن میں اتنی مہارت حاصل کرلوں گا کہ حلیے کی تبدیلی کے لیے میں کسی کا محتاج نہ رہوں!

ٹیکسی کو میں نے ڈیفنس مارکیٹ کے سامنے چھوڑ دیا۔ پھر دو طرفہ سڑک عبور کر کے مارکیٹ کے کونے پر آگیا۔ یہاں سے ایک سیدھا راستہ مارکیٹ کی عقبی سمت جاتا تھا جدھر ڈیفنس فیز ٹو کے عالی شان بنگلوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا۔ مجھے اسی طرف جانا تھا۔ جے ڈی ملک کا بنگلا اسی علاقے میں واقع تھا۔ اس بنگلے کا نمبر میرے ذہن میں محفوظ تھا۔

فلیٹ سے نکلتے ہوئے احتیاطاً میں نے ایک بھرا ہوا پستول اپنے ساتھ رکھ لیا تھا تاکہ کسی انتہائی ناگزیر صورت حال میں اس کا استعمال کیا جاسکے۔ ویسے اسلحے کے استعمال سے حتی الامکان بچنے کی کوشش ہی کرتا ہوں۔

پوسٹ آفس کے قریب سے گزر کر میں بنگلوں والے حصے میں داخل ہوگیا۔ پھر ٹھیک پانچ منٹ بعد میں جے ڈی ملک کے بنگلے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ میں نے بڑی احتیاط سے گھوم پھر کر اس بنگلے کا جائزہ لیا۔ اس کی سامنے والی اور عقبی گلی میں سناٹے کا بسیرا تھا۔ بنگلے کے گیٹ سے ملحق ایک چھوٹا سا گارڈ روم بنا ہوا تھا۔ جس کا دروازہ مجھے بند نظر آیا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا' اندر گارڈ موجود ہوگا یا نہیں! ایک امکان یہ بھی تھا کہ چوکیدار یا سیکیورٹی گارڈ نماز پڑھنے گیا ہو۔ اس وقت نماز فجر ادا کی جارہی تھی۔

بنگلے کے اندر داخل ہونے کے لیے میں نے عقبی گلی کا انتخاب کیا۔ یہ ایک گندی گلی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق یہ بنگلا چھ سو گز پر بنا ہوا تھا۔ بنگلے کے گیٹ پر جے ڈی ملک کی نیم پلیٹ دیکھ کر میں مطمئن ہوگیا تھا کہ میں بالکل درست جگہ پر پہنچ گیا ہوں۔

یہ سوچنا ایک حماقت ہوتی کہ جے ڈی ملک اس بنگلے میں تن تنہا رہتا ہوگا۔ اس جیسے جرائم پیشہ لوگ اپنے اردگرد محفوظ اور مضبوط حفاظتی حصار رکھتے ہیں۔ مجھے اس حصار سے بچ کر یا اسے توڑ کر اپنے مطلوبہ شکار تک پہنچنا تھا۔

میں نے محتاط نظر سے بنگلے کی عقبی دیوار کا جائزہ لیا۔ دیوار لگ بھگ آٹھ فٹ بلند تھی اور دیوار کی اس بلندی کے اوپر خاردار تار کا جنگلا نصب تھا تاکہ وہاں سے دیوار پھلانگ کر اندر داخل نہ ہوسکے۔ اسی عقبی دیوار میں مجھے ایک چھوٹا آہنی دروازہ بھی نظر آیا جو اندر سے بند تھا۔ زیادہ امید یہی تھی وہ لاک ہوگا۔

اپنی حفاظت کے خیال سے جو لوگ بنگلے کی دیوار کے اوپر خاردار تار کی باڑ لگواتے ہیں وہ رات کے وقت اس باڑ میں کرنٹ بھی چھوڑ دیتے ہیں تاکہ مہم جوئی کے شوقین افراد کو لگ پتا جائے۔ میں نے پہلے اس تار کو چیک کیا۔ معلوم ہوا' اس میں کسی قسم کا کرنٹ نہیں دوڑ رہا تھا۔

دیوار کے اوپر تین تین فٹ کے فاصلے پر اینگل آئرن عمودی شکل میں نصب تھے جن میں موجود سوراخوں کے ذریعے خاردار تار کو پروکر وہ باڑ تیار کی گئی تھی۔ مذکورہ اینگل آئرن کی بلندی کم و بیش دو فٹ رہی ہوگی۔ یہ یقین ہوجانے کے بعد اس آہنی جنگلے میں بجلی موجود نہیں' میں نے اپنے کام کا آغاز کردیا۔

میرے پاؤں میں سبک خرام اور آرام دہ جوگرز تھے میں ایک اسٹیپ لے کر اپنے قدموں پر اچھلا اور ایک پاؤں دیوار کے ساتھ ٹکا کر اپنے جسم کو بڑی سرعت سے اوپر اٹھایا اگلے ہی لمحے نہایت پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں اچک کر ایک اینگل آئرن کو تھام چکا تھا۔

اس ابتدائی کامیابی کے بعد میں نے جھولتے ہوئے اپنے جسم کو ایک اور جھٹکا دیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ دیوار کے اوپر پہنچ گیا۔ میں نے اینگل آئرن کو پکڑتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ خاردار تار میرے کپڑوں میں الجھ کر میرے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ ویسے میں نے اس وقت بلیو جینز پر چست سیاہ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی لہٰذا اس نوعیت کے الجھاؤ کا امکان نہیں تھا۔

اب میرے سامنے دو فٹ اونچی کانٹے دار باڑ کی رکاوٹ تھی جسے بڑی ٹیکنیک سے عبور کرنے کی ضرورت تھی۔ میں نے شاؤلن ٹیمپل میں ہائی جمپ اور فری فال کی پریکٹس کی تھی اور ان فنون میں مہارت بھی حاصل کرلی تھی۔ اب اس ٹیکنیک کی آزمائش کا وقت تھا۔

میں نے ایک اینگل آئرن کو دو مختلف جگہوں سے تھام کر دیوار کے اوپر پاؤں پھیلا لیے۔ پاؤں کا یہ پھیلاؤ لگ بھگ فٹ تھا جیسا کہ پوزیشن یا اسٹانس کے وقت ہوتا ہے۔ کانٹے دار تار پانچ انچ کے فاصلے سے پرے تھے۔ میں نے اینگل آئرن کو تھامے تھامے ایک گہری سانس لی اور ہاتھ پاؤں کی مخصوص جنبشوں کی مدد سے ایک

لگائی۔ پلک جھپکتے میں' میں سب سے اوپر والے تار پر کھڑا تھا۔ میرے پاؤں میں مضبوط جوگرز تھے لہٰذا مجھے کانٹے دار تار نے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ اس تنے ہوئے تار پر میرا قیام مشکل سے ایک سیکنڈ رہا ہوگا' اگلے ہی لمحے میں نے فضا میں فرنٹ سمر سالٹ لگا دیا۔

تنی ہوئی اس آہنی سپورٹ نے میرے لیے جمپنگ پیڈ کا کام کیا۔ جیسے ہی میرے قدموں نے تار کو چھوا' مجھے ایک زبردست پش ملا جو سمر سالٹ لگانے میں بہت معاون ثابت ہوا۔ میری باڈی نے ہوا میں رول کیا اور سمر سالٹ کی تکمیل پر میرے قدموں نے ایک ہلکی ''دھپ'' کے ساتھ لان کی نرم سطح کو چھو دیا۔ لان میں موجود گھاس خاصی دبیز تھی لہٰذا اس ''دھپ'' کی آواز بھی وہیں دم توڑ گئی۔ میں کسی بدمزگی کے بغیر بنگلے کے اندر داخل ہوچکا تھا۔

میں نے اپنے قدموں پر رہتے ہوئے چاروں جانب محتاط نگاہ دوڑائی۔ اندھیرا اب آہستہ آہستہ اجالے میں بدلنے لگا تھا۔ میری ''آمد'' نے بنگلے کے مکینوں میں سے کسی کو اس طرف متوجہ نہ کیا۔ میں دبے قدموں لان سے نکل آیا۔

اس وقت میں بنگلے کے عقبی حصے میں تھا۔ تعمیری حصہ اس کے بعد آتا تھا۔ میں نے اندر داخلے سے پہلے حفاظتی انتظام کا جائزہ لینا ضروری سمجھا۔ بنگلے کی پہلو والی دونوں دیواروں کے ساتھ پانچ چھے فٹ چوڑی گزرگاہیں تھیں جو سیدھی بنگلے کے سامنے والے حصے میں پہنچتی تھیں۔ میں ایک دیوار کے ساتھ محتاط روی سے قدم اٹھانے لگا۔

وہ بنگلا ایک منزلہ تھا اور میں نے اس کی چھت پر کسی قسم کی حفاظتی تدبیر نہیں دیکھی۔ یہ حیرت انگیز بات تھی۔ میں انہی خیالات کے ساتھ سامنے والے حصے کی طرف آنکلا۔ ادھر برآمدے میں مجھے ایک محافظ نظر آگیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کی گن کرسی کے ساتھ ہی ٹکی کھڑی تھی۔ میں اس شخص کی طرف بڑھنے کا ارادہ کررہا تھا کہ گارڈ روم میں سے ایک شخص نکل کر سامنے آگیا۔ وہ یقینی طور پر گیٹ والا چوکیدار تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کلاشنکوف بھی نظر آرہی تھی۔

میں گن بردار کو دیکھتے ہی اچھل کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ مجھے امید تھی کہ اس کی نظر مجھ پر نہیں پڑی ہوگی۔ اگلے ہی لمحے میری سماعت میں اس کی آواز گونجی۔ وہ کرسی پر سوئے ہوئے محافظ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''نذیر علی! اٹھ جاؤ' صبح ہوگئی ہے۔''

گارڈ کی اس پکار نے ثابت کردیا کہ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ سب سے پہلے میری جانب بڑھتا۔ میں اسی دیوار سے لگا خاموش کھڑا رہا۔ دو تین مرتبہ پکارنے کے بعد گارڈ نے نذیر نامی اس محافظ کو جگا دیا اور دوبارہ اپنے گارڈ روم کی طرف چلا گیا۔

میں نے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے گارڈ روم کی طرف نگاہ دوڑائی۔ مسلح چوکیدار اپنے مخصوص کمرے میں پہنچ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور اس کا رخ گیٹ کی جانب تھا۔ داخلی گیٹ ہنوز بند تھا۔ میری نظر برآمدے کی طرف لوٹ آئی۔ وہاں رکھی کرسی خالی دکھائی دی البتہ گن ابھی تک وہیں موجود تھی۔ اس کا مطلب یہی تھی 'نذیر علی زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔

ابھی تک میں نے ان دو افراد کے سوا کسی اور انسان کے آثار نہیں دیکھے تھے۔ لگتا تھا، بنگلا سناٹے اور خاموشی میں ڈوبا ہوا ہے۔ میں نہیں جانتا تھا' جے ڈی ملک سے کن حالات میں سامنا ہوگا اور نہ ہی مجھے یہ معلوم تھا' یہاں کتنے آدمیوں سے مجھے نمٹنا ہوگا۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا تھا' جلد از جلد ہی کرنا تھا۔

میں دبے قدموں برآمدے کی طرف رینگ گیا۔ اس گن کو وہاں سے ہٹانا ضروری تھا۔ میں ان دونوں سے چھیڑ چھاڑ کیے بغیر بنگلے کے اندرونی حصے تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن میں جیسے ہی کرسی کے پاس پہنچا' کسی شے سے میرا پاؤں الجھ گیا۔ نیم تاریکی کے باعث میں دیکھ نہ پایا کہ وہ کیا چیز تھی۔ بہرحال اس کی آواز نے مجھ پر حقیقت کھول دی۔

چھناکے کی تیز آواز نے فضا میں ارتعاش پیدا کیا اور کانچ کا کوئی برتن چکنا چور ہوگیا۔ اغلب امکان اس بات کا تھا کہ وہ کوئی پانی والا جگ وغیرہ رہا ہوگا! میں بجلی کی سی سرعت سے اچھل کر ایک ستون کی آڑ میں ہوگیا۔

یہ ایسا واقعہ نہیں تھا کہ چوکیدار اپنے کیبن میں خاموش بیٹھا رہتا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آواز میری سماعت تک پہنچی ''کیا ہوا نذیر۔ تم نے کیا توڑ ڈالا؟''

میں سانس روکے ستون کی اوٹ میں کھڑا رہا۔ اگر نذیر چوکیدار کے سوال کا جواب دیتا تو بات آئی گئی ہوجاتی۔ جب چوکیدار کو جواب نہیں ملا تو وہ صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے دوبارہ اس طرف آگیا۔

یہ بڑے اہم لمحات تھے۔ مسلح چوکیدار نے میرا کام کافی آسان کردیا۔ اگر وہ اس طرف پیش قدمی نہ کرتا تو مجھے اس تک پہنچنے کی زحمت کرنا پڑتی۔ میں ستون کے پیچھے اس زاویے سے چھپا کھڑا تھا کہ چوکیدار مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ میرے انتہائی قریب آگیا۔ اس کی پشت میری جانب تھی۔ پھر اس کی حیرت بھری آواز ابھری۔

''نذیر تو یہاں موجود نہیں پھر یہ جگ کیسے ٹوٹ گیا؟''

''ایسے ٹوٹ گیا!'' میں نے گمبھیر سرگوشی کی۔

وہ یک بارگی اچھل کر ایسے پلٹا جیسے زہریلے بچھو نے اچانک اسے ڈنک مار دیا ہو۔ نیم تاریکی میں ہماری آنکھیں ایک لمحے کے لیے چار ہوئیں پھر اس سے پہلے کہ وہ کسی قسم کی زبانی یا عملی کارروائی کرتا' میں نے جھٹکے سے ایک فرنٹ پش کک اس کے سینے پر رسید کردی۔

وہ ''اوں'' کی آواز نکالتے ہوئے برآمدے کے پختہ فرش پر گرا۔ اتفاق سے یہ وہی جگہ تھی جہاں کانچ کی کرچیاں پڑی تھیں۔ چوکیدار تکلیف کی شدت سے کراہ اٹھا۔ مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ کوئی آواز پیدا کیے بغیر مجھے اس سے نمٹنا چاہئے تھا۔ بہرحال اب تو یہ غلطی ہو چکی تھی۔

میں بڑی تیزی سے ستون کی آڑ سے نکل آیا۔ چوکیدار نے زمین پر پڑے پڑے اپنی کلاشن کا رخ میری سمت پھیرنا چاہا مگر میں نے اسے اس ''حرکت'' کا موقع نہیں دیا۔ میرے جوگر پوش پاؤں کی ایک طوفانی ٹھوکر اس کے گن والے ہاتھ پر پڑی۔ گن اس کی گرفت سے چھوٹ کر دور جا گری۔ ویسے بھی ایک ہاتھ سے وہ کلاشن کو پوری طرح سنبھال نہیں پایا تھا یہ اس کا خود حفاظتی میں کیا گیا ایک فطری عمل تھا۔

میری توقع کے برخلاف زمین پر گرے ہوئے غیر مسلح چوکیدار نے ایک لمبی لوٹ لگائی اور دوبارہ گن تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ میں اس سے پہلے گن تک پہنچا اور اس کے چہرے پر ایک نیچی کک ماری۔ وہ اس تکلیف کو برداشت نہ کرسکا اور بے طرح بلبلا اٹھا۔

اسی لمحے ایک گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی ''فریاد خان! کیا ہو رہا ہے؟''

اس کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ بھی ابھری۔ اس سے پہلے کہ فریاد نامی چوکیدار کو پکارنے والا موقع واردات پر پہنچ جاتا' میں نے فریاد کی فریاد کا راستہ روکنے کے لیے ایک ہاتھ مضبوطی سے اس کے منہ پر جما دیا اور کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے گھسیٹتے ہوئے ایک تاریک گوشے میں لے گیا۔ وہ اپنے منہ پر سے میرا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ جب بس نہ چلا تو اس نے ایک خالصتاً زنانہ حرکت کی۔ اس نے اپنے ناخنوں سے میرا چہرہ نوچنا چاہا تھا' میں نے ایک زوردار جھٹکا دے کر اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی۔

اسی لمحے نکھچے اجالے میں مجھے نذیر کی صورت دکھائی دی۔ وہ سیدھا میری طرف ہی آرہا تھا اور غالباً اس نے مجھے فریاد کے ساتھ گتھم گتھا دیکھ لیا تھا۔ میں نے فریاد کی گردن میں ہاتھ ڈال کر ایک نپا تلا مخصوص جھٹکا دیا۔ وہ میری بانہ میں جھول گیا۔ کم از کم دو گھنٹے تک وہ ''واپس'' آسکتا نہیں تھا۔

اس کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد میں اٹھ کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ نذیر میرے روبرو پہنچ گیا۔ ہم اتنے فاصلے پر کہ ایک دوسرے کو بہ خوبی دیکھ رہے تھے۔ اس نے کھردرے لہجے میں پوچھا۔

''کون ہو تم اور اس بنگلے میں کیسے داخل ہوگئے؟''

''میں تمہاری موت ہوں۔'' میں نے سرسراتی آواز میں کہا'' اور موت کو کہیں بھی آنے جانے کے لیے اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ تم نے.....''

میری بات ختم ہونے سے پہلے ہی اس نے مجھ پر فائر کردیا۔ یہ ایک دیسی قسم کا جارحانہ اقدام تھا۔ میں نے ایک جانب ہٹ کر اس کا وار خالی دیا۔ وہ اپنی ہی جھونک میں آگے جا گرا' میں نے پلٹ کر دیکھا تو چونک اٹھا۔ نذیر فریاد والی کلاشنکوف کے بہت قریب جا کر گرا تھا۔ اس نے ایک لمحہ میری جانب دیکھا اور گن کی طرف ہاتھ بڑھا کر مسلح ہوگیا۔ پھر اس سے قبل کہ وہ مجھ پر فائرنگ کرتا' میں نے فرش پر سائیڈ رول اور کرسی کی طرف نکل گیا۔

اسی لمحے فائرنگ کی آواز سے فضا گونج اٹھی۔ نذیر نے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن میرے بروقت سائیڈ رول نے اس کا نشانہ خطا کر دیا' نتیجے میں اسے ایک ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کی گن سے خارج ہونے والی گولیوں نے اناغمیل فریاد خان کے بدن کو چھید ڈالا۔ نذیر علی سناٹے میں آگیا۔

اس کا سناٹا ٹوٹنے سے پہلے میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو گن کے استعمال کا وقت بیت چکا تھا۔ میں نے اس کے سینے پر ایک زبردست ڈبل پش کک رسید کردی۔ وہ پشت کے بل برآمدے کے پختہ فرش پر گرا اور کلاشنکوف اس کے ہاتھ سے نکل گئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ نہ صرف کھڑا ہوا بلکہ اس نے جوابا مجھ پر حملہ کردیا۔ وہ میری توقع سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہو رہا تھا۔

اس نے ایک نیچی راؤنڈ ہاؤس چلائی۔ یہ نی شاٹ کک مشابہ ایک ''بیلو دی بیلٹ'' کک تھی۔ اس کی اس جسارت سے اندازہ ہوا، وہ مارشل آرٹس سے بھی واقف تھا۔ میں نے بڑی چابک دستی سے اس کے کک والے پاؤں کو پکڑ کر مروڑ دے کر اسے دور اچھال دیا۔ وہ برآمدے سے باہر گرا۔ اگر اور کوئی موقع ہوتا تو میں اس کے فن کو ناپنے کی کوشش کرتا۔

اس نے فائرنگ کر کے میرے لیے تشویش کی فضا تخلیق کردی تھی۔ کسی بھی لمحے بنگلے کے اندر موجود افراد اس طرف متوجہ ہوسکتے تھے!

نذیر جیسے ہی اٹھ کر کھڑا ہوا' میں نے اسے ایک سائیڈ کک ماردی۔ وہ سنبھلنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر دور لڑھک گیا۔ میں لپک کر اس کے قریب پہنچا اور اسے اٹھنے کا موقع دیے بغیر پے در پے اس کے چہرے پر چار پانچ ٹھوکریں رسید کردیں۔

وہ دونوں ہاتھوں سے خود کو بچانے کی کوشش کرنے لگا اور اس کوشش کے دوران ہی میں اس نے میرا پاؤں پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ پختہ فرش پر پڑے پڑے رولنگ کرنے لگا۔ یہ دو طرفہ رولنگ تھی۔ میں الجھ کر گر پڑا۔ اسی لمحے دروازہ کھلنے کی آواز آئی پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز ابھری۔ میں پلک جھپکتے میں سمجھ گیا' بنگلے کے اندر موجود افراد ہماری طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

میں نے ایک لمبی لوٹ لگائی اور کلاشنکوف تک رسائی حاصل کرلی۔ وہاں ایک کنگ سائز سنگی گملا رکھا تھا' میں نے سٹ کر اس گملے کے عقب میں پناہ لے لی۔ اسی وقت دو افراد میری نگاہ میں آگئے۔ وہ بنگلے کے اندرونی حصے سے نکل کر برآمدے میں ظاہر ہوئے تھے۔ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے جب کہ میں ایک خاص زاویے سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں بھی مسلح تھے اس دوران میں نذیر اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ ان میں سے ایک نے نذیر سے پوچھا۔

''یہ فائرنگ کی آواز کیسی تھی؟''

''کوئی دشمن اندر گھس آیا ہے۔'' نذیر نے بتایا'' اس نے چوکیدار فریاد کو قتل کر دیا ہے اور مجھے بھی مارنے کی کوشش.....'' وہ سراسر غلط بیانی سے کام لے رہا تھا۔

''کیا بک رہے ہو؟'' دوسرے شخص نے دہاڑ سے مشابہ آواز میں کہا۔

''آپ خود دیکھ لیں۔'' نذیر نے کہا'' ادھر فریاد کی لاش پڑی ہے اور وہ دشمن بھی یہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔''

وہ لوگ نذیر کی بات کو یک سر نظر انداز نہیں کرسکتے تھے کیوں کہ فریاد کا بے جان جسم ان کی نگاہ میں آچکا تھا۔ ان دونوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایک نے نذیر سے استفسار کیا۔ اس کے استفسار میں گہری تشویش پائی جاتی تھی۔

''وہ شیطان کہاں چھپا ہے؟''

''اُدھر!'' نذیر نے گملے کی جانب اشارہ کیا ہوگا کیوں کہ اب وہ مجھے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے بڑی آہستگی سے اپنا زاویہ تبدیل کرلیا تھا۔

میں دم سادھے ان کا انتظار کرنے لگا۔ جلد ہی مجھے اپنے قریب ان کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں الرٹ ہوگیا۔ پھر جیسے ہی وہ سنگی گملے کے پہلو میں پہنچے، میں اچانک اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ بوکھلا گئے۔ میں نے اس بوکھلاہٹ کا فائدہ اٹھایا اور انہیں گنیں سیدھی کرنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے کلاشنکوف کو تھامے ہوئے گملے کے عقب سے بائی جمپ لگائی پھر اڑتے ہوئے ان کی طرف آیا۔ وہ دونوں میرا دھکا کھا کر زمین بوس ہوگئے۔ میں نے ہینڈ اسپرنگ لگایا اور اچھل کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

ان دونوں نے بھی فرش پر قیام کی ضرورت محسوس نہیں کی اور فوراً اٹھ کر میرے مدمقابل جم گئے' ہتھیار ابھی تک ان کے ہاتھوں سے یاری نبھا رہے تھے۔ میں نے انہیں ڈاج دینے کے لیے ایک بیٹھک لگائی۔ انہوں نے بڑی سرعت سے اپنی گنوں سے مجھ پر فائرنگ کی لیکن میں ان کے ٹارگٹ پر موجود ہوتا تو وہ مجھے گولیوں کا نشانہ بناتے۔

میں نے بیٹھک کی تکمیل کے ساتھ ہی ایک مرتبہ پھر ہائی جمپ لگائی اور ان کے اوپر سے گزرتے ہوئے عقب میں پہنچ گیا پھر ان کے پلٹنے سے قبل ہی میں نے ان کی پشتوں پر ڈبل فرنٹ فلائنگ کِکس جڑ دیں۔

وہ دونوں ایک جھٹکے سے منہ کے بل پختہ فرش پر گرے۔ میں اچک کر ان کے قریب پہنچا اور انہیں ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ زمین بوس ہوتے وقت گنیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھیں۔ میں نے دوبارہ انہیں مسلح ہونے کا موقع نہیں دیا۔ وہ دونوں تابڑ توڑ مجھ پر حملے کر رہے تھے اور میں جواباً انہیں بری طرح پیٹ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہانپنے لگے۔ میں نے ہاتھ پاؤں کے ساتھ کلاشنکوف کا بٹ بھی استعمال کیا تھا۔ تاہم فائرنگ سے میں نے اجتناب ہی برتا۔ جب تک انتہائی ناگزیر نہ ہو جاتا' مجھے ہاتھ پاؤں ہی سے کام چلانا تھا۔

یہ کسر نذیر نے پوری کردی۔ اس دوران میں اسے اپنی کلاشن تک پہنچنے کا موقع مل گیا تھا جو کرسی کے ساتھ لگی کھڑی تھی اور اب وہ مجھ پر فائرنگ کر رہا تھا۔ اگر وہ ہوش مندی سے نشانہ لیتا تو شاید مجھے شکار کرنے میں کامیاب ہو جاتا مگر وہ بوکھلاہٹ آمیز انداز میں بے دریغ فائرنگ کر رہا تھا پھر ہمارے درمیان فاصلہ اور اینگل بھی حائل تھا۔ میں نے اس کی فائرنگ سے محفوظ رہتے ہوئے ایک طویل برسٹ مارا۔ جواب میں نذیر کی چیخیں بلند ہوئیں۔ وہ میری فائرنگ کی زد

میں آگیا تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

اسی لمحے عقب سے کسی نے مجھے جکڑ لیا۔ وہ ان دونوں میں سے ایک تھا۔ میں نے اپنے قدموں پر رہتے ہوئے باڈی کو ٹوئسٹ کیا اور ایک جھٹکے سے گھوم گیا۔ اگر دبوچنے والا مجھے آزاد کردیتا تو اس کے ساتھی کی بچت ہوجاتی لیکن اس کے بالعکس نتائج برآمد ہوئے۔ میرا جھٹکا کھا کر وہ بھی گھوم گیا اور اس کی ٹانگیں دوسرے شخص کے منہ پر لگیں۔ یہ کسی ہائیڈرولک مشین کے ہینڈل کی ٹھوکر تھی۔ متاثرہ شخص بلبلاتے ہوئے زمین بوس ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے الٹی جمپ لگائی اور پشت کے بل زمین پر گرا۔

یہ ریسلرز کا ایک خصوص داؤ ہوتا ہے۔ وہ اپنے اوپر لدے ہوئے شخص سے اسی طور نجات حاصل کرتے ہیں۔ زمین سے ٹکراؤ کے نتیجے میں اس شخص کے حلق سے ''غوں'' جیسی ایک مبہم آواز خارج ہوئی۔ اسی لمحے میں نے اپنی دونوں کہنیاں اس کے پیٹ میں رسید کیں اور بیک رول کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میرے قدموں کے نزدیک ہی دوسرا شخص چاروں خانے چت پڑا تھا۔ اس کے وجود میں مجھے موہوم سی جنبش محسوس ہوئی۔

میں نے اس کے سینے پر ایڑی کی ضرب لگائی۔ اس کے وجود نے ایک زبردست جھٹکا کھایا پھر ساکت ہوگیا۔ میں نے جھک کر اس کا جائزہ لیا۔ وہ زندہ تھا تاہم اس کے فعال ہونے کا فوری امکان نہیں تھا۔ میں نے اس کے ساتھی کو چیک کیا۔ وہ بھی میرے ''رویے'' سے ناراض ہوکر عارضی خاموشی اختیار کرچکا تھا۔ ان کی طرف سے ''مطمئن'' ہونے کے بعد میں کھلے ہوئے دروازے کی جانب بڑھ گیا..... وہ دروازہ جس میں سے تھوڑی دیر پہلے یہ دونوں برآمد ہوئے تھے۔

میں محتاط قدموں سے چلتے ہوئے دروازے کے پاس پہنچا پھر میں نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اندر قدم رکھ دیا۔ اندرونی حصے میں ہنوز خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں آیا' پتا نہیں وہاں کوئی موجود بھی ہے یا نہیں! اگر کوئی وہاں موجود تھا تو پھر وہ گہری نیند میں ہوگا!

میں نے جے ڈی ملک کی تلاش میں ابتدائی دو کمرے اور لاؤنج دیکھ ڈالا لیکن وہ مجھے کہیں دکھائی نہ دیا۔ اس سے میری تشویش میں اضافہ ہوگیا۔ اگر جے ڈی ملک میرے ہتھے نہ چڑھتا تو پھر یہ ساری محنت بے کار چلی جاتی۔ میں وہاں سے ناکامیاب نہیں لوٹنا چاہتا تھا۔

آئندہ دس منٹ میں، میں نے اس سنگل اسٹوری بنگلے کا کونا کونا جھانک ڈالا لیکن جے ڈی ملک یا کوئی اور شخص مجھے نظر نہ آیا۔ میری تشویش انتہا کو پہنچ گئی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ میں نے اپنے مطلوبہ مقام پر ہی چڑھائی کی تھی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ میں باہر موجود افراد سے جے ڈی ملک کے بارے میں استفسار کروں۔

ان چار میں سے دو افراد انا اللہ ہوچکے تھے۔ باقی دو کو میں گہری نیند ''سلا'' کر اندرونی حصے میں داخل ہوا تھا۔ میں نے باہر جانے سے پہلے ایک مرتبہ پھر بنگلے کی تلاشی لی لیکن مجھے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

میں تیز قدموں سے چلتے ہوئے ایک مرتبہ پھر برآمدے میں نکل آیا۔ نذیر علی اور فریاد خان سوال و جواب کی دنیا سے بہت دور جاچکے تھے۔ میں نے دوسرے دونوں افراد کا تنقیدی معائنہ کیا۔ ان میں سے ایک کی ''حالت'' مجھے بہتر لگی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد میں اسے ہوش میں لاکر جے ڈی ملک کے بارے میں استفسار کرسکتا تھا لیکن یہ ''کوشش'' کھلے عام کرنا مناسب نہیں تھا کیوں کہ اب باقاعدہ اجالا پھیل چکا تھا۔

میں نے اچھی حالت والے شخص کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے گھسیٹنا شروع کیا اور تھوڑی سی کسرت کے بعد میں اسے کچن تک لانے میں کامیاب ہوگیا۔ یہی پروسیجر میں نے دوسرے کے ساتھ بھی دہرایا۔ وہ کام کا نہ سہی لیکن میں اسے اپنی نگاہ میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس موقع پر میں کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔ نذیر علی اور فریاد خان کی طرف سے ہر خطرہ ٹل چکا تھا۔

میں نے اپنے مطلوبہ بندے پر تھوڑی محنت کی۔ پانی کے چھینٹے جب کارگر نہ ہوئے تو میں نے چمٹا گرم کر کے اس کے تلوؤں کی ''سنکائی'' شروع کردی۔ میری یہ ''خدمت'' اسے ''راس'' نہ آئی اور اس نے پاؤں جھٹکتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ مزید دس منٹ کی کوشش کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوگیا تو میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

تھوڑے تامل کے بعد اس نے جواب دیا ''سکندر!''

''جے ڈی ملک کہاں ہے؟''

اس کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ میں نے محسوس کیا، وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا ''مجھے نہیں پتا ملک صاحب کہاں گئے ہیں..... تم کون ہو؟''

''میں تمہارا مجازی باپ ہوں'' میں نے خون خوار لہجے میں کہا ''اور لگتا ہے تم میرے سوال کا جواب نہیں دو گے۔ مجھے تمہارے حقیقی باپ سے پوچھنا پڑے گا۔ کیا تمہارا باپ زندہ ہے؟''

سوال ختم کرتے ہی میں نے چولھے پر سے گرم چمٹا اٹھالیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے دائیں سے بائیں لہرانے لگا۔ وہ خوف زدگی کے عالم میں مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میرے باپ کا کافی عرصہ پہلے انتقال ہوگیا تھا۔''

''تم اب تک زندہ کیوں ہو بے غیرت'' میں نے گرم چمٹا اس کے تلوے کی طرف لے جاتے ہوئے سفاکی سے کہا ''میں تم سے آخری مرتبہ جے ڈی ملک کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ آخری مرتبہ اس لیے کہ اگر تم نے میرے سوال کا جواب نہ دیا تو میں یہ چمٹا تمہاری ناپاک زبان پر رکھ دوں گا' پھر تم زندگی بھر بولنے کے قابل نہیں رہو گے۔ کیا ارادہ ہے؟''

وہ سراسیمہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''تم میری بات کا یقین کرو.....''

جملہ ادھورا رہ گیا' سکندر کے حلق سے ایک فلک شگاف چیخ برآمد ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی انسانی گوشت کے جلنے کی مخصوص بو کچن کی فضا میں نفوذ کرگئی۔ میں نے گرم چمٹے کو سکندر کے تلوے سے ہم کنار کردیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''تم اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ میں تمہاری باتوں کے چکر میں آجاؤں گا۔ میں پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی ادھر آیا ہوں۔'' پھر میں نے اسے قدموں سے نکالنے کے لیے مصلحتاً ایک جھوٹ بولا ''میری معلومات کے مطابق رات بارہ بجے تک جے ڈی ملک اسی بنگلے پر موجود تھا۔ اب وہ یہاں سے غائب ہے۔ وہ کہاں گیا ہے، یہ تمہیں پتا ہونا چاہیے..... اور کتنے بجے گیا ہے یہ بھی! کیوں کہ تم لوگ اس کی غیر موجودگی میں اس بنگلے کی رکھوالی کررہے ہو؟''

پھر میں نے اسے دکھاتے ہوئے چمٹا ایک مرتبہ پھر چولھے پر چڑھادیا۔ خوف کی شدت سے وہ تھر تھر کانپنے لگا پھر لرزیدہ آواز میں بولا ''تم مجھ پر مزید ظلم نہ کرنا میں تمہاری بات ماننے کو تیار ہوں۔''

گرم چمٹے کی دہشت فرضی نہیں تھی بلکہ وہ اس کی کارکردگی کا عملی مزہ چکھ چکا تھا اس لیے اس کا پتا پانی ہوگیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنگین لہجے میں دریافت کیا ''بتاؤ تمہارا جے ڈی ملک کہاں گیا ہے اور کب تک واپس آئے گا؟''

وہ بیٹھے بٹھائے ایک اچنبھک مصیبت میں گرفتار ہوگیا تھا۔ مجھ سے پُرخلوص تعاون حالات کا جبر اور مصلحت کا تقاضا تھا۔ اپنے جسم کے نازک حصوں کو بہ قائمی ہوش و حواس جلتے ہوئے دیکھنا اور محسوس کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ اسے جواب دیتے ہی بنی۔

''ملک صاحب..... رات کے آخری پہر اپنے چار کمانڈوز کے ساتھ کسی دوست کے پاس گئے ہیں۔'' اس نے اٹک اٹک کر بتایا ''وہ وہاں رکیں گے اور ان کے کمانڈوز کسی خاص مشن پر روانہ ہوجائیں گے۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ لوگ سیدھے اسی بنگلے پر آئیں گے۔''

سکندر کے انکشاف نے مجھے چونکنے پر مجبور کردیا۔ میں نے اضطراری لہجے میں دریافت کیا ''وہ لوگ کتنے بجے واپس آئیں گے؟''

''صحیح وقت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔'' اس نے کمزور سے لہجے میں کہا ''ملک صاحب نے کہا تھا، سات بجے کے بعد کسی بھی وقت ان کی واپسی ہوسکتی ہے۔''

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ وہاں سات دس کا وقت ظاہر ہورہا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا، وہ لوگ اب تب میں آنے ہی والے تھے۔ میرے ظاہری اور باطنی حواس پوری طرح بیدار ہوگئے۔ میں نے تپتے ہوئے چمٹے کو سکندر کی آنکھوں کے نزدیک پہنچایا اور سفاکی سے پوچھا۔

''تمہارا ملک اپنے چار کمانڈوز کے ساتھ کہاں اور کس نوعیت کے مشن پر گیا ہے؟''

چمٹے کی تپش نے اسے چہرہ پیچھے ہٹانے پر مجبور کردیا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کے گال پر ایک زناٹے دار تھپڑ جڑ دیا اور غصیلے لہجے میں کہا ''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟''

وہ میری جانب رخ پھیرتے ہوئے لکنت زدہ لہجے میں

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں
بزرگان دین کے ایمان افروز واقعات
روشنی کے مینار
قیمت -/225 روپے
ڈاک خرچ -/25 روپے
مصنف: ضیاء تسنیم بلگرامی
کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس 23 کراچی نمبر 1

بولا ”ایک شیطان نے ملک صاحب کے آدمیوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ مجھے پتا چلا ہے، اس بدبخت نے ملک صاحب کے ایک خاص بندے فیصل کو اغوا کرلیا ہے۔ ملک صاحب کے کمانڈو فیصل کو چھڑانے گئے ہیں۔“

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے رگ و پے میں بجلی سی کوند گئی ہو۔ سکندر کا انکشاف سنسنی اور تھرل سے لبریز تھا۔ وہ بے خبری میں میرے سامنے میرا ہی قصہ چھیڑ بیٹھا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے ہیجان خیز لہجے میں دریافت کیا۔ میرا استفسار بے ساختہ تھا۔

”فیصل کو کس نے اغوا کیا ہے؟“

”اس شخص کا نام وجدان سننے میں آیا ہے۔“ وہ سادگی سے بولا۔

”کیا تم نے وجدان کو دیکھ رکھا ہے؟“ میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ”میں نے اس مردود کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی۔ سنا ہے، وہ کسی چھلاوے سے کم نہیں۔ پل میں اِدھر اور پل میں اُدھر نظر آتا ہے لیکن مجھے امید ہے، ملک صاحب کے کمانڈوز اسے زیر کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ وہ بہت ہی مشاق اور تربیت یافتہ ہیں۔“

اگر سکندر کو یہ معلوم ہوجاتا کہ میں ہی وجدان ہوں جسے وہ چھلاوے کا نام دے رہا ہے تو پتا نہیں، اس کی کیا حالت ہوتی۔ میں اس وقت حیرتوں کے حصار تخلیق کرنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لیے سکندر سے پوچھا۔

”تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا، وجدان نے فیصل کو کہاں چھپا رکھا ہے۔ میرا مطلب ہے، ملک صاحب کے کمانڈوز کہاں سے اسے حاصل کریں گے؟“

بات ختم کرتے ہی میں نے دہکتا ہوا چمٹا ایک مرتبہ پھر اس کے چہرے کے قریب پہنچایا تو لمحاتی تامل کے بعد اس نے جواب دیا۔

”مجھے وجدان کے ٹھکانے کا تو علم نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں..... کسی اخبار کا مالک اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ ملک صاحب کے کمانڈوز اسی اخبار والے کے بنگلے پر آپریشن کریں گے۔ ملک صاحب کا خیال ہے، وجدان نے فیصل کو اسی بنگلے میں.....“

”فون کس طرف ہے؟“ میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی چیخ کر کہا۔

میری یہ چیخ غیر ارادی تھی۔ سکندر کے جواب نے میرے دماغ کو آگ کا گولا بنا دیا۔ وہ سہم کر رحم طلب نظر سے مجھے تکنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اچانک ہیجان میں کیوں مبتلا ہوگیا ہوں مگر میں یہ خوبی سمجھ رہا تھا کہ ان نازک ترین لمحات میں مجھے کیا کرنا ہے۔

”میں نے فون کا پوچھا ہے!“ میں گرم چمٹا اس کے ہونٹوں کے نزدیک لاتے ہوئے دہاڑا۔

”بتاتا ہوں..... تم میرے ساتھ آؤ.....“ وہ جان کنی جیسی کیفیت میں بولا ”فون اُدھر دوسرے کمرے..... میں ہے.....“

میں سکندر کو دھکیلتے ہوئے آنِ واحد میں فون والے کمرے میں پہنچا پھر اسے اپنی گرفت میں جکڑ کر میں نے منہاس باقر کے بنگلے کا نمبر ڈائل کیا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے جسم کا سارا خون دماغ میں سرایت کرگیا ہو۔ میری کن پٹیوں پر ہتھوڑے برس رہے تھے۔

ڈائلنگ کی تکمیل پر دوسری جانب گھنٹی بجی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا، وہ گھنٹی ایک سال بعد بجی ہو۔ میں اس وقت انتظار کی انتہائی اذیت سے گزر رہا تھا۔ میرے انتظار نے ایک سال مزید طے کیا اور دوسری گھنٹی بجی پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ دوسری کے بعد تیسری..... چوتھی..... پانچویں..... چھٹی

دوسری طرف کسی نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ میری دہشت عروج کو پہنچ گئی۔ اس طرف خاموشی کا ایک ہی مطلب تھا..... اور وہ یہ کہ اس بنگلے کے مکینوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کرا دیا گیا تھا۔ میں نے اپنے سینے میں درد کا ایک طوفان سا اُمڈتے محسوس کیا۔ غم و اندوہ کی منہ زور آندھی میری نس نس میں چیخنے لگی۔

وہ بہت ہی آزمائشی لمحات تھے۔ سچ ڈی ملک نے میرے گرد و پیش زہریلی آتش کا حصار سا کھینچ دیا تھا۔ مجھے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس حصار کو بکھیرنا تھا اور اپنے دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتارنا تھا۔ میں نے دانت کچکچا کر ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔

اسی لمحے بنگلے کے باہر کسی ہیوی انجن والی گاڑی کے رکنے کی آواز ابھری۔ میں نے چوکنا نظروں سے اپنی گرفت میں پھنسے ہوئے سکندر کی طرف دیکھا۔ اس کے منحوس لب وا ہوئے اور اس نے بڑے ہی واہیات انداز میں سرگوشی کی۔

”لگتا ہے، ملک صاحب کے کمانڈوز واپس آگئے!“

اس سے پہلے کہ میں اپنی جگہ سے حرکت کرتا، گیٹ پر موجود گاڑی کا ہارن صبح کی خاموش اور پُرسکون فضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگا!

گولی چلنے کی آواز کے ساتھ ہی میرے کانوں میں لالاں کی کراہ آمیز چیخ بھی سنائی دی تھی۔ میں متوحش انداز میں پلٹی۔ کیا دیکھتی ہوں، لالاں اپنے خون آلود ہاتھ کو تھامے ہوئے کراہ رہی تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے گولی لگتے ہی کہیں دور جا پڑا تھا اور..... میں ابھی سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ اچانک تاریکی کی اوٹ سے چند ہیولوں نے شکاری کتوں کی طرح ہمیں گھیر لیا۔ دھندلی روشنی کے باوجود میں ان لوگوں کو پہچان گئی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کے چہروں کے نقوش ہنوز میرے اور لالاں کے ذہن سے محو نہیں ہوئے تھے۔

یہ کل پانچ افراد تھے۔ پھوٹا خان اور اس کے چار حواری۔ چونکہ سردست میری ان سے کوئی ”نسل“ نہ تھی اس لیے وہ پانچوں بڑی زہر خند نظروں سے لالاں کو گھور رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں دبی ہوئی گنوں کا رخ اس کی طرف کر رکھا تھا۔ لالاں کے پستول والے ہاتھ پر انہی میں سے ہی کسی ایک نے گولی چلائی تھی۔

”لالاں.....! خبردار..... کوئی غلط حرکت کی تو..... ورنہ گولیوں سے بھون کر رکھ دوں گا۔“

پھوٹا خان نے غراتی ہوئی آواز میں لالاں سے کہا۔ لالاں کے چہرے سے اذیت کے آثار یک لخت چھٹ کر قہربار تاثرات میں بدل گئے اور وہ مغلوب ہونے کے باوجود پھوٹا خان کو زہنی نظروں سے گھورتی ہوئی ناگن کی طرح پھنکاری۔

”پھوٹا خان! تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔ یہ مت بھولو کہ تمہارا بیٹا میرے قبضے میں ہے۔“

پھوٹا خان اس کی بات پر ہتھے سے اکھڑ گیا اور آگے بڑھ کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر رسید کردیا۔

”میں تیرا خون پی جاؤں گا۔ اگر میرے بچے کا تم لوگوں نے بال بھی بیکا کیا تو.....“ یہ کہہ کر اس نے فوراً لالاں کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لیے اور اسے جھٹکا دیتے ہوئے دوبارہ قہر آلود لہجے میں بولا ”بتا! تو نے میرے بچے کو کہاں چھپا کر رکھا ہے۔ بول ورنہ ادھر ہی تیرا برا حشر کر ڈالوں گا۔“

مگر لالاں جواباً بدستور اسے شعلہ فشاں نظروں سے گھورتی رہی۔ اس کی زہر خند خاموشی پر پھوٹا خان ایک بار پھر غصے سے کھول اٹھا اور پستول کی سیاہ نال اس کی کنپٹی سے لگا دی ”بتاتی ہے یا..... ابھی تیرا بھیجا پار کر ڈالوں؟“ اس کی زہر آلود اور منتقمانہ دھمکی پر لالاں کے سانولے چہرے پر بڑے خوفناک تاثرات ابھرے اور وہ بلاخوف بولی۔

”پھوٹا خان! اگر تو نے میرا قصہ پاک کر ڈالا تو تیرا بیٹا کبھی زندہ نہیں بچے گا کیونکہ میری زندگی ہی تیرے بیٹے کی زندگی کی ضامن ہے“ اس کے بے پروا لہجے پینے لگا۔ پھر جیسے زچ ہوکر بولا۔

”چل پھر..... ہمیں وہاں لے چل جدھر تو نے میرے بیٹے کو یرغمال بنا رکھا ہے۔“

”ہرگز نہیں“ لالاں بلاخوف قطعیت سے انکار کرتے ہوئے بولی۔ ”اس طرح تم کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ پھوٹا خان! تمہیں اپنے پہلے والے معاہدے پر قائم رہنا پڑے گا اور مجھے کونجاں سمیت یہاں سے جانا دیا جائے..... میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں تمہاری اس غلطی کو معاف کردوں گی“ لالاں کی بات سن کر پھوٹا خان ایک بار پھر چراغ پا ہوگیا اور اس نے بے دردی سے لالاں کی تھپڑوں، گھونسوں اور لاتوں سے تواضع کرنی شروع کردی۔ لالاں بہرحال ایک عورت تھی، تنومند پھوٹا خان کے قیامت خیز اور بے رحم مکوں اور لاتوں نے لالاں کو چیخنے چلانے پر مجبور کر ڈالا۔

وہ بولا ”بتا، مانتی ہے ہماری بات..... یا باری باری ہم پانچوں..... تیرا منہ کالا کریں۔“

پھوٹا خان نے زدار کتے ہوئے ہانپتی آواز میں غرا کر کہا۔ میں نے دیکھا، لالاں بری طرح مضروب ہوچکی تھی۔

پھوٹا خان کے تھپڑوں اور مکوں نے اس کے چہرے کی حالت بگاڑ کر رکھ دی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑے بڑے نیل ابھر آئے تھے۔ ہونٹوں اور ناک سے خون کی پتلی لکیر جاری ہوگئی تھی اور وہ زمین پر پڑی بری طرح کراہنے کے انداز میں ہانپ رہی تھی۔ میں ایک طرف خاموش کھڑی لالاں کی یہ درگت بنتے دیکھ رہی تھی۔ کبھی پھوٹا خان نے اپنے دو حواریوں کو اشارہ کیا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ کر فوراً آگے بڑھے اور لالاں کو بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کردیا۔ لالاں کا زخم آلود چہرہ خراشوں سے سرخ ہورہا تھا۔ مگر مجھے اس پر بالکل ترس نہیں آرہا تھا۔ پھوٹا خان اپنے ایک ہاتھ کے پنجے سے اس کے گال دبوچ کر زہرناک لہجے میں غرایا ”کیا کہتی ہے اب..... بول.....؟“ لالاں زخمی ناگن کی طرح اسے خونیں نگاہوں سے گھورنے لگی۔

پھوٹا خان نے اس کا چہرہ جھٹک کر اپنے چاروں حواریوں سے کہا۔

”اڑے..... یہ ایسے نہیں مانے گی، تم لوگ ذرا اس کو اپنے انداز میں سمجھاؤ۔“ اس کے حواری جارحانہ انداز میں لالاں کی طرف بڑھے۔ تبھی لالاں گویا ہتھیار ڈالتے ہوئے بولی۔

”ٹھہرو..... میں..... میں چلنے کو تیار ہوں“ اس کی بات پر پھوٹا خان نے اپنے حواریوں کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا پھر لالاں کو گھورتے ہوئے بولا۔

''اگر تو نے ہمارے ساتھ ذرا بھی دھوکا کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا' میں اپنا بچہ تو ڈھونڈ ہی لوں گا مگر تیرا وہ حشر کروں گا کہ تیری روح بھی مجھ سے پناہ مانگے گی۔ چل آگے بڑھ.....'' یہ کہہ کر پھوٹا خان نے اسے آگے کی طرف دھکیلا۔ لالاں خاموشی سے آگے بڑھنے لگی۔ پھوٹا خان نے مجھے اپنے چاروں حواریوں کے گھیرے میں دے دیا تھا۔ اب ہم سب لالاں کے عقب میں چلنے لگے۔

رات کا اسرار بھرا سناٹا میرے اعصاب چٹخا رہا تھا۔ مجھے ایک بار پھر پریشان کن گھبراہٹ نے آن لیا تھا۔ پھوٹا خان اور اس کے حواریوں کے سر پر اس وقت خون سوار تھا۔ اگرچہ ان پانچوں خونخوار بھیڑیوں کی توجہ لالاں پر مرکوز تھی مگر وہ میری طرف سے بھی غافل نہ تھے۔ میں یہ بات بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر میں نے ذرا بھی کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو یہ لوگ مجھ سے ذرّہ برابر بھی رعایت نہیں کریں گے۔ اس لیے میں موجودہ حالات کی سنگینی کا ادراک رکھتے ہوئے سردست کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی جو انہیں مشتعل کر ڈالتا۔ تاہم میرا دل کہہ رہا تھا کہ لالاں اور پھوٹا خان کے درمیان ہونے والی متوقع خوں ریز جنگ' ہوسکتا ہے میرے لیے فرار کا باعث بن جائے چنانچہ میں بدستور کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھی۔

دل و دماغ بری طرح ہول رہے تھے۔ میرے ذہن رسا میں ایک بات یہ بھی آئی تھی کہ پھوٹا خان نے شاید جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لالاں پر غلط وقت پر ہاتھ ڈالا تھا جو خود اس کے بیٹے مراد علی کی جان کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔ میرے محتاط خیال کے مطابق پھوٹا خان کو اپنے چاروں حواریوں سمیت پہلے خاموشی کے ساتھ لالاں کا تعاقب کرنا چاہیے تھا اور لالاں کے اصل ٹھکانے تک پہنچتے ہی اس پر ہاتھ ڈالتے تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ اس طرح قبل از وقت لالاں کو قابو کرنے سے وہ انہیں بھٹکا بھی سکتی تھی جس کا مجھے سو فیصد یقین تھا کیونکہ اس جان لیوا حقیقت کا یقیناً لالاں اور اس کے منگیتر' کوڑل کو بھی بہ خوبی ادراک ہوگا کہ اگر ایک بار پھوٹا خان کو اس کا بیٹا مل گیا تو وہ ان دونوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ بہرحال اندیشناک اور وسوسہ انگیز لمحات میں ہمارا پیدل سفر جاری تھا۔

پھوٹا خان کے پوچھنے پر لالاں نے اسے یہی بتایا تھا کہ اس کا بچہ مراد علی اس کے منگیتر کوڑل کے قبضے میں ہے اور وہ مقام یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ جہاں کوڑل نے مراد علی کو یرغمال بنا رکھا تھا' وہ ایک جنگلی علاقہ تھا' جس کے آغاز ہی میں مٹی کے اونچے نیچے ٹیلے بنے ہوئے تھے۔ حالانکہ پھوٹا خان کے پاس جیپ بھی تھی مگر اس نے شاید کچھ سوچ کر ہی جیپ کے بجائے پیدل سفر کو ترجیح دی تھی۔ ہم سب خاموشی سے ... آگے بڑھ رہے تھے۔

جنگل کے قریب پہنچتے ہی پھوٹا خان نے گمبھیر لہجے میں لالاں سے پوچھا۔

''لالاں..... میں ایک بار پھر تم کو آگاہ کر.... رہا ہوں۔ ہم سے کسی بھی قسم کی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو بلا تاخیر تمہیں گولیوں سے بھون کر رکھ دوں گا'' اتنا کہہ کر وہ ذرا تھما پھر لالاں کی بدستور بھیدوں بھری خاموشی پر دوبارہ بولا ''اب تو ہمیں بتائے گی کہ ہم کس راستے سے اس جنگل میں داخل ہوں کہ ہمارا مطلوبہ علاقہ وہاں سے نزدیک پڑے'' اس بار اس کی بات پر لالاں کے قدم رک گئے۔ وہ چند ثانیے کچھ سوچنے کے انداز میں کھڑی رہی پھر اس نے دائیں طرف یعنی جنگل کے متوازی چلنا شروع کر دیا۔ جنگل کے قریب پہنچنے پر میں نے محسوس کیا تھا کہ پھوٹا خان سمیت اس کے چاروں مسلح حواری مستعد ہوگئے تھے۔

پھر اچانک ایک مقام پر لالاں نے جنگل کی طرف اپنا رخ موڑا تو یکایک پھوٹا خان کے دو حواری اس کے دائیں بائیں ہو کر چوکنا انداز میں چلنے لگے۔ میرے دل کی دھڑکنیں فزوں تر ہونے لگیں۔ کسی بھی لمحے کچھ ہو جانے کا تصور میرے رونگٹے کھڑے کر رہا تھا۔ اب ہم لالاں سمیت جنگل میں داخل ہو چکے تھے۔

پورا جنگل سائیں سائیں کرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پھوٹا خان نے اپنے دو حواریوں کو چند ہدایات دے کر انہیں دو مخالف سمتوں میں سامنے ٹیلوں کی طرف روانہ کر دیا۔ ایسے میں' میں نے کن انکھیوں سے لالاں کے خاموش چہرے کی طرف دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر دور دور تک کسی تفکر یا پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا۔ شکست خوردگی کی ایک ذرا سی بھی رمق وہاں موجود نہ تھی۔ اس کی یہ اسرار بھری غیر متوقع ''بے نیازی'' اس کے کسی اچانک گل کھلانے کا پتا دے رہی تھی۔

بہرطور اپنے ان دونوں حواریوں کو روانہ کرنے کے ذرا ہی دیر بعد پھوٹا خان نے ہمیں آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اب اس کے باقی دونوں حواریوں نے حسبِ معمول دائیں بائیں سے مجھے گھیر رکھا تھا جبکہ خود پھوٹا خان لالاں کی پشت سے اپنا پستول لگائے ہمارے پیچھے چل رہا تھا۔ اب سامنے جابجا چھوٹے بڑے مٹی کے تودہ نما قدرتی ٹیلوں کے خاکے واضح ہونے لگے تھے۔ ان کے قریب پہنچتے ہی لالاں نے ٹیلوں کے متوازی ایک طرف ہو کر چلنا شروع کر دیا۔ بالخصوص یہ میرے لیے بڑے سنسنی خیز لمحات تھے۔ اب کسی بھی لمحے اعصاب شکن حالات کا شاخسانہ جیسے ہمیں جکڑنے والا تھا۔ آئندہ کے کسی بھی

متوقع اور خوں ریز حالات میں خود میری جان کو بھی خطرہ درپیش ہوسکتا تھا۔ دم بہ خود اور تاریک ماحول میں اس قدر ہولناک سناٹا طاری تھا کہ..... پتا کھڑکا اور دل دھڑکا والا معاملہ تھا۔

پھر ایک مقام پر جہاں دو نسبتاً بلند ٹیلے شانہ بشانہ دکھائی دے رہے تھے، لالاں ان کے درمیانی اور بل کھاتے دراڑ نما راستے کے آغاز میں رک گئی۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کا بھونپو سا بنا کر پکارنے کے انداز میں زور سے اپنے ساتھی کوڑل کو آواز دی۔ ایسا اس نے پھوٹا خان کی درشت مگر سرگوشیانہ ہدایت پر کیا تھا۔ لالاں کے ''کوڑل'' پکارنے کی آواز' خاصی دور تک گونجتی چلی گئی۔ میرا متوسّل دل کنپٹیوں پر دھڑکنے لگا۔ آواز کی بازگشت چند ثانیے ہلکورے لینے کے بعد معدوم ہوگئی۔

لالاں نے دوسری بار پھر کوڑل کو پکارا۔ رات کے سناٹے میں لالاں کی آواز خنجر کی طرح پیوست ہوتی چلی گئی مگر پھر بھی جواباً خاموشی چھائی رہی۔

پھوٹا خان کے چہرے پر طیش اور پریشانی کے تاثرات مزید گہرے ہونے لگے تھے۔ اچانک ٹیلوں کی طرف ذرا دور گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ سنائی دی۔ ہم سب بری طرح چونک پڑے۔ میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آواز یک دم ہی معدوم ہوگئی تھی' جس سے صاف پتا چلتا تھا کہ یہ اچانک فائرنگ ابھی یک طرفہ ہی تھی۔ مگر پھر دوسرے ہی لمحے دوبارہ گولیوں کی تڑاتڑی ابھری ... مجھے تو البتہ اندازہ نہ ہوسکا تھا لیکن شاید پھوٹا خان اور اس کے حواریوں کو دوسری بار ہونے والی فائرنگ سے یہ اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ یہ جوابی فائرنگ تھی۔ جس کا ایک ہی مطلب تھا کہ پھوٹا خان کے ان دونوں حواریوں اور کوڑل کے بیچ ٹھن گئی تھی۔ لیکن میں نے دیکھا کہ پھوٹا خان اب بری طرح پریشان اور متفکر نظر آنے لگا تھا۔ ان حالات میں اس کا یک دم پریشان اور بے چین ہو جانا برمحل تھا کیونکہ ابھی تھوڑی دیر ہونے والی ''دوطرفہ'' انداز کی فائرنگ سے پتا چلتا تھا کہ کوڑل کو ''معاملے'' کی خطرناک کایا کلپ کا اندازہ ہو چکا تھا اور وہ یقیناً طیش میں آکر مراد علی کو جانی نقصان بھی پہنچا سکتا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا کہ اب بذاتِ خود مجھے بھی پھوٹا خان کے اس معصوم بچے کی جان کی فکر لاحق ہونے لگی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ معصوم بے چارہ بہرحال بے گناہ تھا اور میں بھی یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنے باپ کے کرتوتوں کی بھینٹ چڑھ جائے۔ پھوٹا خان کی حالت پتلی ہونے لگی۔ وہ شدید مضطرب نظر آنے لگا۔ لالاں کے چہرے پر البتہ اب بھیدوں بھری گہری سنجیدہ خاموشی کھنڈ آئی تھی۔

''لگتا ہے..... سائیں بخش اور سوڈھل نے کام بگاڑ دیا ہے۔'' معاً پھوٹا خان کی پُرتفکر آواز ابھری'' حالانکہ میں نے ان دونوں کو سمجھایا بھی تھا کہ اگر کوڑل انہیں نظر آ بھی جائے تو اس پر ہاتھ ڈالے بغیر ایک ادھر ہی اس کی ٹوہ لگائے اور دوسرا فوراً ادھر آکر مجھے خبر کرے مگر اب.....'' وہ دانت پیس کر اپنی مٹھیاں بھینچنے لگا۔

سائیں بخش اور سوڈھل یقیناً اس کے ان دونوں حواریوں کے نام تھے جنہیں ذرا دیر پہلے ہی پھوٹا خان نے کوڑل کی ٹوہ لینے کے لیے ٹیلوں کی طرف روانہ کیا تھا۔

''سائیں میرا خیال ہے..... آپ اور بچل ادھر ہی رکو' میں آگے جا کر دیکھتا ہوں'' پھوٹا خان کو سخت متفکر پا کر اس کے ایک کارندے نے پُرجوش ہو کر کہا تو پھوٹا خان نے اس کی بات جیسے سنی ان سنی کرتے ہوئے لالاں سے درشت لہجے میں پوچھا۔

''تیرا وہ یار..... یہاں سے کتنے فاصلے پر موجود ہے؟''

''مجھے لگتا ہے اسے گڑبڑ کا احساس ہوگیا ہے'' جواباً لالاں نے گومگو سے لہجے میں کہا حالانکہ اس نے پھوٹا خان کا سوال گول کر دیا تھا۔ وہ دوبارہ بلاتعویق پھوٹا خان کو تجویز دیتے ہوئے بولی ''پھوٹا خان! تمہارے ان دونوں ساتھیوں نے جوش میں آکر جلد بازی سے کام بگاڑ دیا ہے۔ اس طرح تمہارے بچے کی زندگی کو بھی خطرہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ کوڑل کو اب تک یہ نہیں معلوم کہ میں اس وقت تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔ اگر تم اجازت دو تو خود جا کر اپنے ساتھی سے بات کروں؟''

پھوٹا خان اس کی بات پر بہ مشکل اپنے غیظ کو دباتے ہوئے پھنکار کر بولا ''نہیں..... تمہیں ہمارے ساتھ ہی چلنا ہوگا' چلو آگے بڑھو۔'' یہ کہہ کر اس نے لالاں کو آگے دھکیلا اور وہ خود اس کے عقب میں پستول تانے چلنے لگا۔ چنانچہ مجھے بھی ساتھ کھڑے اس کے دونوں حواریوں نے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ہم سب چہروں پر سنسنی خیز خاموشی طاری کیے آگے بڑھ رہے تھے۔ ٹیلوں کے درمیان بنی یہ کشادہ گزرگاہ بل کھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ دفعتاً سناٹے میں ایک بار پھر گولیوں کی خوفناک تڑتڑاہٹ ابھری۔ اس بار یہ آواز خاصی قریب سے سنائی دی تھی۔ لگتا تھا' ہم جائے وقوعہ کے خاصے قریب پہنچ چکے تھے۔ مگر اس بار پھوٹا خان کے قدم نہیں رکے تھے۔ وہ بدستور لالاں کے عقب میں اسے گاہے بہ گاہے آگے دھکیلتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ میرا دل متواتر بری طرح دھڑکے جا رہا تھا۔ پھر اچانک ہمیں سامنے نسبتاً ایک کم بلند ٹیلے کی ڈھلان پر ایک سایہ دکھائی دیا۔ جسے دیکھ کر ہم سب ٹھٹک کر رک گئے۔ اس نے بھی شاید ہمیں دیکھ لیا تھا اور اب وہ تیزی کے ساتھ مذکورہ ٹیلے کی ڈھلان سے نیچے اتر رہا تھا۔ وہ خاصا زخمی معلوم ہو رہا تھا۔ وہ ڈھلان سے تقریباً لڑکھڑاتا ہوا

سیدھا راہ گزر میں عین پھوٹا خان اور لالاں کے قدموں میں آگرا۔ اس کا وجود خاصا زخمی دکھائی دے رہا تھا۔ اسے شاید گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ پھوٹا خان اور اس کا ایک حواری فوراً اس کی طرف لپکے۔

''ارے سوڈھل! بابا کیا ہوا تجھے؟ سائیں بخش کدھر ہے؟'' پھوٹا خان نے اس کے ذرا قریب پہنچ کر کھڑے کھڑے اس سے پوچھا۔ سوڈھل نامی زخمی شخص بری طرح نڈھال تھا۔ وہ کھنچی کھنچی سی سانسیں لے رہا تھا۔ میں اور دوسرا حواری بھی ذرا آگے بڑھ آئے تھے۔ پھوٹا خان اپنے زخمی حواری کے قریب اکڑوں بیٹھ کر اسے گویا جھنجوڑ کر دوبارہ بولا۔

''ارے..... کچھ بول تو سہی..... ہوا کیا ہے؟''

''سس..... سائیں..... بخش..... مم..... مر چکا ہے ..... ک..... کوڑل نے ..... مم..... مجھے بھی زخمی کر ڈالا'' زخمی سوڈھل نے بہ مشکل ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بتایا اور پھر اس کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ یہ ایک ایسا لمحہ تھا کہ ہم سب ہی چند ثانیے کے لیے لالاں سے غافل ہو چکے تھے اور شاید یہی وہ لمحہ تھا جس کی وہ کافی دیر سے منتظر بھی تھی۔ ہم چوں کہ اس وقت راہ گزر کے ایک موڑ والے حصے پر کھڑے تھے۔ لہٰذا لالاں نے کسی چھلاوے کی طرح اپنی جگہ سے حرکت کی اور راہ گزر کے موڑ کے عقب میں تیزی سے غائب ہوگئی۔ پھوٹا خان کا وہ حواری جو میرے ساتھ چپکا کڑا تھا۔ اس کی البتہ لالاں پر نظر پڑ چکی تھی اور اس نے بھی اپنی سی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لالاں پر اپنی گن سیدھی کرنی چاہی تھی۔ مگر وہ اس سے پہلے ہی ٹیلے کے عقب میں غائب ہو چکی تھی اس لیے اسے لالاں پر فائر کرنے کا موقع تو نہ مل سکا تھا البتہ..... اس نے جوش میں آکر تیزی سے حرکت کی اور لالاں کے عقب میں دوڑ گیا۔ پھوٹا خان اور اس کا بچل نامی حواری..... سوڈھل کے قریب سے فوراً مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ادھر لالاں کی جرأتِ رندانہ نے میری رگوں میں دوڑتے ہوئے لہو کو بھی جیسے پارہ بننے کی ترغیب دی اور میرے جی میں بھی اس موقع سے فی الفور فائدہ اٹھانے کی تمنا جاگی تھی لیکن پھوٹا خان نے غراہٹ آمیز آواز میں بچل کو مجھ پر نظر رکھنے کی ہدایت دے کر خود تیزی سے آگے بڑھ کر موڑ کی دوسری طرف غائب ہوگیا۔ بچل نے فوراً مجھ پر اپنی رائفل تان لی تھی مگر میں محسوس کر رہی تھی کہ اپنے سوڈھل اور سائیں بخش نامی دونوں ساتھیوں کی عبرت ناک موت نے اسے خاصا متفکر اور پریشان سا کر دیا تھا۔ اس پر مستزاد ان کا شکار لالاں بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر بھاگ نکلی تھی۔ یہی سبب تھا کہ بچل کے چہرے پر اس بار درشتی یا کرختگی کے بجائے رنجیدگی نظر آرہی تھی۔ میرا دل بھی اب خون کے بجائے مفر کی راہ کا منتظر تھا۔ دفعتاً مجھے جیسے اپنی سماعتوں کے بالکل قریب گولیوں کی تڑتڑاہٹ سنائی دی۔ بے اختیار میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔ مجھ پر رائفل تانے کھڑا بچل تیورا کر گرا۔ ایک لمحے کو تو میری سمجھ میں ہی کچھ نہیں آیا تھا کہ یہ سب کیا اور کیسے ہوا تھا؟ مگر میں ایسے اچانک اور غیر متوقع حالات کی عادی ہو چکی تھی اور بوکھلانے یا ڈرنے کے بجائے میں ایکا ایکی اپنے مختل حواسوں پر قابو پانے کی بھی صلاحیت رکھنے لگی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی میں نے سامنے گن تانے پہاڑ کی طرح کھڑے بچل کو سرمہ بنتے زمین پر ڈھیر ہوتے دیکھا تو فوراً میری نگاہیں فائرنگ کی سمت میں اٹھ گئیں۔ یہ میرے بائیں جانب ٹیلے کی وہ اونچی سمت تھی جدھر سے سوڈھل..... زخموں سے چور ہو کر لڑکھڑاتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ اب عین اس سمت پر مجھے ایک انسانی ہیولا ہاتھ میں گن پکڑے دکھائی دیا۔ میرے وجود میں ایکا ایکی اضطراری جنبش ابھری۔ اور جوش کی ایک جارحانہ لہر بجلی کی طرح میری رگوں میں سرایت کرتی چلی گئی۔ تب میں ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اپنے بالکل قریب ساکت پڑے بچل کی لاش پر جھپٹی اور اس کے مردہ وجود کے قریب پڑی رائفل اچک لی اور پشت کے بل لیٹے لیٹے ذرا کروٹ بدل کر ٹیلے کی چوٹی پر کھڑے اس پُراسرار ہیولے پر ایک برسٹ فائر کر دیا۔ ٹیلے پر گرد و غبار کا طوفان اٹھا اور پھر اپنے نشانے کی ''تسلی'' کیے بغیر مخالف سمت کی طرف دوڑ لگادی۔ اگلے ہی لمحے مذکورہ ٹیلے کی سمت سے برسٹ چلنے کی گھن گرج سنائی دی۔ مگر اس وقت تک میں بل کھاتی راہ گزر کے موڑ کی اوٹ میں چلی گئی تھی۔ یہاں پہنچ کر میرے جی میں جانے کیسی ''مہم جوئی'' سمائی کہ میں ایک ٹیلے کی آڑ سے چپک کر بیٹھی رہی۔ اس وقت میرے رگ و پے میں عجیب سے جوش کی لہر تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ پُراسرار ہیولا کوڑل کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ جو پھوٹا خان کے دو حواریوں کو جہنم رسید کرنے کے بعد زخمی سوڈھل کا پیچھا کرتا ہوا اس طرف نکل آیا تھا اور اپنی جنگجوانہ اور مکارانہ چابک دستی سے وہ پھوٹا خان کے تیسرے حواری بچل کو بھی اب ختم کر چکا تھا اور بڑی آسانی کے ساتھ مجھ تک بھی آپہنچا تھا لیکن میری بروقت ہوش مندی نے اب اس کے لیے میرا حصول مشکل بنا ڈالا تھا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہی تھی کہ کوڑل جیسے مکار دشمن سے میں خود بھی بری طرح خائف تھی۔ اگرچہ میں نے اس خوف کو اپنے اعصاب پر سوار کرنے کے بجائے اس کا ڈٹ کر سامنا کرنے کی ٹھان لی تھی اور میں نے اس بار اپنے دل میں یہ تہیہ کر لیا تھا کہ میں اب اپنے پھوٹا خان اور لالاں وغیرہ جیسے دشمنوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی کیونکہ یہ

میرے دشمنوں کا وہ گروہ تھا جو بار بار میرے اہم مقاصد کے آڑے آ کر میرا جینا دوبھر کیے ہوئے تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ سب سے بڑی اور اہم بات یہ بھی تھی کہ ان کے نرغے میں آ کر بارہا میری زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہوا تھا۔ پھوٹا خان اور لالاں وغیرہ کے دونوں مخالف ٹولوں کا مقصد مشترکہ تھا اور وہ تھا میرا حصول تاکہ وہ لوگ اس بیش قیمت ''راکاس مورتی'' کے مدفن تک پہنچ سکیں اور یہی وجہ تھی کہ میرے حصول کی خاطر ان دونوں ٹولوں کے درمیان خطرناک رسا کشی جاری تھی۔

ٹیلے کی اوٹ میں دبک کر بیٹھ جانے کا میرا ایک مقصد تھا اور وہ یہ کہ کوڑل یقیناً میرا تعاقب کرتا ہوا ضرور ادھر آنے کی کوشش کرے گا۔ میری ان حالات میں اس جرأت کا مظاہرہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میں اچھی طرح جانتی تھی۔ پھوٹا خان اور لالاں سمیت کوڑل ..... بہرصورت میری موت کے متمنی نہ تھے۔ جب تک کہ وہ میرے ذریعے ''راکاس مورتی'' تک نہیں رسائی حاصل کر لیتے' اس کے بعد یقیناً میری زندگی ان کے لیے کانٹے کی طرح کھٹکتی۔ اور تب یہ لوگ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے میں ایک پل کی بھی دیری نہیں لگائیں گے۔ لہٰذا یہی سبب تھا کہ میں اب ایسا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی کہ میں پھوٹا خان سمیت لالاں اور کوڑل کو جہنم واصل کر کے ہی دم لوں۔

میں دم سادھے ٹیلے کی آڑ میں جھک کر اکڑوں بیٹھی تھی۔ میرے چہار اطراف سناٹے پھیلے ہوئے تھے۔ پُرسکوت فضا میں مجھے اپنی سانسوں کی بازگشت بھی چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی چہ جائیکہ جسے سن کر میرے دشمن میری یہاں موجودی سے واقف نہ ہو جائیں۔

معاً مجھے اپنے عقب میں آہٹ سی سنائی دی۔ میں جنگلی بلی کی طرح رائفل تانے پلٹی۔ کسی نے مٹی کا ڈھیلا اچھالا تھا۔ یہی وہ جان لیوا لمحہ تھا جب بجلی کی سرعت کے ساتھ میرے دماغ میں دشمن کی اس چالاکی کا عقدہ کھلا اور جب تک میں دوبارہ پلٹتی' مجھے دیر ہو چکی تھی۔ ایک ہیولے نے میرے رخ پھیرنے پر عقب سے مجھ پر چھلانگ لگا دی تھی۔

☆☆☆

میرے حلق سے اضطراری چیخ سی نکل گئی۔ بدبخت کوڑل نے مجھے گردن سے دبوچنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے پشت کے بل گرتے ہی ..... اپنے ہاتھ کی مٹھی مضبوطی سے جکڑتے ہوئے ایک گھونسا اس کی ناک پر رسید کر دیا۔ رائفل چونکہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی لیکن میرا مکا کوڑل کے لیے غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔ ایک ثانیے کے لیے وہ جھنجلا سا گیا۔

میں نے فوراً مچھلی کی طرح تڑپ کر قریب دھری اپنی رائفل کو ہاتھ جمایا تو کوڑل اپنے مضروب چہرے کی تکلیف کو بھلا کر میرے رائفل والے ہاتھ کو پکڑنے کی سعی کرنے لگا میں پشت کے بل لیٹے لیٹے اپنی دائیں ٹانگ اس کے سینے پر مار کر اسے پرے دھکیل دیا۔ مگر اس کوشش میں وہ میرے ہاتھ سے رائفل کھینچنے میں کامیاب ہو چکا تھا چنانچہ اگلے ہی لمحے وہ اچھل کر سے اٹھا اور میری رائفل ایک جانب پھینک کر اپنی رائفل کو تان لی اور زہر خند لہجے میں بولا۔

''خبردار..... کونجاں! اب کوئی حرکت نہ کرنا ورنہ۔''

اس نے شعلہ اگلتی نظروں سے مجھے گھورا اور میں بے اختیار ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ میرا دل متوحش انداز میں تیزی سے دھڑکنے لگا۔

''پھوٹا خان کے اور کتنے ساتھی باقی ہیں'' اس نے درشت سے پوچھا۔

''ایک..... دوسرا وہ خود ہے اور لالاں کے تعاقب میں دونوں گئے ہیں'' میں نے مصلحتاً صاف گوئی سے جواب دیا تو اس نے دوبارہ پوچھا ''کس طرف گئے ہیں وہ دونوں مردود؟''

''اس طرف.....'' میں نے اس بار دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے بالکل مخالف سمت میں اشارہ کیا۔

وہ چند ثانیے دانت پیستے ہوئے کچھ سوچتا رہا پھر اس کے بعد مجھے مذکورہ سمت میں آگے بڑھنے کو کہا۔ میرے تنے ہوئے اعصاب اب ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔ تاہم میں نے ایک قدم بھی آگے بڑھائے بغیر چالاکی سے کہا۔

''پھوٹا خان کے سر پر اس وقت خون سوار ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہوگا کہ تم میری فکر چھوڑ کر اپنی لالاں کو ان دونوں کے خونی پنجے سے بچاؤ۔ میں بھلا کہاں جا سکتی ہوں' تمہاری تو مجھ ..... سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع نہ کرو۔'' میں یہ کہتے ہوئے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اس کے چہرے پر اپنی بات کی اثر پذیری بھانپنے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے فوراً یہ بات محسوس کر لی کہ وہ میری بات پر چند ثانیے کے لیے تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔ پھر معاً رات کے پُرہول سناٹے میں ہمیں دھواں دھار فائرنگ کی گھن گرج سنائی دی۔ ہم دونوں ہی بری طرح ٹھٹکے تھے۔ کوڑل البتہ زیادہ پریشان دکھائی دینے لگا تھا۔ فائرنگ کی آواز اس سمت سے ابھری تھی جدھر تھوڑی دیر پہلے پھوٹا خان اور اس کا چوتھا ساتھی' لالاں کا تعاقب کرتے ہوئے نکلے تھے۔ یہ مخالف سمت تھی' جو میرے جھوٹ کی پول کھولنے کے لیے کافی تھی۔ شاید یہ بات کوڑل نے بھی فوراً محسوس کر لی تھی' وہ اب میری طرف سنسناتی ہوئی نظروں سے

گھورنے لگا مگر میں نے اپنے چہرے سے ذرا بھی گھبراہٹ ظاہر ہونے نہیں دی تھی۔

''تو' تو کہہ رہی تھی کہ وہ دونوں مردود..... اس سمت گئے ہیں..... جبکہ فائرنگ کی آواز تو عقب سے آ رہی ہے؟''

''میں نے بالکل درست کہا تھا'' میں نے ڈھٹائی سے اپنی بات پر قائم رہتے ہوئے جواباً کہا۔

''لالاں موقع پاتے ہی اس طرف دوڑی تھی۔ ہو سکتا ہے' اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر بعد میں اپنا رخ تبدیل کر لیا ہو۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ تم اس طرف موجود ہو گے۔'' میری توجیہہ نے اس کی آتشِ غیظ کو ذرا کم کیا تو وہ بولا۔

''کونجاں! تمہاری بات بالکل درست ہے۔ ہماری واقعی تم سے کوئی دشمنی تو نہیں ہے لیکن کونجاں' تو اگر راکاس مورتی تک ہماری راہنمائی کر دے تو یہ میرا وعدہ ہے' پھر ہم تیرا پیچھا چھوڑ کر واپس اپنی دھرتی راجھستان کی طرف لوٹ جائیں گے۔''

''اس رذیل پھوٹا خان کو بھی یہی غلط فہمی ہے' وہ یہ سمجھتا ہے' میں راکاس مورتی کے راز سے واقف ہوں'' اس کی بات کے اختتام پر میں نے بھی مکارانہ حکمتِ عملی سے اپنے لہجے میں بے بسی سموتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

''جبکہ حقیقت یہی ہے کہ..... مجھے خالقو چاچا نے اس مورتی کے بارے میں صرف اس قدر ہی بتایا تھا کہ وہ کنڈھ کوٹ کشمور کے صحرائی علاقے میں کہیں دفن ہے۔''

''تو ایک چالاک بلی بننے کی کوشش مت کر کونجاں!'' معاً کوڑل نے دانت پیستے ہوئے جیسے میری مکارانہ حکمتِ عملی پر پانی پھیر دیا۔ ''اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں کہ راکاس مورتی کشمور کے صحرائی علاقے میں کہیں دفن ہے اور ہمارے پاس اتنے وسائل ہیں اور نہ ہی اتنا وقت کہ کشمور کے صحراؤں کو کھنگالتے پھریں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ خالقو دھاڑیل نے جس مقام پر وہ مورتی دفن کی ہے' اس سے تجھے اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا اور تو راکاس مورتی کے مدفن سے بہ خوبی آگاہ ہو چکی ہے۔ ورنہ وہ رذیل اور دغاباز پھوٹا خان ہرگز تجھے یرغمال نہ بناتا۔''

اس کی گفتگو نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت دوبارہ فائرنگ کی گھن گرج ابھری۔ کوڑل یک بیک ٹھٹکا اور پھر اپنی رائفل کی مہیب نال لہراتے ہوئے مجھ سے تحکمانہ کرختگی سے بولا ''چلو آگے بڑھو۔ اب کوئی بات نہیں ہوگی'' اس کے خونخوار لہجے کی قطعیت کو محسوس کر کے میں سر جھکا کر اس جانب چل پڑی جدھر پھوٹا خان اپنے ایک اکلوتے حواری کے ساتھ لالاں کے تعاقب میں دوڑا تھا۔

کوڑل میرے پیچھے پیچھے تھا۔ میں جان بوجھ کر آہستہ روی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ معاً کوڑل نے میری پشت میں اپنی رائفل کی نال چبھوتے ہوئے دھکیل کر کہا ''جلدی چلو..... ورنہ گولیوں سے بھون دوں گا۔''

ناچار میں تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔ فائرنگ کا انداز یک طرفہ محسوس ہو رہا تھا۔ جس کا بدستور اور واضح مطلب یہی تھا کہ لالاں ابھی نہتی تھی' پھوٹا خان جیسے عفریت سے اپنی جان بچانے کی تگ و دو میں مصروف تھی۔ کوڑل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی بھی طرح لالاں کی مدد کو لپکے۔ مگر وہ مجھے بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ یہی وجہ تھی کہ وہ شدید تذبذب کا شکار نظر آ رہا تھا۔ وہ اس وقت کئی قسم کے حالات کا شکار تھا۔ پھوٹا خان کے تین خواریوں کو بڑی سفاکی ..... سے قتل کر چکا تھا۔ اور نہ جانے اس نے اب تک پھوٹا خان کے بیٹے مرادعلی کو کہاں چھپا رکھا تھا۔ فائرنگ کی آواز پھر گونجی۔

''کونجاں! میں کہتا ہوں ..... دوڑ' تیز دوڑ۔ جلدی کر'' مجھے عقب سے کوڑل نے جنونیوں کے سے انداز میں ٹھوکا مارتے ہوئے کہا اور پھر میں نے ٹیلوں کے درمیان بل کھاتی راہ گزر پر بے تحاشا دوڑنا شروع کر دیا۔ فائرنگ کی آواز اب بالکل قریب سے آتی ہوئی سنائی دینے لگی تھی۔ یہ میرے لیے بڑے سنگین لمحات تھے جو جان لیوا بھی ثابت ہو سکتے تھے۔ کیونکہ اس وقت پھوٹا خان کے سر پر اپنے بیٹے کے سوا اور کوئی دھن سوار نہ تھی۔ وہ مشتعل ہو کر مجھے بھی ہلاک کر سکتا تھا یا پھر دو خونخوار اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دشمنوں کے بیچ میں بھی پس سکتی تھی۔ مگر میں نے باوجود اس کے اپنے حواس قابو میں رکھے تھے اور میرا دل متوحش ہونے کے باوجود ''فرار'' کی راہ کا متلاشی تھا۔ میں اب کوڑل کی ہدایت کے مطابق دوڑے جا رہی تھی۔ دائیں بائیں ٹیلوں کا سلسلہ اب مزید گنجان ہوتا چلا جا رہا تھا۔ پھر اچانک ایک مقام پر میں بے دم ہو کر گر پڑی اور بری طرح ہانپنے لگی۔ دھواں دھار گولیاں چلنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ کوڑل نے میرے بال مٹھی میں جکڑ لیے اور غرا کر بولا۔

''میرے ساتھ مکر مت کر چل اٹھ'' مجھے غصہ تو آیا مگر میں اسے دبانے پر مجبور تھی۔ ناچار اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور نڈھال سی آگے بڑھنے لگی۔ مگر میرا چلنے کا انداز سست ہی تھا۔ کوڑل اس وقت پائے رفتن نہ جائے ماندن کی سی کیفیت سے دوچار تھا۔ وہ مجھے چھوڑنا بھی نہیں چاہتا تھا اور میرے ہوتے ہوئے وہ آگے بڑھ کر اپنی لالاں کو دشمنوں کے اندھا دھند حملوں سے بھی بچانا چاہتا تھا۔ وہ تنہا ہوتا تو شاید اب تک قہر و غضب بن کر دشمنوں پر ٹوٹ چکا ہوتا۔ لیکن مجھے یرغمال رکھنے کی..... ذمے داری اس

کے جارحانہ عزائم میں آڑے آرہی تھی۔ میری سست رو چال پر بالآخر وہ تلملا گیا اور ایک زوردار لات اس مردود نے میری کمر پر رسید کردی۔ مجھے ایک زوردار جھٹکا لگا۔ اور میں چیختی ہوئی منہ کے بل زمین پر جا گری۔ اب تو میں بالکل ہی ڈھے کر رہ گئی تھی۔ تب پھر مجھے کوڑل کی آواز سنائی دی۔

''حرام زادی! تو جائے گی کدھر آخر ہم سے بچ کر۔ میں پہلے دشمنوں سے نمٹ لوں۔ پھر تجھے بھی دیکھ لوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ آندھی طوفان کی طرح' میرے قریب سے گزرا۔ میرا دل بے پایاں مسرت سے جھوم اٹھا۔ میرے ذہنِ رسا نے برمحل یہ ترکیب سوچی تھی' جو کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ میں نے تھکاوٹ اور نڈھال کی اداکاری چھوڑ کر' زمین پر پڑے پڑے سر اٹھا کر سامنے تاریک راہ گزر میں رائفل بدست کوڑل کو گم ہوتے دیکھا تو پھرتی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ' عقب میں دوڑ لگادی۔

☆☆☆

میرے دو دشمن مجھے بھول کر آپس میں ہی نبرد آزما ہو چکے تھے اور میرے فرار کا یہ بہترین موقع تھا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں اپنی چال میں اتنی آسانی کے ساتھ کامیاب ہو چکی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہی رہی تھی کہ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ کم از کم پھوٹا خان یا کوڑل ..... مجھے قتل کر کے اپنے ''بیش قیمت'' مقصد کو ''ختم'' کرنا بہرحال نہیں چاہتے تھے۔ ویسے بھی میرا ان سے کوئی خونی یا سنگین جھگڑا تو نہیں تھا۔ وہ اپنے حصولِ مقصد کی خاطر مجھے اس وقت تک زندہ رکھنے پر مجبور تھے جب تک کہ وہ دونوں میرے ذریعے اس منحوس ''راکاس مورتی'' کو نہ حاصل کر لیتے۔

بہرطور میں اب دونوں پر مٹی ڈال کے بے تحاشا دوڑی چلی جارہی تھی۔ ٹیلوں کے درمیان مجھے دائیں بائیں مزید چوڑی گزرگاہیں بھی نظر آئی تھیں۔ اور جب میں نے ایک موڑ کاٹا تو اچانک میں ایک نیم اندھیرے مقام پر ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب میرے دائیں بائیں بلکہ چہار اطراف گزرگاہوں کی بھول بھلیاں سی بنی ہوئی تھیں۔ میں پریشان سی ہوگئی۔ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ کون سی راہ گزر میں داخل ہونے کی کوشش کروں؟ پھر اللہ کا نام لے کر اپنی دائیں جانب والی راہ گزر میں داخل ہوگئی۔

بالآخر میں دوڑتے دوڑتے ایسے مقام پر پہنچ کر رک گئی جدھر ٹیلوں کا سلسلہ یک لخت معدوم ہو چکا تھا۔ ذرا رستانے اور اپنی بے ترتیب پھولی ہوئی سانسیں درست کرنے کے بعد میں نے جنگل کے بالکل مخالف سمت میں بڑھنا شروع کر دیا۔ جلد ہی مجھے راستے کی درست سمت کا اندازہ ہوگیا۔ یہ وہی مقام تھا جدھر پھوٹا خان اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہم نے لالاں کا نشان دہی پر ٹیلوں کے اندر اپنا سفر شروع کیا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اب صرف چند فرلانگ کے فاصلے پر پھوٹا خان کی جیپ کو موجود ہونا چاہیے تھا' یہاں قد آدم خودرو خاردار جھاڑیوں کا سلسلہ بہت مختصر تھا..... اس کے بعد چھدری جھاڑیوں والا ویرانہ تھا اور وہیں پھوٹا خان کی جیپ کھڑی تھی لہٰذا منزل کے قریب پہنچنے کی دھن میں' میں بغیر رکے خاردار جھاڑیاں پھلانگتی ہوئی جب آخری سرے پر پہنچ کر یکدم جھاڑیوں سے نکلی تو سامنے نگاہ پڑتے ہی میرے قدم جیسے یک دم زمین میں گڑ سے گئے۔ سامنے مدھم روشنی میں مجھے پھوٹا خان کی جیپ تو کھڑی نظر آگئی تھی مگر میرے چونک کر رکنے کی وجہ کچھ اور تھی۔ میں نے جیپ کے قریب کچھ لوگوں کو کھڑے دیکھا تھا۔ ان کا فاصلہ مجھ سے زیادہ نہ تھا۔ ان کی نظروں سے چھپنے کی غرض سے میں دوبارہ الٹے پاؤں جب واپس جھاڑیوں کی طرف پلٹی تو اچانک مجھے کسی کے زور سے ہنکارنے کی آواز سنائی دی۔

''خبردار..... رک جاؤ..... ورنہ.....''

میں یہ آواز سن کر بری طرح دہل گئی' یہ مردود کوڑل کی آواز تھی۔ میرے تو فرشتے کوچ کر گئے مگر میں رکی نہیں اور دیوانہ وار عقب میں دوڑ لگادی۔ اس لمحے میرے عقب میں دو تین گولیاں چلنے کی آواز ابھری مگر میں رکی نہیں اور ہراساں ہرنی کے مانند دوڑتی چلی گئی۔ معاً مجھے اندازہ ہوا کہ کوئی میرے تعاقب میں وحشیانہ انداز میں دوڑا چلا آرہا تھا۔ اپنے تعاقب کے احساس نے مجھے لرزا سا دیا۔ اور دیوانہ وار دوڑتے دوڑتے میری ٹانگیں بھی لرزنے لگیں۔ ٹھیک اسی وقت میرا پاؤں جھاڑیوں میں رپٹا اور میں ایک اضطراری سی کراہ آمیز چیخ مارتی ہوئی منہ کے بل خاردار جھاڑیوں میں جا گری۔ میرے چہرے پہ خراشیں ابھر آئیں۔ گھبراہٹ اور عالم سراسیمگی سے میرا خون رگوں میں جمنے لگا تھا اور شاید یہی سبب تھا کہ میں گرتے کے ساتھ ہی چند لمحے دم بخود سی بے حس و حرکت اپنی جگہ پڑی رہی۔ مگر پھر دوسرے ہی لمحے میں نے اپنے مختل حواسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے دوبارہ اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تو اچانک کسی نے عقب سے غراتے ہوئے مجھ پر چھلانگ لگادی اور میں ایک بار پھر خاردار ..... جھاڑیوں میں گری اور گرتے ہی معاً مجھے احساس ہوا کہ مجھ پر سوار میرا مدمقابل وجود نسوانی تھا۔ صنفِ نازک بذاتِ خود ایک کمزوری ہے' جس سے مجھے قدرے حوصلہ ہوا مگر مجھے یہ اندازہ لگانے میں چنداں دیر نہیں لگی یہ نسوانی وجود اس چنڈال لالاں کے سوا اور کسی کا نہیں ہوسکتا تھا۔ لالاں

جیسی مردمار ''صنفِ نازک'' کا خیال ذہن میں ابھرتے ہی میرے اندر ایک صرف ایک ثانیے کے لیے مغلوب ہونے کا منحوس سا خیال ابھرا تھا مگر پھر دوسرے ہی لمحے میرے اندر کی سرکش اور باغی کڑے حالات میں بھڑ جانے والی کونج نے انگڑائی لے کر یکدم بیدار ہوگئی چنانچہ میں نے گرتے ہی شیرنی کی طرح زمین پر لوٹ لگائی اور خود کو لالاں کی مضبوط گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ میں اسے پہچان گئی تھی۔ وہ لالاں ہی تھی۔ میں فوراً اٹھ کر کھڑی ہوگئی تو وہ بھی زخمی ناگن کی طرح پھنکار سے مشابہ آواز نکال کر میرے سامنے کھڑی خونخوار نگاہوں سے گھورنے لگی۔ تاروں کی ٹمٹماتی روشنی میں اس کا چہرہ جوشِ غیظ سے سرخ نظر آرہا تھا تاہم مجھے وہ مسکراتی مضمحل اور زخمی بھی دکھائی دے رہی تھی۔

''کونجاں.....! تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ خاموشی سے میرے ساتھ چلو'' معاً وہ اپنی بپھری ہوئی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے دانت بھینچ کر بولی تو میرے دماغ میں بھی غیض آمیز جوش کا دھواں سا بھرنے لگا اور میں نے جواباً شعلہ فشاں لہجے میں اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''دیکھ لالاں! جس مقصد کے لیے تو اپنی جان کی پروا کیے بغیر..... تن من کی بازی لگائے ہوئے ہے' یوں سمجھ' اس سے کہیں زیادہ خود میری رگوں میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے لہو لاوا بن کر مجھے شعلہ فشاں بنائے ہوئے ہے مگر تیرے مقابلے میں میرے دشمن زیادہ طاقت ور' سفاک اور دگنی تعداد میں ہیں اس لیے میں تجھے خبردار کرتی ہوں کہ میرے راستے سے ہٹ جا.....'' میرے جواب نے لالاں کے خراش زدہ چہرے کی سرخی کو مزید گہرا کر دیا پھر وہ اگلے ہی لمحے میں دانت پیستی ہوئی جارحانہ انداز میں میری طرف یہ بڑبڑاتے ہوئے لپکی۔

''.....تو ایسے نہیں مانے گی کتیا!'' اس کے منہ سے گالی سن کر جیسے میرا جلتا ہوا دماغ بھک بھک کرنے لگا۔

''دیکھ..... تو کتیا کی بچی! میں تیرا خون پی جاؤں گی'' شعلہ خوں لہجے میں اسے جواب دیتے ہوئے بیک وقت میں بھی اس کی طرف لپکی۔ پھر ہم دونوں زخمی شیرنی اور منتقم ناگن کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ میری گردن پر جمانے کی کوشش کی تو میں نے اپنی انگلیوں سے تیز نکیلے ناخنوں سے اس کا چہرہ نوچ ڈالا۔ اس کے حلق سے کربناک چیخ بلند ہوئی اس کے ساتھ ہی اس نے پستول نکال لیا اور غرا کر بولی۔

''کونجاں.....! کاش ..... میں تجھے ہلاک کر سکتی .....

لالاں مجھ پر پستول تانے آتش خوں رنگ لہجے میں ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔

''میں واقعی تجھے ایک کمزور لڑکی سمجھی تھی۔ اچھا ہوا جو تو نے اپنے پر پرزوں سے مجھے آگاہ کر دیا۔ چل اب شرافت سے ورنہ میں تیری دونوں ٹانگوں پر گولیاں چلا کر تجھے معذور بنا دوں گی۔''

اس کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی کیونکہ میں نے اب اپنے تنے ہوئے اعصاب یک دم ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔ میرے سر ڈالنے پر اس کے خون آلود زخمی ہونٹوں پر زہرخندی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے پستول کے اشارے سے مجھے ایک طرف چلنے کو کہا۔ میں اس کا حکم ماننے پر مجبور تھی۔ چنانچہ خاموشی سے آگے بڑھی' وہ اپنے اور میرے درمیان ایک محتاط فاصلہ رکھ کر عقب میں چلنے لگی۔

لالاں مجھے پستول کے بل پر جیپ کے قریب لے آئی تو میں بری طرح چونکی۔ میں نے دیکھا' لالاں کا منگیتر مردود کوڑل' پھوٹا خان پر رائفل تانے کھڑا تھا اور اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے ایک نوددسالہ ڈرے سہمے بچے کو بھی گدی سے دبوچ رکھا تھا۔ بچے کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ مجھے یہ سمجھنے میں مطلق دیر نہ لگی کہ یہ معصوم بچہ پھوٹا خان کا بیٹا مراد علی تھا۔ پھوٹا خان کے چہرے پر قیامت کروٹ لے رہی تھی۔ میرے قریب پہنچنے پر کوڑل نے ایک خونخوار سی نظر میرے چہرے پر ڈالی اور پھر جب اس نے اپنی لالاں کے زخمی اور خون آلود چہرے کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں لمحہ بھر کو حیرت سے پھیل گئیں۔

''لالاں! یہ..... یہ تجھ کو کیا ہوا؟''

''یہ اس نے کیا ہے۔ بہت خطرناک چھوکری ہے یہ .....کوڑل' اس سے ہوشیار رہنا۔''

لالاں نے بانچھوں سے خون تھوکتے ہوئے کوڑل سے کہا۔ اس کی بات سن کر کوڑل اپنی چندی چندی مگر سفاک آنکھوں سے میری طرف گھورنے لگا۔ پھر لالاں سے جوشِ غیظ سے بولا۔

''لالاں! تو ادھر آ' میں اس حرام زادی سے ابھی تیرا حساب بے باق کیے دیتا ہوں۔''

''نہیں کوڑل! ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ جتنی جلد ہو سکے' یہاں سے نکل چلو' لالاں نے کہا۔

''کونجاں! ہمارے ہاتھ لگ چکی ہے' میرا خیال ہے' اب اس مردود پھوٹا خان کا ادھر ہی قصہ پاک کر دو کیونکہ اب ہماری مقدس مورتی (راکاس مورتی) کے راز سے واقف ہو چکا ہے'' لالاں کے لہجے میں یکا یک سفاکی اتر آئی تھی جسے محسوس کر کے

خود میں بھی ایک لمحے کو دہل سی گئی تھی۔ بلکہ پھوٹا خان بھی لالاں کے خونی عزائم بھانپ کر ایک لمحے کو اپنا طیش بھلا کر پریشان سا نظر آنے لگا تھا۔

''ان دونوں کو گولیوں سے بھون دے کوڑل!'' اچانک میرے عقب سے لالاں کی سفاک گونج ابھری۔

پھوٹا خان لاکھ میرا دشمن سہی لیکن اس وقت اس کے معصوم بیٹے کو دیکھ کر میرا کلیجا پھٹنے لگا تھا۔ اس کی معصوم فریاد نے میرے اندر آگ سی بھڑکا دی..... پھر اس لمحے جیسے میرا رواں رواں بیدار ہوگیا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب مجھے کچھ بھائی نہیں دیتا تھا اور میں شینا باجی کی طرح بے خطر گویا آتش نمرود میں کود پڑتی تھی۔ میں نے ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں لالاں کی آواز سے محسوس کیا تھا کہ وہ جوشِ غیظ میں میرے کافی قریب بلکہ بالکل ساتھ آ کھڑی ہوئی تھی۔ پستول والا اس کا ہاتھ بھی ذرا نیچے جھک آیا تھا' اچانک میرے سنسناتے ہوئے وجود میں پارا سا دوڑ گیا۔ میں نے جھپٹ کر لالاں کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔ لالاں ایک لمحے کو تو ہکا بکا سی کھڑی رہ گئی۔ ہوش اسے تب آیا جب میں اس کا چھینا ہوا پستول اس کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے کوڑل سے بہ آواز بلند بولی۔

''کوڑل! خبردار..... اپنی رائفل پھینک دے ورنہ لالاں کا بھیجہ اڑا دوں گی۔''

میری غراہٹ سے مشابہ آواز نے ایک لمحے کو کوڑل کو ساکت سا کر دیا۔ تاہم اس کے مکروہ چہرے پر برافروختگی کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ پھوٹا خان کے زرد پڑتے چہرے پر جیسے زندگی کی رمق دوڑ گئی۔ ننھا مراد علی اپنی معصوم پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری جانب تکنے لگا۔

''رائفل مت پھینکنا کوڑل!'' اچانک لالاں کا جیسے سکتہ ٹوٹا اور اس نے خرخراتی آواز میں اپنے ساتھی کو متنبہ کیا ''زندہ تو ہمیں یہ بھی نہیں چھوڑیں گے کوڑل! رائفل پھینکنے کی بے وقوفی مت کرنا'' لالاں نے دوبارہ جی جان سے کوڑل کو تلقین کی۔

یہ بہت سنسنی خیز لمحات تھے۔ کوڑل نے میری دھمکی کو نظرانداز کر ڈالا اور بدستور وہ پھوٹا خان اور اس کے معصوم بچے پر اپنی رائفل تانے کھڑا رہا۔ ادھر جانے کیا سوچ کر کوڑل نے پھوٹا خان سے مخاطب ہو کر غراتے ہوئے کہا۔

''خبردار پھوٹا خان! اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت مت کرنا اور نہ ہی کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہونا۔ تم دونوں باپ بیٹے اب بھی میرے نشانے پر ہو۔''

اس عجیب صورتِ حال پر میں تلملا کر رہ گئی۔ اگرچہ میری بروقت اور فوری جارحانہ کارروائی سے دونوں باپ بیٹوں کے سروں پر ناچتی موت عارضی طور پر ٹل چکی تھی لیکن مکار لالاں نے عین میری جیتی ہوئی بازی کو مکمل فتح میں بدلنے سے روک دیا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے مکار لالاں نے چلتر بازی سے پینترا بدلا۔ مخاطب کر کے کہا ''کونجاں! بے وقوفی مت کر۔ پھوٹا خان ہمارا بھی دشمن ہے۔ وہ تجھے بھی نہیں چھوڑے گا۔''

''بکواس بند کر اپنی..... کتیا!'' میں نے غرا کر لالاں کو جھڑکا۔ ''تم ایک بے گناہ اور معصوم بچے کی جان لینا چاہتے ہو۔ یہ مجھے گوارا نہیں' اپنے ساتھی سے کہو کہ وہ رائفل پھینک دے میں تم دونوں کی بہتری ہے۔''

''ہماری بہترین کس میں ہے یہ ہم خوب جانتے ہیں کونجاں!'' لالاں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''اب اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم دونوں کو بہ سلامت یہاں سے نکل جانے دیا جائے ورنہ حالات جان کے حد تک سنگین ہو جائیں گے اور پھر ہم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔''

میں نے اس کی تجویز پر غور کیا۔ میرا پستول والا ہاتھ ہنوز اس کی کنپٹی پر تھا دوسری طرف کوڑل نے اپنی رائفل مہیب نال پھوٹا خان اور معصوم مراد علی پر بدستور تانے رکھی تھی۔

''ٹھیک ہے پھر.....'' چند ثانیے کی مُرسوچ مگر اعصاب شکن خاموشی کے بعد میں نے کہا ''تم پہلے اپنے ساتھی سے کہو..... وہ..... دور چلا جائے۔ پھر میں تمہیں بھی زندہ سلامت یہاں سے رخصت کر دوں گی۔''

''ہرگز نہیں۔ ہم دونوں کو ایک ساتھ یہاں سے جانے دیا جائے'' لالاں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مطالبہ کیا۔

''میرے پاس صرف ایک پستول ہے جبکہ تمہارے پاس کے پاس گولیوں سے بھری ہوئی رائفل ہے۔ وہ دور سے بھی آسانی ہمیں نشانہ بنا سکتا ہے۔ تمہیں پہلے ہماری بات ماننا ہوگی'' میں نے کہا۔ یہ بہت بھاری اور جاں گسل لمحات تھے کہ فریق سے ذرا بھی چوک ہو جاتی تو گویا ایٹم بم پھٹ پڑتا۔ اپنی پیشانی عرق آلود سی محسوس ہونے لگی تھی۔

ان کڑے اور سنسنی خیز لمحات میں صرف میں اور لالاں محوِ کلام تھے۔ کوڑل نے موجودہ حالات کی ساری ذمے داری لالاں کی صوابدید پر چھوڑ رکھی تھی۔ وہ جو فیصلہ کرے۔

''کیا کہتی ہو پھر..... لالاں.....!'' میں نے ان لمحات کو جلد پانے کی غرض سے لالاں کو مخاطب کر کے پوچھا ایک ذرا چونک کر بولی۔

''ٹھیک ہے..... میں اور کوڑل یہاں سے الٹے پاؤں واپس لوٹیں گے۔''

''نہیں..... صرف..... کوڑل الٹے پیروں واپس پلٹے گا' تم ادھر ہی میرے نشانے پر موجود رہو گی۔'' میں نے کڑک کر کہا ''اب اس کا یہی حل باقی رہ جاتا ہے' میرا تم سے وعدہ ہے' پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد میں تمہیں بھی زندہ سلامت یہاں سے رخصت کر دوں گی۔''

میری بات سن کر لالاں چند ثانیے کچھ سوچتی رہی پھر ایک گہری ہنکاری بھر کر اس نے اپنے ساتھی کوڑل کی طرف دیکھا۔ درحقیقت موجودہ صورتِ حال کی خطرناکی پر یہ دونوں زیادہ پریشان نظر آ رہے تھے لہٰذا لالاں نے کوڑل کو یہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ کوڑل نے ایک لمحہ پھوٹا خان اور اس کے بیٹے مراد علی کو..... سنسناتی ہوئی نظروں سے گھورا پھر اس کے بعد وہ بدستور ان دونوں باپ بیٹیوں پر اپنی رائفل تانے ہوئے دھیرے دھیرے الٹے قدموں پیچھے کی طرف سرکنے لگا۔ میری تیز اور متلاشی نگاہیں بیک وقت کوڑل اور لالاں پر جمی ہوئی تھیں۔ پھوٹا خان کی حالت زیادہ پتلی ہو رہی تھی۔ کوڑل ان پر رائفل تانے کافی دور چلا گیا تھا اور پھر وہ جھاڑیوں میں اوجھل ہوگیا۔ میرا دل اس سے انجانے اندیشوں سے بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کوڑل کے اوجھل ہوتے ہی میں نے پھوٹا خان کو جیپ میں سوار ہونے کا کہا۔ اس کی تشویش زدہ نظریں ہنوز سامنے تاریکی میں جمی ہوئی تھیں جہاں کوڑل غائب ہوا تھا۔

میری ہدایت پر پھوٹا خان نے اپنے بیٹے کو ڈرتے ڈرتے گود میں اٹھایا اور جیپ میں سوار کیا اور پھر جلدی سے خود بھی سوار ہو کر اسے اسٹارٹ کیا۔ میرا خیال تھا کہ پھوٹا خان اپنی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً آگے روانہ ہو جائے گا لیکن اس نے بہ آواز بلند مجھے بھی جیپ میں سوار ہونے کو کہا۔ میں نے پستول لالاں کی کنپٹی پر لگاتے ہوئے اسے اپنے ساتھ جیپ تک چلنے کو کہا۔ وہ چند ثانیے جبڑے بھینچے' خاموش کھڑی رہی' اس کے بعد اس نے بھی جیپ کی طرف قدم بڑھا دیے۔ میں اسے کوڑل کی گھات والے اندھے رخ پر اپنی ڈھال بنائے جیپ تک لائی اور پھر جیپ میں سوار ہوگئی..... میرے سوار ہوتے ہی پھوٹا خان نے ایک جھٹکے سے جیپ آگے بڑھا دی۔ میں نے اس اثنا میں مراد علی کے ہاتھوں کے جکڑ بند کھول دیے تھے۔

جیپ ہچکولے کھاتی ہوئی طوفانی رفتار سے آگے دوڑنے لگی۔

میرے دل و دماغ کو اب پھوٹا خان کی طرف سے کھد بد لگی ہوئی تھی کیونکہ میں اس کے ساتھ تھی اور اس کی دغاباز فطرت سے بہ خوبی واقف تھی اس لیے میں نے ایک موقع پر اس سے کہا ''پھوٹا خان! تم مجھے ادھر ہی اتار دو۔''

میری بات پر پھوٹا خان سامنے نظریں مرکوز رکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔

''کونجاں! خاموشی سے بیٹھی رہو۔ میں تمہیں اس اندھیرے ویرانے میں تنہا نہیں اتار سکتا۔''

اس کے جذبات سے عاری سرد لہجے پر جانے کیوں میرے پورے وجود میں متوحش سی لہر دوڑ گئی۔ تاہم میں نے کچھ نہ کہا' خود کو غیر یقینی حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

خاصی دیر بعد جیپ اندھیرے ویرانوں میں سفر کرتی ہوئی بالآخر پھوٹا خان کی اوطاق کے سامنے جا رکی۔ میرا دل اب انجانے خطرے سے دھک دھک کرنے لگا۔ اوطاق کے باہر پھوٹا خان کے چار پانچ مسلح آدمی موجود تھے۔ وہ سب بیک وقت ہماری طرف بڑھے۔ پھوٹا خان اپنے بیٹے سمیت نیچے اترا اور پھر مجھے بھی نیچے اترنے کو کہا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ جیپ سے اتر آئی۔

پھوٹا خان نے جیپ سے اترتے ہی مختصراً اپنے ساتھیوں کو حالات سے آگاہ کیا نیز انہیں یہ بھی بتایا کہ اس کا بیٹا مراد علی میری وجہ سے لالاں اور کوڑل کے خونی چنگل سے نجات پا سکا ہے تو اس کے حواری عجیب گومگو سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے۔

پھر ہم سب اوطاق کے اندر آ گئے۔ پھوٹا خان نے اپنے لختِ جگر کو خود سے لپٹا کر خوب چوما' اس کے بعد اس نے اپنے دو حواریوں کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''جاؤ' اسے پہلے گھر پہنچا دو' اس کی ماں بہت پریشان ہوگئی اور میری خیریت کی بھی اطلاع دے دینا۔ میں بھی ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

وہ دونوں حواری سعادت مندی سے سر ہلاتے ہوئے مراد علی کو وہاں سے لے گئے۔ پھوٹا خان کا گھر اوطاق سے چند قدموں کے فاصلے پر ہی تھا۔

ان کے جانے کے بعد پھوٹا خان میرے چہرے کی طرف چند لمحے عجیب سی نظروں کے ساتھ تکنے لگا۔ خود میری اپنی متوحش سی نگاہیں اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ پھوٹا خان کے چہرے پر رقت آمیز آثار نمودار ہوئے اور پھر اگلے ہی لمحے جیسے میرے سر پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ پھوٹا خان جو اپنے علاقے کا ایک بااثر زمیندار تھا اور جس کی خصلت میں کوٹ کوٹ کر بددیانتی اور دغابازی بھری ہوئی تھی' وہ اچانک آگے بڑھا اور اس نے یک دم جھک کر میرے پاؤں چھو لیے اور جذبات سے مرتعش لہجے میں بولا۔

''کونجاں! مم..... مجھے معاف کر دینا..... تم نے

میرے بچے کی زندگی بچا کر مجھے خرید لیا ہے۔ میں تو..... میں تو اتنا گر چکا ہوں کہ نجھ کو..... اپنی دھی بھی نہیں کہہ سکتا..... پر کوئنجاں! میں آج سے تیرا مرید بن گیا ہوں۔ تیرا غلام ہوں میں..... تو نے عورت ذات ہو کر مجھ پر اتنا بڑا احسان کر کے ثابت کر ڈالا کہ عورت واقعی عظیم اور بڑے دل اور حوصلے کی مالک ہوتی ہے۔''

میں پھوٹا خان کی اس کایا کلپ پر چند لمحے کے لیے تو ساکت کھڑی رہ گئی۔ وہاں موجود اس کے حواری حیرت بھری نظروں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں نے آہستگی سے اپنا ایک ہاتھ پھوٹا خان کے کاندھے پر رکھ دیا اور دھیرے سے بولی۔

''پھوٹا خان! تم برے انسان نہیں ہو' مجھے خوشی ہے کہ میری ایک چھوٹی سی کوشش سے تمہارے اندر کا ایک اچھا انسان بیدار ہو گیا۔ مگر میں تمہیں صرف ایک صورت میں ہی معاف کر سکتی ہوں کہ اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اب اپنے اندر کے اس انسان کو کبھی مرنے نہیں دو گے'' میری بات پر پھوٹا خان سیدھا کھڑا ہوا تو میں نے دیکھا' اس کی آنکھیں نمناک سی تھیں۔ وہ چند ثانیے احسان مند نظروں سے میرے چہرے کی طرف تکتا رہا پھر اس کے بعد اس نے اپنے کاندھے سے اجرک اتار کر مجھے اوڑھا دی اور روایتی انداز میں اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھتے ہوئے جذبات سے مرتعش لہجے میں بولا ''تجھے پہلے میری ایک درخواست ماننا ہوگی۔''

میں نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بولا۔

''میرا صرف ایک ہی بیٹا ہے..... مرادعلی' پتا نہیں تو مجھے اس قابل سمجھتی بھی ہے کہ نہیں..... مگر میری یہ دلی خواہش ہے' تجھے اپنی دھی بنالوں..... اور..... اور تیرے سارے دکھ خود لے لوں۔''

اس کی بات پر بے اختیار میری آنکھوں میں رکے ہوئے آنسوؤں کے بند ابل پڑے۔ میں خود دکھوں کی ماری تھی ''ادی.....'' اور ''دھی.....'' جیسے جذبات انگیز الفاظ مجھ پر ایکا ایکی عجیب سی رقت طاری کر دیتے تھے۔ مجھے روتا دیکھ کر پھوٹا خان نے بے اختیار ''میڈھی دھی'' کہہ کر مجھے اپنے ساتھ چٹالیا اور شفقت بھرے انداز میں میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

''بس میڈی دھی! اب اپنے یہ آنسو پونچھ لے۔ تو مجھے پہلے ہی بہت دکھی محسوس ہوتی ہے۔ تو وعدہ کر کہ مجھ سے کچھ نہیں چھپائے گی' میں تیری آنکھوں میں ایک تڑپ اور درد سا محسوس کر رہا ہوں۔ تو مجھے... لمبی اور کٹھن راہوں کی تنہا مسافر لگتی ہے۔ مجھ سے وعدہ کر دھیے! مجھے اپنے دکھوں کا حال سنائے گی۔ مجھے ایک باپ کی طرح ہی سمجھے گی؟''

پھوٹا خان کی اس انقلابی تبدیلی نے جیسے مجھے حیرت کے طور پر جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میرے آنسو تھمے کہ بہے چلے جا رہے تھے بلکہ اب تو میں سسکیاں بھی بھرنے لگی تھی۔ اس دوران اس کی پُرشفقت آواز دوبارہ ابھری۔

''دھیے! تیرے آنسو بتا رہے ہیں کہ تو نے مجھے جو دکھ والا..... مان دے دیا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے' میرے ساتھ..... تجھے میں اپنے گھر لے چلوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے مجھے دھیرے سے الگ کیا تو میں نے اچانک قدرے پریشان کن لہجے میں آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''چاچا سائیں! میں اس وقت ایک بہت بڑی پریشانی بے چینی کا شکار ہوں۔ تو اگر میری ایک مدد کر سکتا ہے تو.....'' نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں..... ہاں دھیے! تو حکم کر..... جو راز ظاہر کرنا ابھی کر دے۔ میں ہوں ناں' بول کیا پریشانی ہے تجھ پھوٹا خان نے جوش سے کہا۔

''چاچا..... ! میری ایک بہنوں سے بھی بڑھ کر سہیلی شینا..... وہ اس وقت شہر (لاڑکانہ) کے اسپتال میں زندگی موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ مجھے کسی طرح اس کے پاس ہے۔ جانے وہ کس حال میں ہوگی۔ بس چاچا' میں کسی طرح اس کے پاس پہنچنا چاہتی ہوں۔''

''تو فکر مت کر دھیے!'' پھوٹا خان میری آنکھوں آنسو پونچھتے ہوئے شفیق لہجے میں بولا ''میں ابھی اور اسی خود تجھ کو شہر لے کر چلتا ہوں۔ پہلے تو کچھ کھا پی لے۔ نے کب سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے۔''

''نہیں چاچا! اپنی سہیلی کی خیریت معلوم کیے بغیر ایک لقمہ بھی میرے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ بس تو مجھے شہر لے چل۔ میرا دل بڑا بے چین سا ہو رہا ہے'' حالات مل پر آتے ہی شینا کی طرف سے میری تشویش ناک اور پریشان بے چینی فزوں ہونے لگی تھی اور پھر شاید پھوٹا خان نے پریشانی کی نزاکت کا احساس کر لیا مگر پھر چند ثانیے کے بعد امرار بھرے لہجے میں بولا ''کونجاں دھیے! ٹھیک میں خود اس وقت تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ پھر کیا تو مجھے وقت دے سکتی ہے۔ میں چاہتا ہوں' تیرے ساتھ شہر جانے پہلے میں ایک اور معاملہ طے کر لوں۔ تاکہ مجھے پیچھے فکری رہے'' اس کی بات سے پہلے تو میں یہی سمجھی تھی کہ گھر جا کر اپنی بیوی وغیرہ کو اپنے شہر جانے کی اطلاع دینے

مگر پھر جب اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ کہیں چلنے کو کہا تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ پھر میرے استفسار پر وہ بولا ''دھیے! تیرا میرے ساتھ چلنا ضروری ہے۔ پہلے میں تجھے اپنے گھر لے چلوں گا۔ پھر اس کے بعد ہم اس وقت بلوچ شیر کے ہاں چلیں گے۔ چل آ..... میرے ساتھ میں تجھے راستے میں وہ بات بتاتا ہوں'' یہ کہہ کر اس نے اپنے قریب کھڑے آدمیوں میں سے ایک کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''زمان! جیپ میں تیل کتنا ہے؟''

''سائیں! جیپ میں تو تیل تھوڑا ہی ہوگا پر..... دو ڈبے بالتو موجود ہیں۔ میں ٹنکی فل کر دیتا ہوں۔''

''اور سنو..... میں ابھی شہر جاؤں گا..... پیچھے گھر کا خیال رکھنا اور ان دونوں سانپوں کے جوڑے (لالاں اور کوڑل) سے محتاط رہنا۔ اگر ادھر کا رخ کریں تو بے دریغ دونوں کا سر کچل دینا'' پھوٹا خان نے انہیں ہدایت دی تو میں نے کچھ سوچ کر پھوٹا خان سے کہا۔

''چاچا سائیں! میرا خیال ہے' تم ادھر ہی رکو میں خود شہر چلی جاتی ہوں۔''

میری بات پر پھوٹا خان ملائمت آمیزی سے بولا۔ ''دھیے! میں بھلا تجھے اکیلا کیسے جانے دوں گا۔ تو فکر نہ کر۔ پہلے میں ان دونوں رذیلوں لالاں اور کوڑل سے غافل تھا۔ پھر اب مجھے یقین ہے' وہ ادھر کا رخ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ آ..... میرے ساتھ۔''

ہم دونوں اوطاق سے باہر آ گئے۔ ہمارے ساتھ دو مسلح آدمی بھی تھے۔ ذرا ہی فاصلے پر پھوٹا خان کا بڑا سا پختہ اینٹوں کا حویلی نما مکان تھا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر ایک ادھیڑ عمر ملازم نے دروازہ کھولا تو پھوٹا خان مجھے لیے اندر داخل ہو گیا۔ کشادہ صحن میں نشست بچھی تھی۔ ہم اندر ایک بڑے سے کمرے میں آ گئے۔ سامنے ایک پایوں والی ایک بڑی سی رلی بچھی چارپائی پر ایک فربہ اندام مگر خاصی قبول صورت گوری چٹی عورت ننھے مراد علی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا یہی عورت پھوٹا خان کی بیوی ہے اور شوہر کو دیکھ کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر مجھے دیکھ کر وہ قدرے چونکی۔

''بشیراں! یہ کونجاں ہے..... میں اس کے ساتھ شہر جا رہا ہوں۔ ایک ضروری کام سے۔ پھر آ کر تفصیل بتاؤں گا۔''

پھوٹا خان نے بہ عجلت اسے بتایا اور پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا۔

''بشیراں! ہمارے مراد علی کو بلوچ شیر نے نہیں بلکہ کسی اور نے اغوا کیا تھا۔ مجھے ذرا غلط فہمی ہو گئی تھی۔ میں ابھی اس کے گھر جا کر اس سے معافی مانگتا ہوں۔ اور تو بھی اس کی طرف سے اپنا دل میلا نہ کرنا'' میں نے دیکھا' شوہر کی بات پر یک دم اس کی بیوی بشیراں کا چہرہ کھل اٹھا اور بولی۔

''دیکھا' میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ میرا ادا..... ایسی گری ہوئی حرکت کبھی نہیں کر سکتا۔ پر دیکھ..... اب تو بھی اس بے چارے کی زمینیں واپس کر دے۔ وہ بے چارہ بہن کی وجہ سے اب تک خاموش ہے۔ مگر میں جانتی ہوں' میرا ادا بلوچ شیر کتنا جی دار شخص ہے۔''

''ہاؤ..... ہاؤ میں اس لیے تو اس کے پاس جا رہا ہوں۔ تو فکر نہ کر..... اور ہاں سن' ذرا محتاط رہنا۔ ابھی کچھ روز تک مرادعلی کو باہر مت نکلنے دینا۔ اچھا چلتا ہوں میں'' پھوٹا خان نے جلدی سے کہا پھر مرادعلی کا گال چوم کر مجھے لیے باہر آ گیا۔ اوطاق میں آ کر ہم جیپ میں سوار ہوئے۔ پھوٹا خان نے بغلی ہولسٹر لگایا اور اپنے ایک آدمی کو ساتھ لیا۔ وہ دونوں جیپ کی اگلی دونوں سیٹوں پر براجمان ہو گئے جبکہ میں عقبی نشست پر بیٹھ گئی۔ پھر جیپ اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی۔ پھوٹا خان خود جیپ چلا رہا تھا۔ میں اس بات پر خوش تھی کہ میری ایک ذرا سی ''جرأت آمیز'' نیکی سے نہ صرف پھوٹا خان راہِ راست پر آ چکا تھا بلکہ اب وہ اپنے سالے بلوچ شیر سے بھی معافی تلافی کرنے پر تیار تھا اور اس کی زمینیں بھی واپس لوٹانا چاہتا تھا۔

جیپ تاریک اور ٹیڑھے میڑھے سے کچے راستے پر درمیانی رفتار سے دوڑی چلی جا رہی تھی۔ پھر ذرا دیر بعد جیپ بلوچ شیر کے پختہ اینٹوں والے مکان کے سامنے رک گئی۔ پھوٹا خان اور میں نیچے اتر آئے۔ بلوچ شیر کے مکان کے دروازے کی پیشانی پر بلب روشن تھا۔ باقی ہمارے چہار اطراف تاریک سناٹا طاری تھا۔ اس کا آدمی جیپ سے اتر کر چوکنا کھڑا تھا۔ پھوٹا خان مجھے لیے دروازے تک آیا اور اس کی کنڈی کھڑکا دی۔ دوسری بار دروازہ کھڑکانے پر اندر سے بھاری بھرکم آواز ابھری۔

''کون ہے؟'' یہ بلوچ شیر ہی کی آواز تھی۔ میں جانتی تھی' وہ مجھے دیکھ کر پہلے حیران اور پھر یک دم خوش ہو جائے گا۔ کیوں کہ آخر کو مجھے اس نے اپنی بہن بنا رکھا تھا۔

''در کھول بھا بلوچ شیر! یہ میں ہوں..... تیرا بہنوئی..... پھوٹا خان!'' جواباً پھوٹا خان نے بلند آواز میں کہا تو یک دم اندر سے پہلے کنڈی کھلنے کی آواز ابھری پھر اس کے ساتھ ہی دروازے کے دونوں پٹ بھی وا ہو گئے۔ سامنے بلوچ شیر کھڑا تھا۔ اس کی حیرت بھری نظریں پہلے اپنے بہنوئی پھوٹا خان پر پڑیں پھر اس کے بعد اس نے میری طرف دیکھا تو یکدم جیسے اسے ایک اور

جھٹکا لگا۔

''ادی کونجاں! یہ تم ہو..... ہم..... مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا۔ آؤ..... آؤ اندر آؤ۔''

بلخ شیر کے چہرے سے حیرت آمیز خوشی کے آثار پھوٹے پڑ رہے تھے۔ میں اور پھوٹا خان جب اندر داخل ہوئے تو بلخ شیر فخر آمیز خوشی سے اپنی بیوی کو آواز دیتے ہوئے بولا۔

''اڑی او..... بھاگ بھری' ادھر آ..... دیکھ تو سہی کون آیا ہے'' یہ کہہ کر وہ ہم دونوں کو اندر کمرے میں لے آیا۔ اندر کمرے میں اس کی بیوی بھاگ بھری جاگ رہی تھی۔ البتہ ایک چارپائی پر اس کے دونوں بچے..... محمد علی اور سوہڑیں محوِ خواب تھے۔ جبکہ ایک دوسری چارپائی پر ان کا سب سے چھوٹا ننھا منا بیٹا علی شیر سویا ہوا تھا۔ بھاگ بھری تو میری سہیلی بن چکی تھی۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی حیرت آمیز خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ پھر اس نے جلدی سے چادر درست کی اور پہلے پھوٹا خان کو ادب سے سلام کیا پھر آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

''بھا بلخ شیر! میرے پاس وقت کم ہے۔ تجھ سے تھوڑی باتیں کرنی ہیں۔'' پھوٹا خان نے بہ عجلت بلخ شیر سے کہا' پھر اس کے گلے لگ کر بولا ''یار! کیا تو اتنا بڑا دل رکھتا ہے کہ..... اپنے بہنوئی کو معاف کر سکے۔''

اس کی بات سن کر بلخ شیر کا چہرہ یک لمحے اپنائیت کے جوش سے تمتمایا پھر اس نے دوبارہ پھوٹا خان کو اپنے گلے سے لگاتے ہوئے مرتعش لہجے میں اس سے کہا۔

''اڑے بھا پھوٹا خان۔ یہ تو کیسی بات کرتا ہے۔ کیا تو نے یہاں آکر اپنا دل بڑا نہیں کیا۔ بھلا میں پھر تنگ دل کیسے ہو سکتا ہوں یار! پھر تو' تو میری لاڈلی ادی بشیراں کے سرکا سائیں ہے..... تیرے لیے تو میرے دل میں محبت کے ساتھ احترام بھی ہے۔ پر یار! سب سے پہلے مجھے یہ تو بتا میرے بھانجا..... مراد کا کیا بنا؟''

''بتاتا ہوں۔ وہ خیریت سے گھر آگیا ہے اور یہ سب ..... دھی کونجاں کی وجہ سے ہوا ہے۔'' پھوٹا خان نے کہا اور پھر اس نے مختصراً دھیرے دھیرے اسے رات بیتے ہوئے سارے سنسنی خیز حالات سے آگاہ کر دیا۔

ادا بلخ شیر کو مجھے پھوٹا خان کے ساتھ دیکھ کر جو تھوڑی دیر پہلے حیرت ہوئی تھی' وہ اب ساری کتھا سننے کے بعد یکدم ایک دیدنی سی مسرت میں بدل گئی۔ پھر بلخ شیر نے بھی پھوٹا خان کو بتایا کہ اس نے بھی مجھے اپنی بہن بنایا ہوا ہے۔

''ھا..... ھاؤ..... بھا بلخ شیر! مجھے اس بات کا پہلے سے علم ہے'' پھوٹا خان دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا ''اچھا اب یہ بتا تو نے مجھے معاف کر دیا ہے۔''

''اڑے بابا! کیسی باتیں کرتا ہے تو بھا پھوٹا خان! تو چل کر یہاں آگیا..... میرے لیے اس سے بڑی فخر اور خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ بس..... میں نے اپنی زمینیں بھی دے دیں۔''

بلخ شیر کی جوش آمیز خوشی دیدنی تھی۔ وہ دل کا اتنا اچھا تھا کہ اپنی وہ زمینیں بھی اپنے بہنوئی کو بخش دینے پر راضی ہو گیا مگر پھوٹا خان فوراً زور زور سے نفی میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بلخ شیر کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''اڑے بابا! جب دل اپنے ہو گئے تو پھر ان زمینوں کی حیثیت ہے۔ بھلا اب میں اتنا بڑا بوجھ اپنے ضمیر پر برداشت کر سکوں..... کبھی نہیں۔''

''اڑی بھاگ بھری! تو کیا کھڑی ہمارا منہ تکے جا رہی ہے' یہ خوشی کا موقع ہے جا' جا کر اپنے بھرا پھوٹا خان کے لیے سوجی کا حلوہ تیار کر۔''

بلخ شیر نے بھاگ بھری سے کہا۔ خوشی اور ایک عجیب فخر آمیز جوش سے اس کی آواز کپکپا رہی تھی مگر پھوٹا خان اسے نظر انداز کرتے ہوئے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اڑے یار! بلخ شیر! حلوے کی کنجوسی کیوں کرتا۔ ہماری صلح ہونے کی خوشی میں' باقاعدہ جشن منائیں گے گڑ گوٹھ دیکھے گا۔ پر یار' سچ پوچھے تو ہمیں دھی کونجاں کا احساس ہونا چاہیے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف میرا پٹ (بیٹا) مراد دشمنوں کے خونی چنگل سے بال بال بچا ہے بلکہ اس کی بہادری اور دلیری کے باعث آج ہم دونوں پھر ایک ہو گئے ہیں۔'' پھوٹا خان کی بات پر بلخ شیر صحیح معنوں میں تب میری طرف متوجہ تھا اور لہجہ بھرا اپنی جگہ پر کھڑا میرے چہرے کی طرف نرم مشفق ممنون بھری نظروں سے تکتا رہا پھر میرے قریب آکر اس نے بڑی محبت کے ساتھ اپنے دونوں بازو پھیلا کر مجھے اپنے سے لگاتے ہوئے جذبات سے لبریز لہجے میں کہا۔

''بھا پھوٹا خان! میرا رب سائیں جانتا ہے۔ کہ میں اپنی لاڈلی بہن بشیراں سے کرتا ہوں اتنی ہی ادی کونجاں سے بھی کرنے لگا ہوں بلکہ بھا پھوٹا خان! اگر تو میری بات سن رہا ہے تو یقین کر میں ادی کونجاں کو زیادہ محترم اور دل کی گہرائیوں سے اسے چاہنے لگا ہوں۔ اس کی وجہ ایک ہے کہ میری بلکہ ہمارے خاندان کی محسن بھی ہے۔ دوسری بے چاری بہت دکھی بھی ہے۔ بھا پھوٹا خان! تو نے شاید دکھ بھری وہ داستان نہیں سنی جو اس نے ایک دن مجھے سنائی اگر تو بھی سن لے تو تیرا دل بھی میری طرح اس کے غم میں چور چور ہو جائے۔''

میں نے محسوس کیا کہ ادا بلخ شیر کی آواز آخر میں بھرا سی گئی تھی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب پھوٹا خان بھی ذرا میرے قریب آیا اور اپنا دایاں ہاتھ روایتی انداز میں میرے سر پر رکھتے ہوئے شفقانہ لہجے میں بولا۔

''ھاؤ بھا بلخ شیر! جب میں نے کونجاں کو اپنی روح کی گہرائیوں سے اپنی دھی (بیٹی) کہا تھا تو یقین جان..... اس کا معصوم چہرہ دیکھ کر میرے دل میں ایک باپ کی سی تڑپ پیدا ہوئی تھی اور میں نے اس کی دکھ بھری داستان سنے بغیر ہی اس کے اندر چھپے ہوئے غم واندوہ کا مجھے بے اختیار احساس ہونے لگا تھا۔''

ان دونوں کے جذبات نے میری آنکھیں بھگو دیں۔

''اڑی دھیے! تو کیوں روتی ہے۔ اب تو تیرا ایک بھائی بھی ہے اور باپ بھی۔ اب تو اپنے سارے غم' دکھ' مصیبتیں اور پریشانیاں ہمیں دے دے اور بس۔'' پھوٹا خان جوشِ جذبات سے مجھے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولا۔

''ہاں..... ہاں مم..... مگر میں ابھی شہر جانا چاہتی ہوں'' میں نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا تو پھوٹا خان کو جیسے اچانک یاد آیا اور وہ قریب کھڑے بلخ شیر سے بولا۔

''ھاؤ یار! ایک بات سن' تمہیں تو پتا ہی ہوگا اس کی ایک سہیلی شمینا..... اسے اس کمینے انسپکٹر یار دجلا نے بری طرح زخمی کر ڈالا ہے۔ وہ شہر کے اسپتال میں داخل ہے اور میں دھی کونجاں کو لے کر ابھی شہر جا رہا ہوں۔ تو یار ذرا..... میرے گھر کا خیال رکھنا۔''

اس کی بات پر بلخ شیر تڑپ بولا ''بھا! تیرا ابھی یہاں رہنا مناسب رہے گا۔ ادی کونجاں کو میں خود شہر لے جاتا ہوں۔''

''نہیں..... بلخ شیر! یہ کام تو مجھے کرنے دے۔''

''..... تو ٹھیک ہے پھر..... میں بھی تیرے ساتھ چلتا ہوں۔''

''نہیں یار! تو ادھر رہے گا تو مجھے گھر کی طرف سے زیادہ فکر نہیں رہے گی۔ میں جلد لوٹ آؤں گا۔''

پھوٹا خان نے حتمی لہجے میں کہا اور پھر وہ بلخ شیر کو ہکا بکا چھوڑ کر مجھے اپنے ساتھ لیے باہر آگیا۔ بلخ شیر ہمیں باہر ہوئے پھوٹا خان نے جیپ آگے بڑھا دی۔

جیپ اب تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

خاصی دیر بعد کچے اور ناہموار راستوں سے نجات ملی اور جیپ پختہ اور چوڑی شاہراہ پر آکر اب طوفانی رفتار سے دوڑنے لگی۔ اس کا رخ اب شہر کی جانب تھا۔ ہمارا سفر جاری تھا کہ اچانک مجھے کچھ یاد آیا اور میں نے قدرے جھجکتے ہوئے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر براجمان پھوٹا خان سے کہا۔

''چاچا سائیں! وہ..... ہم..... میرا مطلب ہے' ہمیں پہلے اس مقام کو دیکھ لینا چاہیے تھا جدھر..... چھوٹے سائیں.....''

''ھاؤ..... ھاؤ'' میری ادھوری بات کا مطلب سمجھتے ہوئے پھوٹا خان نے اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''سائیں! جیپ ذرا آہستہ کرلو اور..... جو سامنے موڑ آرہا ہے اسے موڑنے کے بعد جیپ کنارے پر روک دینا۔ ہمیں دائیں طرف کے کچے میں اترنا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد جیپ رک گئی۔ نیچے اتر کر ہم نے گہری نظروں سے بہ غور چہار اطراف کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد قریب کا علاقہ کھنگال ڈالا مگر چھوٹے سائیں کہیں نظر نہیں آئے۔

''میرا خیال ہے ڈاکٹر خان محمد..... نے سڑک پر آکر شہر جانے والی کسی گاڑی سے لفٹ مانگ لی ہوگی'' پھوٹا خان نے پُرخیال لہجے میں کہا اور پھر اس کے بعد ہم مایوس ہو کر چھوٹے سائیں کی تلاش ترک کر کے دوبارہ جیپ میں آبیٹھے۔

ہمارا شہر کی طرف ایک بار پھر سفر شروع ہو چکا تھا۔

اب ہماری جیپ شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ صبح کاذب کی وجہ سے لاڑکانہ کی سڑکیں ویران تھیں۔ بالآخر دس پندرہ منٹ کی تیز رفتار ڈرائیونگ کے بعد جیپ سول اسپتال کی عمارت کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ پھر جیپ کے رکتے ہی ہم سب جلدی سے نیچے اتر آئے۔ میں بے تابانہ اور متوحش انداز میں بے اختیار دوڑتی ہوئی شعبۂ حادثات کی عمارت کے اندر داخل ہوئی۔ اندر دل دھڑکا دینے والی ویرانی اور سوگوار سی خاموشی طاری تھی۔ دو تین سویپر فرش پر گیلا پوچا پھیر رہے تھے۔ میں دیوانوں کی طرح ایمرجنسی آپریشن تھیٹر کی طرف دوڑی اور پاگلوں کی طرح اس کے دونوں پٹ دھکیل کر اندر داخل ہو گئی۔ مجھے اپنے عقب سے پوچا پھیرنے والے کسی سویپر کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ مجھے اس طرح دیوانہ وار آپریشن تھیٹر میں داخل ہونے سے روک رہا تھا شاید مگر مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ آپریشن تھیٹر کے اندر داخل ہوتے ہی میں ٹھٹک کر رک گئی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے آپریشن ٹیبل کو تکنے لگی۔ اندر کوئی بھی موجود نہ تھا۔ میرے عقب میں پھوٹا خان بھی اندر آگیا تھا۔ میرا دل بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔ میں فوراً واپس پلٹی تو

ایک کالی کلوٹی سی بھنگن منہ بسورتے ہوئے اندر داخل ہوئی اور ناک بھوں چڑھا کر بولی۔

''چلو..... چلو نکلو باہر' کیوں ہماری نوکری کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو۔''

''سنو! سنو..... یہاں ادھر اس کمرے میں ایک زخمی مریضہ کو لایا گیا تھا..... وہ..... وہ کہاں ہے؟'' میں نے پلٹ کر جیسے اسے جھنجوڑ کر پوچھا۔

''بی بی! تم کون سی مریضہ کی بات کر رہی ہو' یہاں تو گھنٹے گھنٹے بعد ادھ موئے مریضوں کو لایا جاتا ہے۔''

بھنگن نے پاٹ دار آواز میں کہا۔ میری آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور حلق میں رقت اتر آئی تھی۔ میں نے رندھے ہوئے لہجے میں اسے شینا کے اور یہاں اس کے داخلے کے بارے میں بتایا تو وہ جیسے چند ثانیے کچھ سوچ کر بولی۔

''اچھا..... وہ لڑکی..... ہائے' اس کی حالت تو بڑی نازک تھی..... چچ..... چچ..... بے چاری.....''

اس کے افسوس کرنے پر میں لرز گئی اور اسے دونوں شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

''کک..... کیا ہوا..... اسے..... مم..... مجھے بتاؤ؟'' مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی میرا دل مٹھی میں لے کر بھینچ رہا ہو۔ میں اس وقت صدمے سے شاک کی ایک ایسی انتہائی کیفیت سے دوچار تھی۔

''بی بی! یہاں اس کا علاج ممکن نہ ہو سکا تھا..... وہ کوما میں چلی گئی تھی۔ اسے ہیلی کاپٹر کے ذریعے فوراً کراچی کے بڑے اسپتال لے جایا گیا ہے۔''

میں اس کی بات سن کر دھک سے رہ گئی۔ میرے اعصاب جواب دینے لگے۔ سانسیں رکنے لگیں اور مجھے پورا آپریشن تھیٹر گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اگر مجھے پھوٹا خان یکدم تھام نہ لیتا تو یقیناً میں فرش پر غش کھا کر گر جاتی۔

''حوصلہ کر دھے! حوصلہ کر..... اللہ سائیں پر بھروسا کر۔''

میری ڈوبتی ہوئی سماعتوں میں اترنے والے پھوٹا خان کے یہ آخری الفاظ تھے اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆☆☆

جب مجھے ہوش آیا تو..... پھوٹا خان میرے قریب ہی جھکا ہوا تھا۔ میں تڑپ کر شینا..... شینا پکارتی اٹھ بیٹھی۔ پھوٹا خان نے میرے ہونٹوں سے پانی کا گلاس لگا دیا۔ ہم ابھی تک ''شعبۂ حادثات'' میں ہی موجود تھے اور مجھے بے ہوش ہونے کی وجہ سے ایک بیڈ پر لٹا دیا تھا۔ مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر پھوٹا خان تشفی آمیز لہجے میں بولا۔

''دھیے! تو اتنی بہادر ہو کر یوں حوصلہ چھوڑ بیٹھے گی اس کی امید نہ تھی۔ دیکھ کو نجاں! اللہ سائیں پر بھروسا کر وہ اچھا کرے گا۔''

''چاچا سائیں! میں کیسے حوصلہ کروں۔'' میں نے لہجے میں کہا۔ ''تم..... تم نہیں جانتے کہ شینا میرے اہمیت رکھتی ہے۔ وہ..... وہ میری ماں سے بڑھ کر ..... وہ مم..... میرے لیے بہنوں سے بھی بڑھ کر ایک وہ..... وہ میری روح ہے۔ میرا حوصلہ..... میری ہمت کچھ ہے وہ۔ اگر..... اگر اسے کچھ ہو گیا تو..... تو شاید زندہ.....''

''نہ..... نہ دھیے! نہ ایسی باتیں نہ کر۔ چل اٹھ اب چلنا ہے۔ میں تیرے ساتھ ہوں۔'' پھوٹا خان نے محبت انداز میں میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''چاچا! تو..... تو واپس اپنے گھر لوٹ جا۔ مم..... میں اکیلی کراچی چلی جاؤں گی۔''

میں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تو پھوٹا خان یک دم سے خائف سا نظر آنے لگا۔ مگر پھر دوسرے ہی لمحے دو آمیزی سے شکایتاً بولا ''دھیے! تو نے اپنے چاچا سائیں اتنا مان رکھا؟ تو کیا سمجھتی ہے کہ میں نے اگر تیرے سر پر ہا رکھ کر تجھے ''دھی'' (بیٹی) کہا ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں اڑی چڑی تو بھی تو اس دھرتی کی رہنے والی ہے' کیا یہ تجھے نہیں پتا کہ اگر ہم ایک بار کسی عورت ذات کے سر پر ہا کر اسے ماں' بہن یا بیٹی بنالیں تو وہ ہمارے لیے سگے سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔ واہ..... کونجاں دھیے! تو نے چاچا سائیں کا دل دکھا دیا۔''

وہ اتنا کہہ کر سر جھکائے خاموش ہو گیا۔ اسے دکھی میں نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا اور پھوٹ پھو رو دی ''چاچا سائیں! مم..... مجھے معاف کر دینا۔ مم نے آپ کا دل دکھایا۔''

پھوٹا خان نے فوراً مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور میرا پرانا پدست شفقت پھیرتے ہوئے بولا۔

''پاگل! میں تو ایسے تجھے جوش دلانے کے لیے ذرا تھا۔ چل اٹھ' اپنے آنسو پونچھ لے اور کچھ آگے کی سوچ

پھوٹا خان اب میرے بیڈ کے پائنتی بیٹھا کسی گہری میں مستغرق تھا۔ خود میں بھی خاموشی سے آئندہ کے حالات بارے میں لائحہ عمل طے کر رہی تھی۔

اب میں سوچ رہی تھی کہ اگر چھوٹے سائیں کہیں لفٹ وغیرہ لے کر یہاں پہنچ چکے تھے تو پھر اب کہاں ہوں

گے؟ انجمر ہاؤس اچانک میرے پُرسوچ ذہن میں ابھرا۔ میں نے سوچا کہ مجھے کراچی جانے سے پہلے کیا کینجھر ہاؤس جا کر چھوٹے سائیں سے ایک ملاقات کر لینی چاہیے۔ ہو سکتا ہے انہیں بھی شینا سے متعلق اسے کراچی کے بڑے اسپتال منتقل کرنے کی اطلاع ہو اور کوئی بعید نہیں کہ وہ بھی کراچی جانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ یہ سوچ کر میں نے گہری سوچ میں مستغرق پھوٹا خان کو چونک مخاطب کر کے کہا ''چاچا سائیں' ہمیں سب سے پہلے فوراً چھوٹے سائیں سے مل لینا چاہیے' اس شہر میں ان کا کینجھر ہاؤس بھی ایک بنگلا ہے۔''

میری بات پر پھوٹا خان نے خیالات سے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولے ''ٹھیک ہے..... اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو پھر ابھی وقت چلتے ہیں۔''

''مجھے کینجھر ہاؤس تک کا راستہ معلوم تھا۔ اس لیے ذرا ہی دیر بعد ہماری جیپ کینجھر ہاؤس کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ ہم نیچے اتر آئے۔ گیٹ پر ایک بندوق بردار چوکیدار موجود تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ چھوٹے سائیں اندر موجود تھے۔ پھر وہ ہماری اطلاع دینے کے لیے اندر چلا گیا۔ پھوٹا خان اس سے مجھے کچھ زیادہ ہی مضطرب سا نظر آ رہا تھا۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ اس نے نہ صرف چھوٹے سائیں کی تذلیل کی تھی بلکہ اسے زخمی بھی کرنے کا مرتکب ہوا تھا۔ تاہم میں بار بار تسلی دے رہی تھی کہ وہ چھوٹے سائیں کی طرف سے بالکل بھی کسی ''بدمزگی'' کی توقع نہ رکھے کیونکہ میں یہ خوب جانتی تھی کہ میرے ہوتے ہوئے وہ پھوٹا خان کی طرف سے اپنا سارا غصہ بھول جائیں گے۔ تھوڑی دیر بعد چوکیدار نمودار ہوا اور اس نے فوراً ہمیں اندر آنے کو کہا۔ وہ اب خاصا مرعوب سا نظر آ رہا تھا۔ زمان البتہ باہر موجود تھا۔ میں نے جیسے ہی اندر احاطے میں قدم رکھا تو ٹھٹک کر رک گئی۔ سامنے مجھے چھوٹے سائیں نظر آئے ان کے ایک ہاتھ میں پٹی بندھی ہوئی تھی پھر معاً میری نگاہ ایک جانب کھڑی لینڈ کروزر پر پڑی جسے دیکھ کر میں پریشان سی ہو گئی کیونکہ یہ لینڈ کروزر سردار خمیسو خان کی تھی۔

''کک..... کونجاں! تت..... تم.....؟'' چھوٹے سائیں نے بے قراری سے کہا اور پھر میرے ساتھ شرمسار سے کھڑے پھوٹا خان کو دیکھ کر ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہاں تین چار مسلح محافظ بھی کھڑے تھے۔

''تم..... تم نے..... یہاں آنے کی جرأت کیسے کی۔ میں..... میں..... تمہیں.....'' مارے طیش کے چھوٹے سائیں کی آواز کانپنے لگی۔ ان کے بلند اور غصیلے لہجے پر لینڈ کروزر کے قریب کھڑے اجرک پوش مسلح محافظ بندوقیں سنبھالے فوراً اس کے قریب آ گئے۔

''چھوٹے سائیں! انہیں کچھ مت کہنا۔ یہ..... آ..... آپ سے معافی مانگنا چاہتے ہیں'' میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر چھوٹے سائیں سے کہا تو ان کا ابال کچھ سرد پڑا۔ پھر اس کے بعد میں نے گزرے ہوئے سنسنی خیز حالات کے بارے میں مختصراً انہیں آگاہ کیا تو پھوٹا خان نے نہایت احترام کے ساتھ چند قدم آگے بڑھ کر چھوٹے سائیں سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ڈاکٹر صاحب! میں اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔ پر یہ حقیقت ہے کہ میں آپ سے بہت نادم ہوں اور کونجاں دھی سے بھی۔ میں کونجاں دھی کو یہاں آپ کے پاس لے آیا ہوں۔ اب آپ میرے ساتھ جو سلوک کریں' میں حاضر ہوں۔''

اس کی بات سن کر چھوٹے سائیں کے چہرے پر غصے کی ذرا بھی رمق باقی نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے چہرے پر فراخ دلانہ مسکراہٹ لیے پھوٹا خان کے قریب آئے' بے اختیار دوستانہ انداز میں اس سے مصافحہ اور بعد میں معانقہ کرنے کے بعد ہمیں اندر ایک بڑے آرام دہ کمرے میں لے آئے۔ میں نے دیکھا' وہ بہت مطمئن اور خوش نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے فوراً ایک ادھیڑ عمر ملازمہ کو ناشتے کا بندوبست کرنے کا کہا پھر ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مجھے یہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ سردار خمیسو خان یہاں موجود نہ تھا۔ ورنہ ماحول میں بدمزگی کا پیدا ہو جانا یقینی امر ہوتا۔ پھر میں نے پریشان کن بے قراری سے کہا۔

''چھوٹے سائیں! شینا کے بارے میں آپ کو پتا چل گیا ہوگا؟''

''ہاں کونجاں! میں نے یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے اسپتال کا ہی رخ کیا تھا'' چھوٹے سائیں سوگواری متانت کے ساتھ بولے ''اور ہمارے سامنے کے صوفے پر بیٹھے بیٹھے پہلو بدل کر مزید بتانے لگے۔

''شینا کی حالت بدستور نازک ہے اور اسے فوراً ایدھی سینٹر والوں کے ایک ہیلی کاپٹر میں کراچی کے ایک بڑے پرائیویٹ اسپتال ریفر کر دیا گیا ہے۔ مجھے تمہاری طرف سے فکرمندی تھی۔ ورنہ میں بھی کراچی چلا گیا ہوتا۔''

''مم..... چھوٹے سائیں' ہم نے بھی اس وقت کراچی روانہ ہونے کا پروگرام بنایا ہے۔'' میں نے فوراً کہا اور پوچھا ''پتا نہیں شینا کے ساتھ کون گیا ہے؟''

''زیب النسا پلیجو نام کی ایک خاتون اس کے ساتھ ہیں اور اس نیک خاتون نے ہی آناً فاناً شینا کو کراچی منتقل کرنے کے انتظامات کیے تھے۔ یہ ساری معلومات میں نے ان کے دفتر فون کر کے حاصل کی تھیں۔''

میں خاموش غمگین انداز میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ درحقیقت میں اپنی آنکھوں سے بے اختیار امڈ پڑنے والے آنسوؤں کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے شینا کی نازک حالت کا غم' ذہنی اور جسمانی طور پر نڈھال کیے ہوئے تھا۔ مجھے کسی طور بھی قرار نہیں مل رہا تھا۔ مجھے ہر لمحہ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی قیمتی چیز کھونے والی ہو۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں اڑ کر کراچی موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا شینا کے پاس جا پہنچوں۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ کا کب کراچی روانہ ہونے کا پروگرام ہے؟''

لمحہ بھر کی سوگوار خاموشی میں پھوٹا خان نے چھوٹے سائیں کو مخاطب کر کے پوچھا تو میں جلدی سے اپنے آنسو پونچھ کر چھوٹے سائیں کی طرف تکنے لگی۔ جواباً انہوں نے کہا۔

''میرا تو ابھی اسی وقت کراچی نکلنے کا ہو رہا ہے ارادہ بلکہ میرا خیال ہے کہ ہمیں اسی وقت یہاں سے نکل لینا چاہیے مگر تم لوگوں نے کس طرح نکلنے کا پروگرام بنایا تھا؟''

''ارادہ تو ہمارا ابھی نکلنے کا ہے' اپنی جیپ میں'' پھوٹا خان نے جواباً کہا۔ میں چھوٹے سائیں کا چہرہ تکنے لگی' وہ بولے ''میرا خیال ہے' ہمیں سکھر سے کوئی فلائٹ پکڑنا پڑے گی' میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے پی آئی اے کے دفتر فون کر کے موہن جو ڈرو ائرپورٹ سے معلوم کیا تھا۔ ہفتے میں دو دن کراچی کی فلائٹ ہوتی ہے۔ آج کا دن فلائٹ کا تو تھا مگر سیٹ کنفرم نہ ہو سکی۔ اب سکھر سے ہی بوئنگ طیارہ مل سکتا ہے مگر ایک منٹ..... میں نے نمبر ملایا تھا' انگیج جا رہا تھا۔ ابھی پتا کرتا ہوں۔''

چھوٹے سائیں نے کچھ سوچ کر کہا پھر اس کے بعد انہوں نے اپنی جیب سے موبائل نکالا اور نمبر پنچ کیے اور رابطہ ملتے ہی بولے۔

''آج کراچی کے لیے کتنی فلائٹس ہیں..... جی..... اچھا..... اور پرائیویٹ ائرلائن کے فوکر میں..... اوہ' اس میں بھی سیٹ نہیں ہے۔ ویری سیڈ!'' میری نگاہیں ان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کے چہرے پر مایوسی چھانے لگی تھی تاہم وہ ابھی تک گفتگو میں مصروف تھے۔ پھر میں نے دیکھا اچانک ان کے چہرے پر امید کی رمق نمودار ہوئی۔

''اچھا..... جیکب آباد سے آج کی فلائٹ مل جائے گی۔ ہاں' ہاں..... مجھے یاد تو آ رہا ہے کہ پیر اور جمعرات کے روز فلائٹ جاتی ہیں مگر..... وہی سیٹ کا مسئلہ ہوگا' اچھا..... اچھا' ٹھیک' آپ مجھے جیکب آباد پی آئی اے آفس کا فون نمبر دے دیں۔ میں سیٹ کنفرم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تھینک یو اتنا کہہ کر چھوٹے سائیں نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر کے ایک نمبر پنچ کرنے لگے۔ میں اور پھوٹا خان خاموشی سے ان کو تکے جا رہے تھے۔

''ہیلو! پی آئی اے جیکب آباد؟'' رابطہ ہوتے ہی چھوٹے سائیں نے شائستہ لہجے میں پوچھا۔

''جی مسٹر! کیا کراچی کے لیے آج کے دن کی فلائٹ میں تین سیٹیں مل جائیں گی؟ اچھا..... ایک سیٹ ہے' اس کو کنفرم کر لیں۔ ابھی فلائٹ کے نکلنے میں تین گھنٹے ہیں اوکے! میں ابھی دو گھنٹوں کے اندر اندر پہنچتا ہوں۔''

چھوٹے سائیں نے گفتگو مکمل کرنے کے بعد موبائل بند کیا اور اسے دوبارہ جیب میں ڈالتے ہوئے گومگو سے لہجے میں بولے ''جیکب آباد سے گیارہ بجے جانے والی فلائٹ میں ایک سیٹ ہے۔''

''سائیں..... ڈاکٹر صاحب! ہم سے آپ کا جلد پہنچنا زیادہ بہتر ہوگا۔''

پھوٹا خان نے جلدی سے چھوٹے سائیں کی طرف دیکھ کہا اور میں نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے چھوٹے سائیں سے کہا۔

''چاچا پھوٹا خان ٹھیک کہہ رہے ہیں چھوٹے سائیں آپ جہاز میں جائیں' ہم بھی کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی جائیں گے۔''

''مگر کونجاں! تم..... تمہارے دشمنوں کی بھی تو کمی نہیں مجھے تمہاری فکر رہے گی'' بالآخر چھوٹے سائیں کی مجھ سے تشویش نوکِ زباں پر آ ہی گئی جسے سن کر میں پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''چھوٹے سائیں! آپ میری فکر نہ کریں۔ ہم چاروں طرف اگر دشمن بکھرے ہوئے ہیں تو آپ کے خیر خواہوں کی بھی کمی نہیں اور سب سے بڑا سہارا تو میرا سائیں ہے۔ ویسے چاچا پھوٹا خان میرے ساتھ ہوں گے چھوٹے سائیں' آپ دیر نہ کریں۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے آپ کا فی الفور وہاں پہنچنا ضروری ہے۔''

میری بات پر چھوٹے سائیں نے بہ غور میرا چہرہ دیکھا خاموشی سے سر ہلا دیا۔ اس اثنا میں ملازمہ نے ہمارے سامنے ناشتے کے برتن لگا دیے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ہم نے تھوڑا سا ناشتہ کھا لیا۔ پھر اس کے بعد پھوٹا خان نے چھوٹے سائیں کو بتایا کہ ان کی کار ابھی تک دادو جانے والی شاہراہ کے کنارے وہیں میں موجود ہے۔ جواباً چھوٹے سائیں نے بتایا کہ وہ اپنے

آدمیوں کو کار واپس لانے کے لیے روانہ کر چکے تھے۔

قصہ کوتاہ' چھوٹے سائیں نے اس وقت اپنی لینڈ کروزر میں جیکب آباد نکلنے کا پروگرام بنایا اور وہاں بذریعہ فلائٹ کراچی پہنچنے کے لیے مختصر تیاری کرنے لگے میں اور پھوٹا خان ان سے رخصت ہوئے۔ اس وقت صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ لاڑکانہ سے جیکب آباد کا راستہ بائی روڈ دو گھنٹے کا تھا۔ جبکہ جیکب آباد سے کراچی جانے والی فلائٹ کا وقت گیارہ بجے تھا۔

ہم نے جیپ ایک باہر موٹر مکینک کو دکھائی جس نے اس کا موبل آئل بدلا اور ہلکی پھلکی ٹیوننگ کر کے اسے تیار کر دیا۔ پھوٹا خان نے اسے اجرت خاص سے نوازا۔ اس کے بعد ہم براستہ دادو' سیہون شریف' کراچی کی طرف روانہ ہو گئے۔ کراچی پہنچنے کے لیے یہ راستہ دوسرے کراچی جانے والے راستے یعنی کھسر مورو سکرنڈ' نواب شاہ وغیرہ کے مقابلے میں مختصر' شارٹ کٹ تھا۔

اب ہم کراچی کی طرف محوِ سفر تھے۔ پھوٹا خان کے کہنے کے مطابق ہمیں کراچی پہنچنے میں نو یا دس گھنٹے لگ سکتے تھے۔ جس وقت ہم لاڑکانہ سے چلے تو اس وقت ساڑھے آٹھ بج چکے تھے اور ہمارا شام چھ سات بجے تک بہ قول پھوٹا خان کراچی پہنچنا متوقع تھا۔

میں اپنے خیالوں میں مستغرق تھی کہ معاً پھوٹا خان نے زمان کو مخاطب کر کے کہا۔

''زمان..... یار! اپنے گوٹھ کی طرف ذرا گاڑی موڑ لینا۔ میں چاہتا ہوں گھر پر اطلاع دیتا جاؤں اور بلخ شیر سے بھی مل کر اسے اپنے کراچی جانے کے ارادے سے مطلع کر دوں۔'' ''تمہارا کیا خیال ہے' دھی کونجاں؟''

پھوٹا خان نے اچانک ذرا گردن موڑ کر مجھ سے رائے طلب کی تو میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مختصراً جواب دیا ''جیسے آپ کی مرضی چاچا!''

تھوڑی دیر بعد زمان نے پھوٹا خان کی ہدایت کے مطابق جیپ کو مطلوبہ کچے راستے پر اتار دیا۔

جیپ اب ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ لگ بھگ نصف گھنٹے بعد جیپ جب پھوٹا خان کی اوطاق کے قریب سے گزرنے لگی تو پھوٹا خان نے اچانک زمان کو گاڑی روکنے کا کہا۔

میں نے اوطاق کے باہر رکھے موڑھوں پر کچھ لوگوں کو براجمان دیکھا۔ ان میں سے ایک شخص کو دیکھ کر میں بری طرح چونک گئی۔ دور سے اسے دیکھ کر میرے حلق تک میں کڑواہٹ سی گھل گئی۔ وہ گہرام تھا' سائیں ملنگوزاد کا ناخلف بیٹا گہرام' جس نے اپنی سازش کے ذریعے نہ صرف اپنے ہی باپ سائیں ملنگوزاد کو سرداری سے معزول کر کے گوٹھ بدر کر دیا تھا بلکہ اس کی جگہ اب خود مسندی کا سردار بن چکا تھا۔

پھوٹا خان کے چند آدمیوں نے بھی جیپ روکنے کا اشارہ کیا تھا۔ پھر ہم سب جیپ سے نیچے اتر گئے۔ میں نے جیپ سے اترتے ہوئے کن انکھیوں سے پھوٹا خان کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں مجھے حسبِ توقع الجھن اور تلخی کے آثار محسوس ہوئے تھے۔

ہمارے جیپ سے اترتے ہی وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ گہرام کے دو مسلح ساتھی بھی اس کے ساتھ کھڑے تھے۔ گہرام بڑی تیکھی نظروں سے میری طرف گھور رہا تھا۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اسے پھوٹا خان کے آدمیوں نے میرے متعلق ''حقیقت'' سے آگاہ کر ڈالا ہو۔ بعد میں میرا یہ خیال درست ثابت ہوا۔

''پھوٹا خان! یہ میں کیا سن رہا ہوں' کیا تو نے اس چھوکری کے ساتھ یاری گانٹھ لی ہے؟''

اس مردود کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ پھوٹا خان بھنّے سے اکھڑ گیا اور ایک زناٹے دار تھپڑ گہرام کے چہرے پر جڑ دیا۔ پھوٹا خان کے بھاری بھرکم ہاتھ کے تھپڑ نے گہرام کو چند قدم پیچھے کی طرف لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا۔

''اگر..... دوبارہ تو نے پھر کبھی اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالے تو میں تیری گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔''

پھوٹا خان نے انگارہ آنکھوں سے اس کے تپتے ہوئے چہرے کو گھورتے ہوئے قہر بار لہجے میں غرا کر کہا تو گہرام اپنا گال سہلاتا ہوا جلتی آنکھوں سے پھوٹا خان کو گھورنے لگا۔ اس کے دونوں ساتھی مستعد ہو کر گویا گہرام کے اشارے کے منتظر تھے۔

پھوٹا خان کے موجود مسلح آدمی بھی یکدم چوکس ہو گئے تھے۔ صورتِ حال کی سنسنی خیزی سے لگتا تھا جیسے ابھی وہاں خوں ریز جنگ چھڑ جائے گی مگر مجھے یقین تھا کہ گہرام پھوٹا خان کے علاقے اور اس کی اوطاق میں کسی قسم کی جارحانہ ''بے وقوفی'' کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

''پھوٹا خان! تیری اس حرکت کو میں کیا سمجھوں؟ کیا تیری نیت بدل گئی ہے..... اور تو اکیلے ہی اس قیمتی مورتی (راکا کاس مورتی) کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے؟'' بدطینت گہرام نے سلگتی نظروں سے پھوٹا خان کو گھورتے ہوئے کینہ توز لہجے میں کہا۔

''گہرام! اپنی بکواس بند کر..... اور کان کھول کر میری بات سن لے'' دفعتاً پھوٹا خان نے گہرام کو شعلہ فشاں نظروں سے گھورتے ہوئے کڑک دار لہجے میں کہا ''کونجاں! آج سے میری دھیوں جیسی ہے' سمجھا تو..... اگر تو مجھ سے دوستی چاہتا ہے تو

آج کے بعد سے تجھے راکاس مورتی والا سلسلہ فراموش کرنا ہوگا۔''

میں نے دیکھا پھوٹا خان کی بات پر گہرام کی درشت آنکھوں میں ایک لمحے کو بلا کی خطرناک جھپک سی ابھری تھی۔ پھر وہ استہزائیہ لہجے میں پھوٹا خان سے بولا۔

''ٹھیک ہے..... سمجھ گیا۔ تم دونوں نے اگر اندر ہی اندر سانباز بازکرلی ہے تو سوبسم اللہ..... رہی دوستی کی بات تو وہ تیرے تھپڑنے ہی ختم کردی ہے۔ سونے کی چمک نے تیری آنکھوں کو اندھا کردیا ہے اور تو یقیناً آج سے مجھے اپنا دشمن ہی سمجھے گا کہ یہ تو یہی سہی'' گہرام نے زہر آلود لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور مجھ پر ایک آخری گھورتی ہوئی نظر ڈال کر اس نے اپنے ساتھ کھڑے دونوں ساتھیوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔ اس کی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں سے جھلکتی مکاری کو بھانپتے ہوئے میرا دل ایک لمحے کو زور سے دھڑکا تھا۔

''سائیں! حکم کرو' اس بدزبان کا ابھی حشر نشر کرکے رکھ دیتے ہیں۔'' اچانک پھوٹا خان کے تینوں مسلح آدمیوں نے آگے بڑھتے ہوئے گہرام اور اس کے دونوں حواریوں کے سینوں پر اپنی بندوقوں کی نالیں لگاتے ہوئے پھوٹا خان سے کہا۔

''نہیں' اسے اپنا گل کھلانے دو' یہ بھول گیا ہے کہ آج یہ اپنے قبیلے کا سردار' میرے ہی ''آشیرواد'' سے بنا ہے۔ اب اسے اپنی ''سرداری'' سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ ہٹ جاؤ اور اسے جانے دو۔''

پھوٹا خان نے مسکراتے ہوئے زہرخند لہجے میں اپنے ساتھیوں سے کہا اور پھر یہ تینوں گہرام اور اس کے دونوں ساتھیوں کو جارحانہ نظروں سے گھورتے ہوئے ایک طرف کو ہٹ گئے۔ راہ پاتے ہی وہ تینوں غصے سے دانت پیستے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ میرے دماغ میں سائیں سائیں ہورہی تھی۔ مجھے گہرام کے تیور ٹھیک نظر نہیں آرہے تھے۔ وہ پھوٹا خان کی نیت پر شک کررہا تھا۔ یہ حقیقت تو میں ہی جانتی تھی کہ اب پھوٹا خان کے اندر مثبت نوعیت کی انقلابی تبدیلی عود کر آئی تھی۔ اسے اب اس بیش قیمت راکاس مورتی سے ذرّہ برابر بھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ کیونکہ جب اس کا لختِ جگر مراد علی لالاں اور کوڑل کے خونی شکنجے میں تھا تو پھوٹا خان کو بہ خوبی اس حقیقت کا اندازہ ہوچلا تھا کہ اصل دولت ''سونا چاندی'' نہیں بلکہ ''اولاد'' ہوتی ہے۔

گہرام اپنے دل میں پھوٹا خان کے خلاف عناد اور بغض لیے وہاں سے رخصت ہوا تھا اور میں جانتی تھی کہ آنے والے حالات میں گہرام میرا ہی نہیں بلکہ پھوٹا خان کے لیے بھی بدترین اور کینہ پرور دشمن ثابت ہوگا۔

اگرچہ پھوٹا خان کے راہِ راست پر آتے ہی میں اسے گہرام کی اپنے شریف باپ سائیں ملغوزاد کے خلاف دسیسوں کے بارے میں آگاہ کردیا تھا اور یہ کہ سائیں ملغوزاد کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوئی ہے۔ سرداری کا اصل حق چاچا سائیں ملغوزاد ہی تھا اور یہ بات بھی پھوٹا خان پہلے ہی جانتا تھا کہ سائیں ملغوزاد اس کے سالے بلخ شیر کا قریبی گہرا دوست بھی تھا۔ پھوٹا خان نے مجھ سے یہ بھی وعدہ کیا تھا وہ اپنی اس غلطی کی تلافی بھی ایک روز ضرور کرکے رہے گا۔ سائیں ملغوزاد کو اس کا حق ایک روز ضرور دلا کر رہے گا۔

بہرطور' اس قضیہ کے بعد پھوٹا خان نے سب سے اپنے گھر اطلاع کی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی بیوی بچے ..... بلخ شیر کے ہاں تھے۔ ہم سیدھے بلخ شیر کے پہنچے اور اسے پیش آمدہ حالات اور اپنے آئندہ کراچی ہونے کے پروگرام سے بھی آگاہ کیا۔ بلخ شیر نے اگرچہ ایک پھر پھوٹا خان کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے خود میرے کراچی جانے پر اصرار کیا مگر پھوٹا خان نہیں مانا' ہمیں کراچی پہنچنا تھا اس لیے ہم زیادہ دیر وہاں رکنے کے متحمل نہیں ہو تھے بہرطور پھوٹا خان کے آگے کسی کی بھی نہ چلی اور مجبوراً اس کی بیوی بھاگ بھری اور بہن بشیراں یعنی پھوٹا خان کی نے ہمیں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

یہاں ہمیں لگ بھگ ایک گھنٹا ہوگیا تھا یا شاید اس سے زیادہ۔ بہرطور میں پھوٹا خان اور زمان ایک بار پھر جیپ سوار ہوکر وہاں سے روانہ ہوگئے۔

پختہ سڑک ابھی دور تھی۔ وہاں سے پھوٹا خان کے گوٹھ کا کچا راستہ آمدورفت کی وجہ سے خاصا ہموار ہوچکا تھا اس جیپ کو نسبتاً کم ہچکولے لگ رہے تھے۔ میں شینا کی زندگی اور کی صحت یابی کی دعائیں کرنے لگی۔ اس سے مجھے شینا کے اور کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔

جیپ مل کھاتے راستے پر سبک رفتاری سے رواں تھی۔ راستے کے دائیں بائیں گھنی جھاڑیاں تھیں۔ پختہ سڑ اب زیادہ دور نہیں رہی تھی۔

اچانک کسی سمت سے بندوق چلنے کی آواز ابھری دوسرے ہی لمحے جیپ کی ونڈ اسکرین ایک چھناکے چکنا چور ہوگئی۔ میں اور پھوٹا خان تو کارتوس کے دھماکے کی آوا پر یکدم نیچے جھک گئے تھے لیکن شاید اسٹیئرنگ پر موجو چارے زمان کو بچنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ ونڈ اسکرین

ٹوٹتے ہی اس کے حلق سے بڑی کریہہ چیخ خارج ہوئی تھی۔ شاید سب سے پہلے نامعلوم حملہ آوروں نے اسے ہی گولی کا نشانہ بنایا تھا۔ چنانچہ اسٹیئرنگ اس کے ہاتھوں سے نکلتے ہی جیپ بری طرح لہرانے لگی۔ جب تک پھوٹا خان اسے سنبھالنے کی کوشش کرتا' وہ جھاڑیوں میں ہچکولے کھاتی ہوئی لرز گئی شاید کسی درخت سے جاٹکرائی۔ مجھے ایک زوردار جھٹکا لگا۔ اور بے ساختہ میرے حلق سے اضطراری چیخ برآمد ہوگئی۔ میں چونکہ سیٹوں کے درمیان دبک گئی تھی' اس لیے مجھے کچھ خاص چوٹ نہ آئی البتہ پھوٹا خان کی میں نے دردبھری کراہ سنی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میری گھٹتی ہوئی متوحش سماعتوں سے پھوٹا خان کی جوش میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کونجاں! تم اپنی جگہ سے ہلنا مت۔''

پھر میں نے ذرا سر ابھار کر دیکھا تو پھوٹا خان اپنا پستول ہاتھ میں پکڑے تیزی کے ساتھ باہر رینگ گیا اور نیچے اترتے ہی اس نے غالباً اندازے سے فائر کی سمت یکے بعد دیگرے تین چار گولیاں داغ دیں۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی تھی۔ دفعتاً جوابی فائرنگ کے نتیجے میں بھی بیک وقت تین چار کارتوسوں کے دھماکے ابھرے۔ میں دوبارہ سیٹوں کے درمیان دبک گئی۔ میرا دل کنپٹیوں پر دھڑ دھڑانے لگا۔ فائرنگ کے درمیانی وقفے میں ذرا ہمت سے کام لیتے ہوئے میں اپنی جگہ سے اٹھی اور جھکے جھکے انداز میں اگلی سیٹ پر آگئی۔ میں نے دیکھا' زمان کا چہرہ خون میں لت پت تھا۔ کارتوس کے بے رحم بارودی چھروں نے اس کا پورا چہرہ اڑا دیا تھا وہ بدہیئت حد تک ناقابلِ شناخت ہوچکا تھا۔ زمان کا عبرتناک انجام دیکھ کر میرا دل دکھ سے بھر گیا۔ تاہم میں نے آناً فاناً اس کی خونی قمیص کے نیچے کمر سے لٹکی گولیوں کی پٹی ہولسٹر سمیت کھینچ کر اتاری اور پھرتی کے ساتھ ہولسٹر سے پستول کھینچ کر اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اگلے ہی لمحے میں گولیوں کی پٹی کاندھے پر لٹکاتے جیپ سے نیچے اتر گئی۔ اب میں جھاڑیوں میں آن دبکی تھی۔ میری سانسیں تیزی کے ساتھ چل رہی تھیں۔ دفعتاً مجھے سامنے کی سمت سے پھر گولیاں چلنے کی سماعت شکن گرج سنائی دی۔ میں خود کو جھاڑیوں میں چھپائے کہنیوں اور سینے کے بل آگے بڑھنے لگی۔ میری متلاشی نگاہیں تیزی سے دائیں بائیں گردش کرتے ہوئے ''دشمن منظر'' دیکھنے کو بے تاب تھیں اور تب اچانک میری نگاہ کی پیاس بجھی' مجھے سامنے پاپلر کے ایک موٹے تنے والے درخت کے عقب میں دو ہیولے ابھرتے ہوئے نظر آگئے۔ انہوں نے بندوقیں تان رکھی تھیں اور وہ دونوں مجھ سے غافل اپنے بائیں جانب کسی کو تاڑتے ہوئے' دبے پاؤں جھکے

مقبول ترین مصنف محی الدین نواب جن کی کہانیاں آنکھوں سے نہیں دلوں سے پڑھی جاتی ہیں

⑧ بہترین کہانیوں کا مجموعہ

کیمپوٹرائزڈ کتابت

قیمت 100 روپے

کچرا گھر

خوبصورت گیٹ اپ

ڈاک خرچ 25 روپے

محی الدین نواب کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ ''ایمان کا سفر'' بھی دستیاب ہے

کتاب کی قیمت۔ بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کتابت پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23

کراچی 74200

kitabiat1970@yahoo.com

جھکے آگے بڑھنے لگے۔ یہ مذکورہ سمت تھی جدھر پھوٹا خان نے پیش قدمی کی تھی۔ میں نے تاک کر پستول والا ہاتھ ذرا بلند کر کے ان دونوں دشمن حملہ آوروں میں ایک کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ میری پستول نے محدود گرج کے ساتھ شعلہ اگلا اور ایک دشمن کریہہ انگیز چیخ کے ساتھ تیورا کر گرا جبکہ دوسرا ٹھٹکے ہوئے شکاری درندے کی طرح بدکا اور ایک درخت کی آڑ میں جا دبکا۔ میں نے پہلا فائر کرتے ہی اسے بھی نشانے پر رکھتے ہوئے گولی چلا دی مگر نشانہ خطا گیا۔ دوسرے دشمن نے درخت کی آڑ لیتے ہی اپنی بندوق سیدھی کر کے مجھ پر ایک کارتوس فائر کر ڈالا۔ میں فوراً جھاڑ دار زمین سے چپک گئی۔ میں سانس روکے چند ثانیے دم سادھے دبکی رہی پھر جنگلی بلی کی طرح میں نے ذرا سر ابھار کر سامنے دیکھا۔ دشمن درخت کی آڑ میں دبکا ہوا تھا۔ اس کا فاصلہ مجھ سے بہ مشکل تیس چالیس گام کے فاصلے پر تھا۔ میں نے اپنی جگہ سینے کے بل لیٹے لیٹے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کا نشانہ لے کر دو فائر جھونک مارے۔ اس کے حلق سے ابھرنے والی چیخ بڑی دل دوز تھی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سینہ تھامے زمین بوس ہوتا چلا گیا۔ میرا دل فتح مندی کے احساس سے دھڑکنے لگا۔ پھر اس لمحے مجھے اپنے دائیں جانب جدھر پھوٹا خان غائب ہوا تھا' کچھ تیز تیز اور بلند آوازیں سنائی دیں۔ ایک دو بار گولی چلنے کی بھی آواز ابھری تھی۔ میں کسی انجانے اندیشے کے زیر اثر فوراً مذکورہ سمت کی طرف لپکی۔ میں جھاڑیوں میں محتاط روی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ آوازیں اب قریب آنے لگی تھیں اور تب اچانک میں نے قد آدم جھاڑیوں کے چھدرے چھدرے روزنوں سے سامنے جھانکا تو میری روح فنا ہوگئی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ مجھ سے چند ہی گز کے فاصلے پر پھوٹا خان کو دو افراد اس کے پشت کی سمت دونوں ہاتھ جکڑے کھڑے تھے اور مردود گہرام نے اپنی دونالی بندوق اس کی گردن سے لگا رکھی تھی اور وہ بڑے درشت لہجے میں پھوٹا خان سے میرے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے اپنے پستول میں گولیاں بھریں اور آہستگی سے اسے کلپ کرنے کے بعد بہ غور سامنے نگاہیں جما دیں۔ میں نے دیکھا' پھوٹا خان کی پیشانی پر بلکا سا زخم کا نشان ابھرا ہوا تھا۔

''اڑے! موریا خان! تم دونوں اس پر نظر رکھو۔ میں کونجاں کو جا کر تلاش کرتا ہوں۔''

معاً گہرام نے اپنے دونوں ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا تو ان میں سے ایک نے قدرے متفکر لہجے میں گہرام سے کہا۔

''سائیں! احتیاط کرنا..... وہ بڑی خطرناک چھوکری ہے۔ اس نے ہمارے دو ساتھیوں کو بھی ہلاک کر ڈالا ہے۔ میرا خیال ہے' میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں'' اپنے ساتھی کی بات پر گہرام غصے سے بولا۔

''وہ مجھ سے زیادہ خطرناک نہیں ہو سکتی۔ تم ادھر ہی رکو۔ اس غدار کو ہلنے نہ دینا'' یہ کہہ کر گہرام اپنی بندوق سنبھالے ایک طرف کو لپکا۔ ان کی گفتگو سے مجھے ایک بات کا تو اندازہ ہو ہی گیا کہ ان کی اتنی ہی نفری تھی جتنی نظر آ رہی تھی۔ لہٰذا جیسے ہی گہرام ایک طرف کو لپکا' میں نے بھی فوراً اپنی جگہ سے حرکت کی اور جنگلی بلی کی طرح گہرام کی طرف لپکی۔ وہ بندوق تانے خونخوار بھیڑیے کی طرح دبے پاؤں بڑھا چلا جا رہا تھا۔ میں پستول ہاتھ میں لیے اس کا اور اپنا درمیانی فاصلہ پاٹنے کی غرض سے راستہ کاٹتی ہوئی دبے پاؤں اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ اس کے بعد جب خاصے فاصلے پر وہ ایک جگہ رکا تو میں بھی اپنی جگہ دبک گئی۔ اس کے قدرے ٹھٹک کر رکنے کے انداز سے میں سمجھی شاید اسے اپنے تعاقب کا احساس ہو چکا ہے مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ رکا گیا تھا مگر اب بھی اس کی پشت میری طرف ہی تھی۔ تب پھر میں نے ''ابھی نہیں تو کبھی نہیں'' کے مصداق پھرتی کے ساتھ جھاڑیوں سے نکلی اور آگے بڑھ کر فوراً اپنے پستول کی نال اس کی گدی سے لگا دی۔

''خبردار گہرام! اپنی جگہ سے ہلے بغیر بندوق پھینک دے ورنہ تیرا بھیجہ اُڑا دوں گی۔'' میں شیرنی کی طرح غرائی اور گہرام جیسے پتھر کا بت بن گیا۔

''میں آخری بار کہہ رہی ہوں' بندوق پھینک دے ورنہ.....'' اس بار میں پستول کی نال اس کی گدی میں زور سے چبھو کر غرائی۔ گہرام نے جیسے میرے زخمی لہجے کی خونخواری بھانپتے ہوئے فوراً اپنی بندوق پھینک دی تب میں نے اسے عقب میں گھوم جانے کو کہا۔ اور اس کے عقب میں مڑتے ہی میں محتاط انداز میں اس سے چند فٹ دور کھڑی ہوگئی۔ پھر میں نے اسے غصیلی نگاہوں سے گھورتے ہوئے آگے بڑھنے کو کہا۔ وہ چند ثانیے میری طرف شعلہ فشاں نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے اپنے قدم آگے بڑھا دیے۔ میں اس کے آگے بڑھتے ہی فوراً اس کے عقب میں بدستور اس پر اپنا پستول تانے چلنے لگی۔ بہت جلد ہم اس مقام تک پہنچ گئے جدھر گہرام کے دو ساتھی پھوٹا خان کو بازوؤں سے جکڑے موجود تھے۔ بندوقیں ان کی پشت پر جھول رہی تھیں۔ ہم پر نگاہ پڑتے ہی اس کے دونوں ساتھیوں کی آنکھوں میں پہلے غیر یقینی کے سے تاثرات حیرت ابھری پھر فوراً اس کی جگہ خونخوار درشتی نے لے لی۔

''گہرام! اپنے ساتھیوں سے کہو کہ اپنی بندوقیں پھینک کر دونوں ہاتھ اٹھا کر ایک طرف کھڑے ہو جائیں۔'' میں نے آواز بلند کڑک کر گہرام سے کہا تو اس نے بجائے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرنے کے قہر بار لہجے میں مجھ سے غرا کر کہا۔

''کونجاں! تو اپنی موت کو دعوت دے رہی ہے۔ پھوٹا خان ایک دغاباز شخص ہے۔ وہ تیرے ذریعے وہ قیمتی مورتی حاصل کرنے کے بعد تجھے بھی دھوکا دے سکتا ہے لیکن اگر تو میرے ساتھ تعاون کرے تو.....؟''

''اپنی بکواس بند کر رذیل انسان.....'' میں اس کی بات کاٹ کر زور سے دہاڑی۔ ''میں نے جو کہا ہے' وہ کر..... میری پاس وقت کم ہے'' میری غصیلی دھاڑ پر یکدم گہرام کے دونوں ساتھیوں نے اپنے کاندھوں سے بندوقیں اتار کر اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیں اور ان کا رخ میری طرف کر دیا۔ مگر میں بھی ایک کائیاں تھی۔ میں جانتی تھی وہ اس طرح خاموشی سے سپر ڈالنے والے نہیں تھے چنانچہ جیسے ہی ان دونوں نے مجھ پر بندوقیں تانیں' میں لپک کر گہرام کی پشت پر آ کر پستول اس کے سر سے لگا دیا اور غرا کر تہدیدی انداز میں اپنا حکم دُہرایا۔ میں نے دیکھا' پھوٹا خان کے چہرے پر تشویش آمیز پریشانی کے تاثرات تھے۔

''اڑے بابا! پھینک دو اپنی بندوقیں.....'' بالآخر گہرام نے ہونٹ چبا کر اپنے دونوں ساتھیوں کو حکم دیا۔ اس کے دونوں ساتھی چند ثانیے تو اُلجھن آمیز تذبذب میں مبتلا رہے مگر پھر اپنے سردار کا حکم پاتے ہی انہوں نے اپنی بندوقیں ایک طرف پھینک دیں۔ پھوٹا خان فوراً حرکت میں آیا اور اس نے زمین پر پڑی ہوئی دونوں بندوقوں پر قبضہ جما لیا اور یہی میں چاہتی تھی۔

''بول کتے! اب تیرا کیا حشر کیا جائے؟'' پھوٹا خان نے ایک بندوق اپنے کاندھے پر اور دوسری اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑتے ہوئے گہرام پر تان کر غصے سے بولا تو گہرام کے بدہیت باریک ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ اسے گھور کر بولا۔

''پھوٹا خان! تو اب بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میرا ذرا بھی بال بیکا ہوا تو میری بستی کے سارے جنگجو لوگ مل کر تیری حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے'' میں اس کی بے خوفی پر ایک لمحے کو ششدر سی رہ گئی۔ مگر پھوٹا خان جیسے ہتھے سے اکھڑ گیا پھر دوسرے ہی لمحے وہ چراغ پا ہو کر آگے بڑھا اور گہرام کو گریبان سے پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور اس کے سینے پر بندوق کی نال لگا کر خونیں لہجے میں بولا۔

''تیری یہ خوش فہمی ابھی میں دور کیے دیتا ہوں حرام زادے!''

یہ کہہ کر پھوٹا خان نے بندوق کا گھوڑا چڑھایا اور لبلبی پر اپنی انگلی رکھ دی تو میں اسی وقت چلا کر اس سے بولی ''نہیں چاچا!

زندگی سنوارنے اور نکھارنے والی
کتابوں کے سلسلے کی ایک کڑی
مشہور ماہرینِ نفسیات کی آرا پر مشتمل کتاب
احساسِ کمتری
اسباب ← تدارک ← علاج
اس کتاب کا مطالعہ آپ کو بتائے گا کہ.....
○ احساس کمتری سے کس طرح نجات حاصل کی جا سکتی ہے؟
○ کامیاب زندگی گزارنے کے اصول کیا ہیں؟
○ کیا آپ واقعی احساس کمتری کے شکار ہیں یا صرف یہ آپ کا خیال ہے؟
○ ہو سکتا ہے کہ صرف اس کتاب کے مطالعہ سے ہی آپ کا یہ احساس ختم ہو جائے؟
مشہور نفسیاتی ماہر اسلام حسین کے قلم سے
قیمت 30 روپے ڈاک خرچ 23 روپے
خط و کتابت کا پتہ
مکتبہ نفسیات
رابطے کے لیے:

نہیں' اس کے گندے خون سے اپنے ہاتھ مت خراب کر' اسے چھوڑ دے'' میرے منع کرنے پر پھوٹا خان کا طیش ذرا کم ہوا اور پھر وہ اپنے حلق سے غراہٹ آمیز آواز نکالتا ہوا ایک طرف کو ہٹ گیا۔ گہرام کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد پھوٹا خان نے گہرام کو دونوں ساتھیوں سمیت آگے بڑھنے کو کہا۔ اب میں اور پھوٹا خان ان تینوں پر اپنی گنیں تانے عقب میں چلنے لگے۔ ہم سب سے پہلے جیپ کے پاس پہنچے۔ پھوٹا خان نے اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر بے سود' ہر بار سیلف لگانے پر اس کا انجن گھرگھرانے کے بعد خاموش ہو جاتا۔ ناچار پھوٹا خان اسٹیئرنگ وہیل پر جھنجلا کر مکا مارتے ہوئے نیچے اتر آیا۔ مجھے اب کراچی جانے کا پروگرام موخر ہوتا محسوس ہوا۔ پھوٹا خان کو اپنے ساتھی زمان کی موت کا بڑا دکھ تھا مگر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں نے اس کے بدنصیب ساتھی کی موت کا بدلہ گہرام کے دو ساتھیوں کو ہلاک کر کے لے لیا تھا اور نہ تو پھوٹا خان نے گہرام سمیت ان تینوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑنا تھا۔

بہرطور ہم دونوں گہرام اور اس کے دونوں ساتھیوں کو اپنی گنوں کے نشانے پر دھکیلتے ہوئے بالآخر خاصی دیر بعد پھوٹا خان کی اوطاق پہنچے۔ وہاں حسبِ توقع اس کے ساتھی موجود تھے۔ ہمیں دیکھ کر ان کے بشروں پر حیرت آمیز پریشانی سی دوڑ گئی۔ مگر پھر دوسرے ہی لمحے جیسے انہیں ساری صورتِ حال کا ادراک ہو گیا۔ بعد میں ہمیں پتا چلا کہ فائرنگ کی آواز ان کے کانوں تک بھی پہنچی تھی اور وہ اب ہماری طرف نکلنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے۔

پھوٹا خان نے تینوں کو اپنے مسلح ساتھیوں کے حوالے کیا پھر انہیں انتہائی افسوس ناک لہجے میں زمان کے قتل ہونے کی اطلاع دی اور ساتھ ہی انہیں جنگل سے جیپ اور زمان کی لاش اٹھوانے کے لیے روانہ کیا۔ مگر اس سے پہلے انہوں نے ان تینوں کی ایک مضبوط رسی سے مشکیں کس دی تھیں پھر پھوٹا خان نے اپنا ایک آدمی اسی وقت بلیغ شیر کے ہاں اسے مطلع کرنے کے لیے روانہ کیا اور پھر ہم دونوں اندر آ کر تھکے تھکے انداز میں چارپائی پر بیٹھ گئے۔ باقی گہرام اور اس کے دونوں ساتھیوں کو اوطاق کے اندرونی کوٹھری میں قید کر دیا گیا تھا۔ پھوٹا خان نے شاید بلیغ شیر کے آنے تک ان تینوں کے بارے میں فیصلہ موخر رکھا تھا۔ ہم نے پانی وغیرہ پیا اور پُرسوچ انداز میں خاموش ہو کر بلیغ شیر کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

ذرا دیر بعد ہمیں باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی پھر میں نے بلیغ شیر کو بدحواسی کے سے انداز میں اندر داخل ہوتے دیکھا۔

''اڑے بھا پھوٹا خان! خیریت تو ہے..... یہ سب کیا ہوا بابا! کہاں ہیں وہ تینوں خنزیر۔ میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا' وہ شیر کی طرح دہاڑتا ہوا ہمارے قریب آ کر بولا۔

پھوٹا خان نے ذرا دیر بعد اسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ بلیغ شیر موڑھے پر بیٹھا غصے سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ پھر کوٹھری کے بند دروازے کو گھورتے ہوئے پھوٹا خان سے بولا۔

''بھا پھوٹا خان! اب ان تینوں کو بالکل مت چھوڑنا بلکہ ان تینوں کو تو میرے حوالے کر دے۔''

''نہیں بلیغ شیر! اب ہمیں گرم دماغی کے بجائے' ٹھنڈے دماغ سے سوچنا پڑے گا۔ کیونکہ اب یہ مردود گہرام عام آدمی نہیں رہا' اپنے قبیلے کا سردار ہے یہ.....''

پھوٹا خان نے پہلی بار معاملہ فہمی سے بلیغ شیر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ میں نے دیکھا' اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ اس نے شاید صورتِ حال کی نزاکت کا اندازہ لگا لیا تھا مگر بلیغ شیر کہاں نچلا بیٹھنے والا تھا۔ یک دم تپ کر بولا۔

''بھا پھوٹا خان! بھلے یہ ہوتا رہے اپنے قبیلے کا سردار۔ ہم نے بھی کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں۔ سب سے پہلے انہوں نے ہم پر قاتلانہ حملہ کیا ہے' انہیں حساب دینا پڑے گا۔''

''اڑے بابا! اس لیے تو پہلے میں نے تجھ کو یہاں بلایا ہے؟'' پھوٹا خان نے اس کی طرف دیکھ کر کسی قدر پریشانی سے کہا۔

''پر یار بلیغ شیر! ہمیں ٹھنڈے دماغ سے اس مسئلے کو حل کرنا ہوگا۔ میں اس رذیل گہرام کی زہریلی فطرت سے واقف ہوں۔ یہ سانپ کی طرح مٹی کھا کر زمین کھودھی کر ڈالتا ہے۔ اس کا کچھ اور ہی بندوبست کرنا پڑے گا'' اس کی پُرمغز گفتگو پر بلیغ شیر بھی چند ثانیوں کے لیے پُرسوچ خاموشی میں ڈوب گیا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

''بھا پھوٹا خان! آخر ان کی بستی کے چند معتبر لوگوں کی پنچائت تو ہوگی ناں..... ہم خود گہرام کو اس کے دونوں ساتھیوں سمیت ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔''

''ہاں یہی ایک طریقہ رہ جاتا ہے'' پھوٹا خان نے مُرخیال انداز میں اس کی تائید کرتے ہوئے بولا۔

''بلکہ ایسا کرتے ہیں' میں اپنے چند آدمیوں کو پہلے ان کی بستی کی طرف روانہ کرتا ہوں..... اور بستی کے چند معتبر لوگوں کو یہاں آنے کی دعوت دیتا ہوں'' اس کی بات پر بلیغ شیر نے بلا تامل اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

بالآخر یہ طے پایا گیا تو بلیغ شیر نے آخر میں میری طرف

دیکھتے ہوئے پھوٹا خان سے پوچھا۔

''.....اور..... تم لوگوں کا کراچی جانے کا پھر کیا ارادہ ہے؟'' اس کی بات پر میں نے جواباً پہلی بار شاملِ گفتگو ہوتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے' پہلے یہ قضیہ نمٹا لیتے ہیں یا پھر میں خود اکیلی کراچی روانہ ہو جاتی ہوں۔''

میری بات پر پھوٹا خان دھیرے سے اپنا دستِ شفقت میرے سر پر رکھتے ہوئے ملائمت سے بولا۔

''کونجاں دھیے! تمہارا بہرحال اکیلے کراچی جیسے اجنبی اور بھرے پرے شہر میں جانا مناسب نہ ہوگا۔ زندگی اور موت اللہ سائیں کے اختیار میں ہے۔ ہمارے جلد پہنچنے نہ پہنچنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بس یہ گہرام والا معاملہ نمٹانے کے بعد ہم فوراً نکل پڑیں گے۔ میں ابھی اپنے آدمی بستی کی طرف روانہ کرتا ہوں۔''

اس کے سمجھانے پر میں خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد پھوٹا خان نے اپنے گوٹھ سے بھی چند مزید آدمی بلوا لیے۔ انہیں ہدایات دے کر گہرام کی بستی کی طرف روانہ کر دیا اور مجھے پھوٹا خان نے اپنے گھر بھیج دیا تاکہ میں کچھ دیر آرام کر لوں لیکن آرام اب میرے نصیب میں کہاں تھا؟ اس بدبخت گہرام والے معاملے نے میرا کراچی جانے کا پروگرام بدل ڈالا تھا اور میں تھی کہ جلد از جلد کراچی شینا کی خیر خیریت معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوئی جا رہی تھی۔ بلیغ شیر کی بیوی بھاگ بھری کی طرح پھوٹا خان کی بیوی بشیراں بھی بڑی ملنسار اور ہمدرد خاتون ثابت ہوئی تھی بلکہ بشیراں تو اب مجھے اپنی ایک محسنہ کے روپ میں دیکھنے لگی تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ میری بہادری کی وجہ سے اس کا اکلوتا بیٹا مراد علی لالاں اور کوڑل کے خونی پنجوں سے آزاد ہوا تھا اور نہ صرف یہ بلکہ میری ہی وجہ سے اس کے شوہر پھوٹا خان اور بھائی بلیغ شیر کے درمیان مفاہمت بھی ہو گئی تھی۔

بہرحال اب میں بے چینی سے اس وقت کی منتظر تھی کہ گہرام والا معاملہ بہ خیر و خوبی طے پا جائے تو میں اور پھوٹا خان ایک بار پھر کراچی کا قصد کریں۔ اس سلسلے میں پھوٹا خان نے اگرچہ مصالحانہ روش اپنائی تھی اور سب سے پہلے خیر سگالی کے طور پر اپنے آدمی گہرام کی بستی کی طرف روانہ کر چکا تھا مگر پھر بھی نجانے کیوں اس گمبھیر معاملے کی طرف سے میرا دل انجانے شکوک و شبہات اور وسوسوں کا شکار تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا یہ معاملہ اتنی جلدی اور آرام سے نمٹ جائے گا؟ بہرطور میرے پاس اب انتظار کی کٹھن گھڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس وقت دوپہر ہو چلی تھی۔ موسم کی رُت بدل چکی تھی۔ اپریل شروع ہو چکا تھا اور پسینہ بہاتی گرمیوں کی آمد آمد تھی۔ بشیراں نے دوپہر کا کھانا تیار کر لیا تھا اور اس کے منع کرنے کے باوجود میں نے بھی رسوئی میں اس کے ساتھ ہاتھ بٹایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پھوٹا خان اور بلیغ شیر بھی آ گئے اور ہم سب نے اکٹھے بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھایا۔ اگرچہ مجھے ذرا بھی بھوک نہ تھی مگر کھانے سے قبل از وقت ہاتھ کھینچ لینا خلافِ تہذیب بھی تھا۔ کھانا کھانے کے بعد یہ قول پھوٹا خان کہ' اس کے آدمیوں کی گہرام کی بستی سے واپسی اگلے چند گھنٹوں میں متوقع تھی۔

ہم سب ایک نسبتاً بڑے اور آرام دہ کمرے میں آ کر بیٹھ گئے تھے اور اس دوران میں بلیغ شیر نے میرے ماضی سے متعلق وہ ساری دردانگیز اور عبرت اثر داستان دھیرے دھیرے پھوٹا خان کو سنا ڈالی جسے سن کر پھوٹا خان ایک لمحے کو تو انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔ چونکہ بلیغ شیر کی طرح وہ خود بھی اخبار بینی کا شوق رکھتا تھا اور گاہے بہ گاہے وہ مقامی سندھی روزناموں میں میری اور صفت ابلیس وڈیرے عارب خان کی رسا کشی سے متعلق خبریں اور ایڈیٹروں کے اداریے پڑھتا رہتا تھا۔ بالخصوص زیب النساء پلیجو کی میرے سلسلے میں دی گئی پریس کانفرنس کی مفصل کتھا بھی اس کی نظروں سے گزری تھی۔ پھوٹا خان نے میری بہادری' ہمت اور جرأت مندی کی دل سے تعریف کی تھی۔ پھوٹا خان اور بلیغ شیر دونوں ہی مجھ سے ازحد متاثر نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں کی آنکھوں اور چہروں سے میرے لیے ہمدردی کے جذبات سے کہیں زیادہ ایک عجیب سی عقیدت' فخر اور ستائشی تاثرات مترشح ہو رہے تھے۔ انہوں نے صحیح معنوں میں سندھ دھرتی کی ایک ایسی مظلوم بیٹی کے لقب سے بھی نواز دیا تھا جو اپنے اندر پیروں' مرشدوں جیسے خواص رکھتی تھی۔ جس کے سامنے بڑے سے بڑے طوفان سرنگوں ہو جاتے تھے اور منہ زور آندھیاں میرے بلند حوصلوں کے بادبانوں سے ٹکرا کر ہوا کے نرم خوجھونکوں میں بدل جایا کرتی تھیں۔

پھوٹا خان نے تو بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے انہیں چوم لیا تھا پھر فرطِ جذبات سے مرتعش لہجے میں مجھ سے بولا۔

''دھیے! اگر تو ہمیں کسی قابل سمجھتی ہے کہ اپنی اس جنگ میں ہمیں بھی اپنے ساتھ شامل کر لے رب سائیں کی قسم! ہماری زندگی کا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر تیری اس جنگ میں ہمیں موت بھی آ گئی تو یقین کر' وہ بڑی نصیبوں والی موت ہوگی۔''

''ہاں ادی کونجاں! بھا پھوٹا خان کی طرح میں بھی اپنے دل میں بڑی شدت سے یہ خواہش رکھتا ہوں کہ اگر تو اپنے اداتا شیر کو اس قابل سمجھتی ہے کہ وہ ایک غیرت مند بھائی کی طرح

تیری ڈھال بن جائے تو میں سمجھوں گا کہ میری بخشش کا سامان پیدا ہوگیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایک مظلوم بہن کی چادر کی حفاظت کرتے ہوئے اگر مجھے موت بھی آ گئی تو وہ یقیناً شہادت سے بھی بڑھ کر میرے لیے درجہ رکھے گی'' بلخ شیر نے بھی پھوٹا خان کی طرح میرے ساتھ شامل عقل ہونے کا دم بھرا تو بے اختیار میری آنکھیں چرنم ہوگئیں۔ یہ خوشی کے آنسو تھے جو آج پہلی بار میری آنکھوں سے امڈ پڑے تھے۔ مجھے روتا دیکھ کر پھوٹا خان اور بلخ شیر یک دم اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر میرے قریب آکر پہلے پھوٹا خان نے میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھا اس کے بعد بلخ شیر نے بھی اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

وقت دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔ ہمیں اب اپنے آدمیوں کا بے چینی سے انتظار تھا۔ لگ بھگ کوئی گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک کی آواز پر پھوٹا خان اور بلخ شیر چونک کر فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور باہر دروازے کی طرف لپکے۔ شاید ان کے آدمی گہرام کی بستی سے لوٹ آئے تھے۔

وہ دونوں واپس آئے تو خاصے فکرمند اور الجھے ہوئے نظر آرہے تھے بلکہ بلخ شیر کے چہرے پر تو جوش آمیز تمتماہٹ کے تاثرات بھی تھے ''کیا ہوا؟ چاچا! تمہارے آدمی کیا پیغام لائے ہیں؟''

بالآخر ان کے خاموش بشروں کو تکتے ہوئے میں نے بے قرار ہوکر پھوٹا خان سے پوچھا۔

''ان لوگوں نے میرے آدمیوں کے ہاتھ بڑا سخت پیغام بھیجا ہے۔''

پھوٹا خان نے ایک گہری ہنکار خارج کرتے ہوئے کہا ''انہوں نے کہا ہے کہ بلا تاخیر ہمارے سردار گہرام کو عزت و احترام کے ساتھ ان کی بستی میں لایا جائے اور ہم سے نہ صرف ہمارے سردار کو یرغمالی بنانے کی معافی مانگی جائے بلکہ ہمارے جن دوساتھیوں کو ہلاک کیا گیا ہے ان کا خوں بہا بھی دیا جائے'' پھوٹا خان کی اس صراحت پر میں پریشان سی ہوگئی مگر دوسرے لمحے بلخ شیر پُرجوش لہجے میں بڑبڑا کر بولا۔

''ان لوگوں کا دماغ خراب ہوگیا بھا پھوٹا خان! میں تو کہتا ہوں' گہرام کو ان لوگوں کے حوالے ہی نہ کیا جائے اور چونکہ گہرام نے پہلے تو ہم حملہ کرنے کا جرم کیا ہے اب یہ لوگ اس جرم کا ہمیں ''بھونگا'' (قصاص) دیں گے بلکہ ہمارے ساتھی زمان کی موت کا بھی خوں بہا دینا پڑے گا۔ ان کی ڈھٹائی تو دیکھو الٹا ہمارے گلے پڑ رہے ہیں۔ ان مردود جوگیوں کو تو ہمارا احسان مند ہونا چاہیے کہ ہم ان کا سردار زندہ سلامت ان کے حوالے کررہے ہیں۔''

''نہیں بلخ شیر! بلاوجہ اس طرح بات بگڑ جائے گی'' پھوٹا خان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں کہا ''ایسا کرتے ہیں' گہرام اور اس کے دونوں ساتھیوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا یہی حل ہے..... دیکھتے ہیں یہ جوگی کیا بگاڑ لیتے ہیں۔''

''یہ لوگ اپنی اوقات بھول رہے ہیں۔ جنگ تو جنگ کی'' بلخ شیر نے بدستور خفگی میں دانت پیس کر کہا۔

''تو ادھر ٹھہر' میں اس مردود گہرام کو دھکا دے کر آتا ہوں'' پھوٹا خان نے کہا اور باہر نکل گیا۔

پھوٹا خان جا چکا تھا۔ بلخ شیر اپنی جگہ غصے سے تلملا رہا تھا۔ اپنے بہنوئی پھوٹا خان کے برعکس بلخ شیر ایک جی دار' نڈر اور آتش مزاج انسان تھا مگر اس کا مطلب یہ بھی نہ تھا کہ پھوٹا خان کوئی بزدل انسان تھا۔ بہادری اور سردھڑ کی بازی لگا دینا اس کے خمیر میں بھی شامل تھا مگر وہ ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے معاملات کو حل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد تھکے تھکے سے انداز میں واپس لوٹ آیا اور بتایا کہ اس نے وہ بالآخر گہرام اور اس کے دونوں ساتھیوں کو آزاد کردیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے (پھوٹا خان) آدمیوں نے گہرام وغیرہ کو سندھو دریا (دریائے سندھ) کے پار تک چھوڑنے بھی گئے تھے۔

''یہ مردود گہرام! زخمی سانپ کی مثل یہاں سے گیا ہے اپنی بستی پہنچتے ہی یہ کمینہ ضرور کوئی گل کھلائے گا۔''

پھوٹا خان نے پُرتشویش لہجے میں جیسے خود کلامی کرتے ہوئے کہا تو بلخ شیر نے جوش سے کہا ''دیکھ لیں گے پھوٹا خان! تو کیوں فکر کرتا ہے۔''

''اڑے یار' فکر کی بات تو نہیں ہے' میں کون سا ان جوگیوں سے ڈر رہا ہوں۔ مگر بلاوجہ میرا اور دھی کو نجاں کا کرایا جانا مسئلہ ہوجائے گا۔''

''نہیں بھا! تو اس کی فکر نہ کر' میں پیچھے سنبھال لوں گا تو نے اور ادی کو نجاں نے اگر کراچی نکلنا ہے تو پہلے نکل جا'' بلخ شیر نے فوراً کہا۔ مگر پھوٹا خان کا اس طرح کراچی جانے پر دل نہیں مان رہا تھا۔ خود میرا بھی یہی خیال تھا کہ ابھی ان حالات میں ہمارا سردست گوٹھ سے نکلنا مناسب نہ ہوگا لہٰذا میں نے پھوٹا خان کی تائید کرتے ہوئے بلخ شیر سے کہا۔

''اد بلخ شیر! چاچا سائیں ٹھیک کہہ رہے ہیں' پہلے یہ مردود گہرام والا معاملہ ذرا ٹھنڈا پڑ جائے تو پھر کراچی جانے کا کچھ سوچیں گے۔''

میں نے دیکھا' میری بات پر پھوٹا خان نے مجھ

نظروں سے میرے چہرے کی طرف دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا ”دھیے! میں تیرے دل کی پریشانی سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ جب تک تو خود کو شینا کے پاس نہیں پائے گی تیرے دل کو قرار نہیں آئے گا۔“

میں نے اس کی بات پر صاف دل سے کہا ”چاچا! شینا کی پریشانی اپنی جگہ لیکن یہ بھی تو سوچنے والی بات ہے کہ اگر ان حالات میں ہم کراچی نکل بھی گئے تو کیا ہمیں پیچھے کی فکر اور پریشانی نہ ہوگی لہٰذا اب بہتر یہی ہے کہ گہرام والا معاملہ نمٹ جائے تو بعد میں ہی کراچی جانے کا سوچتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے پھر“ میری بات پر پھوٹا خان نے کہا۔ ”میں آج ہی اپنا ایک آدمی مخبر کی حیثیت سے جوگیوں کی بستی کی طرف روانہ کرتا ہوں۔ مجھے ان کے عزائم سے باخبر کرتا رہے گا۔ ویسے میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ بستی کی جو پنچائت ہے وہ دراصل گہرام ہی کی ہم خیال اور شر پسند ہے ورنہ بستی کی اکثریت امن پسند ہے وہ لڑائی یا مار کٹائی کی خوگر بہرحال نہیں ہے۔“

☆☆☆

یہ اس روز شام کا ذکر تھا۔ بلخ شیر اپنے گھر روانہ ہو چکا تھا۔ جبکہ پھوٹا خان موجودہ حالات سے باخبر رہنے کے لیے اپنی اوطاق کی طرف چل دیا تھا۔ اس وقت گھر پر میں بشیراں اور مراد علی تھے۔ گہرام والے معاملے کی پریشانی اگرچہ اپنی جگہ تھی مگر مجھے شینا کی طرف سے ایک پل بھی چین نہیں آ رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنے محبوب شوہر محمد پریل کا خیال بھی۔ بدقسمتی سے میں پے در پے اور یکے بعد دیگرے ایسے گوناگوں حالات سے دوچار رہی تھی کہ مجھے پھر دوبارہ پریل کو تلاش کرنے کا موقع نہ مل سکا البتہ دورانِ گفتگو ایک موقع پر ادا بلخ شیر نے مجھے یہ بتایا تھا کہ پریل کی تلاش جاری ہے۔ اس نے مائی مختاراں اور پریل کو ڈھونڈنے کے لیے اپنے دو آدمیوں کو بدستور لگا رکھا تھا۔ لیکن ابھی تک انہیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ پھر بلخ شیر نے دبے دبے لفظوں میں مجھ سے اپنے اس خیال کا بھی اظہار کیا تھا کہ مائی مختاراں، پریل کو لے کر کہیں دور نکل چکی ہے۔ اس اطلاع پر میں بری طرح اپنا دل مسوس کر رہ گئی تھی۔ مگر میں کیا کر سکتی تھی۔ سر دست میرے پاس صبر و دعا کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ سو وہ میں کر رہی تھی۔

میں اپنی بے چینی اور اداسی دور کرنے کے لیے پھوٹا خان کی بیوی بشیراں سے باتوں میں مصروف تھی۔ پھر اس کے بعد ہم ذرا آرام کرنے کی غرض سے اندر کمرے میں لیٹ گئے۔ جاگی تو شام ہو چکی تھی۔ بشیراں کے کہنے پر میں نے نہا دھو کر نئے کپڑے پہن لیے۔ یہ کپڑے بشیراں کے ہی تھے اگرچہ مجھے ذرا کھلے تھے۔ مگر صاف اور اجلے تھے۔ اس اثنا میں بشیراں نے مجھے گڑ کی چائے پلائی۔ اس دوران میں پھوٹا خان اور بلخ شیر آپس میں باتیں کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ پھوٹا خان کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا جبکہ بلخ شیر خاصا خوش دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دونوں اندر کمرے میں جا بیٹھے۔ ان کے کمرے میں جاتے ہی میں بھی وہاں آ گئی اور پھوٹا خان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”چاچا! خیر تو ہے‘ کیا ہوا؟“ اس اثنا میں بشیراں بھی پریشان اور متفکر سی کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کے برتن تھے۔ پھوٹا خان میری بات کا جواب دینے کو تھا کہ بلخ شیر مخاطب ہو کر بولا۔

”بلخ شیر! تو اب ایسا کر‘ دھی کو نجاں اور میرے بچوں کو سب سے پہلے اپنے گھر لے جا۔ میں خود ہی ان لوگوں سے نمٹ لوں گا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے بھا! پر میں بھی ابھی جا کر اپنے آدمی تیار کرتا ہوں۔ آج ان لوگوں کو مزہ چکھا کر رہیں گے۔“ بلخ شیر نے جواباً پُرجوش لہجے میں کہا تو میں مزید پریشان سی ہو گئی اور بالآخر متوحش لہجے میں دوبارہ اپنا سوال دہرایا تو پھوٹا خان نے بتایا۔

”کونجاں دھیے! گھبرانے کی بات نہیں‘ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ میرے مخبر نے آ کر بتایا ہے کہ گہرام ہمارے گوٹھ پر شب خون مارنے کے لیے پر تول رہا ہے۔“ اس کی بات پر میں بھی ..... فکر مند ہو گئی تھی۔ بعد میں پھوٹا خان نے مجھے یہ بھی بتایا کہ گہرام کی بستی سے کچھ لوگ اس کا پیغام لے کر آئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کونجاں کو ہمارے حوالے کر دو یا پھر ایک بڑی جنگ کے لیے تیار رہو۔

اس بات نے مجھے مزید پریشانی میں مبتلا کر دیا اور ایک بار پھر میں اپنے سینے پر ایک بوجھ سا محسوس کرنے لگی‘ کیوں کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے اب یہاں بھی قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو۔

مجھے تشویش میں مبتلا پا کر بلخ شیر جیسے میری پریشانی بھانپتے ہوئے تسلی دیتے ہوئے بولا ”تو کیوں فکر کرتی ہے ادی کونجاں ہم نے کوئی چوڑیاں تو نہیں پہن رکھی ہیں۔ تو دیکھنا‘ ہم ان لوگوں کو ایسا منہ توڑ جواب دیں گے کہ ساری عمر یاد رکھیں گے اور پھر کبھی ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ان میں ہمت نہ ہوگی۔“

”وہ تو ٹھیک ہے ادا! مگر..... اس ہولناک جنگ میں اگر گوٹھ کے بے گناہ اور معصوم لوگوں کی جانوں کو بھی تو خطرہ ہوگا۔“ میں نے کسی قدر تشویش آمیز لہجے میں کہا تو پھوٹا خان بولا۔

”تم اس کی فکر نہ کرو دھیے! میرے گوٹھ کے لوگ بہت جی دار اور نڈر ہیں۔ میری ایک آواز پر سب اکٹھے ہو جائیں گے لیکن میں نے پھر بھی انہیں محتاط رہنے کے لیے کہہ دیا ہے۔ ہمارے آدمی سندھو دریا پر مورچے سنبھال کر بیٹھ گئے ہیں۔ اول تو گہرام کے آدمی وہ دریا ہی پار کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اگر ان کا کوئی بھولا بھٹکا آدمی دریا پار کر کے آ بھی گیا تو اسے گولیوں سے بھون کر رکھ دیا جائے گا۔“

پھوٹا خان کی بات پر میری پریشانی کم نہ ہوئی تھی۔

رات بھاری سِل کی طرح دبے پاؤں سرک رہی تھی۔ کمرے سے باہر ویران صحن میں چیختا ہوا سناٹا کوڑالے سانپ کی طرح پھنکاریں مارتا محسوس ہو رہا تھا۔ صحن کی لائٹ گل تھی مگر باہر چاند کی روشنی چہار اطراف اتری ہوئی تھی۔

باہر دور کہیں آوارہ کتوں اور گیدڑوں کی السائی ہوئی چیخنے چلانے کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

اگر یہ محض اطلاع ہوتی‘ گہرام کی بستی والے ..... آج رات گوٹھ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو یقیناً اس میں اس بات کا امکان بھی غالب رہتا کہ ضروری نہیں کہ وہ لوگ آج کی رات ہی حملہ آور ہوں مگر یہ محض اطلاع ہی نہیں تھی بلکہ یہ ایک خفیہ اور مصدقہ خبر تھی جو پھوٹا خان کا ایک مخبر گہرام کی بستی سے اڑا لایا تھا۔ اور ان کے جارحانہ عزائم سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آج رات ہی گوٹھ پر ہلّہ بولنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

ہم تینوں خواتین سروں پر پیشانی تک دوپٹے کے طور پر چادریں لپیٹے دعا اور عبادت میں مشغول تھیں۔ اس دوران میں مجھے پیاس محسوس ہوئی پھر میں زیرلب دھیرے سے پانی پینے کا کہہ کر اٹھی اور باہر صحن میں آ گئی۔ ایک طرف گھڑونچی رکھی تھی جس پر دو بڑے بڑے تازہ پانی سے بھرے مٹکے رکھے تھے۔ میں نے گلاس سنبھالا اور سلور کی ڈوئی سے گھڑے میں سے پانی نکال کر گلاس میں بھرا اور ابھی میں نے چند گھونٹ ہی پیے تھے کہ اچانک دور کہیں گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ سنائی دی۔ میرا دل پہلے ہی ”دھڑکا“ ہوا تھا۔ پانی کا گلاس میرے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔ گولیوں کی بھیانک آواز شاید اندر کمرے میں موجود بشیراں اور بھاگ بھری نے بھی سن لی تھی۔ وہ دونوں ہی متوحش انداز میں باہر برآمدے میں آ کر مجھے مخاطب کر کے بولیں۔

”کونجاں! اندر آ جاؤ‘ لگتا ہے حملہ ہو گیا ہے“ میں نے گلاس واپس رکھا اور ان کے قریب آ گئی۔ پھر ہم اندر کمرے میں آ گئے۔

”اللہ سائیں تو خیر کرنا۔ ہمارے سر کے سائیوں کی جانوں کی حفاظت کرنا“ بھاگ بھری نے دعائیہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے زیرلب کہا۔ اس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار کھنڈ آئے تھے۔ ہم تینوں پھر دعاؤں میں مشغول ہو گئے مگر میری سماعتیں باہر کہیں دور ہونے والی فائرنگ پر لگی ہوئی تھیں۔ فائرنگ اب متواتر ہو رہی تھی‘ جس کے دھواں دھار آہنگ سے صاف عیاں ہو رہا تھا کہ اب باقاعدہ تبادلہ فائرنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ یعنی بالالفاظِ دیگر جنگ شروع ہو چکی تھی۔

بشیراں اور بھاگ بھری کے چہروں پر اب پریشانی کے ساتھ ہراس بھی پھیل چکا تھا۔ وہ اب زیادہ خضوع و خشوع کے ساتھ دعاؤں میں مصروف ہو گئیں۔ جبکہ میرے اندر دھکڑ پکڑ جاری تھی۔ اچانک جانے کیا ہوا کہ میری چھٹی حس پھڑکی جس نے میرے اندر ایک عجیب سے ”کھٹکے“ کو پیدا کیا۔ بے شک اس وقت ہمارا واحد سہارا خدا سے خیر کی دعائیں مانگنا ہی تھا لیکن جانے کیا بات تھی کہ میرے دل کو پریشانی کے ساتھ ایک بے نام بے چینی نے آ لیا اور میں بشیراں اور بھاگ بھری کو دعاؤں میں مشغول چھوڑ کر کسی خیال کے تحت باہر صحن تاریک صحن میں آ گئی۔ صحن کی دیواریں دم بہ خود ہیولوں کی طرح ایستادہ تھیں۔ میں بیرونی دروازے کی طرف دبے پاؤں آئی اور پھر اس کی جھری سے آنکھ لگا دی۔ باہر مجھے بلخ شیر کے دو مسلح آدمی مستعدی سے کھڑے نظر آئے۔ میں چند ثانیے انہیں دیکھتی رہی پھر سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی‘ اس سے مجھے اپنے حلق میں کانٹے چبھتے محسوس ہوئے اور میں اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے صحن کے کونے میں رکھی گھڑونچی کی طرف بڑھی، پانی نکال کر میں نے چند گھونٹ ہی بھرے تھے کہ اچانک مجھے باہر عجیب سی کھٹ پٹر کا احساس ہوا۔ میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا اور میں پانی کا گلاس رکھ کر دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی اور قریب پہنچ کر میں نے ایک بار پھر دروازے کی متوازی جھری سے اپنی آنکھ چپکا دی۔ باہر سناٹا اور ویرانی کا راج تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو دو مسلح محافظ کھڑے تھے‘ وہ اب نظر نہیں آ رہے تھے۔ میرے اندر انجانے اندیشناک وسوسوں کی یلغار ہونے لگی۔ میرے دل کے کسی عمیق گوشے میں ابھرنے والی بے نام ”کھٹک“ اب یکلخت کوڑالے سانپ کی شکل اختیار کر گئی۔ تب مجھے ہلکی سی آہٹ کا احساس ہوا اور میں نے فوراً سیدھی ہو کر آواز کی سمت دیکھا تو بے اختیار میرے حلق سے خوف بھری چیخ خارج ہو گئی۔ میرے دائیں طرف کی دیوار پر جدھر گھڑونچی رکھی تھی وہاں ایک سایہ ابھرتا ہوا نظر آیا۔ دیوار کی منڈیر پر اس پُراسرار ہیولے کو دیکھ کر ایک لمحے کو خوف کی وجہ میری گھگی بندھ گئی اور میں اپنی جگہ کٹ ہو کر رہ گئی تھی۔ ہوش مجھے

تب آیا جب وہ مُہر اسرار ہیولا دیوار ٹاپ کر صحن میں کودا اور شکرے کی طرح میری طرف بڑھا۔ میرے حلق سے اس بار زوردار چیخ خارج ہوگئی مگر اس وقت تک اس ہیولے نے آگے بڑھ کر میری گردن دبوچ لی تھی اور وہ مجھے اپنے ساتھ گھسیٹ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ میری چیخوں کی آواز پر اندر کمرے میں موجود بشیراں اور بھاگ بھری بھی ہراساں انداز میں دوڑتی ہوئی باہر نکلیں تو ایک مشکوک شخص کو مجھے دبوچے ہوئے پا کر وہ بھی ہراساں انداز میں چیخنے لگیں۔ مگر اس حملہ آور نے ان کی پروا کیے بغیر مجھے بدستور ایک ہاتھ سے دبوچ کر دوسرے ہاتھ سے بہ سرعت دروازے کی۔۔۔۔۔۔۔۔ کنڈی کھول دی۔ کنڈی کھلنے کی دیر تھی کہ اچانک پانچ مسلح حملہ آور دروازے کو دھکیل کر شیطانی بگولوں کی طرح اندر داخل ہوئے۔ بشیراں اور بھاگ بھری وحشیانہ چیخوں کے ساتھ واپس کمرے کی طرف دوڑیں تو ان میں سے دو حملہ آور انہیں جھپٹنے کو کمرے کی طرف دوڑے۔ میرے گرد جو حملہ آور کھڑے تھے ان میں ایک کو پہچان کر میں خوف سے زرد پڑ گئی۔ وہ مردود گہرام تھا جو میری طرف بڑی خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ پھر وہ دونوں حملہ آور لرزتی کانپتی ہوئی بشیراں اور بھاگ بھری کو بھی اپنی بندوقوں کے نشانے پر باہر صحن میں لے آئے۔

''خبردار! اگر کسی نے بھی اب کوئی آواز نکالنے کی کوشش کی تو'' گہرام قہربار لہجے میں غرا کر بولا۔ ابھی ذرا دیر پہلے میرے اندر جو اندیشوں بھری بے نام کھٹک ابھری تھی' وہ اب ایک کریہہ حقیقت کی صورت میں میرے سامنے تھی۔ گہرام نے بڑی مکارانہ چال چلی تھی۔ اس نے پھوٹا خان اور بلخ شیر سمیت اس کے سارے آدمیوں کو یہاں سے دور لڑائی میں مصروف کر دیا تھا اور خود بڑی چالاکی سے اپنے چند حواریوں کے ساتھ ادھر نکل آیا تھا اور باہر متعین دونوں محافظوں پر قابو پا لیا تھا۔

''ہم اس چھوکری کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں'' معاً گہرام نے خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپتی ہوئی بشیراں اور بھاگ بھری سے کہا ''اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو تم دونوں گولیوں سے بھون کر رکھ دیں گے۔''

گہرام نے اتنا کہہ کر اپنے دونوں حواریوں کو اشارہ کیا جنہوں نے بشیراں اور بھاگ بھری کو دبوچ رکھا تھا۔ اشارہ پاتے ہی وہ دونوں انہیں دھکیلتے ہوئے اندر کمرے میں لے گئے اور باہر سے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔

میں مردود گہرام اور اس کے مسلح حواریوں کے عزائم جان چکی تھی۔ میں جس طرح اس ناگہانی افتاد کا شکار ہو چکی تھی' اس نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو یکلخت مفلوج کر کے رکھ دیا تھا اور میں ابھی تک خوف اور سراسیمگی کا شکار تھی۔ اس کے بعد کی کارروائی کو بڑی منظم طریقے سے نمٹایا گیا اور مجھے دبوچ کر یہ لوگ بیرونی دروازے سے باہر تاریکی میں لے آئے پھر دروازے کو باہر سے کنڈی چڑھانے کے بعد یہ لوگ اندھیرے میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔

دور دریائے سندھ کی طرف دھواں دھار فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا اور میں بڑی بے بسی کے ساتھ یہ سوچ رہی تھی کہ پھوٹا خان اور بلخ شیر کے خواب و خیال میں بھی شاید یہ بات نہ ہوگی کہ دشمن نے کس مکاری کے ساتھ انہیں وہاں الجھا کر بلخ شیر کے گھر میں نقب لگائی تھی۔

وہ سب راستہ بدل کر تاریکی میں ڈھینگروں اور جھنگروں کی آڑ میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ مجھے گہرام نے بازو سے سختی سے دبوچ رکھا تھا۔ میری سانسیں بری طرح چڑھ اتر رہی تھیں اور دل سائیں سائیں کرتی کنپٹیوں میں پر پھڑک رہا تھا۔ ان کا رخ یقیناً دریا کی سمت تھا جسے پار کرنے کے بعد یہ لوگ اپنی بستی کی حدود میں داخل ہو سکتے تھے۔ مجھے قابو میں کیے اپنے علاقے کی طرف لے جا رہے تھے۔ میرا دماغ اب تیزی کے ساتھ موجودہ خطرناک صورتِ حال سے مفر کی راہ تلاش کرنے میں منہمک تھا جو سر دست مجھے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ میں اس وقت پانچ چھ لحیم شحیم اور مسلح دشمنوں کے نرغے میں تھی۔ یہ تو شکر تھا کہ ان رذیلوں نے بشیراں اور بھاگ بھری یا اندر کمرے میں سوتے ہوئے معصوم بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ جلد ہی میرے کانوں میں دریا کے بہنے کا ہلکا سا شور سنائی دیا۔ ہم اب دریا کے ریتیلے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ سامنے دریائے سندھ کا چوڑا پاٹ نظر آ رہا تھا۔ اس کی جھلملاتی سطح مدھم چاندنی میں دمک رہی تھی۔ وہ اب دریا کے متوازی آگے بڑھنے لگے۔ پھر ایک پلیا نظر آئی' ہم اس پر سے گزرنے لگے۔ ایک لمحے کو میرے جی میں یہ جرأت انگیز خیال ابھرا کہ میں خود کو دریا میں گرا دوں مگر پھر دریا کے چوڑے اور مُہیب پاٹ کو دیکھ کر مجھ میں ہمت نہ ہو سکی۔ ویسے بھی مجھے تیرنا کب آتا تھا۔ بہرطور اب ہم دوسری سمت کے کنارے پر آ گئے' سامنے تاریک اور گھنا جنگل تھا۔

ہم نشیب میں اترنے لگے اچانک میری متوحش نگاہوں نے سامنے درختوں کے قریب دو بیل گاڑیوں کو کھڑے پایا۔ پھر یہ لوگ تین افراد پر مشتمل دو ٹولیوں میں بٹ کر جلدی سے بیل گاڑیوں پر سوار ہوئے۔ گہرام اور اس کا ایک ساتھی مجھے دبوچے ہوئے بیل گاڑی میں سوار ہو گئے اور اس کے تیسرے ساتھی نے توانا بیلوں کی رسی تھام لی اور انہیں ہولے سے ٹٹکارا۔ اب

دونوں بیل گاڑیاں آگے پیچھے تیزی کے ساتھ دوڑنے لگیں۔ ہماری بیل گاڑی آگے تھی۔ اب ہم جنگل کے ایک اور پُرہول بطن میں داخل ہو چکے تھے۔

☆☆☆

تاریک جنگل کے پُرہول سناٹے میں سبک رفتار سے دوڑتی ہوئی بیل گاڑیوں کے چوبی پہیوں کی مدھم سی کھچا کھچ آواز بھی کریہہ معلوم ہو رہی تھی۔

معاً تاریک فضا میں یکدم گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ ابھری اور ساتھ ہی ہمارے عقب میں آتی ہوئی بیل گاڑیوں پر سوار گہرام کے حواریوں کی جگر خراش چیخیں ابھریں میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ یکبارگی گہرام کے حلق سے سانپ کی سی ہلکی پھنکار سے مشابہ غراہٹ ابھری اور اس نے فوراً اپنے ساتھی کو بیل گاڑی روک دینے کا حکم دیا۔ وہ تینوں بری طرح ٹھٹک گئے تھے۔ گولیوں کی یکبارگی ابھرنے والی تڑتڑاہٹ کے بعد اب چہار سو سناٹا ہو گیا تھا۔ جو وحشت زدہ دلوں پر موت کی دستک دیتا محسوس ہو رہا تھا۔

''اترو' جلدی کرو'' معاً گہرام سانپ کی طرح پھنکارا۔ اس کے تینوں ساتھی بندوقیں ہاتھ میں لیے نیچے اتر آئے۔ اس ناگہاں بدلتی ہوئی صورتِ حال نے میرے اندر امید کی جوت سی جلا دی تھی لیکن یہ گہرام اور اس کے دونوں حواریوں کے لیے کشاکش کا پیغام تھی۔ وہ تینوں مجھے دبوچے درختوں کی آڑ میں ہو گئے۔ وہ عقب میں دھندلے خاکے کی طرح نظر آتی بیل گاڑی کو پھٹی پھٹی اور وحشیانہ نظروں سے گھورنے لگے۔

گولیوں کی آواز سے بیلوں میں بے چینی سی پیدا ہونے لگی تھی اور عقب میں موجود بیل گاڑی جب دوڑتی ہوئی ہمارے قریب سے گزرنے لگی تو گہرام کے دونوں ساتھیوں نے یکدم آگے بڑھ کر بدک کر بھاگتے ہوئے دونوں بیلوں کا راستہ روک لیا اور پھر ایک نے فوراً آگے بڑھ کر ان کی رسی دبوچ لی۔ گہرام مجھے بازو سے پکڑے جب درخت کی آڑ سے نکل کر بیل گاڑی کے قریب آیا تو ہماری نظروں کے سامنے بیل گاڑی کے چوبی تختے پر گہرام کے تینوں ساتھیوں کی خون میں لت پت لاشیں پڑی تھیں۔

پھر اس لمحے جیسے گہرام کی چھٹی حس نے کسی خطرے کو محسوس کیا اور ہولے سے چلا کر اپنے دونوں ساتھیوں سے بولا۔

''یہاں سے پرے ہٹ جاؤ جلدی'' یہ کہہ کر مجھے بازو سے گھسیٹ کر دوبارہ درخت کی آڑ میں آ گیا مگر اس کے دونوں ساتھیوں کو اپنی جگہ بدلنے میں ذرا دیر ہو چکی تھی کیونکہ اسی لمحے ایک بار پھر گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ ابھری اور اس کے دونوں ساتھی تیورا کر گرے مگر اس کے ایک ساتھی میں شاید ابھی دم باقی تھا۔ اس نے گرتے ہی آواز کی سمت کے بعد دیگرے دو کارتوس فائر کر دیے پھر ٹھیک اسی وقت مذکورہ ''اندھیری'' سمت سے دوبارہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ ابھری اور گہرام کے آخری ساتھی کا سرخون سے تربتر ہو گیا۔ وہ آواز نکالے بغیر ہی اگلے جہان کو سدھار چکا تھا۔ اپنے ساتھیوں کو یوں آن کی آن میں جہنم واصل ہوتا دیکھ کر گہرام کی حالت پاگلوں کی سی ہو گئی۔ اس نے اپنی دونالی بندوق ایک ہاتھ میں پکڑ کر اندازے سے نامعلوم حملہ آوروں کی طرف دو فائر جھونک مارے۔ مگر پُراسرار حملہ آوروں کو گہرام کے مقابلے میں بڑی موثر گھات ملی ہوئی تھی اور گہرام اس وجہ سے مات کھا گیا تھا۔ ان پُراسرار حملہ آوروں کے بارے میں میرا اندازہ یہی تھا کہ یہ لوگ ہو نہ ہو پھوٹا خان یا بلخ شیر کے آدمی ہی ہو سکتے تھے۔ انہیں شاید عین وقت پر دشمنوں کی اس خفیہ کارروائی کا علم ہو گیا تھا۔ تاہم ساتھ ہی اب میرے دماغ میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ایک جھماکا ہوا۔ گہرام اب اکیلا رہ گیا تھا اور اس کی بندوق بھی سر دست خالی تھی۔ اسے اب اپنی بندوق دوبارہ لوڈ کرنے میں ایک ''لمحاتی'' وقفہ درکار تھا لیکن میں اب اس لمحاتی وقفے سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکی تھی کیونکہ گہرام اس وقت شکست خوردہ تھا اور وہ کسی بھی وقت مجھے بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی گہرام نے اپنی کمر کے گرد لپٹی ہوئی گولیوں کی پٹی سے کارتوس نکالنے کی کوشش کی' میں نے اس کی ایک ہاتھ کی گرفت سے آزادی ملتے ہی اسے زور کا دھکا دیا۔ اس کے لیے شاید میری یہ جارحانہ اور اچانک حرکت خلافِ توقع تھی یہی سبب تھا کہ وہ غیر متوقع دھکا کھا کر درخت کی آڑ سے نکل کر چند قدم تک لڑکھڑاتا چلا گیا مگر اس نے خود کو گرنے نہیں دیا تھا۔ مگر میں اس سے پہلے ہی جنگل کی طرف دوڑی۔ اچانک دوبارہ فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ نامعلوم حملہ آوروں نے شاید گہرام پر گولیاں برسائی تھیں۔ مگر میں اس کی پروا کیے بغیر اندھا دھند تاریک جنگل میں دوڑی چلی جا رہی تھی۔ میری سانسیں بری طرح پھولی ہوئی تھیں۔ ایک دو جگہ پر میں جھاڑیوں سے الجھ کر گری بھی تھی اور میرے چہرے پر خاردار جھاڑیوں کی خراشیں بھی ابھری تھیں مگر چونکہ میری اس وقت جان پر بنی ہوئی تھی اس لیے میں ان خراشوں کی پروا کیے بغیر دوبارہ اٹھ کر دوڑنے لگی اچانک مجھے محسوس ہوا کوئی میرے عقب میں دوڑا چلا آ رہا تھا۔ پہلے تو میں یہی سمجھی تھی کہ شاید بدبخت گہرام میرا پیچھا کر رہا تھا مگر پھر دوسرے ہی لمحے کسی نے عقب سے مجھ پر گولیاں برسائیں۔ یہ رائفل کی آواز تھی۔ جو پراسرار حملہ آوروں کے پاس تھی جبکہ

گہرام کے پاس بندوق تھی۔ گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ کے ابھرتے ہی میری ٹانگیں لرز گئیں اور میں ایک بار پھر منہ کے بل پھر اندھی جھاڑیوں پر آن گری۔ اس بار میرے حلق سے چیخ خارج ہوگئی۔ یہ چیخ میرا اضطراری عمل نہ تھا بلکہ گرتے ہوئے میرا سر سامنے درخت کے ایک موٹے تنے سے ٹکرایا تھا۔ مجھ پر عقب سے ہونے والی گولیوں کی بوچھار یقیناً مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے کی گئی تھی جس سے مجھے.....اس حقیقت کا ادراک ہوا تھا کہ گہرام اور اس کے ساتھیوں پر بلہ بولنے والے کم از کم میرے دوست نہیں تھے۔ تو پھر یہ کون لوگ تھے؟ میں نے متوحش ذہن کے ساتھ سوچا۔ تاہم میں نے اپنے سر کی چوٹ کو سہلاتے ہوئے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی تو اچانک مجھے یوں لگا جیسے کوئی بے تحاشا دوڑتا ہوا میرے سر پر پہنچ چکا ہو اور پھر اگلے ہی لمحے جب میں اٹھ کر کھڑی ہوئی تو رائفل کی سرد نال میری گردن سے آن لگی۔ میں اپنی جگہ۔ جہاں کی تہاں رہ گئی۔

''خبردار کونجاں! اپنی جگہ سے ہلنا بھی مت.....ورنہ.....''

ایک غراتی ہوئی نسوانی آواز میری سماعتوں میں گونجی اور میں اس شناسا آواز کو پہچان کر دھک سے رہ گئی۔ یہ آواز لالاں کی تھی۔ وہی آفت کی پرکالہ لالاں۔ جو موت کا سایہ بنی میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ تو مجھے اس کا شناسا ہیولا دکھائی دیا۔ وہ کسی زخمی ناگن کی طرح پھنکاریں مارتی ہوئی ہانپ رہی تھی۔

اس نے انتہائی قہر آلود لہجے میں مجھے ایک طرف قدم بڑھانے کا حکم دیا۔ فائرنگ کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری تھا۔ لالاں مجھے لیے اندھیرے میں آگے بڑھنے لگی۔ وہ بڑی محتاط اور جنگلی بلی کی طرح میرے عقب میں رائفل تانے چل رہی تھی۔ ادھر فائرنگ کا سلسلہ اچانک موقوف ہوگیا تھا۔ لالاں نے ایک مقام پر پہنچ کر اپنے حلق سے عجیب سی مگر مخصوص آواز نکالی دوسرے ہی لمحے مجھے اپنی داہنی جانب سے ایک اور انسانی ہیولا ابھرتا ہوا نظر آیا۔ لالاں اسے دیکھ کر فتح سے چور لہجے میں بولی۔

''کوڑل! میں نے کونجاں کو پکڑ لیا ہے'' اس کی زبان سے کوڑل کا نام سن کر میں بے اختیار گہری سانس لے کر رہ گئی۔ تو یہ ساری کارستانی اس سانپوں کے جوڑے لالاں اور کوڑل کی تھی' میں نے سوچا۔

''لالاں لگتا ہے' گہرام میدان چھوڑ کر بھاگ گیا ہے'' اچانک جواباً کوڑل نے لالاں کو مخاطب کر کے پُرجوش لہجے میں کہا ''ایک بیل گاڑی موجود ہے' میرا خیال ہے' ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے' یہ سارا علاقہ اس مردود گہرام کا ہے۔ وہ اپنے آدمی لانے میں دیر نہیں کرے گا۔'' اس کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ کوڑل نے آگے بڑھ کر مجھے بازو سے پکڑا اور بڑی بے دردی سے کھینچتا ہوا آگے بڑھا۔ لالاں بڑی محتاط نگاہوں سے گردوپیش کا جائزہ لیتی ہوئی ساتھ ساتھ آرہی تھی۔ پھر سامنے ایک بیل گاڑی کھڑی نظر آئی۔ جس میں گہرام کے تینوں ساتھیوں کی خون میں لت پت لاشیں پڑی ہوئی تھیں جبکہ دوسری بیل گاڑی' جس میں گہرام اور میں سوار تھے' اس کے دونوں بیل شاید بدحواس ہوکر بھاگ چکے تھے۔ کوڑل نے جلدی جلدی تینوں لاشیں بیل گاڑی سے اتار کر نیچے پھینکیں پھر اس کی رسی سنبھال کر اس میں سوار ہوگیا جبکہ لالاں مجھے دبوچے بیل گاڑی میں سوار ہوگئی اور یہی نہیں' اس کمینی نے ایک رسی کی مدد سے میرے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیے' کوڑل نے مخصوص آواز میں بیلوں کو ہنکار کر اور انہیں واپسی کے کچے راستے پر دوڑانا شروع کردیا۔ دونوں بیل تندرست اور توانا تھے۔ کوڑل کا اشارہ پاتے ہی دوڑنے لگے۔ جلد ہی ہم سندھو دریا کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں آکر کوڑل کو جانے کیا سوجھی کہ اس نے اچانک بیل گاڑی روک دی۔

''کوڑل! گاڑی کیوں روک دی؟'' لالاں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''لالاں! ہمیں دریا پار کر کے آگے نکلنا ہوگا'' کوڑل نے کچھ سوچنے کے سے انداز میں جواباً کہا۔

''اور یہ بیل گاڑی چھوڑ کر پیدل آگے بڑھنا ہوگا ورنہ گہرام اور اس کے ساتھی بیل گاڑی کے پہیوں کے نشانات کے ذریعے ہم تک پہنچ سکتے ہیں'' اس کی پُرمغز تاویل پر لالاں نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ اس کے بعد ہم تینوں بیل گاڑی سے نیچے اتر آئے پھر گہرام نے بیلوں کا رخ واپس جنگل کی طرف موڑ کر ایک بیل کی پشت کو زور سے نوچا اور انہیں آگے ٹٹکار دیا۔ دونوں بیل ڈکراتے ہوئے اندھا دھند اندر جنگل کی طرف دوڑ گئے۔ ہم تینوں اب دریائے سندھ کے ریتیلے کراڑے پر دم بہ خود ہیولوں کی طرح کھڑے رہ گئے۔

یہاں مدھم مدھم اور نرم اور خنک چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ کوڑل نے دریا کی طرف قدم بڑھا دیے تو مجھے بھی عقب سے لالاں نے رائفل کا ٹھوکا مارا اور ناچار کوڑل کی تقلید میں، میں نے بھی قدم بڑھا دیے۔

تھوڑی دیر بعد ہم دریائے سندھ کے مُہیب چوڑے پاٹ پر بنی پلیا پر سے گزر رہے تھے۔

دریا پار کرنے کے بعد ہم اب تیز تیز قدموں سے اس کے متوازی ذرا نشیب میں بنی اونچی نیچی خاردار جھاڑیوں میں سے گزرنے لگے۔ میرے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے

تھے۔ ہمارے چہار سو پُرہیبت سناٹا طاری تھا۔ لالاں اور کوڑل خاصے سخت جان ثابت ہوئے تھے۔ وہ کافی دیر تک بغیر رکے چلتے رہے۔ اس دوران میں میرے قدم ذرا بھی سست پڑتے تو میرے عقب میں چلتی ہوئی لالاں میری پشت پر زور سے اپنی رائفل چبھو کر مجھے آگے کو دھکیلنے لگتی۔ میرے ساتھ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکنے والا معاملہ تھا۔ لالاں اور کوڑل کے نرغے میں آنے کا مطلب وہ پُرخطر مہم جو کندھ کوٹ اور کشمور کے صحرائی علاقوں تک محیط تھی۔ میں نے اب تک خاموش حکمتِ عملی اپنا رکھی یا پھر ایسا کرنے پر مجبور تھی۔ کیونکہ میں بھلا ان سے کیا کہہ سکتی تھی؟ اور یہ بات خود یہ دونوں بھی بہ خوبی جانتے ہی ہوں گے' میرا ان کے ہاتھوں یرغمال بننے کا کیا مقصد ہوسکتا تھا؟ مگر میرے لیے اب یہ خیال ہی سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ کیا یہ دونوں بدبخت اسی طرح پیدل ہی کندھ کوٹ تک کا سفر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے؟ بھلا یہ پُرمصائب' دشوار گزار منزلوں کی مسافت میں کس طرح طے کرسکتی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہ پریشان کن حیرانی بھی ہورہی تھی کہ کندھ کوٹ و کشمور تک کے دشوار گزار سفر کے راستوں کا بھلا کوڑل اور لالاں کو کیسے علم تھا؟ جبکہ ان دونوں کا تعلق تو اس دھرتی سے ہی نہیں تھا۔ کیونکہ یہ دونوں ودیش دھرتی راجھستانی صحرائی علاقوں کے سانپ تھے لیکن شاید مقصد کے حصول کی لگن جب انسان کے دماغ میں سمانے لگتی ہے تو وہ انجان سے انجان منزلوں کا راستہ بھی کسی نہ کسی طرح ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔ ضرور کوڑل اور لالاں نے بھی جب کندھ کوٹ اور کشمور کے علاقوں کے سفر کی ٹھانی ہوگی تو انہوں نے کسی طرح مقامی لوگوں سے پوچھ گچھ بھی کی ہوگی۔

بالآخر ایک موقع پر میں تھکن سے چور ہوکر گر سی گئی اور ہانپتے ہوئے بولی۔

''مم.....مجھ سے اب مزید نہیں چلا جارہا۔ میں تو تھوڑا سا سانس لینا چاہتی ہوں'' لالاں' کوڑل رک کر درشت نظروں سے مجھے گھورنے لگے۔

''کیا خیال ہے کوڑل! ذرا دیر بیٹھ کر تکان نہ اتار لی جائے'' اچانک لالاں نے کوڑل سے پوچھا۔

''نہیں لالاں! ابھی ہم اپنے دونوں بدترین دشمنوں کے علاقوں میں موجود ہیں۔ ہمیں صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے پہلے یہاں سے بہت دور نکل جانا چاہیے۔ کیا تم بھی تھک گئی ہو؟'' کوڑل نے یہ کہتے ہوئے لالاں کے چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا تو لالاں بولی۔

''نہیں کوڑل! میں جب تک اس مقدس مورتی کو نہ پالوں' مجھے چین کہاں ملے گا لیکن یہ کم بخت کونجاں!'' وہ اتنا کہہ کے رکی تو کوڑل نے اپنے جبڑے بھینچ کر مجھے اپنے پاؤں کی ٹھوکر مارتے ہوئے تضحیک آمیز لہجے میں بولا۔

''چل ری اٹھ چھوکری! بہت مکر کرلیا تو نے' ہم خوب جانتے ہیں تجھے۔ تو بڑی سخت چھوکری ہے۔''

''مم.....مگر تم مجھے کدھر لے جارہے ہو؟ اور میری تم لوگوں سے آخر کیا دشمنی ہے؟'' بالآخر میں نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھ ہی لیا تو کوڑل اینٹھی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے کاٹ دار لہجے میں بولا۔

''زیادہ سیانی بلی بننے کی کوشش مت کر.....تو اچھی طرح جانتی ہے کہ ہم تجھے کدھر لے جارہے ہیں۔''

''تم لوگوں کو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ تم سمجھتے ہو میں اس مورتی کے مدفن سے واقف ہوں۔'' میں نے بالآخر ذرا ہمت اور جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا ''میری بات کا یقین کرو' میں .....میں اس مورتی کے بارے میں بالکل بھی نہیں جانتی۔''

''زیادہ چالاکی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے چھوکری!'' اس بار لالاں نے غراتے ہوئے درشت لہجے میں مجھ سے کہا۔

''ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب خالقو دھاڑیل کو اپنے غدار ساتھی جانو ماچھی کی بغاوت کے بعد اپنی موت سامنے نظر آنے لگی تھی تو اس نے تجھے مورتی کے مدفن تک پہنچنے کے ''اشارات'' سمجھا دیے تھے۔ بلکہ یہی نہیں' تجھے اس بڈھے ڈاکو نے چند ایسی نشانیاں بھی سمجھا دی تھیں جن سے اس مدفن تک پہنچنے میں مدد مل سکتی ہے'' میں ایک لمحے کے لیے لالاں کی بات سن کر ششدر سی رہ گئی۔

یہ کم بخت تو واقعی کسی منحوس سائے کی طرح میرے ساتھ ہی چپکی رہی تھی اور اسے ان خفیہ باتوں کا بھی علم تھا جو صرف میرے اور خالقو چاچا کے درمیان ہوئی تھیں۔ میں بہرحال اس کی توجیہ پیش کرنے سے قاصر ہی تھی تاہم مجھے شبہ ضرور ہوا تھا کہ لالاں نے محض اپنے قیاسات کی بدولت اس بات کا اندازہ لگایا تھا کہ خالقو چاچا کو مجھ سے غیر معمولی شفقت' محبت اور قابلِ بھروسا ہونے کی وجہ سے اس نے مجھے راکاس مورتی کے مدفن کے بارے میں بتا دیا تھا۔ پھر یہ بات صدفی صد درست بھی تھی' میں لالاں کی ذہانت پر ایک لمحے کو اش اش کر اٹھی' تاہم میں نے موقع محل اور حالات کے مطابق دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''تمہاری بات اپنی جگہ درست سہی مگر یہ بھی تو سوچ کہ کہنے اور سننے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اس بات کو تو اب کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ میں خود اب تک مصیبتوں اور کڑے حالات کا اب تک شکار چلی آرہی ہوں۔ اس مورتی تک پہنچنے کی وہ

تمام نشانیاں اور اشارات میرے دل و دماغ سے اب تک محو ہو چکے ہیں اور ویسے بھی مجھے کبھی بھی اس مورتی سے ذرا بھی دلچسپی نہیں رہی ہے۔“

”ہوں.....“ کوڑل نے میری تمام باتیں بہ غور سننے کے بعد معنی خیز ہنکاری بھری اور سنسناتی ہوئی نظروں سے میرے چہرے کو گھورتے ہوئے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا ”کونجاں! تو اتنی بھولی نہیں جتنی نظر آتی ہے، تیرے دل و دماغ پر اس بڈھے ڈاکو کی ایک ایک بات نقش ہو چکی ہے جیسے پتھر پر لکیر.....“

”چلو تمہاری بات میں اگر ذرا دیر کو مان بھی لیتی ہوں تو ٹھیک ہے پھر.....مورتی سے متعلق مجھے خالقو چاچا نے جو نشانیاں اور اشارے سمجھائے ہیں‘ وہ میں تم دونوں کو بھی بتائے دیتی ہوں۔ پھر مجھے اتنی دور خوار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم دونوں بہ آسانی اکیلے بھی اس مورتی کی مدفن تک پہنچ سکتے ہو“ میں نے ایک بار پھر ان دونوں کو چکر دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تو لالاں زہر خند مسکراہٹ کے ساتھ میرے چہرے کو گھورتے ہوئے بولی۔

”تو کیا سمجھتی ہے ہم تیری باتوں میں آ کر اور تجھے آزاد کر کے اپنی مہم پر روانہ ہو جائیں۔ تو ہم سے جھوٹ بھی بول سکتی ہو کیونکہ تو کبھی بھی یہ نہیں چاہے گی کہ وہ قیمتی اور مقدس مورتی ہمارے ہاتھ لگے‘ اس لیے کہ اس بڈھے ڈاکو نے اپنی زندگی میں ہی جو وصیت‘ صرف اور صرف تجھ سے کی ہے تو اسے ضرور پورا کرے گی‘ سمجھی تو.....چل اب اٹھ ہمارا وقت برباد نہ کر‘ مکار“ لالاں کی فطانت نے مجھے لاجواب کر کے رکھ دیا تھا‘ اس کی قیاسات لگانے کی قوت بڑی تیز اور بالکل درست سمت کام کرتی تھی۔ ناچار میں نے بندھے ہوئے ہاتھوں کے باوجود کھڑے ہونے کی کوشش کی تو لالاں نے مجھے سہارا دے کر کھڑا کر دیا اور آگے کی طرف دیکھا۔ ہم تینوں ایک بار پھر تاریکی میں آگے بڑھنے لگے۔ ہمارے اردگرد پھیلی ہوئی چھدری جھاڑیوں کا سلسلہ اب موقوف ہو چکا تھا اور اب دور دور تک بنجر اور تاریک میدان کے سوا کچھ نہ تھا جبکہ لالاں اور کوڑل کی کوشش یہی تھی کہ وہ جلد سے جلد یہ میدان عبور کر لیں۔ میرا دماغ یہ سوچ سوچ کر دکھنے لگا تھا کہ یہ دونوں مردود کندھ کوٹ اور کشمور تک کا طویل اور دشوار گزار سفر آخر کب تک ایسے ہی پیدل طے کرتے رہیں گے؟ میرے ذہن میں یہ بھی خیال بجلی کی طرح کوندا ہمارا بلکہ میرا منزل سے سرِدست دور رہنا ہی بہتر تھا۔ کیونکہ اس طویل مسافت میں مجھے کسی وقت بھی ان کے چنگل سے نکل بھاگنے کا موقع مل سکتا تھا تاہم یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ میں کسی صورت بھی ان دونوں سایوں کے جوڑے کو وہ مورتی حاصل نہیں کرنے دینا چاہتی تھی‘ بہ قول خالقو چاچا کے وہ مورتی ہمارے دیس‘ ہماری دھرتی کی امانت تھی‘ جو ایک بیش قیمت اور ثقافتی ورثہ کی حامل تھی۔ یوں تو میں نے پہلے ہی سے اپنے دل میں یہ عزم صمیم کر رکھا تھا کہ اگر بدقسمتی سے ہم کندھ کوٹ اور کشمور کے علاقے میں پہنچ بھی جاتے تو تب بھی لالاں اور کوڑل کو اس مورتی کے مدفن کا سراغ نہیں دوں گی۔

میں اب تھکن کے مارے بے حال ہو رہی تھی۔ پشت پر ہاتھ بندھے ہونے کی وجہ سے تھکن کا احساس سوا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ ہم مسلسل اور بغیر رکے آگے بڑھتے رہے۔ میں نے راستے میں چلتے چلتے لالاں سے یہ گزارش کی تھی کہ وہ کم از کم میرے ہاتھ جکڑ بندوں سے آزاد کر دے تاکہ مجھے چلنے میں بھی آسانی ہو۔ تھکن کا احساس بھی کم سے کم ہو۔

”کوڑل‘ کیا خیال ہے.....اس کی یہ بات ہمیں مان لینی چاہیے۔ اس میں ہمارا بھی فائدہ ہے۔ اس طرح یہ چلنے کے دوران میں کوئی بہانہ بھی نہیں بنا سکتی“ اس کی بات پر کوڑل نے دھیرے سے اپنا سر اثبات میں ہلایا تو لالاں نے میرے دونوں ہاتھ پشت کی جانب سے کھول دیے اور پھر سامنے کے رخ پر انہیں دوبارہ مضبوطی سے باندھ دیا۔ میرے لیے ان مردودوں کی اتنی ”کرم نوازی“ بھی سردست بہت تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ دونوں اپنی پیٹ پوجا کے لیے کیا کرتے ہیں۔

پھر جلد ہی لالاں نے کوڑل سے کہا ”کوڑل! کچھ کھانے پینے کا بندوبست ہونا چاہیے۔“

”میرا خیال پانی کی پیاس تو ہم دریا سے بجھا سکتے ہیں اور کھانے کے لیے تو صبح سے پہلے بندوبست ہونا مشکل ہی نظر آ رہا ہے“ کوڑل نے جواب دیا۔

”چلو‘ پانی کی تو پیاس بجھا ہی لینی چاہیے پھر کھانے کے لیے بھی کچھ سوچ لیں گے۔“

لالاں نے کہا اور پھر ہم تینوں اٹھ کر دریا کے کنارے آ گئے۔ سب سے پہلے لالاں اور کوڑل نے پانی پیا اس کے بعد لالاں نے میرے دونوں ہاتھ کھول دیے تو میں نے بھی خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ سندھو دریا کا پانی بہت میٹھا اور ٹھنڈا تھا۔ پانی پی لینے کے بعد لالاں نے دوبارہ میرے ہاتھ مضبوطی سے باندھ دیے۔ ہم تینوں دریائے سندھ کے تاریک ریتیلے ”کراڑے“ پر موجود تھے۔ رات غالباً اپنے پچھلے پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ آسمان شفاف اور روشن تھا۔ مدھم سی چاندنی نے چہار سو عجیب طرح کا طلسم بکھیرا ہوا تھا۔ کوڑل نے دریا کے اونچے ریتیلے کراڑے پر کھڑے ہو کر گردوپیش کا چند ثانیے گہرا جائزہ لینے

کے بعد لالاں سے کہا۔

”لالاں! مجھے ذرا دور سامنے سبزیوں کے کھیت نظر آ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں ذرا آگے بڑھنا چاہیے تاکہ سبزی کے کھیتوں سے کچھ کچی ترکاری ہی توڑ کر پیٹ کی پوجا کر سکیں۔“

اس کی تجویز پر لالاں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ ہم اب کراڑے سے نشیب میں اترنے لگے۔

مجھے تو بھوک نہیں تھی بلکہ پانی بھی میں نے حلق اور ہونٹوں کی خشکی دور کرنے کی وجہ سے پیا تھا۔

پانی پینے کے بعد ہم دوبارہ اپنے پہلے والے مقام پر آ گئے اور درختوں کے گھنے جھنڈ تلے تاریکی میں بیٹھ گئے۔

”لالاں! تو یہاں ذرا ہوشیار سے بیٹھ۔ میں ذرا کھیتوں سے کچھ ترکاری توڑ لاؤں“ کوڑل نے کہا اور پھر ایک طرف اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ایسے موقع پر میں بڑی حسرت سے سوچنے لگی کہ کاش..... میرے دونوں ہاتھ آزاد ہوتے تو میں لالاں سے نمٹنے کے لیے کوئی نہ کوئی صورت نکال ہی لیتی۔

ہمارے گردوپیش سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کوڑل کو دور سبزی کے کھیتوں کی طرف گئے کافی دیر ہو چکی تھی اچانک ہمیں دور کہیں بہت سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے دیکھا‘ لالاں بے چین اور متفکر سی نظر آنے لگی۔ میری طرح شاید اس نے بھی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ کوڑل کا سبزی کے کھیتوں میں ”پہرے دار“ کتوں سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ پھر اچانک گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ میرا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ لالاں کی پریشانی بھی سوا ہونے لگی ”لگتا ہے کوڑل کو کتوں نے گھیر لیا ہے“ میں نے کسی خیال کے تحت مبہم لہجے میں لالاں سے کہا مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہ تھی۔ پھر خاصی دیر بعد کوڑل ہانپتا ہوا آتا دکھائی دیا۔

لالاں یکدم چوکنا سی ہو گئی۔ پھر کوڑل کے قریب آنے پر لالاں نے قدرے متفکر لہجے میں اس سے پوچھا ”کیا ہوا کوڑل! کیا کتے پیچھے لگ گئے تھے؟“

”ہاں‘ کم بخت جانے کدھر چھپے بیٹھے تھے‘ بڑی مشکلوں سے جان بچا کر آیا ہوں۔ کچھ لا بھی نہ سکا تو ڑ کر۔“

کوڑل نے تھکے تھکے سے ہانپتے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر وہیں نڈھال سا ہو کر گر گیا۔

”کسی کتے نے کاٹا تو نہیں تمہیں؟“ لالاں نے متفکر ہو کر پوچھا۔

”نہیں‘ ایک تو میرے اوپر چڑھ آیا تھا‘ میں نے گولی چلائی تو اس کا کچومر بن گیا۔ باقی بھی بھاگ گئے۔ میں بھی بھاگ لیا“ کوڑل نے جواباً بتایا تو لالاں بولی۔

”میرا خیال ہے‘ ہمیں پھر نکل لینا چاہیے۔ کہیں گوٹھ کے لوگ نہ جاگ پڑیں اور بھاگے بھاگے ادھر نہ آ جائیں“ کوڑل نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

”چل ری اٹھ۔ اب تو تیرے ہاتھ بھی آگے کو باندھ دیے ہیں‘ تیز تیز پر لالاں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ ہم اب کراڑے سے نشیب میں اترنے لگے۔

مجھے تو بھوک نہیں تھی بلکہ پانی بھی میں نے حلق اور ہونٹوں کی خشکی دور کرنے کی وجہ سے پیا تھا۔

پانی پینے کے بعد ہم دوبارہ اپنے پہلے والے مقام پر آ گئے اور درختوں کے گھنے جھنڈ تلے تاریکی میں بیٹھ گئے۔

”لالاں! تو یہاں ذرا ہوشیار سے بیٹھ۔ میں ذرا کھیتوں سے کچھ ترکاری توڑ لاؤں“ کوڑل نے کہا اور پھر ایک طرف اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ایسے موقع پر میں بڑی حسرت سے سوچنے لگی کہ کاش..... میرے دونوں ہاتھ آزاد ہوتے تو میں لالاں سے نمٹنے کے لیے کوئی نہ کوئی صورت نکال ہی لیتی۔

ہمارے گردوپیش سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کوڑل کو دور سبزی کے کھیتوں کی طرف گئے کافی دیر ہو چکی تھی اچانک ہمیں دور کہیں بہت سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے دیکھا‘ لالاں بے چین اور متفکر سی نظر آنے لگی۔ میری طرح شاید اس نے بھی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ کوڑل کا سبزی کے کھیتوں میں ”پہرے دار“ کتوں سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ پھر اچانک گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ میرا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ لالاں کی پریشانی بھی سوا ہونے لگی ”لگتا ہے کوڑل کو کتوں نے گھیر لیا ہے“ میں نے کسی خیال کے تحت مبہم لہجے میں لالاں سے کہا مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہ تھی۔ پھر خاصی دیر بعد کوڑل ہانپتا ہوا آتا دکھائی دیا۔

لالاں یکدم چوکنا سی ہو گئی۔ پھر کوڑل کے قریب آنے پر لالاں نے قدرے متفکر لہجے میں اس سے پوچھا ”کیا ہوا کوڑل! کیا کتے پیچھے لگ گئے تھے؟“

”ہاں‘ کم بخت جانے کدھر چھپے بیٹھے تھے‘ بڑی مشکلوں سے جان بچا کر آیا ہوں۔ کچھ لا بھی نہ سکا تو ڑ کر۔“

کوڑل نے تھکے تھکے سے ہانپتے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر وہیں نڈھال سا ہو کر گر گیا۔

”کسی کتے نے کاٹا تو نہیں تمہیں؟“ لالاں نے متفکر ہو کر پوچھا۔

”نہیں‘ ایک تو میرے اوپر چڑھ آیا تھا‘ میں نے گولی چلائی تو اس کا کچومر بن گیا۔ باقی بھی بھاگ گئے۔ میں بھی بھاگ لیا“ کوڑل نے جواباً بتایا تو لالاں بولی۔

”میرا خیال ہے‘ ہمیں پھر نکل لینا چاہیے۔ کہیں گوٹھ کے لوگ نہ جاگ پڑیں اور بھاگے بھاگے ادھر نہ آ جائیں“ کوڑل نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

”چل ری اٹھ۔ اب تو تیرے ہاتھ بھی آگے کو باندھ دیے ہیں‘ تیز تیز پر لالاں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ ہم اب کراڑے سے نشیب میں اترنے لگے۔

☆☆☆

گھٹا ٹوپ اندھیری قدِ آدم جھاڑیاں ایسے نازک وقت میں میرے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو رہی تھیں۔ میں بے تحاشا ان سے الجھتی ہوئی دوڑے چلی جا رہی تھی۔ پھر دفعتاً مجھے عقب میں گولی چلنے کی گونج سنائی دی۔ مگر میں نہ رکی‘ البتہ اس لمحے مجھے ذرا دور سے آوارہ یا پہرے دار کھیتی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازوں نے مجھے مزید پریشان کر دیا۔ لالاں اور کوڑل سے زیادہ مجھے کتوں کی طرف سے تشویش ہونے لگی۔ کیونکہ اگر کتوں کا یہ خونخوار اور بدمست غول میرے پیچھے پڑ جاتا تو مجھے ان سے اپنی جان چھڑانی مشکل ہو جاتی اور میرے لالاں اور کوڑل کے خونی ہاتھوں دھر لیا جانے کا بھی قوی خدشہ تھا۔ اچانک میرے ذہن

میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا اور میں نے ایک قریبی درخت کی طرف اپنا رخ موڑا اور پھر جنگلی بلی کی سی پھرتی کے ساتھ درختوں پر چڑھ گئی' وہ پائپلر کا بلند مگر خاصا جھنڈ دار اور گھنا درخت تھا۔ میں نے خود کو اس کی گھنی شاخوں میں چھپا لیا اور دم سادھے دبک کر بیٹھ گئی۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اب قریب آتی جارہی تھیں۔ اچانک میں نے ایک طرف جھاڑیوں سے دو ہیولوں کو ابھرتے دیکھا۔ یہ دونوں لالاں اور کوڑل تھے جو شکاری کتوں کی طرح میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ وہ دونوں عین میرے نیچے کھڑے گردوپیش کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان دونوں رذیلوں کو اپنے قریب پاکر میں نے اپنی سانس تک روک لی تھی۔ کہیں میری سانسوں کی بازگشت بھی انہیں نہ چونکا دے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں انہیں میری اوپر درخت پر موجودگی کا نہ احساس ہوجائے۔ وہ دونوں چند ثانیے درخت کے عین نیچے کھڑے رہے پھر دونوں الگ سمتوں کی طرف بڑھ گئے۔ میں ابھی درخت سے نیچے نہیں اترنا چاہتی تھی بلکہ میرا ارادہ تو اب دن کی ہی روشنی میں ہی نیچے اترنے کا تھا۔ چنانچہ اب میں دم سادھے صبح کی منتظر تھی۔

چہار سو اسرار بھرے تاریک سناٹے مجھے غیر مرئی پراسرار نظروں سے گھورتے ہوئے محسوس ہورہے تھے۔ ماحول میں آسیب زدہ سا سکوت طاری تھا۔ کافی وقت گزرنے کے بعد خدا خدا کرکے چڑیوں کی چہچہاہٹ سی گونجنے لگی۔ میں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ جہاں اب ملگجا سا سپیدۂ سحر نمودار ہوچلا تھا۔ اور ہوتے ہوتے بالآخر صبح کاذب کے بعد دن کا اجیارا اندھیاروں کو نگلنے لگا۔ چڑیوں کے چہچہانے کی پرلہن آوازوں میں اب کوؤں کی کائیں کائیں کی کریہہ آوازیں مدغم ہونے لگی تھیں۔ اب دن کا اجالا اچھی طرح پھیل چکا تھا اور دور کہیں مشرق کی سمت گل گوں افق سے اُمڈنے والی سورج کی سنہری کرنیں' جنگل جھاڑیوں اور درختوں کے چھدرے چھدرے روزنوں سے نمودار ہونے لگیں۔ میں ابھی کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ لالاں اور کوڑل اب شاید میری تلاش میں بھٹک کر کافی آگے نکل چکے تھے۔ دن کی روشنی کا بھی عجیب سحر ہوتا ہے۔ خود بہ خود دل نڈر سا ہونے لگتا ہے۔ ذرا دیر بعد سنہری دھوپ کی روپہلی کرنیں جب کندنی ہونے لگیں تو میں نے نیچے اترنے کا ارادہ کیا اور اللہ کا نام لے کر زیرلب کلمہ پڑھا اور احتیاط کے ساتھ درخت سے نیچے اتر آئی۔ کئی گھنٹوں تک درخت پر سکڑے سمٹے بیٹھے رہنے کی وجہ سے میرا پورا وجود اکڑ سا گیا تھا۔ درخت سے اترنے کے بعد میں چند ثانیے گردوپیش کا بہ غور جائزہ لینے لگی اور پھر ایک محتاط اندازے کے تحت پھوٹا خان اور بلیچ شیر کے گوٹھ کی سمت کا تعین کرکے قدم آگے بڑھا دیے۔

☆☆☆

میں ابھی چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اچانک مجھے سامنے ذرا دور کچھ لوگوں کی جھلک دکھائی دی' میں ٹھٹک کر رک گئی اور فوراً ایک درخت کی آڑ میں ہوگئی اور بہ غور انہیں گھورنے لگی۔ وہ تعداد میں پانچ چھ کے قریب تھے اور مسلح بھی۔ اچانک میرے دماغ میں ایک خدشہ ابھرا۔ ''کہیں یہ مردود گھرام کے آدمی تو نہیں' جو میری تلاش میں نکلے تھے۔'' یہ خیال آتے ہی میں نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کیا اور جرأت اور ہمت سے کام لیتے ہوئے میں نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کیا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ عقب کی جھاڑیوں کی طرف بڑھی اور بے تحاشا دوڑتی چلی گئی۔

میں اب درخت پر چڑھ کر چھپنے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی اس لیے میں نے یہی مناسب جانا تھا کہ یہاں سے پہلے خاصی دور نکل جاؤں' جب میں خاصی دور تک دوڑتے دوڑتے ہانپنے لگی تو میں نے ایک جگہ رک کر ذرا دیر اپنی پھولی ہوئی سانسیں درست کیں اور پھر گاہے بہ گاہے عقب میں دیکھتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ اس کے بعد میں نے دائیں جانب رخ کیا اور کھیتوں کی طرف نکل آئی۔ کھیتوں میں مجھے چند دیہاتی عورتیں اور لڑکیاں کام کرتی ہوئی نظر آئیں۔ انہوں نے ایک سرسری نظر مجھ پر ڈالی اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئیں۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ میں کسی دور پرے کے ایک مختصر سے کچے اور چھپر نما گھروں پر مشتمل گوٹھ کی طرف نکل آئی تھی۔ یوں تو اب میں دہرے خطرات سے دوچار تھی۔ کوئی بعید نہ تھا کہ لالاں اور کوڑل بھی اس علاقے میں میری تلاش جاری رکھے ہوئے ہوں۔ دوسرے یہ کہ گھرام بھی اپنے چند مسلح ساتھیوں کے ساتھ میری تلاش میں سرگرداں تھا مگر میں نے بھی دل میں مصمم ارادہ کررکھا تھا کہ میں کسی بھی جگہ ایک پل بھی رکے بغیر منزل کی طرف بڑھتی رہوں گی اور پھوٹا خان یا بلیچ شیر کے گوٹھ پہنچ کر ہی دم لوں گی۔ ویسے پھوٹا خان کے گوٹھ کی بہ نسبت بلیچ شیر کا گھر نسبتاً پہلے پڑتا تھا اس لیے میرا ارادہ سب سے پہلے بلیچ شیر کے گھر پہنچنے ہی کا تھا کیونکہ مجھے سب سے پہلے اس مردود گھرام اور اس کے رذیل حواریوں نے وہیں سے اغوا کیا تھا۔

میں کھیتوں کے درمیان راستوں کی منڈیر پر تیز تیز قدموں سے آگے بڑھی جارہی تھی۔ کھیتوں کے بائیں جانب گارے مٹی سے لپے ہوئے چھپر نما جھونپڑے سے گھروں کی

بے ترتیب قطاریں نظر آرہی تھیں۔ اچانک ایک پاٹ دار سی نسوانی آواز میری سماعتوں میں گونجی۔

''ڈی چھوکری..... ذرا ٹھہر تو'' میں نے ٹھٹک کر آواز کی سمت دیکھا۔ میرے بائیں جانب لوسن کے کھیت میں چند قدموں کے فاصلے پر ایک موٹی سی پکی عمر کی عورت کھڑی تھی۔ اس کے قریب چارے کا کٹائی کیا ہوا ایک بڑا سا گٹھر پڑا ہوا تھا۔ ایک پانی سے بھرا مٹکا بھی تھا۔ مجھے اپنی جانب متوجہ پاکر اس عورت نے مجھے اشارے سے اپنی طرف بلایا' کچھ سوچ کر میں اس کی طرف بڑھی اور بہ غور اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیا بات ہے ماسی؟''

''ڈی چھوکری! ذرا میری مدد تو کردے' یہ چارا میرے سر پر رکھوا دے اور یہ پانی کا گھڑا تو اٹھالے' دو قدم پر میری جھونپڑی ہے' وہاں تک ذرا چھوڑ دے۔''

اس نے عجیب سے خرانٹ بھرے لہجے میں کہا مگر یہ لہجہ عام سے بڑے بوڑھوں والا تھا جو اپنے سے کم عمر لوگوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے اس لیے میں نے برا نہ منایا مگر مجھے ذرا تامل سا ہورہا تھا' میں نے ایک نظر اس کا جائزہ لیا۔

وہ سانولی رنگت مگر خاصی قبول صورت عورت تھی۔ عمر یہی کوئی پینتالیس چالیس کے لگ بھگ تھی۔

''اڑی سوچتی کیا ہے چھوکری! فکر نہ کر' میں تجھے مکھن اور جوار کی روٹی سے ناشتا بھی کرواؤں گی اور بکرے کے دودھ کی گرما گرم چائے بھی پلاؤں گی۔''

اس نے مجھے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر کراری آواز میں کہا تو اس کے دیہاتی لب و لہجے پر میں بے ساختہ مسکرا اٹھی اور پھر میں نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ اس بے چاری کو ٹالنے کا میرا جی نہ چاہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر لوسن کے چارے کا بڑا سا گٹھر اٹھانے میں اس کی مدد کرتے ہوئے اس کے سر پر رکھا اور پھر پانی کا گھڑا اٹھا کر چل پڑی۔ اب ہم دونوں اپنے اپنے حصے کا بوجھ اٹھائے آگے پیچھے چلنے لگے۔ میں اس کے عقب میں چلی جارہی تھی۔ پانی سے بھرا ہوا گھڑا خاصا بڑا اور بھاری بھی تھا۔ بہرطور میں اس کے عقب میں اپنے سر پر گھڑا اٹھائے خاموشی سے چلی جارہی تھی۔ جلد ہی مجھے اس خرانٹ عورت کی غلط بیانی پر غصہ آنے لگا۔ کیونکہ اس کے گھر کا فاصلہ خاصا طویل ہوتا جارہا تھا حالانکہ اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ اس کی جھونپڑی زیادہ دور نہیں تھی۔ مگر یہاں تو یہ فاصلہ شیطان کی آنت کی طرح دراز ہوتا جارہا تھا۔ وہ خاصی توانا عورت تھی اور بڑا سا لوسن کے چارے کا گٹھر اٹھائے بڑے آرام سے چلی جارہی تھی۔ جبکہ اس کے عقب میں چلتے ہوئے میرا تھکن سے برا حال ہونے لگا تھا اور میرا سارا وجود سردیوں کے باوجود پسینے پسینے ہورہا تھا۔ تاہم مجھے اس بات پر حیرت بھی ہورہی تھی کہ اس خرانٹ عورت کی جھونپڑی گوٹھ کے گھروں سے الگ تھلگ مقام پر کیوں تھی؟ بہرطور اب تو یہ عورت کسی ویران جزیرے کی بلا کی طرح میرے گلے پڑ چکی تھی اس لیے اسے بھگتنا تو تھا ہی مجھے' خودرو جھاڑی دار میدان کے آخری سرے پر مجھے بھوسے اور گارے مٹی سے لپی ہوئی کچی دیواروں والی ایک جھونپڑی نظر آئی۔ دروازے پر بوسیدہ سا ریلی کا ٹاٹ جھول رہا تھا۔ وہ بے دھڑک گٹھر اٹھائے اندر داخل ہوگئی۔ میں نے بھی سکون کا سانس لیا اور اس کے عقب میں اندر داخل ہوگئی۔ مختصر سے صحن کے ایک کونے میں وہ عورت لوسن کا گٹھر رکھ چکی تھی۔ پھر اس نے میرے سر سے گھڑا اتارنے میں مدد کی۔

میں پسینے پسینے ہوکر ہانپ رہی تھی۔ سامنے صرف ایک تنگ و تاریک سی کوٹھری نظر آرہی تھی۔ بوسیدہ صحن کے ایک کونے پر ایک بکری بندھی ہوئی تھی۔ اس کا ایک مینہ بھی تھا۔ مجھے لگا یہ عورت بے چاری اکیلی رہتی تھی۔ اس کا دنیا میں اور کوئی نہ تھا۔

''اچھا ماسی! میں اب چلتی ہوں' ذرا سانس لینے کے بعد میں نے کہا تو وہ عورت بولی۔

''اڑی چھوکری' جلدی کس بات کی ہے؟ تو تھک گئی ہوگی۔ بیٹھ ذرا' میں تجھے جوار اور مکھن کی روٹی دیتی ہوں۔ پھر بکری کے دودھ کی چائے پی کر چلی جانا'' اس نے اپنے مخصوص پاٹ دار لہجے میں کہا پھر وسط میں بچھی ایک جھلنگا سی چارپائی پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میرا دل نہ چاہتے ہوئے بھی اس عورت کی بات ماننے پر مجبور ہوگیا۔ وہ رسوئی میں چلی گئی۔ مجھے پیاس محسوس ہوئی۔ میں نے جست کے ایک ٹیڑھے میڑھے کٹورے میں گھڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر گلاس بھرا اور پانی پی کر دوبارہ چارپائی پر آکر بیٹھ گئی۔ میری نگاہیں اب بار بار چھپر نما پھوس کے سائبان تلے اس تنگ و تاریک کوٹھری کی خالی چوکھٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ اچانک مجھے یوں لگا جیسے اندر کوئی موجود تھا۔ اسی لمحے مجھے مختصر سی تاریک چوکھٹ سے دھوئیں کے مرغولے رقص کرتے دکھائی دیے اور اسی وقت اندر کوئی کھانسنے لگا۔ یہ مردانہ آواز تھی۔ کوئی اندر بیٹھا بیڑی پی رہا تھا۔

ایک مرد کی اندر موجودگی کا احساس ہوتے ہی میں بے چین سی ہوگئی۔ ٹھیک اسی وقت وہ عورت ہاتھ میں ایک بڑا سا چھابا اٹھائے رسوئی سے نمودار ہوئی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں چائے کا میلا کچیلا پیالہ بھی تھا جس میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اندر کوٹھری سے کھانسنے کی آواز اب نہیں آرہی تھی۔

اس عورت نے شاید میرے چہرے کی بے چینی تاڑ لی تھی

لہٰذا میرے آگے روٹی کا چھابا اور چائے کا پیالہ رکھتے ہوئے اپنے سانولے چہرے پر اسرار بھری سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے عجیب سے لہجے میں بولی۔

''کیا پریشانی ہوگئی؟''

''مم..... مائی..... اندر کون ہے؟ کیا تیرا مرد ہے؟'' میں نے پوچھا تو اس کے سانولے اور بھرے پرے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا پھر بھیدوں بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''ہاں..... ایسا ہی سمجھ لے.....'' میں اس کے عجیب سے لہجے پر الجھن میں مبتلا ہوگئی ''چل مائی ٹکر تو کھا۔ میں آئی ہوں ابھی۔'' اس نے کہا اور پھر دوبارہ رسوئی میں چلی گئی اور وہاں سے روٹی کا ایک چھابڑا اٹھایا اور اندر کوٹھری میں چلی گئی۔

میں نے اپنے چھابے کی طرف دیکھا۔ جوار کی مکھن سے چپڑی گرما گرم روٹی سے بھاپ سی اٹھ رہی تھی۔ میں نے چار و ناچار دو تین لقمے حلق سے اتارے اور چائے کا پیالہ اٹھا کر جلدی جلدی چسکیاں لینے لگی۔ میری نگاہیں جانے کیوں اندر کوٹھری میں مرکوز کچھ دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ اتنے میں وہ عورت باہر نکلی اور وہیں کھڑے کھڑے مجھے مخاطب کر کے بولی ''ڑی چھوکری! میرا مرد باہر آرہا ہے' منہ ہاتھ دھوئے گا۔ ویسے تو وہ گریب اندھا ہے۔ پر تو اگر چاہے تو پردہ کرلے ذرا..... تیری مرضی.....'' اس کی بات سن کر جانے کیوں میرے دل کے عمیق گوشے میں جھماکا ہوا۔ ''اس کا شوہر اندھا تھا'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں سوچا اور پھر میرے جی میں جانے کیا سمائی کہ میں پردہ کیے بغیر یوں ہی کوٹھری کی چوکھٹ پر اپنی دم بہ خود نگاہیں مرکوز رکھیں۔ وہ عورت اندر جا چکی تھی۔ پھر وہ ایک نوجوان اور نابینا شخص کو سہارا دے کر باہر نکلی تو یک لخت جیسے میں سن ہو کر رہ گئی۔ اس نابینا نوجوان کو دیکھ کر میرے دل و دماغ میں سائیں سائیں ہونے لگی۔ میرے وجود کی جیسے ساری حسیات نگاہوں میں سمٹ آئیں اور گویا میں ایک مبہوت سے منظر میں بت بنی کھوسی گئی۔ ایک لمحے کو تو میرا دل ہی دھڑکنا بھول گیا اور فرط جوش و جذبات تلے مجھ پر ہلکی سی کپکپی طاری ہوگئی۔ مجھے اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں پر جیسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ میری ستم رسیدہ تقدیر کیا اس طرح بھی مجھ پر کبھی مہربان ہوسکتی ہے اور..... اور کیا انہونی اس طرح بھی اچانک ظہور پذیر ہوسکتی ہے؟ کیا..... کیا مجبور اور ترسی ہوئی نگاہوں کی پیاس یوں بھی سیراب ہونے لگتی ہے۔

''ھے..... میرے مولا! میرے رب سائیں! یہ..... یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔''

میرے دل میں کراہ سی ابھری ''میرے مولا! مجھے ہمت دے..... مم..... مجھے ایسی طاقت دے کہ میں یہ منظر دیکھنے کی تاب رکھ سکوں۔ کہیں..... کہیں میرا دل اپنی گم گشتہ اور الوہی محبت کو اس طرح اچانک اور غیر یقینی حالات میں دیکھ کر خوشی سے پھٹ نہ جائے؟ بے اختیار میری آنکھوں میں کرب اور خوشی کے ملے جلے آنسو امڈ پڑے۔ میرے اندر جذبات انگیز ہلچل جاری تھی اور حواس بے قابو ہوئے جارہے تھے۔

وہ نابینا نوجوان' محمد پریل تھا۔ میرا پریل' میرا محبوب' میرے سرکا سائیں پریل وہ عورت جو بلاشبہ مائی مختاراں ہی تھی۔ میرے خارخار وجود کے اندر اٹھنے والے طوفانوں اور آندھیوں سے بے خبر وہ پریل کو سہارا دیتی ہوئی صحن کے ایک کونے میں لے گئی۔ جدھر پھونس کی ''آڑ'' سی بنی ہوئی تھی۔ اور وہیں منہ ہاتھ دھونے کا سامان موجود تھا۔ میرے جی میں تو آئی کہ میں یک دم اٹھوں اور لپک کر اپنی گم گشتہ محبت اپنے محبوب شوہر' محمد پریل سے جا کر لپٹ جاؤں مگر پھر فوراً ہی دماغ نے مجھے ایسی جذبات انگیز جلد بازی سے روکا تو میرے حواس معمول پر آنے لگے۔ میں نے سب سے پہلے جلدی جلدی اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور دل میں اس بات کا شکر ادا کیا کہ کم بخت مائی مختاراں کو میری دیدنی حد تک غیر ہوتی حالت کا اندازہ ابھی تک نہیں ہوا تھا۔ کیوں کہ میں جانتی تھی کہ اگر اس گھاگ عورت کو ذرا سا بھی مجھ پر شک ہوجاتا کہ اس نے مجھے یہاں لاکر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے تو مجھے پھر ایک لمحہ بھی یہاں برداشت نہیں کرے گی۔ یوں تو مجھے اس عورت پر قابو پانا چنداں مشکل نہ تھا کیونکہ اس کی حقیقت کھلتے ہی میرے اندر اس کے لیے رقابت اور غیظ کا جو لاوا ابل رہا تھا اس نے میرے وجود میں اس قدر قوت بھر دی تھی کہ میں اس عورت کو پریل کو چھیننے کی ایسی سزا دیتی کہ ساری عمر پھر کسی پرائے مرد کو اپنی ملکیت بنانے کا خیال بھی دل میں نہ لاتی۔ لیکن میرے اندر اپنے اور پریل کے تعلق خاطر سے متعلق جو خدشات' میرے بے غیرت اور خود غرض بھائی سائیں داد نے بھر دیے تھے' میں ابھی اس کی تصدیق کرنا چاہتی تھی کہ کیا واقعی پریل نے مجھے طلاق دے دی تھی یا پھر یہ ساری سازش میرے بھائی سائیں داد کی تھی۔ اگر چہ مجھے اس بات کا پہلے ہی سے یقین تھا کہ حالات چاہے جیسے بھی ہوں' پریل کبھی بھی مجھے طلاق نہیں دے سکتا مگر یہ بھی ایک تلخ حقیقت تھی کہ میرے اور پریل کے بیچ بعض ایسے سرد و بے مہر حالات بھی پیدا ہوتے رہے تھے کہ ہماری ان مٹ محبت کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والے طویل فاصلے حائل ہوگئے تھے۔

میں جانتی تھی کہ مائی مختاراں اگر چہ میرے نام سے تو ضرور واقف تھی مگر اس نے میری صورت اب تک نہیں دیکھی تھی بلکہ

حقیقت یہ تھی کہ میرا سامنا بھی مائی مختاراں سے آج اچانک ہی ہوا تھا۔ البتہ بے چارہ پریل تو ویسے ہی مجھے دیکھنے سے قاصر تھا۔ لیکن اگر وہ میری آواز سن لیتا تو مجھے فوراً پہچان لینے میں دیر نہیں لگاتا۔

میں بہ ظاہر روٹی کھانے اور چائے پینے میں مگن تھی مگر میرے اندر زبردست ہلچل مچی ہوئی تھی اور دل بے طرح انداز میں دھڑک رہا تھا۔ ایک پکڑ دھکڑ سی تھی جو میرے دماغ میں جاری تھی' میں اب اطمینان اور صبر و تحمل کے ساتھ ایک پرسوچ تانے بانے میں غرق سی تھی۔ تاہم یہ بات طے تھی کہ میں اب کسی بھی صورت پریل کو دوبارہ کھونا نہیں چاہتی تھی۔

اسی دوران مائی مختاراں پریل کو سہارا دیتے ہوئے واپس اندر کوٹھری کی طرف لے جانے لگی' میری نگاہیں محمد پریل پر جمی ہوئی تھیں۔ اب میں ذرا گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ بے چارہ پہلے سے زیادہ کمزور ہو چکا تھا۔ چہرے پر جیسے ازلی سوگواری سی گھنڈ کر رہ گئی تھی۔ وہ خود سے بالکل بے گانہ نظر آرہا تھا تاہم اس کی صفائی ستھرائی میں یقیناً مائی مختاراں کا دخل تھا۔ اس نے اسے صاف ستھرا بنا رکھا تھا ورنہ پریل کے چہرے پر کھنڈی ہوئی مایوسی اور کرب ناک تاثرات سے تو یہی نظر آتا تھا کہ اسے کسی بات کا ہوش ہی نہ تھا۔ میں چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر مائی مختاراں کو پٹانے کے بارے میں غور کرنے لگی۔ اس دوران میں وہ کوٹھری سے باہر آکر رسوئی میں گئی اور چائے کا پیالہ ہاتھ میں لے کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا وہ غور سے میرے چہرے کو گھورے جارہی تھی۔ پھر وہ عجیب معنی خیز انداز میں مجھ سے مسکراتے ہوئے بے تکلفی سے بولی۔

''کیوں ڑی! کیسا لگا میرا مرد..... سوہنا ہے ناں؟'' اس کی بات پر میرے تن بدن میں آگ سی بھڑک اٹھی اور دل میں اس پر لعنت ملامت کرتے ہوئے بہ ظاہر میں بھی اسی بے تکلفی سے زبردستی مسکرا کر بولی۔

''ہاں..... ہے تو خوب صورت جوان..... پر ایک بات تو بتا کیا تو نے واقعی اس سے شادی کر رکھی ہے؟''

یہ پوچھتے ہوئے میں نے بہ غور اس کے چہرے پر اپنی بھانپتی ہوئی نگاہیں مرکوز کر دیں۔ میں نے دیکھا میرے استفسار پر ایک لمحے کو تو اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ مگر پھر وہ چائے کی چسکی لے کر بولی۔

''تجھ سے جھوٹ بولنے کو جی نہیں کرتا۔ مگر شاید تو اسے کچھ سمجھا سکے..... سن بتاتی ہوں۔''

اس نے یہ کہہ کر چائے کی ایک اور گرما گرم چسکی بھری اور میرا دل بے طرح دھڑکنے لگا۔

''ابھی میں نے اس سے شادی نہیں کی۔ میں تو تیار ہوں پر یہ ابھی نہیں مانتا۔ کہتا ہے پہلے میں اپنی پہلی بیوی کو نجاں سے ایک آخری بار مل لوں..... پھر وہ مجھ سے شادی کرلے گا'' اس کی بات سن کر میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی اور میں بہ مشکل اپنے ابال پر قابو پاتے ہوئے چالاکی سے بولی۔

''تو کیا یہ شادی شدہ ہے..... پر اس کی بیوی نے اسے کیوں چھوڑ دیا؟''

''وہ کم بخت اس سے طلاق لینا چاہتی ہے۔ اسے اس بے چارے سے نفرت ہوگئی ہے'' مائی مختاراں نے منہ بسور کر کہا۔ میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا اور دکھ کی ایک کرب انگیز لہر میرے درماندہ وجود میں اندر تک سرایت کر گئی۔

''تو پھر..... یہ اسے طلاق کیوں نہیں دے دیتا؟'' میں نے بہ ظاہر عام سے لہجے میں پوچھا تو وہ بولی۔

''یہ اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہے۔ پر اس بدبخت نے اس کی محبت کی قدر نہ کی۔ اب یہ کہتا ہے کہ میں کونجاں سے ایک بار مل کر اس سے پوچھوں کہ کیا اب بھی وہ اس سے طلاق لینا چاہتی ہے؟''

''تو..... تو پھر.....؟'' میں نے کسی قدر بے چینی سے پوچھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ بہ غور مجھے گھورتی

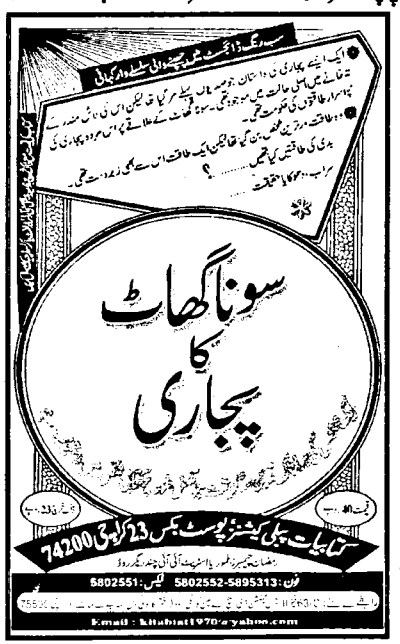

ہوئی پرتشکیک لہجے میں بولی۔

''کیوں ڑی! تجھے کیا ہے؟ تو' تو اسے پوچھ رہی ہے جیسے تو ہی کونجاں ہو' اس کی بیوی.....؟''

اس کی بات پر میں دہل گئی مگر پھر دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر جھٹکتی ہوئی ہنسی میں اس کی بات اڑا کر دانستہ قدرے شرماتے ہوئے بولی۔

''تو کیسی بات کرتی ہے ماسی.....! میری تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی۔''

میرے لجاتے اور شرمانے پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی ''تو پھر کیا..... میں نے تو اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر یہ اس سے ملے بغیر اسے طلاق دینے پر رضامند نہیں۔'' اس کی بات پر میرے سینے پر سے جیسے ایک بوجھ اتر گیا اور میں سوچنے لگی کہ سائیں داد نے واقعی مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ پریل نے مجھ سے مایوس ہو کر میری غیر موجودگی میں مجھے طلاق دے ڈالی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ سائیں داد نے مجھے جو طلاق نامہ دکھایا تھا وہ جعلی اور جھوٹا تھا۔ تب میں نے کسی خیال کے تحت اسے کریدتے ہوئے پوچھا۔

''تو پھر کیا' اس نے اپنی بیوی کونجاں کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تو خود بھی تو اسے اس کی بیوی سے ملا سکتی تھی تاکہ کونجاں سے مل کر جلد از جلد اسے طلاق دے ڈالے تاکہ تیرا کام بھی بعد میں آسان ہو سکے؟''

میرے اس سوال پر مائی مختاراں نے عجیب سے گومگو لہجے میں جواباً کہا ''میں تو چاہتی ہوں..... پر اب پتا نہیں' یہ کیوں اپنی بیوی کا سامنا کرنے سے کترا رہا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ یہ اسے طلاق ہی نہیں دینا چاہتا'' میں نے اس کی بات سن کر اپنے دل میں نفرت اور رقابت کی آگ کو بہ مشکل دباتے ہوئے دل ہی دل میں مائی مختاراں پر ایک بار پھر لعنت بھیجی اور اپنے لہجے میں معصومانہ حیرت سموتے ہوئے پوچھا۔

''اگر یہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دینا چاہتا تو پھر تو کیوں اس کے پیچھے پڑی ہے؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں ہلکی سی تندی آ گئی جسے وہ گھاگ عورت بھانپ کر ایک بار پھر تیز سنسناتی ہوئی نظروں سے مجھے گھور کر بولی۔

''تجھے اس سے کیا چھوکری! ہوگئی ناں عاشق' میرے مرد پر۔ چل اٹھ بھاگ یہاں سے۔ چل.....'' اس کے نفرت انگیز درشت لہجے پر جیسے میری رگوں میں خون کھولنے لگا مگر مائی مختاراں بھی مجھے سے اکھڑ گئی تھی۔ چائے کا پیالہ نیچے رکھتے ہوئے اٹھی اور مجھے بازو سے پکڑ کر چارپائی سے کھڑا کر دیا۔ وہ مجھے گھسیٹ کر دروازے سے باہر نکالنے لگی تو جب تک میرے اندر کا خوابیدہ آتش فشاں پھٹنے کے قریب ہو گیا لہٰذا میں نے ایک زوردار جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور پھر لاوا اگلتی نظروں سے اسے گھورتی ہوئی نفرت بھرے لہجے میں بولی۔

''ذلیل.....کتیا.....! تو نے آئینے میں خود کو دیکھا ہے' تو اس بے چارے لڑکے کی ماں کے برابر لگتی ہے'' میرے شعلہ فشاں لہجے اور زہریلے الفاظ پر مائی مختاراں ایک لمحے کو اپنی جگہ بت بنی رہ گئی اور پھٹی پھٹی نظروں سے میرے چہرے کو تکنے لگی۔

''تت.....تو.....کون ہے.....؟'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے بوکھلا کر پوچھا۔

''میں.....اس کی بیوی کونجاں ہوں اور یہ میرا محبوب شوہر' محمد پریل ہے'' میں نے فرط جذبات تلے زور سے چلا کر کہا تو مائی مختاراں کے سر پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ پھر اس لمحے میں نے دیکھا' اندر کوٹھری سے محمد پریل نمودار ہوا' اس کے دونوں ہاتھ ٹٹولنے کے انداز میں آگے کو اٹھے ہوئے تھے اور اس کے بے نور چہرے پر حیرت اور خوشی کے تاثرات طاری تھے۔ اس نے شاید میری آواز سن لی تھی۔

''کک.....کونجاں! میری کونجاں! یہ.....یہ تو ہے' کہاں ہے تو.....؟''

اچانک پریل نے تنگ و تاریک کوٹھری کی چوکھٹ پار کرتے ہوئے بے پایاں خوشی سے لرزتی آواز میں کہا۔ اس وقت اسے ٹھوکر لگی اور وہ زمین پر گر گیا۔ میرا دل اس کی بے بسی اور معذوری پر کٹ کر رہ گیا۔ میں بے اختیار ''پریل'' پکارتی ہوئی اسے سنبھالنے کو لپکی تو اچانک مائی مختاراں بپھری ہوئی ناگن کی طرح میرے سامنے آ گئی۔ میں اس کمینی اور فاحشہ عورت پر پہلے ہی سے ادھار کھائے بیٹھی تھی۔ اسے اپنی راہ میں حائل دیکھ کر میری رگوں میں جنونانہ طاقت سی دوڑ گئی اور پھر میں نے اسے پوری قوت سے پرے دھکیلا۔ اسے اپنی راہ میں حائل دیکھ کر میری رگوں میں جنونانہ طاقت سی دوڑ گئی اور پھر میں نے اسے پوری قوت سے پرے دھکیلا۔ چیختی ہوئی چارپائی پر جا پڑی اور میں نے آگے بڑھ کر اپنے پریل کو تھام لیا۔ میرا لمس محسوس کرتے ہی جیسے وہ گھبرا اٹھا اور وہ اس نے بھی اپنے دونوں ہاتھوں سے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور یہی نہیں' وہ میرے نرم و نازک ہاتھ کو پکڑ کر وارفتانہ انداز میں چومنے لگا۔ اس کے وجود میں بلا کی جذبات انگیز لرزش تھی۔

''کک.....کونجاں! میری کونجاں! تت.....تت تو نے مجھے' مم.....معاف کر دیا۔ مم.....مجھے معاف کر دیا تو نے کونجاں!''

اس کی مرتعش آواز میں صدیوں کی پیاس شامل تھی۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے ادا کیے ہوئے ایک ایک لفظ میں شدید تڑپ تھی۔ میں نے بھی وفور جذبات سے اس کے دونوں ہاتھوں کو چومتے ہوئے لرزتی آواز میں شدت بے قراری سے کہا۔

''ہاں.....ہاں' میرے پریل! میرے محبوب ..... میں نے تجھے معاف کر دیا۔ پر تو.....مجھ سے دور کیوں ہو گیا تھا؟''

میں نے جیسے روتے ہوئے شکوہ کیا۔ مگر ابھی پریل کو شاید اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ پھر بے چینی سے بولا۔ ''تت.....تو.....اب مم.....مجھ سے طط.....طلاق تو نہیں مانگے گی ناں؟''

''نہیں' نہیں.....نہیں' میرے محبوب! میرے سر کے سائیں! نہیں'' میں جیسے جی جان سے چیخ اٹھی اور پھر پریل نے مجھے اپنے دونوں بازوؤں کے حلقے میں لے کر یوں بھینچ لیا کہ میں بھی اس سے لپٹ گئی۔ ہم دونوں باہم ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے تھے۔ پھر ہم دونوں ایک دوسرے کو پیاسی نظروں سے عالم محویت سے تکنے لگے۔ ہم دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گئے۔

کتنی ہی ساعتوں کے بعد پریل نے مرتعش لہجے میں کہا۔

''کونجاں! تو کہاں تھی..... کک..... کک..... کیا مجھے بھول گئی تھی تو؟''

میں تڑپ کر بولی ''نہیں' نہیں..... میرے پریل! میرے جان! میں بھلا تمہیں کیسے بھلا سکتی ہوں؟ یہ ساری تگ و دو' یہ ساری یورش..... میری جستجو' سب تمہارے لیے ہی تو تھی۔''

پھر ہم دونوں گرد و پیش سے بے خبر نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک دوسرے کی پیاس بجھاتے رہے۔ ہماری بے ربط سانسوں میں مخفی شوریدہ سر جذبوں کی مہک ہمارے دل کو اتھل پتھل کر رہی تھی۔ آن کی آن میں ہمارے خاموش چہروں نے صدیوں کے متلاطم خیز طوفانی اور گم شدہ فاصلوں کو سمیٹ کر یک جان دو قالب بنا کر رکھ دیا تھا۔

''کونجاں! تو نے..... تو نے تو میرے دل کا چراغ روشن کر دیا ہے۔ میری بے نور آنکھوں میں تیری صورت کے دیپ جل اٹھے ہیں۔ کونجاں! مجھے تو اب تیری صورت کے سوا کسی اور منظر کو دیکھنے کی حسرت بھی نہیں رہی'' پریل بولے جا رہا تھا اور میں عجیب سی سرشاری میں غرق تھی۔

قہقہے لگاتے ہوئے دو دلوں کی ادھوری کہانی کا تب تقدیر قدرے طاس دل پر مکمل کر رہا تھا۔ پھر جب ایک بہاؤ کی کیفیت فوری فکر فردا سے نمٹنے کے لیے دل ناداں کو مائل بہ سوچ کیا تو جیسے مجھے کسی نے پریل سے پھول کی طرح بے دردی سے نوچا۔ یہ مردار مائی مختاراں تھی۔ جو جانے کس طرح اب تک صبر کیے بیٹھی تھی۔ اس بار اس نے مصمم ارادے کے ساتھ مجھ پر حملہ کیا تھا اور مجھے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پریل سے دور کھینچ دیا تھا مگر میں نے بھی سنبھلتے ہی اپنے دائیں ہاتھ کا ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔

''مختاراں! یہ.....یہ تو کیا کر رہی ہے؟ یہ میری بیوی کونجاں ہے؟'' پریل نے پریشان ہو کر مختاراں کو اس کی چیرہ دستی سے روکا۔ مگر میں نے دیکھا' مختاراں کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ میری جوابی کارروائی نے اس کے شاید ہوش ٹھکانے لگا دیے تھے اور اس بار وہ پریل سے بھی درشت لہجے میں بولی۔

''کیوں ڑے! اب تو کیوں بدل گیا۔ تو' تو کہتا تھا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں گا تو پھر اب کیوں نہیں دیتا اسے طلاق؟''

''بکواس بند کر!'' میں اس کی بات پر غصے سے پھٹ پڑی۔ ''تو کون ہوتی ہے' ہمارے بیچ بولنے والی.....اپنی اوقات دیکھی ہے تو نے؟''

''کک.....کونجاں! اسے کچھ مت کہہ۔ میں اسے سمجھاتا ہوں'' اچانک پریل نے مجھے روکا اور پھر مائی مختاراں سے مخاطب ہو کر بولا ''مختاراں! دیکھ' تو جھوٹ مت بول۔ میں نے کبھی تجھ سے کونجاں کو طلاق دینے کا نہیں کہا تھا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ کونجاں اب تک مجھ سے نفرت کرتی ہوگی اور.....اور میں اس

آنکا
ماہنامہ سرخ میں شائع ہونے والی اپنے وقت کی مقبول ترین کہانی
ازل سے جاری خیر و شر کی کشمکش میں ایک حیرت انگیز معرکہ آرائی
کتابمات پبلیکیشنز
5802581 5802582-5895319
kitabiat1970@yahoo.com

ے۔۔۔۔ ۔۔۔ یں آنا چاہتا تھا کہ کہیں یہ مجھ سے نفرت کی وجہ سے پھر نہ طلاق کا مطالبہ کرلے۔ کیونکہ میں نے اس کی ضد کے آگے مجبور ہو کر اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب یہ دیکھنے کے قابل ہوجائے گی تو تب یہ مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرے گی تو .....تو.....''

''بس پریل..... بس! اب تو مجھے پتا چل گیا ناں کہ میرا دل تجھ سے صاف ہوگیا ہے۔ پھر یہ بات دوبارہ زبان پر مت لا۔م..... مجھے تکلیف ہوتی ہے'' میں نے فوراً اس کی بات کاٹ کر رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں کونجاں' نہیں..... م..... مجھے تو تجھ سے ملنے سے زیادہ اس بات کی خوشی ہورہی ہے کہ تو نے نہ صرف مجھے معاف کردیا ہے بلکہ میرے لیے اب بھی تیرے دل میں ویسی ہی محبت ہے جو شادی سے پہلے تھی۔''

میں بے اختیار آگے بڑھ کر پریل سے جا لپٹی اور فرط جذبات سے مغلوب لہجے میں بولی ''ہاں ہاں..... میرے پریل! میں نے سب کچھ بھلا دیا ہے۔ اب تو بھی اس بات کو مت دہرا۔''

ادھر مختاراں کے سینے پر حسد کے سانپ لوٹ رہے تھے۔ وہ جلتی سلگتی نگاہوں سے پریل کو مخاطب کر کے نفرت بھرے لہجے میں بولی ''پریل! لیکن تو نے مجھ سے بھی وعدہ کیا تھا کہ..... تو.....''

''تو غلط کہہ رہی ہے'' پریل نے اس بار سخت لہجے میں اس کی بات کاٹ کر سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تجھ سے محض اتنا کہا تھا کہ اگر کونجاں چاہے گی تو..... تب.....'' پریل نے اچانک اپنا جملہ ادھورا چھوڑا اور پھر ذرا نرم لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے دوبارہ بولا۔

''دیکھ مختاراں! میں تیری بھی عزت کرتا ہوں۔ تیرا یہ مجھ پر احسان ہے کہ تو نے مجھ نابینا کو دربدر کی ٹھوکریں کھانے سے بچاتے ہوئے اپنے پاس پناہ دی اور اس کی پاداش میں تو بھی دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگی اور بستی سے تجھے باہر نکال دیا گیا۔''

''تو..... تو..... پھر تو اس کا صلہ مجھے یہ دے رہا ہے پریل!'' اچانک مختاراں نے اپنی کینچلی بدل کر مکارانہ انداز میں کہا۔ ''حالانکہ تو نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا اب کیوں دھوکا دے رہا ہے مجھے۔''

''میں نے تجھ سے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا مختاراں! یہ جھوٹ مت بول'' پریل نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انکار کیا تو اس بار میں نے مائی مختاراں کو مخاطب کر کے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

''تو نے اگر میرے شوہر پر احسان کیا ہے تو اس میں خود تیرا اپنا بھی مفاد شامل تھا۔ تو اس سے شادی کی آس لگائے بیٹھی تھی اور..... اور تو نے اس بے چارے کی مجبوری سے کھیلنے کی کوشش کی۔ تو یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ شادی تیرا احسان تو تب مانا جاتا جب تو اسے مجھ سے ملنے دیتی مگر جب یہ معلوم ہوا کہ میں اب اپنے شوہر پریل کو معاف کر ہوں تو..... تو نے سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حفیظاں کے ہاں سے اسے لے کر وہاں سے بھاگ گئی۔ بھول گئی جب لکھ شیر کے آدمی تجھے تلاش کرتے ہوئے ماسی کے گھر آئے تھے' وہیں تجھے اس حقیقت کا علم ہو چکا تھا اسے لے کر خاموشی سے اس رات نکل بھاگی۔ مجھے پورا ہے کہ تو نے..... پریل کو یہ حقیقت بھی نہیں بتائی ہوگی جب شیر کے آدمی تیرے پاس آئے تھے اور انہوں نے ہی یہ تجھے بتائی تھی کہ میں نے پریل کو معاف کردیا ہے۔''

میری تمام گفتگو سن کر پریل چونک کر مائی مختاراں بولا۔ ''مختاراں! تو نے واقعی مجھ سے اس رات جھوٹ بولا کونجاں مجھے اس لیے تلاش کرتی ہوئی وہاں تک آگئی تھی مجھ سے مل کر مجھ سے ایک بار پھر طلاق کا مطالبہ کرنا چاہتی یہ کہہ کر پریل نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''کونجاں! یہ حقیقت ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا مجھے تلاش کرنے ماسی حفیظاں کے گھر تک آگئی ہے تو مختا نے مجھے یہ کہہ کر تجھ سے ملاقات کرنے سے روک دیا تھا کہ سے مل کر دوبارہ طلاق کا مطالبہ کرے گی ورنہ..... ورنہ کونجا میں..... میں تجھ سے ضرور ملاقات کرتا۔''

''ہاں' ہاں میرے پریل! میں..... میں جانتی ہوں سمجھتی تھی تیری مجبوری'' میں نے تڑپ کر کہا۔ میں پھر مختا سے بولی ''مختاراں! اب تو تجھے معلوم ہوگیا ناں کہ میرے پریل کے بیچ میاں بیوی سے بھی بڑھ کر رشتہ ہے اور وہ عاشق اور محبوبہ کی ''محبت'' کا۔ یوں تو تجھے اپنے اس اخلاقی کی سزا ملنی چاہیے مگر میں تجھے معاف کرتی ہوں'' یہ کہہ نے پریل سے محبت پاش لہجے میں کہا ''چل پریل! میرے ساتھ..... اب ہم کو دنیا کی کوئی طاقت ایک دوسرے سے نہیں کرسکتی۔''

''ہاں کونجاں! چلو..... میں بھی اب ایک پل تیرے نہیں رہ سکتا'' پریل نے کہا اور ادھر مختاراں کا سانولا چہرہ رقابت کی آگ سے مزید سیاہ اور مکروہ پڑ گیا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ وہ یکدم کوٹھری کی طرف بھاگی۔ میرا دل اس عجیب حرکت پر یکبارگی زور سے دھڑکا۔

اسی لمحے ایک دھماکے آمیز سرد آواز میری سماعت میں سرسرائی ''ہینڈز اپ! اگر کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو بھون کر رکھ دوں گا۔''

میں نے بڑی شرافت سے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

''سمجھا' میں اس کے ڈراوے میں آگیا ہوں۔'' برآمدے کی پیشانی پر ایک بلب روشن تھا تاہم میرے عقب میں ہونے کے باعث گن بردار میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا جس کا مطلب تھا وہ جدان کی حیثیت سے فوری طور پر مجھے پہچان نہ پاتا اور ازاں بعد' میں اسے ایسی کوئی مہلت دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

کے کے کی خطرناک نال میری پشت میں پیوست تھی۔ مجھے خاموشی سے ہینڈز اپ ہوتے دیکھ کر اس کی ہمت بڑھی اور وہ میرے انتہائی قریب آگیا۔ میں نے ایک لمحے میں اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ وہ جامہ تلاشی کے بعد مجھ سے نمٹنا چاہتا تھا۔

''چپ چاپ کھڑے رہو۔ اپنی جگہ سے حرکت کی تو میں فائر کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کروں گا۔'' وہ بڑے خطرناک انداز میں غرایا۔

اگلے ہی لمحے مجھے اپنے وجود پر اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا۔ دونوں ہاتھوں کی بہ یک وقت حرکات ظاہر کرتی تھیں' کلاشن اب اس کی گرفت میں نہیں رہی تھی۔ اغلب امکان یہی تھا' گن اسٹریپ کے سہارے اس کے شانے پر جھول رہی ہوگی۔ میرے لیے یہ ''اللہ دے اور بندہ لے'' کے مصداق تھا۔

میرے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند تھے۔ عقب میں موجود اس شخص نے جیسے ہی میری پینٹ کی سائیڈ پاکٹس کو ٹٹولنا چاہا' میں نے بجلی کی سی سرعت سے بازو ڈاؤن کیے۔ اگلے ہی لمحے میرے ہاتھ اس کی کلائیوں پر گرفت حاصل کرچکے تھے۔

اس نے بوکھلاہٹ آمیز انداز میں اپنے ہاتھ پیچھے کھینچنا چاہے۔ میں نے اس کی ناف پر ایک ریئر کک مارتے ہوئے ہاتھ آزاد کردیے۔ وہ ہوا میں اچھلا اور پشت کے بل ننگی ستون سے جا ٹکرایا۔ اس کے ساتھ جو پیش آیا وہ اس کے سان وگمان میں بھی نہیں ہوگا۔

اس ٹکراؤ کے نتیجے میں اس کے حلق سے ایک دردناک چیخ برآمد ہوئی۔ کلاشن کوف اس کے کندھے سے پھسل کر دور جا گری۔ قبل اس کے کہ وہ گن تک رسائی حاصل کرتا' میں نے لپک کر کے اپنے قبضے میں کرلی۔

وہ اپنی پشت کو سہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوگیا اور متوحش نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے گھگیایا ''وج ..... دان ..... تم.....؟''

''لگتا ہے' تم لوگوں کے پرائی ویٹ باپ شعیب غوری نے تمہیں میرا حلیہ از بر کروادیا ہے۔'' میں نے کلاشن کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا پھر پوچھا ''اندر کتنے افراد موجود ہیں؟''

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی اندر سے کسی نے پکار کر پوچھا ''انیس! یہ چیخ کیسی تھی۔ تم خیریت سے تو ہو؟''

بات کے اختتام پر میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ وہ آواز لمحہ بہ لمحہ جالی والے دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ میں سمجھ گیا' انیس سے استفسار کرنے والا ہماری طرف آرہا تھا۔

میں نے انیس کو گن پوائنٹ پر رکھتے ہوئے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اسے نگاہی ہدایت دی کہ وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ جائے۔ میں نہیں چاہتا تھا اندر سے برآمد ہونے والا ہمیں براہ راست دیکھ سکے۔ مس انیس کو ٹارگٹ بنا کر نووارد کو شکار کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

انیس کے لیے میرا نام ہی کافی تھا پھر وہ اس وقت ایک خطرناک گن کے رحم وکرم پر تھا ''سی ایف کے'' کے تمام اہل کاروں کو باور کرادیا گیا تھا' میں نہایت ہی سفاک اور بے رحم ہوں۔ شاید اسی لیے انیس نامی اس دراز قامت شخص نے بے چون وچرا میرے حکم کی تعمیل کردی۔

میں استفسار کرنے والے کے جلوے کا انتظار کر ہی رہا تھا کہ بنگلے کے عقبی حصے میں فائرنگ کی آواز گونجی۔ صدا کی مخصوص پچ سے مجھے اندازہ ہوگیا' وہ فائرنگ کسی ماؤزر سے کی گئی تھی۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا' ادھر صدف سرگرم عمل ہوگئی تھی۔

فائرنگ کی آواز سن کر ہماری طرف آنے والے شخص نے ارادہ بدلا اور بنگلا کے عقبی حصے کی سمت بھاگ گیا۔ میں نے اطمینان کی سانس خارج کی اور انیس سے پوچھا ''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اندر کتنے افراد موجود ہیں؟''

وہ بے حد خوف زدہ تھا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں موت ناچتی نظر آئی۔ اسے یقین ہوگیا تھا میں اسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا۔

ہمارے درمیان پانچ فٹ کا فاصلہ رہا ہوگا۔ وہ کلاشنکوف چھیننے کے لیے مجھ پر لپکا۔ اس نے اچانک ہی جھپٹا مارا تھا۔

میں چاہتا تو ٹرگر دبا کر اس کے وجود کو چھلنی میں بدل دیتا لیکن خواہ مخواہ کا خون خرابا مجھے کبھی پسند نہیں رہا۔ انیس کی یہ حرکت جان لیوا تھی۔ اسے یقین تھا اگر وہ میرے ہاتھوں بچ بھی گیا تو شعیب اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس تنظیم کا یہی چلن میں نے دیکھا تھا۔ وہ اپنے ناکام ساتھیوں کو پہلی فرصت میں موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ انیس نے اسی خوف کے باعث مجھ سے لڑتے ہوئے مرنے کو ترجیح دی تھی۔

انیس کے جھپٹتے ہی میں بیک فٹ پر اچھلا اور ایک فرنٹ فلائنگ کک چلا دی۔ اپنی دراز قامتی کے باعث وہ بہت جلد ہی میرے قریب پہنچ گیا تھا لہٰذا میرے پاؤں کی ایک بھرپور ٹھوکر اس کی ٹھوڑی پر لگی۔

وہ ''اوں'' کی آواز خارج کرتے ہوئے پیچھے کو الٹا۔ اس کے زمین بوس ہونے سے پہلے ہی میں نے ایک فرنٹ پش کک اس کے پیٹ میں ماری۔ وہ جالی دار دروازے سے جا ٹکرایا۔ شاید دروازے کو اندر سے کنڈی نہیں لگائی گئی تھی۔ ٹکراؤ کے باعث وہ دروازہ ''دھڑ'' سے کھل گیا۔ انیس راہ داری میں پشت کے بل جا کر گرا۔

میں کلاشنکوف تانے بھرمار کر اندر آ گیا۔ وہ راہ داری انسانی وجود سے عاری تھی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہاں کوئی آئے گا ہی نہیں۔ میں نے جھک کر چاروں خانے چت انیس کا سرسری جائزہ لیا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑا تھا۔ اس کے سر کے نزدیک فرش پر خون دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا' انیس کی کھوپڑی کسی شدید ضرب کے باعث چٹخ گئی تھی۔ میں اس کے اوپر سے پھلانگتے ہوئے محتاط قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔

اس راہ داری کے دونوں جانب کمرے بنے ہوئے تھے۔ میں ہر کمرے کے دروازے کو دھکیل کر چیک کرنے لگا۔ وہ سب اندر سے بند تھے یا پھر لاک تھے۔ راہ داری کے اختتام پر واقع ایک کمرے کے دروازے کو جب میں نے دھکا دیا تو وہ نہایت ہی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھل گیا۔ میں اس کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دوڑتے ہوئے قدموں کی چاپ ابھری۔ میں مذکورہ چاپ کی سمت گن کو تانے ہوئے ٹی اسٹانس بنا کر کھڑا ہو گیا۔

مجھے ایک لمحے سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دوڑنے والے وہ دونوں افراد میری نگاہ میں آ گئے۔ ان میں سے ایک متناسب القد اور دبلا پتلا تھا جب کہ دوسرا سیاہ رو مائل بہ فربہی تھا۔ وہ بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں راہ داری میں داخل ہوئے تھے۔ پھر ان کی گھبراہٹ کا سبب بھی مجھے نظر آ گیا۔ ان کے عقب میں آٹھ فٹ کی دوری پر صدف موجود تھی۔ وہ جیسے کھدیڑتے ہوئے وہاں تک لائی تھی۔

میں نے ان بھگوڑوں کو گن پوائنٹ پر رکھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا ''ہالٹ!''

وہ ٹھٹک کر رک گئے پھر جب سنبھل کر میری صورت دیکھی تو ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ یک بیک انہوں نے پلٹ کر اپنے عقب میں دیکھا۔ وہاں صدف ہاتھ نکائے پھیل کر کھڑی تھی۔ وہ متوحش نظروں سے انہیں مجھے دیکھنے لگے۔

صدف نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا ''وجدان! نے جس حد تک بنگلے کو چھانا ہے ان دو کے سوا مجھے کوئی نظر آیا۔ تمہاری طرف کیا پوزیشن ہے؟''

''ایک بندہ ادھر راہ داری کے سرے پر بے ہوش ہے۔'' میں نے جالی دار دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''ہمیں ان بند کمروں کی تلاشی لینا ہوگی۔ ساحل یہیں کہیں رکھا گیا ہوگا!''

صدف نے گھرے ہوئے ان دو افراد کی طرف طنزیہ سے دیکھا اور بولی ''ہم ایک ایک کو نا جھانکنے کی زحمت کیوں کریں۔ یہ قربانی کے دو بکرے کس مرض کی دوا ہیں!''

''مجھے دو بکروں پر اعتراض ہے صدف!'' میں نے رومو نے کی جانب تمسخرانہ انداز میں دیکھا ''یہ تو مجھے کسی سے کم دکھائی نہیں دیتا۔''

صدف نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا ''ان کے انداز تو یہ بتاتا ہے یہ دونوں سانڈ ہیں اور نہ ہی بکرے بلکہ انہیں بھیڑیں کہوں گی۔'' اس نے دبلے پتلے شخص کی طرف انگلی سے اشارہ کیا ''اس نے ماؤزر سے مجھ پر فائر کیا تھا۔ جمناسٹک کام آ گئی ورنہ میں تو گئی تھی جان سے اور یہ سانڈ!'' وہ سیاہ رو شخص کی طرف نفرت سے دیکھتے ہوئے بولی ''میں نے اس کا پسٹل چھین کر ادھر عقبی لان میں پھینک دیا ہے۔ اس وقت یہ دونوں نہتا ہیں۔''

''ان کے تیسرے ساتھی انیس کی گن میرے قبضے میں ہے۔'' میں نے کلاشنکوف کو تھپتھپاتے ہوئے کہا ''اب دونوں کے پاس ہمارے احکام کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔''

میری بات ادھر ختم ہوئی' ادھر صدف کی لات چلی۔ اس نے دبلے شخص کی پشت پر ایک بھرپور سائیڈ کک ماری۔ ٹھوکر کھانے والا اپنے ساتھی سے ٹکرایا اور اسے اپنے ساتھ لیتے ہوئے زمین بوس ہو گیا۔ میں اچھل کر ان کے

اوپر آ گیا۔ وہ ایک دوسرے کے اوپر لدے تھے۔

آئندہ ایک منٹ کے اندر میرے پاؤں کی طوفانی ٹھوکروں نے انہیں ادھیڑ کر رکھ دیا۔ موٹے کا نام اسلم معلوم ہوا جب کہ دبلا شخص موسیٰ تھا۔ ان کا تیسرا ساتھی انیس میرے پاؤں فرش نشینی کا مزہ چکھ رہا تھا۔ ایک طرح سے ہم نے بڑی آسانی سے اس بنگلے پر ''قابو'' پا لیا تھا۔

میں نے اسلم اور موسیٰ کی زبان کھلوانے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ایک لمحے کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا اگر میں انہیں جان سے بھی گزار دوں تو بھی وہ مجھے ساحل کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ وہ سی ایف کے سے وفاداری نبھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

صدف بھی صورت حال کا اندازہ لگا چکی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا ''وجدان! تم کسی طرح بند کمروں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ میں ان دونوں پر ''کام'' کرتی ہوں۔''

اس کی بات میرے دل کو لگی۔ میں اسے موسیٰ اور اسلم کے پاس چھوڑ کر راہ داری میں گھوم گیا۔ یہ راہ داری کا آخری حصہ تھا۔ میں سب سے پہلے اس کمرے کی جانب بڑھا جس کا دروازہ کھولنے کے بعد مجھے اندر داخل ہونے کی مہلت نہیں ملی تھی۔

مجھے حیرت کے ایک شدید جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ مذکورہ دروازہ تقریباً بھڑا ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا میں نے دروازے کو پورا کھول دیا تھا۔ دروازہ ازخود بند نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اسے کسی شخص نے بند کیا تھا تو اس کا یہی مطلب تھا وہ شخص کمرے کے اندر موجود ہوگا۔ گویا ایک ان دیکھا انجانا دشمن بھی اس بنگلے میں وجود رکھتا تھا۔ یہ خاصی خطرناک صورت حال تھی!

میں نے پیچھے پلٹ کر صدف کو ایک نظر دیکھا۔ وہ مجھ سے دس فٹ کے فاصلے پر اپنے ''کام'' میں مصروف تھی۔ میں مطمئن ہو کر اس پُراسرار دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ بند دروازوں کو بعد میں چیک کیا جا سکتا تھا۔

میں نے دروازے کے نیم وا پٹ کے ساتھ لگ کر سن گن لینے کی کوشش کی۔ کمرے کے اندر خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ میں نے ایک فوری فیصلے پر پہنچنے کے بعد دروازے پر ٹھوکر رسید کی اور کمرے کے اندر پہنچ گیا۔

وہ ایک بیڈ روم تھا۔ میں نے اس کی آرائش سے اندازہ لگایا' وہاں دو افراد کی شب بسری کا بندوبست کیا گیا تھا۔ میں نے ایک لمحے میں چوکنا نظر سے کمرے کا جائزہ لے لیا۔ وہاں کسی متنفس کے آثار نظر نہ آئے۔ مجھے قدرے مایوسی ہوئی نتیجہ میری توقع کے بالعکس برآمد ہوا تھا۔ مجھے امید تھی وہاں کوئی دشمن ضرور چھپا ہوگا۔

لیکن نہیں..... میری توقع رائگاں نہیں گئی۔ میں الٹے قدموں کمرے سے نکلنے ہی والا تھا کہ میری پشت پر ایک زور دار لات پڑی۔ میں منہ کے بل آگے کو گرا میرے سامنے ایک بیڈ بچھا تھا۔ میں سیدھا اس پر آ رہا۔ کلاشنکوف میرے نیچے دب کر رہ گئی۔

''تم اس وقت میرے نشانے پر ہو لہٰذا گن کو چھوڑ کر کھڑے ہو جاؤ!'' مجھے اپنے عقب میں ایک پھنکارتی ہوئی آواز سنائی دی۔

یہ وہی شخص تھا جس نے ایک لمحہ پہلے مجھے دھکا دیا تھا۔ شاید وہ دروازے کے پیچھے چھپا کھڑا تھا لیکن اب ''شاید اور اگر مگر'' کا کوئی سوال نہیں تھا اس لیے میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔

''گھوم جاؤ!'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں گھوم گیا۔ اسی لمحے مجھے پتا چلا دھکا دینے کے ساتھ ہی اس شخص نے کمرے کا دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔ وہ ایک صحت مند اور چاق و چوبند شخص تھا جو مجھے تیز نظر سے گھور رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں اعشاریہ تین دو کا ایک خوب صورت ریوالور چمک رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا وہ لیفٹ ہینڈیڈ تھا۔

''کون ہو تم؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''واہ بھئی واہ'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے! یہ تو مجھے پوچھنا چاہیے' تم کون ہو؟ لیکن میں نہیں پوچھوں گا۔ جانتے ہو کیوں؟'' اس نے ایک لمحہ توقف کرنے کے بعد خود ہی بتا دیا ''اس لیے کہ میں جانتا ہوں تم وجدان ہو!''

''پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا' میں یہاں کس مقصد سے آیا ہوں!''

''بہت اچھی طرح معلوم ہے۔'' وہ گہری نظر سے میرا پاتا سر جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ وہ میری حرکات و سکنات کو جانچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھ پر نگاہ جماتے ہوئے بولا ''تم جس کی بو سونگھتے ہوئے ادھر آئے ہو' افسوس کہ اسے یہاں سے بھی ہٹا دیا گیا!''

میں تڑپ اٹھا ''کیا بک رہے ہو؟''

''میں تمہاری گرل فرینڈ ساحل کی بات کر رہا ہوں۔''

''ساحل کا نام احترام سے لو جنگلی کی اولاد!'' میری کن پٹیاں سلگنے لگیں۔

وہ پچکارنے والے انداز میں بولا ''زیادہ تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں ہے وجدان۔ گرل فرینڈ تو محض گرل فرینڈ ہوتی ہے۔ کبھی وہ تمہاری دوست تھی' پھر چوہدری نوازش کی بغل میں جا گھسی اور اب بگ باس شعیب.....''

وہ اپنا جملہ مکمل نہ کرسکا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہونے لگی۔ ریوالور بردار نے بے ساختہ چونک کر پیچھے دیکھا۔ میرے لیے یہ مہلت ایک مکمل ٹرم سے کم نہ تھی۔ اس لعین کی غلیظ زبان میری ساحل کی شان میں اتنی گستاخیاں کرچکی تھی کہ میں اس لمحے کو گنوانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے کسی شکاری باز کے مانند غوطہ لگایا اور سیدھا ریوالور بردار کے اوپر آرہا۔ اس نے حتی الوسع سنبھلنے کی کوشش کی مگر میں نے حتی الامکان اس کی سعی ناکامیاب بنا دی۔ جست بھرتے ہی میں نے سب سے پہلے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ یہ وہی ہاتھ تھا جس میں اس خبیث نے ریوالور پکڑ رکھا تھا۔

اس نے اپنی کلائی چھڑانے کے لیے زور مارا لیکن میں نے اپنی گرفت کو قائم رکھتے ہوئے اس کی ناک پر ٹکر جڑی دی۔ یہ ایک بڑی دھانسو قسم کی ٹکر تھی۔ اس کی نکسیر پھوٹ پڑی۔ وہ آزاد ہونے کے لیے اور زیادہ طاقت صرف کرنے لگا۔ یہ اس کی جھنجلاہٹ کا ثبوت بھی تھا۔ ناک پر پڑنے والی ٹکر نے اسے تیور اکر رکھ دیا تھا۔

میں نے اس کی کلائی اس لیے نہیں تھامی تھی کہ اس کے ایما پر چھوڑ دیتا۔ وہ تو کسی گنے کی طرح مشین میں آئی ہوئی تھی اور اپنی ہڈیوں کا کچومر بنوانے کے بعد ہی آزاد ہوسکتی تھی۔ مسلسل ناکامیابی کے بعد اس نے فائرنگ شروع کردی۔

اس کا ہاتھ میری گرفت میں نہ ہوتا تو شاید وہ اس موقع پر مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوجاتا۔ میں ہر فائر پر اس کی کلائی کو جھٹکا دیتا۔ جب چھے کی چھے گولیاں چل چکیں تو میں نے اس کی کلائی کا ''کڑاکا'' نکالنے کے بعد ہاتھ کو آزاد کردیا۔ اس آزادی کے انعام کے طور پر میں نے اس کی ٹھوڑی پر ایک ہک پنچ بھی لگا دیا۔ وہ پیچھے کو الٹ کر دروازے سے جا ٹکرایا۔

اسی وقت صدف کی تیز چیختی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''وجدان! اندر کیا ہو رہا ہے۔ دروازہ کھولو یہ فائرنگ کیسی تھی۔ تم ٹھیک تو ہو نا؟''

اس کے تشویش سے لب ریز سوالات کو میں نے تحمل سے سنا اور بہ آوازِ بلند کہا ''فکر کی کوئی بات نہیں۔ اندر امن و امان ہے تم اپنا کام جاری رکھو۔''

''دروازہ کھولو۔ میں ایک نظر تمہیں دیکھ کر مطمئن ہونا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں تمہارے اطمینان کا بندوبست کرتا ہوں۔''

دروازہ کھولنے کے لیے اس شخص کو وہاں سے ہٹانا ضروری تھا' میں نے جس کی کلائی کا سواستیاناس مار دیا تھا۔ وہ مضروب و مجروح کلائی کو دائیں ہاتھ سے تھامے کراہ رہا تھا۔ میں نے اس کی تشریف پر ایک رف ٹھڈا رسید کیا اور مطمئن لہجے میں کہا ''کب تک یہیں لیٹے اپنی کلائی اور دستِ جانی کا ماتم کرتے رہو گے؟''

وہ خون خوار نظر سے مجھے گھورتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

''شاباش!'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا ''میں تو سمجھا تھا' تمہیں اٹھانے کے لیے ''کے ایم سی'' والوں کو بلانا پڑے گا۔'' ایک لمحے کو رک کر میں نے اضافہ کیا ''کے ایم سی والوں کو الف کے.....واہ! کیا کمبی نیشن ہے!''

صدف نے ایک مرتبہ مجھے پکارا ''وجدان! دروازہ کھولنے میں دیر کیوں لگ رہی ہے؟''

''ایک کنگ سائز مردار خور دروازے کے سامنے گرا ہوا ہے۔'' میں نے اندر سے کہا۔

''یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو؟'' اس نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ایک منٹ' میں خود ہی اسے ہٹانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

بات ختم کرتے ہی میں نے زمین بوس شخص کو ایک فلائنگ ماری اور غصیلے لہجے میں کہا ''تم اٹھنے میں اتنی دیر کیوں لگاتے ہو مردود؟''

اس کے ساتھ ہی میں نیچے جھک کر اسے وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا اور اسی لمحے اس شخص نے ایک عجیب حرکت کی۔ اس نامعقول نے اپنے سلامت ہاتھ سے میری پنڈلی کو تھاما اور بڑی تیزی سے اس کے گوشت میں دانت گاڑنے کی کوشش کی۔

کارڈرائے کی پینٹ پر اس کے دانت لگے تو مجھے تکلیف کا احساس ہوا۔ موٹے کپڑے کے سبب اس کے خطرناک دانت گوشت میں نہیں گڑ سکے تھے۔ میں نے دوسرے ہی لمحے سے اس کی کھوپڑی پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کی۔ یہ ایک

قیامت کی ٹھوکر تھی۔

وہ پنڈلی کو کاٹنا بھول گیا۔ میری ٹھوکر کے نتیجے میں چشم زدن میں اس کا منہ کمرے کے پختہ فرش سے ٹکرایا۔ اس کی بلبلاہٹ میں بڑا درد پایا جاتا تھا۔ میں نے اس کے پیٹ میں ایک ٹھڈا مارا تو وہ تڑپ کر پیچھے الٹ گیا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔ صدف لپک کر اندر آئی اور کمرے کے اندرونی منظر کو دیکھ کر سوالیہ نظروں سے مجھے تکنے لگی ''یہ کیا ہے وجدان؟''

''ایک بھوکا درندہ'' میں نے اپنی پنڈلی کو اس کے سامنے کردیا ''اس نے مجھے یہاں کاٹنے کی کوشش کی تھی۔''

''تم اسی مردار خور کا ذکر کر رہے تھے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا ''لیکن اس وقت تک مجھے معلوم نہ تھا' یہ زندوں پر بھی دانت آزماتا ہے۔ بہرحال اب تجربہ ہوگیا ہے۔'' ایک لمحے کو رک کر میں نے پوچھا ''باہر والوں کا کیا حال ہے؟''

''دونوں بڑے پکے ہیں۔'' وہ ذومعنی لہجے میں بولی۔

''اس کا مطلب ہے انہوں نے ساحل کے بارے میں زبان نہیں کھولی!''

''ہاں' اس کا یہی مطلب ہے۔'' وہ سفاکی سے بولی۔ ''اس لیے میں نے ان کی خواہش کو مہمیز کردیا ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو؟'' میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے جملے میں خطرناکی پوشیدہ تھی۔

''تم غلط سمجھ رہے وجدان!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی ''میں اس حد تک نہیں جاسکتی۔ بس وہ زبان کھولنے کے موڈ میں نظر نہیں آتے تھے۔ میں نے سوچا اگر میرے سامنے کچھ بولنا نہیں چاہتے تو کسی دوسرے کے سامنے کیوں بولیں..... کم از کم آج کی رات تو انہیں امن و سکون سے گہری نیند سونا چاہیے۔ صبح کا اللہ مالک ہے!''

وہ ایک لمحے کو رکی پھر اپنی بات ختم کرتے ہوئے بولی ''میں نے انہیں عارضی اور گہری نیند میں پہنچا دیا ہے۔ تم خواہ مخواہ فکر میں نہ پڑو۔''

میرے سینے سے ایک طویل سانس خارج ہوئی۔ میں نے کہا ''ممکن ہے وہ دونوں واقعی ساحل کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوں لیکن یہ مردار خور بہت کچھ جانتا ہے۔'' میں نے زمین پر پڑے مضروب شخص کی طرف اشارہ کیا ''اس نے تھوڑی دیر پہلے انکشاف کیا ہے' ساحل کو اس بنگلے سے کہیں اور منتقل کردیا گیا ہے۔''

''اور کہاں؟'' صدف نے متعجب نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا ''یہ بات بھی یہی شخص بتائے گا!''

پھر ہم دونوں اس کی طرف ''متوجہ'' ہوگئے۔ وہ زیادہ دیر تک ہماری ''توجہ'' کی تاب نہ لاسکا۔ اس کی ناک' ٹھوڑی اور ہونٹوں کا میں کباڑا کرچکا تھا۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ میں اپنے سوالات کے جوابات حاصل لیے بغیر اس کی جان نہیں چھوڑوں گا تو اس نے زبان کھول دی۔ اس کا نام جنید تھا اور اس بنگلے کے کرتا دھرتا کا نائب بھی تھا۔ انیس اسلم اور موسیٰ اس کے اشاروں پر ناچتے تھے یعنی ان کا تعلق نچلے لمحلے سے تھا۔

''یہ تینوں تمہارے اشاروں پر ناچتے ہیں تو تم کس کی ڈگڈگی پر اچھل کود مچاتے ہو؟'' میں نے سفاکی سے کہا ''اپنے مداری کا نام نہیں بتاؤ گے؟''

''ہم سب شعیب غوری صاحب کے غلام ہیں۔''

''میں نے تمہارے آقائے اعلیٰ کا نام نہیں پوچھا۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا ''میں جانتا ہوں کہ یہ بنگلا ''ایسٹ'' کی حدود میں آتا ہے۔ یہاں کا قائم مقام سراج الدین ہے جو شعیب سے براہِ راست ہدایات لیتا ہے۔ میں تو اس بنگلے کے مکانی کا نام پوچھ رہا ہوں تم جس کی نائبی میں ہو؟''

''میرے باس کا نام شکیب عثمانی ہے۔''

''تمہارا باس اس وقت کہاں ہے؟''

''وہ نو بجے رات اس لڑکی کے ساتھ ایسٹ کی طرف گیا ہے جسے تمہاری گرل فرینڈ ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور.....''

اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ بے ساختہ میرا ہاتھ گھوم گیا تھا۔ ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر چپکا۔ میں نے بڑے خوف ناک انداز میں کہا۔

''جنید! یہ آخری مرتبہ ہے۔ اب اگر تم نے ساحل کو گرل فرینڈ کا ٹائٹل دینا چاہا تو میں تمہاری زبان کو گدی سے جدا کردوں گا۔''

وہ سہم کر بڑی سراسیمہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں ساحل کے حوالے سے واقعی بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ صدف بھی حیرت بھری نگاہ سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس وقت میرے ذہن میں بہ یک وقت کئی طوفان اٹھ رہے تھے۔ اگر مفہوم کے اعتبار سے غور کیا جائے تو جنید نے کچھ زیادہ غلط بھی نہیں کہا تھا۔ گرل فرینڈ کے سیدھے معنی ہیں' دوست لڑکی!

مگر اس کے کہنے کا انداز سلگانے والا تھا' رگوں میں کانٹے بچھانے والا' روح کو سولی چڑھانے والا۔ ساری بات

انداز کی ہوتی ہے' الفاظ کے استعمال کی ہوتی ہے ''یار'' کے معنی ہیں دوست۔ اگر یہی لفظ کسی کی بیوی' بیٹی' بہن یا ماں سے منسوب کر کے ادا کیا جائے تو گالی بن جاتا ہے۔ ساحل کے لیے گرل فرینڈ کے الفاظ مجھے بہت چیپ محسوس ہوئے تھے۔

میں نے دو تین سانسیں کھینچ کر خود کو معتدل کیا پھر جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ''اچانک ساحل کو یہاں سے ایسٹ کیوں منتقل کیا گیا؟''

''یہ ہائی کمان کا فیصلہ تھا۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''ہائی کمان..... کیا مطلب؟''

''تم اس تنظیم میں رہ کر کچھ عرصہ کام کر چکے ہو۔'' وہ اپنی تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے بولا ''تمہیں معلوم ہے بگ باس جو احکام صادر کرتا ہے اس پر کسی سوال کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ ون مین شو سیٹ اپ ہے۔ اسی لیے کامیابی سے چل رہا ہے۔''

''کامیابی سے!'' میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا ''جنید! تم نہیں جانتے تمہاری اس قاتل تنظیم ''سی ایف کے'' کے اندر کتنی اور کتنے ٹی این ٹی کی بارودی سرنگیں بچھائی جا چکی ہیں۔ جب دھماکوں کا آغاز ہوگا تو اس تنظیم کے پرخچے اڑ جائیں گے۔'' شاید میں ایک مرتبہ پھر جذباتی ہونے لگا تھا۔ میں ایک لمحے کا توقف کر کے دوبارہ گویا ہوا۔ میری آواز میں مخصوص بھراہٹ تھی۔ میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا ''ساؤتھ کو دوبار اجاڑا جا چکا ہے۔ اب ایسٹ کی باری ہے۔ اس کے بعد.....''

صدف نے قطع کلامی کرتے ہوئے مجھ سے کہا ''وجدان تم ساحل کے بارے میں کچھ پوچھ رہے تھے!''

میں سمجھ گیا' صدف مجھے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے ذہن کو جھٹکا اور یک سر سنبھل گیا۔ پھر میں جنید کی طرف متوجہ ہو گیا میں نے اس سے دریافت کیا۔

''میری ساتھی ساحل کو بڑی رازداری کے ساتھ اس بنگلے پر رکھا گیا تھا۔ پھر اچانک منتقلی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''اصل بات تو مجھے معلوم نہیں۔'' وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا ''میرا خیال ہے آج صبح ہی سے حالات خاصے مخدوش چل رہے ہیں۔ ادھر ڈیفنس فیز ٹو کے ایک بنگلے پر بہت بڑا معرکہ ہوا ہے۔ پھر کھڈا مارکیٹ کے قریب بھی بڑی افراتفری کی خبریں ملی ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی احتیاط کے پیش نظر تمہاری گر..... میرا مطلب ہے تمہاری ساتھی کو یہاں سے ہٹا دیا گیا ہو!''

''سب سے زیادہ احتیاط پسند تو مجھے تم نظر آ رہے ہو'' میں نے تیکھی نظر سے اسے گھورا ''سیدھی طرح یہ تسلیم نہیں کرتے کہ تمہارے ساؤتھ کا باجا بجا دیا گیا ہے۔ اس ساتھ ہی تمہارے بگ باس کے نئے رشتے داروں سے آلۂ کار جے ڈی ملک کا بھٹا بٹھانے میں بھی کوئی کسر چھوڑی گئی۔ جب میں خم ٹھونک کر دعویٰ کر رہا ہوں کہ شہر غوری اور چوہدری نوازش کو میں نے نقصان پہنچایا ہے کیوں گھونگٹ میں رہ کر سرگوشیاں کر رہے ہو؟''

وہ نگاہ چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

میں نے سخت لہجے میں کہا ''میری ساحل کے بارے اور کیا جانتے ہو؟''

''کچھ نہیں تم یقین کرو۔ مجھے اس سے زیادہ نہیں۔''

میں نے پوچھا ''تمہارا باس شکیب واپس کب آ گا؟''

''میں یہ بھی نہیں جانتا!'' وہ بے بسی سے بولا۔

''پھر تم کیا جانتے ہو؟'' میں چڑ گیا ''دیکھو مجھے مجبور نہ کرو۔''

وہ سراسیمہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا پھر مضطرب لہجے بتانے لگا ''وجدان! مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا تمہاری ساتھی یہاں سے کہیں اور بھیج دیا جائے گا۔ شکیب اور سراج الدین کی کوئی بات ہوئی ہوگی۔ میں تو اس وقت چونکا جب ایک بند پولیس موبائل اس بنگلے پر آئی اور شکیب ساحل کو اپنے ساتھ اس موبائل میں بٹھا کر لے گیا۔''

''پولیس موبائل میں؟'' میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ بولا ''وہ بند موبائل اور اس میں موجود تینوں پولیس والے نقلی تھے۔ ان میں دو تو کانسٹیبل تھے اور ایک سب انسپکٹر یہ ڈراما احتیاط کے پیش نظر رچایا گیا۔ اس طرح کسی دشمن کی اس طرف نظر نہ جاتی!''

''یعنی میری نظر؟'' میں نے دانت کچکچائے۔

وہ ایک جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اس کی دہشت معنی نہیں تھی۔

میں نے کہا ''کیا شکیب نے روانہ ہوتے وقت تم بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟''

اس نے نفی میں گردن ہلا دی ''نہیں اس سلسلے میں بات نہیں ہوئی۔''

''پھر تم کس بنا پر کہہ رہے ہو' وہ یہاں سے ایسٹ گئے ہیں؟''

''میں نے جن تین نقلی پولیس والوں کا ذکر کیا ہے' ان میں سے ایک کو میں جانتا ہوں۔'' جنید نے بتایا'' وہ سب انسپکٹر کی وردی والا۔ وہ شخص ایسٹ کے اسٹاف میں شامل ہے۔ اسی بنا پر میں کہہ رہا ہوں' ساحل کو اس بنگلے سے ایسٹ میں منتقل کیا گیا ہے۔''

''گویا' یہ تمہارا اندازہ ہے!'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''مجھے تو پورا یقین ہے۔ تم جو دل چاہے' سمجھو۔''

جنید نامی اس بندے سے مزید کوئی مفید بات معلوم نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں صدف سے تبادلۂ خیال کیا پھر دوبارہ جنید کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''تم یہ مت سمجھنا' میں آنکھیں بند کر کے تمہاری بات کا اعتبار کرلوں گا۔ ساحل کی تلاش میں میں اس بنگلے کا ایک ایک کونا جھانکوں گا۔'' پھر میں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا'' اور اس سلسلے میں تم میری مدد کرو گے۔''

جنید اس وقت'' نہ پائے رفتن' نہ جائے ماندن'' والی صورتِ حال سے گزر رہا تھا اس کے پاس انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ اصولی طور پر تو اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ میں نے ہاتھ پاؤں کی ٹھوکروں سے بڑی بری طرح اس کے حلیے کا ستیاناس مارا تھا۔ وہ اس تکلیف کے اظہار کے طور پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے کراہنے بھی لگتا لیکن ظاہر ہے وہ اس وقت مجھ سے یہ فرمائش نہیں کرسکتا تھا کہ میں اسے کسی ڈاکٹر کے پاس مرہم پٹی کروانے لے چلوں۔

ناچار اسے میرے احکام کی تعمیل کرنا پڑی۔ آئندہ دس منٹ کے اندر میں نے بنگلے کے ہر کمرے کو تسلی بخش انداز میں چیک کرلیا۔ وہ بنگلا ساحل کے وجود سے خالی تھا! مجھے یوں محسوس ہوا' سسٹم کا ہر پرزہ میری نقل کرنے اٹھ کھڑا ہوا ہو۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ساحل اگر میرے پاس نہیں ٹھہری تھی تو کہیں بھی نہیں ٹک رہی تھی!

جنید جب خالی کارتوس سے زیادہ اہمیت کا حامل نہ رہا تو میں نے اسے بھی اس بنگلے کے ایک دور افتادہ کمرے میں اٹنا غٹیل کردیا۔ جو لوگ کسی کام نہ آسکیں' ان کا جاگنا کس کام کا!

اب اس منحوس بنگلے میں رکنا بے کار تھا۔ ہم جس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہاں پہنچے تھے' وہ مقصد ہی فوت ہوگیا تھا۔ صدف نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''وجدان! تم نے بتایا تھا' ایسٹ بھی ہل پارک کے نزدیک ہی ہے۔ کیوں نہ اسے بھی دیکھ لیں!''

اس نے'' دیکھ لیں'' کے الفاظ اسی طرح ادا کیے تھے جیسے کسی تصویری نمائش کو دیکھنے کا ذکر کر رہی ہو۔ میں جانتا تھا شکیب غوری کے ٹھکانوں میں ایسٹ کی بڑی اہمیت تھی۔ وہ کسی مضبوط قلعے سے کم نہیں تھا۔ وہاں گھسنا اور وہ بھی سوچے سمجھے بغیر' موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ ان لمحات میں' میں جس ذہنی اذیت سے گزر رہا تھا اس کے زیرِ اثر میں کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے گریز نہ کرتا۔ ساحل کو یہاں سے روانہ ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ اس وقت رات کے پونے گیارہ بجے تھے اور وہ نو بجے ایسٹ کی طرف روانہ ہوئی تھی۔

میں نے صدف کی بات کے جواب میں کہا'' تم نے شاید اس نکتے پر غور نہیں کیا کہ یہ محض جنید کا اندازہ ہے' ساحل کو ایسٹ لے جایا گیا ہوگا تاہم.....''

میں جملہ نامکمل چھوڑ کر ذرا متوقف ہوا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا'' میں جنید کے اندازے کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔ ساحل کے حصول کے لیے میں تاریک غاروں اور عمیق گپھاؤں میں بھی اتر سکتا ہوں۔''

وہ میرے چہرے کے تاثرات کا بہ غور جائزہ لیتے ہوئے بولی'' ہمیں پہلی فرصت میں اس بنگلے کو خیر باد کہہ دینا چاہیے۔ باقی باتیں گاڑی میں بیٹھ کر بھی ہوسکتی ہیں۔''

میں نے اس کے خیال کی تائید کی۔ واپسی کے لیے ہم نے آمد والا پے چیدہ طریقۂ کار نہیں اپنایا۔ اس کھٹنائی میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم بڑے اعتماد کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوسکتے تھے۔ ہم آگے پیچھے چلتے ہوئے اس بنگلے سے باہر آگئے۔

میری وہائٹ شیرڈ مانٹیسوری اسکول کے ڈرائیوے پر تیار حالت میں کھڑی تھی۔ گیٹ کو ہم نے بھیڑ دیا تھا تاکہ بروقت واپسی کی راہ میں کسی تردد کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں اسکول کا گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا۔ صدف میرے ساتھ تھی۔ میں نے اسکول کو خیر باد کہنے سے پہلے بوڑھے چوکیدار کو ایک نظر دیکھنا ضروری سمجھا۔ وہ میرے'' دستِ کرم'' کا فیض یافتہ تھا۔ بعض اوقات اپنے مقصد کی خاطر دوسروں کو تھوڑی بہت تکلیف سے گزارنا پڑتا ہے۔

انسان بڑا خود غرض واقع ہوا ہے۔ یہ اپنی غرض کی وضاحت کے لیے مضبوط جواز بھی تراش لیتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ ہم تسلیم کریں یا نہ کریں!

بوڑھا چوکیدار بڑی سکون کی نیند سو رہا تھا۔ میں نے ٹول

کر اندازہ لگالیا کہ اسے کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد اس کی آنکھ کھل جاتی۔ میں نے شیرڈ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اسے اسکول کی عمارت سے باہر نکال لایا۔

اسی وقت مجھے چونک جانا پڑا۔ ہل پارک والی سمت سے ایک پولیس موبائل گلی میں داخل ہوئی تھی اور ظاہر ہے اس کا رخ ہماری جانب تھا۔ صدف نے بھی اس موبائل کو دیکھ لیا۔ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔

''کہیں یہ مصیبت وہی موبائل تو نہیں؟''

اس کا اشارہ ساحل کو لے جانے والی مبینہ موبائل کی طرف تھا۔

میں نے کہا'' کچھ بھی ہوسکتا ہے!''

میرا یہ مختصر سا جملہ پتا نہیں کیا معنی رکھتا تھا۔ مجھے خود پتا نہیں تھا' میں نے وہ جملہ کس تناظر میں بولا تھا۔ میں ہر شے کو فراموش کر کے شیرڈ کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔ واپسی کا ہر دروازہ بند ہوچکا تھا۔

جب دونوں گاڑیوں کا کراس ہوا تو میں نے موبائل کی پسنجر سیٹ پر ایک گہرے سانولے اور موٹے تازے شخص کو بیٹھے دیکھا۔ وہ عمدہ قسم کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی پولیس والا تھا۔ خدا معلوم' اصلی یا نقلی!

سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ جب موٹے کی مجھ پر نظر پڑی تو وہ یک بہ یک چونک اٹھا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں تشویش کے ساتھ ہی شناسائی کی جھلک بھی تھی جیسے وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان گیا ہو۔ پولیس موبائل اور موٹے کے ردِعمل نے ایک لمحے میں میرے خیال کو شکیب عثمانی تک پہنچا دیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے تن بدن میں چنگاریاں سی بھر گئیں۔ کیا یہ وہی شخص تھا جو میری ساحل کو اپنے ساتھ ایسٹ لے گیا تھا؟

یہ نہایت ہی مہلک سوال تھا جس نے میرے چہرے کے تاثرات کو بگاڑ دیا۔ صدف میری کیفیت سے بہ خوبی آگاہ تھی۔ وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچی تھی جہاں کہ میں۔

اس نے تشویش بھرے لہجے میں کہا'' وجدان! گاڑی کی رفتار بڑھاؤ۔ لگتا ہے' شکیب واپس آگیا۔''

''گویا تم مجھے پشت دکھا کر فرار ہونے کا مشورہ دے رہی ہو؟'' خود مجھے اپنی آواز بدلی ہوئی محسوس ہوئی۔

کوشش کرو۔''

وہ جلدی سے بولی'' یہ بات نہیں وجدان! تم سمجھنے کی

''سمجھنے اور سوچنے کا وقت بہت پیچھے رہ گیا ہے۔'' میں نے سفاکی سے کہا اور شیرڈ کا بریک پیڈل دبا دیا۔ فضا ٹائروں کی مخصوص چرچراہٹ سے گونج اٹھی۔

اسی لمحے ہمارے عقب میں پولیس موبائل نے بھی بڑی سرعت سے بریک لگا دیے۔ مجھے ایک سو ایک فی صد یقین تھا موبائل کے ڈرائیور نے اس موٹے کے حکم پر گاڑی روکی ہوگی۔ پھر اس سے قبل کہ میں شیرڈ سے نکل کر شکیب عثمانی کی طرف بڑھتا' موبائل واپسی کے لیے مڑنے لگی۔

صدف نے میرے کان میں سرگوشی کی'' وہ ہمارے تعاقب میں آرہے ہیں۔ تم گاڑی کو آگے بڑھا دو۔ پھر انہیں کسی مناسب جگہ پر گھیر لینا۔ وہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں گے۔''

صدف نے بروقت ایک قیمتی مشورہ دیا تھا۔ اس کی بات میری سمجھ میں آگئی۔ جائے وقوعہ سے کہیں دور جا کر انہیں گھیرنا زیادہ مناسب رہتا۔ پولیس موبائل نے گھوم کر ہماری جانب رخ کیا ہی تھا کہ میں نے شیرڈ کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

ہمارے درمیان بہ مشکل دو سو گز کا فاصلہ رہا ہوگا۔ اس گلی کا اختتام قریب آیا تو صدف نے کہا'' وجدان! گاڑی کو بائیں جانب موڑ لو۔ اس طرح ہم سیدھے شارع فیصل پر پہنچ جائیں گے' پھر تم میرے ساتھ گھر چلو۔ میں دیکھتی ہوں تمہارے دشمن کتنے پانی میں ہیں۔ میرے پاپا.....''

''نہیں!'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی قطعی لہجے میں کہا اور گاڑی کو رائٹ ٹرن دے دیا'' تم کیا چاہتی ہو سنگین اور سفاک موت تمہارے گھر کا راستہ بھی دیکھ لے!''

وہ یک بہ یک خاموش ہوگئی۔ میرے تیور نے اس کے لبوں پر قفل ڈال دیا تھا۔ شیرڈ' ہل پارک کو بائیں بغل میں رکھتے ہوئے بڑی تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ میں مسلسل عقب نما آئینے میں جھانک رہا تھا پھر مجھے پولیس موبائل کی جھلک دکھائی دے گئی۔ ہمارا درمیانی فاصلہ اب تین سو گز کے قریب پہنچ چکا تھا۔

میں نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے صدف سے کہا'' اگر ہم ہل پارک سے سیدھے شارع فیصل کو پکڑنے نکل کھڑے ہوتے تو فوراً دوسروں کی نظر میں آجاتے اور پھر شارع فیصل ایک مصروف گہما گہمی والی سڑک ہے۔ پولیس موبائل کو... وہاں گھیرنے کی کوشش کرنا سنگین غلطی ہوتی جب کہ.....''

میں نے جملہ نامکمل چھوڑ کر شیرڈ کی اسپیڈ بڑھائی اور کہا ''جب کہ اس طرف سوسائٹی کا رہائشی علاقہ ہے' ہمیں اپنے

کام کے لیے کوئی موزوں مقام میسر آسکتا ہے۔''

اچانک مجھے محسوس ہوا' پولیس موبائل کی رفتار میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔۔۔۔۔ وہ بہ تدریج ہمارے قریب آرہی تھی۔ اس کا مطلب تھا' شکیب عثمانی بڑی شدومد سے ہمارے تعاقب میں تھا۔ میں نے شیرڈ کی رفتار کم کی اور بڑی سرعت سے اسے بائیں موڑ لیا۔

یہ سارا علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا لہٰذا ڈرائیونگ میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہورہا تھا۔ ویسے ایک بات ماننا پڑے گی میری بہ نسبت اس علاقے کے بارے میں شکیب عثمانی کی جان کاری زیادہ ہوگی۔ وہ یہاں کا مقامی باشندہ تھا۔

تین چار چھوٹی بڑی گلیوں میں گھومنے کے بعد میں نے گاڑی کو بائیں سمت موڑ کر ایک قدرے کشادہ سڑک پر ڈال دیا۔ یہ سڑک اپنے اختتام پر شارع فیصل سے جاملتی۔ صدف نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولی۔

''تم تو اسی طرف جارہے ہو جدھر کے لیے انکار کرچکے ہو!''

''نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔''

''اس کا مطلب ہے' تمہارے ذہن میں راستہ بدلنے کا خیال ہے؟''

''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ ایک مرتبہ پھر خاموش ہوگئی۔

ایک فوری خیال کے تحت مجھے اپنے رگ وپے میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ افراتفری کے عالم میں میرے حواس میں نہیں رہا تھا' ہمارے راستے میں چند گز آگے تھانا پڑنے والا تھا۔ اب سوچنے اور ارادہ بدلنے کا وقت نہیں تھا کیوں کہ ہم مذکورہ تھانے کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

میں نے نہایت اعتماد کے ساتھ اپنی شیرڈ کی رفتار میں اضافہ کرتے ہوئے کن انکھیوں سے بائیں سمت دیکھا۔ تھانے کی چوحدی کے ساتھ' سڑک کے کنارے ایک تیار موبائل کھڑی تھی۔ میں مذکورہ تھانے اور اس کے پہلو میں استادہ خوب صورت ہوٹل کو اپنے پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھتا چلا گیا۔

سٹی اسکول کے پاس سے میں نے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گاڑی کو رائٹ ٹرن دیا اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اس ڈھلوانی سڑک کا اختتام جھیل پارک پر ہوتا۔ جھیل پارک کے گرد وپیش کا علاقہ قدرے سنسان اور تاریک تھا۔ نقلی پولیس موبائل میں سوار شکیب عثمانی سے یہاں دو دو ہاتھ ہوسکتے تھے۔

میں انہی خیالوں سے الجھا ہوا تھا کہ فضا سائرن کی آواز سے گونج اٹھی۔ یہ پولیس کے مخصوص سائرن کی آواز تھی۔ یہ ایک نئی بات تھی۔ شکیب عثمانی والی موبائل نے ابھی تک سائرن آن نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کوئی بڑی گڑبڑ ہوچکی تھی۔ ہم دونوں نے بہ یک وقت سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر میری نگاہ عقبی منظر دکھانے والے آئینے تک جا پہنچی۔ وہاں ابھرنے والا منظر بڑا ہی تشویش ناک اور فکر انگیز تھا۔

میں نے اپنے عقب میں ساڑھے تین سو گز کے فاصلے پر دو پولیس موبائلز کو دیکھا۔ ان دونوں کے درمیان بھی دو سو گز سے زیادہ فاصلہ رہا ہوگا۔ آگے والی موبائل تو وہی تھی جس میں شکیب سوار تھا۔ جب کہ اس کے تعاقب میں آنے والے موبائل کی پیشانی پر مخصوص لائٹ گھومتی نظر آرہی تھی۔ خوف ناک سائرن کی آواز بھی اسی موبائل سے خارج ہورہی تھی۔ اس کا یہی مطلب تھا' تھانے کے سامنے کھڑی موبائل بھی ہمارے تعاقب میں لگ گئی تھی۔ وہ اپنے ''بھائی بندوں'' کی مدد اور ہماری سرکوبی کے لیے ہوا کے گھوڑے پر سوار آگے بڑھتے چلے آرہے تھے۔

میں بھلا کھلا قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے شکیب عثمانی کو گھیرنے کا خیال دل سے نکال دیا اور شیرڈ کی رفتار کو ممکنہ حد تک بڑھا دیا۔ شکیب عثمانی اصلی پولیس والوں سے کیسے نمٹتا یہ دیکھنے کا موقع تھا اور نہ ہی وقت۔ میں نے جھیل پارک کے کنارے سے مڑنے کے بعد اپنی گاڑی کو علامہ اقبال روڈ پر ڈال دیا۔

''کیا فلیٹ پر جانے کا ارادہ ہے؟'' صدف نے سراسیمگی آواز میں استفسار کیا۔

میں نے قطعیت سے کہا'' سوال ہی پیدا نہیں ہوتا!''

میں ان دنوں جس فلیٹ میں مقیم تھا' وہ یہاں سے چند گز کی دوری پر تھا۔

صدف نے کہا'' میں یہی سمجھی تھی۔''

''میں ایسی خطرناک حماقت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔'' میں نے اٹل انداز میں کہا'' ہمارے تعاقب میں'' ایک' ایک اور دو گیارہ مصیبتیں چلی آرہی ہیں۔ ان میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ میں طارق روڈ پر رہتا ہوں۔''

''یہ یک نہ شد' دو شد والی صورتِ حال ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''میں نے کہا'' تم اسے ختم شد ہی سمجھو۔''

میں نے لبرٹی چوک کے سگنل کو کراس کیا اور خالد بن ولید روڈ کی طرف بڑھ گیا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ سگنل کراس کرتے ہی' طارق روڈ والا سگنل کھل گیا۔ یعنی ہمارے پیچھے علامہ اقبال روڈ والا سگنل بند ہوگیا۔ یہ بڑا حسین اتفاق تھا۔ میرے جسم وجاں میں ایک اطمینان سا اترتا چلا گیا۔ لبرٹی والا سگنل متعاقبین کی راہ میں سنگین رکاوٹ ثابت ہونے والا تھا۔ اصولی طور پر وہ ہمارے تعاقب کے قابل نہیں رہے تھے۔

میں نے خالد بن ولید روڈ کو کراس کرنے کے بعد عقب نما آئینے میں جھانکا۔ ہمارے پیچھے کافی فاصلے تک علامہ اقبال روڈ خالی نظر آئی۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ ہمارا تعاقب کرنے والے کسی'' معذوری'' کا شکار ہوگئے تھے۔

تھوڑا آگے آنے کے بعد میں نے شیرڈ کو کشمیر روڈ پر ڈال دیا۔ میرا ارادہ تھا اس طرح میں سوسائٹی آفس سے گزر کر شارع قائدین کو جوائن کروں گا پھر شارع فیصل پر نکل جاؤں گا۔ آگے کی آگے جا کر سوچتے مگر مجھے فوری طور پر اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔

اچانک ہمارے عقب میں سائرن بجاتی' لائٹ گھماتی پولیس موبائل نمودار ہوئی۔ وہ اکیلی تھی۔ اس کے دو ہی مطالب تھے۔ نمبر ایک شکیب عثمانی والی موبائل انہیں جل دے کر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ نمبر دو نقلی اور اصلی پولیس موبائلز کے درمیان کوئی پُراسرار قسم کا فوری اور ہنگامی ''کمپرومائز'' ہوگیا تھا! صورت کوئی بھی رہی ہو۔ ہمارے لیے ٹینشن بڑھ گئی تھی۔

اب شارع فیصل کا رخ کرنا مصیبت کو دعوت دینے کے مترادف تھا لہٰذا میں نے اگلی چورنگی پر نصف دائرے میں گھومتے ہوئے گاڑی کو دائیں جانب موڑ لیا۔ یہ علاقہ قدرے کم رونق والا تھا۔ ایک ٹوٹی پھوٹی سڑک سے گزرنے کے بعد میں نے شیرڈ کی اسپیڈ بڑھا دی۔ ہمارے عقب میں پولیس کے مخصوص سائرن کی صدا تو ابھر رہی تھی تاہم اس موبائل کی صورت کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میں پولیس والوں کو جزوی طور پر جُل دینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

کاسمو پولیٹن سوسائٹی کی طرف بڑھتے ہوئے ہمیں ایک حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک چورنگی پر سڑک کے وسط میں بڑا سا بے ہودہ قسم کا گڑھا تھا۔ میں تیز رفتاری کے چکر میں اس گڑھے کو بروقت نہ دیکھ سکا۔ اس قسم کے گڑھے میں ٹائر پڑ جانا کوئی خاص بات نہیں ہوتی تاہم ان نازک لمحات میں ہر عام بات خاص ہوتی جارہی تھی۔

شیرڈ کا ٹائر جیسے ہی گڑھے میں آیا ایک فلک شگاف دھماکا ہوا۔ یہ ٹائر برسٹ ہونے کی مخصوص آواز تھی۔ شیرڈ بری طرح ڈگمگائی۔ اس کے اسٹیئرنگ پر گرفت قائم رکھ کر سنبھالنا خاصا مشکل ثابت ہوا۔ میں نے تھوڑے فاصلے پر سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ وہ تو غنیمت تھا اس وقت سڑک پر ٹریفک کا ازدحام نہیں تھا ورنہ مزار قائد کی جانب سے آنے والا گاڑیوں کا ریلا ہمیں اپنے ساتھ ''بہا'' لے جاتا۔ شیرڈ ہمارے لیے بے کار ہوگئی۔

میں نے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے اضطراری لہجے میں صدف سے کہا'' فوراً گاڑی سے باہر آجاؤ۔ یہاں ایک لمحے کو رکنا خطرناک ہوگا۔''

صدف نے پسنجرز سائیڈ کا دروازہ کھولا اور برق رفتاری سے باہر آگئی۔ پھر ہم نے ایک جانب نیم تاریکی میں دوڑ لگادی۔ وہ رہائشی علاقہ تھا اور سڑک کے کناروں پر درختوں کی بہتات تھی۔ اسٹریٹ لائٹس کی کمی نے نیم تاریکی کا ماحول تخلیق کردیا تھا۔ نرسریز سے اٹے ہوئے اس علاقے کو ہم دوڑ کر عبور کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

اس منحوس سائرن نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ موبائل ہماری شیرڈ کے قریب رکی تو سائرن کی آواز میں بھی ٹھہراؤ آگیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ قاتل آواز ہمارے تعاقب میں لگ گئی۔ اس کا واضح مطلب تھا' پولیس موبائل ہمارے پیچھے آرہی تھی۔ شاید پولیس والوں نے ہمیں نیم تاریکی میں بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

''فاسٹ..... مور فاسٹ!'' میں نے صدف سے کہا اور بائیں جانب مڑ گیا۔

اس وقت ہم جگر مراد آبادی روڈ کو چھوڑ کر کاسمو پولیٹن اور سہوانی سوسائٹی کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ اس غیر معروف سڑک پر اچھی خاصی تاریکی تھی جو ہمارے لیے ایک محفوظ آڑ کا کام کررہی تھی۔ ابھی تک پولیس موبائل مذکورہ سڑک پر نہیں مڑی تھی میں نے دانستہ سڑک عبور کرکے رائٹ ہینڈ لے لیا تاکہ فوری طور پر پولیس والوں کی نگاہوں میں نہ آسکیں۔

اس تاریک فٹ پاتھ پر دوڑتے ہوئے ہم نے ڈیننگ پینٹنگ کے گیراج کو پیچھے چھوڑا پھر ایک مزدور ہوٹل کے نزدیک سے گزرتے ہوئے ہانسا سنگھ پارک پہنچ گئے۔

''چھپنے کے لیے یہ پارک خاصا مناسب رہے گا۔'' میں نے صدف سے کہا۔

صدف نے تائیدی انداز میں گردن ہلادی۔ ہانسا سنگھ

نامی اس پارک کا گیٹ گرومندر کی طرف تھا۔ باقاعدہ گیٹ سے داخل ہونے کا وہ موقع نہیں تھا پھر بھی یہ ضروری نہیں تھا' اس وقت گیٹ کھلا بھی ہو!

پارک کے گرداگرد آہنی ریلنگ نصب تھی جس کی اونچائی بہ مشکل چھے فٹ رہی ہوگی۔ تین فٹ بلند آہنی جنگلا اپنے نیچے بنی تین فٹ اونچی پختہ دیوار میں گڑا ہوا تھا۔ اس کل چھے فٹ کی بلندی کو پھلانگنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

اسی لمحے پولیس موبائل اس تاریک سڑک پر نمودار ہوئی۔ ہمارے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ ان لوگوں کی ہم پر نظر نہیں پڑی ہوگی۔ ہم نے ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا اور دوسرے ہی لمحے آواز پیدا کیے بغیر وہ آہنی جنگلا عبور کر کے ہاسانگھ پارک کے اندر پہنچ گئے۔

وہ پارک کا ایک کارنر تھا اور اس وقت مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ پارک کے دیگر حصوں میں بھی کسی قسم کی ہل چل نظر نہ آئی۔ پہلی نظر میں یہی محسوس ہوا کہ پارک میں آمدورشد کا وقت ختم ہوگیا تھا۔ یہ ہمارے لیے ایک خوش آئند بات تھی۔

میں نے اپنے قرب وجوار میں نگاہ دوڑائی تو ایک عمدہ قسم کی جائے پناہ دکھائی دے گئی۔ چند فٹ کے فاصلے پر بچوں کی تفریح اور کھیل کود کے لیے مختلف نوعیت کے جھولے موجود تھے۔ انہی میں ایک پائپ گیم بھی تھا۔ لگ بھگ دو فٹ قطر کا ایک پائپ ایل شیپ میں آہنی اینگل آئرن کے فریم میں جکڑا ہوا تھا۔ مذکورہ پائپ زمین سے کم وبیش تین فٹ کی بلندی پر نصب تھا۔ ایل شیپ پائپ کے ایک سرے پر تین چار اسٹیپ کا زینہ بنا ہوا تھا جہاں سے بچے اوپر چڑھ کر پائپ کے منہ تک پہنچتے۔ پائپ میں داخل ہوکر وہ اندر ہی اندر سفر کرتے ہوئے دوسرے سرے سے باہر آتے۔ کبھی اس سرے پر کوئی پھسل پٹی بھی نصب رہی ہوگی تاکہ بچے اس پر ''سلائیڈنگ'' کر سکیں مگر اب وہ سلائیڈنگ بورڈ مفقود تھا البتہ اسے سہارا دینے والا آہنی فریم اپنی جگہ پر استادہ تھا۔ پولیس والوں کی نگاہوں سے خود کو بچانے کے لیے اس پائپ سے زیادہ موزوں اور کوئی مقام نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا اور پھر صدف کو اپنے فیصلے سے آگاہ کردیا۔ آئندہ پندرہ سیکنڈ کے اندر ہم اس پائپ میں عارضی سکونت اختیار کرچکے تھے۔ پولیس کے مخصوص سائرن کی صدا ہماری سماعتوں سے ٹکرائی اور موبائل پارک کے پہلو سے گزرتے ہوئے گرومندر کی جانب بڑھ گئی۔ میں نے ایک اطمینان بخش طویل سانس خارج کی۔ انہوں نے ہمیں ''نظرانداز'' کردیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس موبائل کے خبیث سائرن کی آواز معدوم ہوگئی۔

''لگتا ہے وہ چلے گئے!'' صدف نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

میں نے بھی سرگوشیانہ انداز میں کہا ''بہ ظاہر تو یہی نظر آرہا ہے۔''

''پھر ہم باہر نکلیں؟'' اس کے لہجے میں استفسار تھا۔

میں اس کی مشکل سمجھ رہا تھا تاہم احتیاط کے پیش نظر کہا ''ابھی نہیں' پانچ منٹ بعد۔'' وہ خاموش ہوگئی۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

ہم اس آہنی پائپ میں بری طرح ٹھنسے ہوئے تھے۔ پائپ کا سلائیڈنگ والا حصہ ٹوٹ جانے کے سبب اس کی لمبائی اتنی نہیں بچی تھی کہ ہم ایک سیدھ میں لیٹ سکتے۔ اس وقت ہم ایک دوسرے سے جڑے لیٹے تھے۔ ہمارے بدن ایک دوسرے میں پیوست تھے اور سانسوں کی تپش ہمیں اپنے چہروں پر محسوس ہورہی تھی..... ایک دوسرے کی سانسوں کی!

حالات کی ستم ظریفی نے خلافِ توقع ہمیں بے حد قریب کردیا تھا۔ اس پائپ میں ''ٹھنسنے'' کا عمل اس قدر پے چیدہ ہے کہ اس عمل سے گزرے بغیر اس کیفیت کو محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ صدف اپنی پستہ قامتی کے باعث میرے وجود میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ یوں لگتا تھا میں نے کسی بڑے عمر کے بچے کو گود لے لیا ہو!

گود کے تصور سے میرا خیال آپوں آپ ماضی بعید میں بھٹکنے لگا۔ اپنی ماں کی آغوش کی نرمی اور گرمی یادداشت میں محفوظ تھی۔ میں چند لمحات کے لیے اپنی ماں کے منور چہرے کو تخیل کی آنکھ سے دیکھتا رہا پھر سوچ کا دھارا تھائی وانگ کی جانب مڑ گیا۔ اس جوان سال اور چینی کی مورت نے میری خاطر بڑی قربانیاں دی تھیں۔ ابتدائی دنوں میں' میں نے اس کی آغوش کا گداز بھی پرکھا تھا۔

تھائی وانگ بڑی عجیب وغریب عورت تھی۔ وہ سنگاپور میں ایک مساج پارلر چلاتی تھی اور خاصی ثروت والی تھی۔ ہماری ملاقات ایک اتفاق کے تحت ہوئی تھی۔ میں اپنے جہنم مکانی دشمن دارا سے جان بچا کر چھپتا پھر رہا تھا کہ تھائی وانگ کی ہم راہی مجھے مل گئی۔ وہ مجھ سے عمر میں خاصی بڑی تھی۔ میں اس وقت بارہ تیرہ سال کا تھا یہ عمر تو ناسمجھی اور نادانی کی عمر ہوتی ہے مگر تھائی وانگ کو ہر شے کی سمجھ تھی۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ رکھ لیا تو اس کی ایک حیرت انگیز عادت میرے علم میں آگئی۔

وہ خودسوزی کی عادی ایک اذیت پسند عورت تھی۔ اس کے اس فعل کے پیچھے کیا نفسیاتی عوارض تھے' اس سے قطع نظر مجھے تھائی وانگ کی حالت پر بہت افسوس ہوتا۔ میں کم عمری میں بھی کڑیل جوان نظر آتا تھا۔ میری صحت اول دن سے قابلِ رشک رہی ہے۔ تھائی وانگ مجھ سے بری طرح چپٹی۔ میں اس کی فرمائش پر اس کی پشت کو چرمی ہنٹر سے ادھیڑ کر رکھ دیتا۔ وہ اس دوران میں مسلسل سسکی رہتی۔ یہ اس کا انجوائے کرنے کا ایک انداز تھا۔ ازاں بعد وہ اپنے گھائل بدن پر مچھی سے مرہم بھی لگواتی۔ گویا میں ہی اس کا قاتل اور میں ہی مسیحا تھا! میں ہی چیرہ دست اور میں ہی چارہ گر تھا!

بعد میں اس نے میری محبت میں اپنی اذیت ناک عادت سے چھٹکارا پالیا مگر میرے دشمنوں نے اسے زندگی سے چھٹکارا دلا دیا۔ وہ اپنا کاروبار' مال اور جائداد پہلے ہی میری دوستی کی پاداش میں تباہ کرچکی تھی۔ ایک جان بچی تھی سو وہ بھی نچھاور کردی!

جب میں اس کی مرہم کاری سے فارغ ہوتا تو وہ مجھے اپنی آغوش میں بھر کر بہت پیار کرتی۔ اس کے پیار میں بڑی حدت اور شدت ہوتی۔ میں ان گداز اور سرفراز لمحات کو زندگی بھر فراموش نہیں کرسکتا۔ میرے ذہن میں اس وقت کوئی گندی سوچ نہ ہوتی۔ شاید اسی لیے..... ہاں اسی لیے تھائی وانگ کی آغوش کی نرماہٹ اور اس کی بانہوں کی گرماہٹ مجھے مامتا کی لذت سے آشنا کردیتی۔

''کس سوچ میں گم ہوگئے وجدان؟''

صدف کی استفسار یہ سرگوشی نے مجھے چونکا دیا۔ میں واقعی تھائی وانگ کے تصور میں گم ہوکر رہ گیا تھا۔ میں نے بات بناتے ہوئے جلدی سے کہا ''یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ہم کب تک اس چوہے دان میں پھنسے لیٹے رہیں گے!''

وہ کسمسائی اور بولی ''میرا خیال ہے ہمیں یہاں پناہ لیے دس منٹ سے زیادہ ہوگئے ہیں۔''

یقیناً اتنا وقت گزر گیا ہوگا۔ ماضی کا ایک دریچہ جھانکتے ہوئے وقت کی رفتار کا اندازہ نہیں رہا تھا۔ میں نے پوری طرح پائپ میں حاضر ہوتے ہوئے کہا۔

''کافی دیر سے وہ منحوس سائرن بھی سنائی نہیں دیا۔ لگتا ہے وہ ہماری تلاش میں ناکامیاب ہوکر کسی اور طرف نکل گئے ہیں۔ ہم بلاخوف وخطر باہر نکل سکتے ہیں۔''

اس پائپ سے باہر نکلنا ایک کارے دارد تھا۔ انسان کے تعاقب میں اگر شکاری کتے لگے ہوں تو وہ پندرہ بیس فٹ کی بلندی رکاوٹ کو بھی عبور کرجاتا ہے۔ جان بچاتے وقت اکثر ناممکن کام ممکن ہوجاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی اسی قسم کا سلسلہ ہوا تھا۔ اس وقت افراتفری میں کسی طرح گھس گھسا کر ہم پائپ کے اندر لیٹ تو گئے تھے مگر اب ہمارے بدن ایک دوسرے میں بڑے الجھن بھرے انداز میں پیوست تھے۔ ہم باری باری باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ ہمیں ایک ساتھ ''یک بدن دوقالب'' کے روپ میں خارج ہونا تھا..... گرم جوش معانقے کے رنگ میں!

میں نے صدف کو ترکیب بتائی تو وہ تھوڑی متامل نظر آئی۔ میں نے کہا ''اور کوئی صورت نہیں ہے۔ ہم پائپ کو کاٹ کر باہر نکلنے کا انتظار نہیں کرسکتے!''

''ٹھہرو میں کوشش کرتی ہوں۔'' وہ جلدی سے بولی۔

پھر وہ اپنے بدن کو سمیٹتے ہوئے نیچے کی جانب کھسکنے لگی۔ شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوجاتی لیکن بر وقت مجھے ایک شرارت سوجھی۔ میں نے اپنے فعل کو ''شرارت'' فرض کیا ہے۔ جیسے الجبرا میں ''ایکس'' سے کام لیا جاتا ہے۔ میں نہیں جانتا وہ کیا حرکت تھی۔ کوئی شرارت تھی یا ایکس وائی زیڈ! وہ جو کچھ بھی تھا بے ساختہ اور بے اختیار تھا۔ میں اسے کوئی نام دینے سے قاصر ہوں شاید وہ اس سچویشن کا اثر تھا!

بہرحال جیسے ہی صدف نے پائپ کے سرے کی سمت سرکنے کی سعی کی میں غیر محسوس طریقے سے اس کی کوشش میں رکاوٹ بننے لگا۔ یہ باڈی کی جنبشوں کا ٹیکنیکل کمی نیشن تھا۔ صدف کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ شکست خوردگی کے انداز میں بولی۔

''لگتا ہے اس پائپ کو ہمارے اوپر رکھ کر تیار کیا گیا ہے!''

''مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہورہا ہے۔'' میں نے کہا ''میں بھی اس انگریز کی طرح حیران ہورہا ہوں جو پہلی مرتبہ ایشیا کے دورے پر نکلا تھا!''

''کون سا انگریز؟'' صدف نے چونکے ہوئے لہجے میں دریافت کیا ''یہ تم کون سا قصہ لے بیٹھے وجدان؟''

میں نے شگفتہ سرگوشی کی ''تمہارا استفسار تکنیکی اعتبار سے درست نہیں۔ میں یہ قصہ لے کر بیٹھا نہیں بلکہ لیٹا ہوا ہوں۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے سنجیدگی سے اضافہ کیا ''اور وہ قصہ بھی سن لو۔ پتا نہیں زندگی پھر اتنی مہلت دے یا نہ دے!''

وہ مجھ میں پھنسے پھنسے سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔ اس کے انداز میں بڑی محویت تھی جیسے ننھے بچے پورے انہماک

سے دادی اماں کی کہانی سننے بیٹھتے ہیں۔

میں نے اس کے کان کے نزدیک اپنا منہ لے جاتے ہوئے کہا ''کوئی انگریز ایشیا کے دورے پر نکلا۔ پتا نہیں پاکستان یا ہندوستان میں اسے دو حیرتوں سے سامنا ہوا۔ اس نے وہاں کی عورتوں کو ساڑی میں ملبوس دیکھا تو تعجب سے سوال کیا ''ان عورتوں نے یہ لباس کس طرح پہنا ہے؟ کسی ظریف نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا ''مسٹر! یہ لباس تیار نہیں ہوتا جو کوئی عورت اسے پہن لے۔ پھر؟ انگریز نے پوچھا۔ بتانے والے نے بتایا' اس لباس کو عورت کے بدن پر رکھ کر ہی تیار کیا جاتا ہے لہٰذا پہننے اتارنے کا کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ لائف ٹائم گارنٹی والا ڈریس ہے انگریز بھائی؟''

''بڑا دل چسپ واقعہ ہے۔'' صدف نے ترنگ سے بھرپور انداز میں کہا۔

میں نے کہا ''اسی انگریز بہادر کو ایک حلوائی کی دکان پر بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں گرما گرم جلیبیاں تیار رکھی تھیں۔ اس نے عجیب ساخت کی مٹھائی کو دیکھا چکھا اور حیرت سے بولا ''اس گنجلک نلکی میں شیرہ کس طرح بھرا گیا؟ کسی من چلے نے برسوں کی غلامی کا بدلہ لینے کے لیے انگریز کو بے وقوف بنانے کی خاطر بتایا' پہلے ایک خالص طریقے سے جلیبی تیار کی جاتی ہے۔ طریقہ اتنا مشکل ہے کہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا بس اتنا سمجھ لو کہ تیار جلیبی کے اندر انجیکشن کی مدد سے شیرہ داخل کیا جاتا ہے!''

''ہاؤ انٹریسٹنگ!'' وہ دھیمی آواز میں چہکی۔ اس کی چہکار میں بڑی زندگی تھی۔

میں نے کہا ''اس پائپ کا قصہ بھی کچھ ''ساڑی اور عورت'' جیسا ہی ہے۔''

وہ خاموش اور گہری نظر سے مجھے تکتی چلی گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا' صدف کی نظر میرے پار اتر جائے گی۔ اس کی نگاہ میں عقابی تیزی اور تندی تھی۔

باتیں بہت ہو چکی تھیں لہٰذا ہم ایک دوسرے میں پیوست اس پائپ سے باہر آ گئے۔ پارک کے اندر ہنوز خاموشی اور سکون تھا۔ چند لمحات کے بعد میں اس امن و امان کا راز بھی کھل گیا۔ پہلے میں یہی سمجھا تھا شاید پارک میں داخلے کا وقت ختم ہو گیا ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اس پارک کا گیٹ ابھی تک کھلا تھا.....اور شاید ہمیشہ کھلا رہتا ہوگا۔ میں نے پارک میں موجود آٹھ دس بینچز پر مدہوش انسانوں کو سوتے ہوئے پایا۔ ایسا نظارہ میں ایک دو اور پارکس میں بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ سب کے سب نشے کے زیر اثر تھے۔ میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس مفلوک الحال لوگ کس مپرسی کی حدوں میں داخل تباہ خیال انسان!

وہ چرس بھری سگریٹس پھونک کر دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑے تھے۔ انسان برداشت کی انتہا سے گزرنے کے بعد خود فراموشی کے بارے میں سوچتا ہے' وہ اپنے آپ سے بے خبر ہو جانا چاہتا ہے تاکہ وہ' وہ نہ رہے جو چھے سمت سے مسائل اور مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ وہ' وہ بن جائے جسے دنیا جہان کا کوئی غم نہیں۔

ایک انسان کو بجھانا گویا پوری انسانیت کو بجھانے کے مترادف ہے۔ ہم لاکھوں' کروڑوں اور اربوں جیتے جاگتے' چلتے پھرتے انسانوں کو اپنے درمیان مٹھی بھر کچلے اور بکھرے ہوئے یہ لوگ نظر کیوں نہیں آتے۔ ہم بہ حیثیت مجموعی اتنے بے حس کیوں ہو گئے ہیں کہ ان گنتی کے افراد کا مداوا نہیں کرتے؟ کیا یہ انسانیت کی تذلیل نہیں!

میں ان سلگتے خیالات کو ذہن میں بسائے پارک سے باہر آ گیا۔ وہ گرومندر والی سائیڈ تھی۔ ہم نے خاموشی سے کلیٹن روڈ کراس کی اور کلیٹن روڈ مارکیٹ کے سامنے کھڑے ہو کر سواری کا انتظار کرنے لگے۔

صدف نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا ''ہماری شیرا کا کیا ہوگا؟''

''کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' میں نے پُرخیال انداز میں جواب دیا ''زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے جھنجھلائے اور سٹ پٹائے ہوئے پولیس والے اسے اٹھوا کر اپنے تھانے لے جائیں۔ منہاس باقر صاحب خود ان لوگوں سے نمٹ لیں گے۔ اب ہم تو اس طرف جانے سے رہے۔''

وہ خاموش ہو گئی۔ چند لمحات کے بعد میں نے پوچھا ''صدف تمہارا کیا ارادہ ہے۔ میں نے سوچا ہے پہلے تمہیں گھر پہنچاؤں پھر اپنے فلیٹ کی طرف نکل جاؤں؟''

''میں فی الحال تمہارے ساتھ جا رہی ہوں' تمہارے فلیٹ پر!''

میں نے قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولی ''تم میرے لباس کا حشر دیکھ رہے ہو۔ کیا میں اس ڈریس اور حلیے میں ماما پاپا کے سامنے جاؤں گی؟'' ایک لمحے کے وقفے سے اس نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ''پھر میری گاڑی بھی تو تمہارے فلیٹ پر پارکنگ میں کھڑی ہے!''

اب میرے خاموش ہونے کی باری تھی۔ پچھلے ایک گھنٹے میں ہم دونوں جس مار ماری دوڑ بھاگ اور افراتفری سے گزرے تھے اس نے ہمارے اندر تھکن بھرنے کے ساتھ ہی ہمارے حلیوں کا بھی کباڑا کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر اس مختصر ''پائپ نشینی'' نے پوری کر دی تھی۔ صدف میرے فلیٹ پر پہنچ کر اپنی حالت درست کر سکتی تھی۔ وہاں مناسب میک اپ کے سامان کے علاوہ زرگل کے چند ملبوسات بھی دستیاب تھے۔ میں نے اس کے فیصلے پر صاد کر دیا۔

اسی لمحے ایک ییلو کیب مل گئی۔

☆☆☆

اس وقت رات کے بارہ پانچ کا عمل تھا!

تھکی ماندی رینگتی کھسکتی وہ ناگن صفت شب اپنا آدھا راستہ طے کرنے کے بعد نئے دن کا آغاز کر چکی تھی۔ انگریز نے بھی کیا دماغ پایا ہے۔ پوری کائنات کا دن طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور یہ نصف شب سے اپنی تاریخ بدلتے ہیں۔ ہم سال ہا سال سے ان کے غلام رہے ہیں لہٰذا ہمارے غلام ذہن ان کی اندھی تقلید پر آج بھی مجبور نظر آتے ہیں۔

جن قوموں کا اپنا کلچر' تہذیب' روایت اور اصول و ضوابط نہیں ہوتے انہیں زندگی بھر دوسروں ہی کا دستِ نگر رہنا پڑتا ہے!

صدف کو رخصت ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا اور اب میں بھی شاور لینے کے بعد فریش اپ ہو چکا تھا۔ میں ٹیلی فون سیٹ کے پاس آ بیٹھا اور پہلے منہاس باقر کے گھر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وہ پتھر جگر اور آہنی اعصاب کا مالک شخص غروب آفتاب سے چند لمحے پہلے پورے سات افراد کو سپرد خاک کر چکا تھا۔ فرحت بیگم اور واحد تو اس کے فیملی ممبر تھے اس کی بیوی اور بیٹا تھے مگر وہ اپنے دو گھریلو ملازمین اور تین سیکورٹی گارڈز کا بھی ان داتا تھا۔

وہ ان کے دکھ درد کا ساتھی اور کفیل تھا' گویا اس نے آج شام اپنی فیملی کے چھ افراد کو لحد میں اتارا تھا۔ سہیل کا تعلق فیصل آباد سے تھا۔ اس کی لاش کو آبائی گاؤں بھیجنے کا بندوبست کر دیا گیا۔

رابطہ ہونے پر میں نے منہاس سے ایسی بے مقصد باتیں کیں جن سے اس کا غم غلط ہو سکے۔ بعض اوقات بے مقصد اور فضول باتیں بھی بہت کارگر اور بامقصد ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے' کسی شے کو کارخانۂ قدرت میں بے کار نہ سمجھو۔ ہاں فی الحال تمہیں اس بہ ظاہر بے کار نظر آنے والی چیز کی افادیت اور کام معلوم نہیں!

میں مختلف حیلوں بہانوں سے اس کی اشک شوئی نما دل جوئی میں لگا رہا۔ اچانک وہ موضوع بدل کر میری جانب رخ

ذاتی ہپناٹزم

مصنف: ڈاکٹر اے ایم ہچنس ایم ڈی

اپنے آپ کو ہپناٹائز کر کے اپنی کمزوریاں اور خرابیاں دور کریں

- ہپناٹیزم کی تاریخ
- ہپناٹک نیند پیدا کرنے کے طریقے
- ظہورات ہپناٹیزم
- مشورات
- ہپناٹیزم کی مختلف تھیوریاں
- ذاتی مشورات
- طبی علاج

قیمت:-/25 روپے | ڈاک خرچ:-/23 روپے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطہ کیلئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی

پھیر بیٹھا اور مجھ سے میری تازہ ترین سرگرمیوں کے بارے میں پوچھنے لگا۔ میں نے مختصر الفاظ میں اسے اپنی کارکردگی سے آگاہ کیا۔ پھر سفید شیرڈ کے بارے میں اپنی تشویش کا اظہار بھی کردیا۔

وہ سرسری انداز میں بولا ''شیرڈ پر تم مٹی ڈالو۔ وہ تمہاری سلامتی کا پاسنگ بھی نہیں میں اسے پولیس کے قبضے سے اس طرح نکالوں گا جیسے مکھن میں سے بال نکالا جاتا ہے۔''

ہمارے درمیان تھوڑی دیر مزید گفتگو ہوئی۔ میں نے اسے قدرے سنبھلا ہوا محسوس کیا تو اجازت چاہی ''ٹھیک ہے منہاس صاحب! آپ آرام کریں' صبح بات ہوگی۔''

''تم اپنے محاذ پر ڈٹے رہنا!'' اس نے گمبھیر آواز میں مجھے ہدایت دی۔

''او کے منہاس صاحب!'' میں نے یہ کہتے ہوئے ٹیلی فونک سلسلہ موقوف کردیا۔

دوسرا فون میں نے منہاس کے زیر تعمیر بنگلے پر شہزاد کو کیا۔ شہزاد وہاں زرگل کے ساتھ فیصل کی نگرانی پر مامور تھا۔ فیصل کو میری نگرانی میں' تدفین سے تھوڑی دیر پہلے بھائی کالونی والے ٹھکانے سے مذکورہ بنگلے میں منتقل کیا گیا تھا۔

فون زرگل نے ریسیو کیا۔ میری آواز پہچانتے ہی بولی ''تم کیسے ہو وجدان؟''

میں نے اپنے کیسے ہونے کا مختصر احوال بیان کیا تو وہ خاصی افسردہ ہوگئی۔ میں نے پوچھا ''تمہیں تو وہاں کوئی پریشانی نہیں ہے نا؟''

''ہے ایک پریشانی۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

میں نے چونک کر پوچھا ''کیسی پریشانی زرگل؟''

''یہاں پر تم موجود نہیں ہو۔''

''تو؟'' میں الجھ گیا ''کیا شہزاد کے ساتھ تم ان ایزی فیل کرتی ہو؟''

''یہ بات نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی ''بس میں تمہارے ساتھ ایزی فیل کرتی ہوں۔''

''اوہ!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا ''زرگل! میں ایک وقت میں' ایک ہی جگہ پر موجود رہ سکتا ہوں۔ خدانخواستہ میں کوئی خدا تو نہیں!''

وہ موضوع سے کنی کاٹتے ہوئے بولی ''پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو!''

میں نے اس کے دانستہ احتراز کو سمجھتے ہوئے ٹاپک بدل دیا اور پوچھا ''شہزاد کہاں ہے؟''

''وہ چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے بنگلے کا ایک چکر لگانے گیا ہے۔'' زرگل نے بتایا ''وہ بڑا چوکنا اور محتاط آدمی ہے۔''

شہزاد کی اس صلاحیت کا انکشاف میرے لیے کوئی انوکھا اچنبھا بات نہیں تھی۔ میں نے زرگل سے استفسار کیا۔

''تم ابھی تک سوئی نہیں ہو؟''

''ابھی تو اس شہر کے توے فی صد لوگ جاگ رہے ہیں۔''

''مگر تم دوسرے شہر سے آئی ہو۔ لاہور میں لوگ جلدی سونے کے عادی ہیں!''

''میں اپنے حالات کی عادی ہوں۔ وہ کیا کہتے ہیں' جیسا دیس ویسا بھیس۔'' وہ فلسفیانہ انداز میں بولی ''انسان کو حالات اپنے ڈھنگ میں جینا سکھا دیتے ہیں۔'' اس نے ذرا توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے بتانے لگی ''ویسے شہزاد واپس آکر اپنی ڈیوٹی سنبھال لے تو میں سونے کی کوشش کروں گی۔''

اس نے ڈیوٹی کا ذکر کیا تو میرا خیال فیصل کی طرف چلا گیا۔

''ہمارا مہمان چوہدری زادہ کیسا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''خوش باش ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولی ''ہماری خاطر داری میں خاصا ری لیکس محسوس کررہا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے شہزاد سے کافی باتیں بھی کی ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے' وہ ہوش وحواس میں آچکا ہے؟''

''ایسا ویسا!'' وہ دبے جوش کا اظہار کرتے ہوئے بولی ''مجھے تو لگتا ہے وہ پوری طرح فٹ ہے۔''

میں نے پوچھا ''شہزاد سے اس کی کیا باتیں ہوئی ہیں؟''

''میں نے شہزاد سے پوچھا نہیں۔'' وہ بولی پھر چونکے ہوئے انداز کے ساتھ کہنے لگی ''شہزاد آگیا ہے لو تم اس سے بات کرلو۔''

اگلے ہی لمحے مجھے انٹرپیس میں شہزاد کی مخصوص ''ہیلو'' سنائی دی۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے پوچھا ''محاذ کا کیا حال ہے۔ تم میدانِ جنگ کی سرحدوں کا جائزہ لے کر آگئے؟''

میں نے ذومعنی انداز میں بنگلے اور اس کے گردوپیش کی خیریت دریافت کی تھی۔ وہ میرے استفسار کی گہرائی میں اترنے کے بعد بولا ''تم پوری طرح مطمئن رہو۔ میری مرضی کے بغیر یہاں پر ایک پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔''

''ویری گڈ'' میں نے سراہنے والے انداز میں

کہا پھر پوچھا ''فیصل سے تمہاری کیا بات ہوئی ہے۔ زرگل نے مجھے بتایا ہے' وہ خاصا اسمارٹ نظر آنے کی کوشش کررہا ہے!''

''تمہیں بالکل صحیح بتایا گیا ہے۔ وہ پوری طرح چاق و چوبند ہے۔'' شہزاد نے تائیدی الفاظ میں جواب دیا ''وہ مجھ سے دو دو ہاتھ کی بات کررہا تھا اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے اور تمہیں بزدل ہونے کا طعنہ بھی دیا۔ وہ مجھے طیش دلانے کی کوشش کررہا تھا۔ کہنے لگا یہ تم لوگوں کی کوئی مردانگی ہے جو مجھے اپنی زنجیروں میں جکڑ کر خوش ہورہے ہو۔ اگر طاقت اور ٹیکنیک کا مقابلہ کرنا ہے تو مجھے آزاد کرکے دیکھو۔ چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا تو میرا نام بھی چوہدری فیصل نہیں۔''

''تو پھر تمہارا کیا ارادہ ہے۔'' میں نے چھیڑنے والے انداز میں کہا ''چھٹی' ساتویں اور آٹھویں کا دودھ تمہیں یاد ہے یا ڈائریکٹ میٹرک کا منصوبہ ہے؟''

وہ میرے لطیف مذاق کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا ''میں تو اس کی منصوبہ بندی کا خیال پالے بیٹھا ہوں۔'' اس کے لہجے میں چٹانی کیفیت پائی جاتی تھی ''وجدان! ایک مرتبہ تم فیصل کو میرے حوالے کردو۔ میں نے بڑے 'ارمان' نکالنا ہیں۔ اس کی ہڈیوں کا چورا نہ کردیا تو.....''

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے ''یہ چورا کس بازار میں فروخت کرو گے؟''

''وجدان! تم تصور نہیں کرسکتے کہ میں فیصل کے لیے اپنے دل ودماغ میں.....''

''مجھے ہر بات کا اندازہ ہے۔'' میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی ''تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں دل و دماغ کی آتش بجھانے کا موقع ضرور دوں گا۔ کل تم میری ریفری میں اپنی اپنی طاقت کو آزماؤ گے۔''

وہ جوشیلے لہجے میں بولا ''تم نے دل خوش کردیا وجدان!''

''میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں' فیصل نے مارشل آرٹس کے میدان میں کیا چن رکھا ہے!''

''میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا وجدان!''

''ان انشاءاللہ! ایسا ہی ہوگا۔'' وہ تیقن سے بولا۔

میں نے کہا ''مجھے تم سے یہی امید ہے۔''

وہ یک لخت موضوع بدل کر مجھ سے میرے بارے میں پوچھنے لگا۔ میں نے اسے پی ای سی ایچ سوسائٹی کے بنگلے میں پیش آنے والے واقعات کی آگاہی دی۔ اس نے پوری

اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا منفرد کتابچہ

ٹیلی پیتھی کا حیرت انگیز اور مستقبل بینی کا

مصنف: ڈاکٹر ایس صدیقی

اپنا پیغام دوسروں کے ذہنوں تک پہنچانے اور ان کے دل کا حال جاننے کا سائنسی طریقہ

قیمت: -/40 روپے | ڈاک خرچ: -/23 روپے

کتاب کے چند عنوانات

ٹیلی پیتھی
- خیر وشر کی مشق
- تخت الثریٰ
- ادراکی مخفی قوت
- جیالت کی کارفرمائیاں
- مابیت انکار
- متبادل طرز تجسس
- اشتمال انکار
- ادراکی کشمکشیں
- مسترات اشتمال انکار

مستقبل بینی
- انسان
- غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک
- نفس امارہ
- قوتوں کا سرچشمہ
- مستقبل بینی
- اٹل حقیقت
- بعض چشم دید واقعات
- طاقت ور احساسات
- مستقبل بینی کے مضمرات
- اچھے اور برے پہلو

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کیلئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی

توجہ سے میری بات سنی۔ جب میں خاموش ہوا تو وہ کہنے لگا۔

''وجدان! تمہارے لیے میرے پاس ایک گڈ نیوز ہے!''

''گڈ نیوز!'' میں نے اس کے الفاظ دہرائے ''یعنی خوش خبری۔''

وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''وجدان! میں نے یہ وقت اس بنگلے میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں گزارا۔ میں ایک گھنٹے کے لیے فیصل کوزر گل کی سپردگی میں دے کر باہر گیا تھا اور میں نے اپنے ذرائع سے بہت کچھ معلوم کیا ہے۔ سنو گے تو دل خوش ہو جائے گا۔''

شہزاد نے اپنے جن ذرائع کا حوالہ دیا' میں ان سے بہ خوبی آشنا تھا۔ وہ ایک چلتا پرزہ قسم کا بندہ تھا۔ کرائم رپورٹر کی نادیدہ اور طلسمی قوت کا مجھے پہلی مرتبہ ادراک ہوا۔ شہزاد کی زبانی مجھے معلوم ہوا تھا' بعض طاقتور کرائم رپورٹر کو تھانے والوں سے باقاعدہ بھتا بھی وصول کرتے ہیں۔ خبروں کی فراہمی تو بہت معمولی سی بات ہے۔ اگر تھانے والے یہ بھتا نہ دیں تو رپورٹر ان کی مخالفت میں الٹی سیدھی رپورٹ چھاپ کر ان کا بھٹا بٹھا دے۔

پولیس ڈیپارٹمنٹ کے بارے میں عمومی طور پر یہی خیال پایا جاتا ہے کہ ان کی اکثریت مرتشی ہوتی ہے۔ اسی منظر کو ذہن میں لائیں جب ان لوگوں کو اپنی ساکھ بچانے کے لیے ایک راشی کا کردار نبھانا پڑتا ہوگا!

ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ گویا' کمزور ہمیشہ طاقتور کی خوراک رہا ہے۔ اب یہ طاقت والے کی مرضی اور موڈ پر منحصر ہے کہ وہ بے بس اور کمزور کو ذہنی طور پر نچوڑے یا جسمانی طور پر ہڑپ کر جائے۔ آخرالذکر کو بہ ہر صورت اس کا نوالہ بننا ہوتا ہے!

میں نے شہزاد کی جوش بھری سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے پوچھا ''اس خوش خبری کا تعلق کس سے ہے؟''

وہ بولا ''جے ڈی ملک سے۔''

میں اچھل کر رہ گیا ''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مطلب یہ کہ میں نے جے ڈی ملک کا سراغ لگا لیا ہے۔'' وہ بڑے رسان سے بولا۔

میں شہزاد کے ذرائع معلومات سے واقف ہونے کے باوجود بھی پوچھے بنا نہ رہ سکا ''کیسے؟''

اس نے میرے ''کیسے؟'' کے جواب میں جو تفصیل بتائی اس کے مطابق جے ڈی ملک عارضی طور پر اپنے گھر سے ہجرت کر گیا تھا۔ اس وقت وہ اپنے دوست صفدر علی کے بنگلے میں مقیم تھا۔ صفدر علی نامی یہ شخص نارتھ ناظم آباد علاقے میں رہتا تھا۔

نارتھ ناظم آباد کے ذکر پر میرا ماتھا ٹھنکا۔ یہ علاقہ ڈسٹرکٹ سینٹرل میں واقع تھا۔ مذکورہ ضلع کراچی کا سب سے زیادہ اہم اور حساس ٹکڑا تھا..... جس طرح شعیب غوری نے اپنی تنظیم سی ایف کے (کرائم فری کراچی) کا ہیڈ ضلع ٹھٹھا بنا رکھا تھا۔ اس طرح سینٹرل میں بھی اس کا اڈا موجود تھا۔ مجھے اس طرف جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ میرے چونکنے اور ٹھٹھکنے کا سبب یہ تھا کہ کہیں جی ڈی ملک نے شعیب غوری کے ''سینٹرل'' میں پناہ تو نہیں لے رکھی!

یہ امکان قرین قیاس تھا کیوں کہ جب سے شعیب غوری اور چوہدری نوازش میں دوستی ہوئی تھی' دونوں سرکٹ کے لوگ آپس میں گھل مل گئے تھے۔ اس کی تازہ ترین مثال جے ڈی ملک اور نادر زمان کا گٹھ جوڑ تھا۔ نادر زمان تو پتا نہیں اب کہاں ہوگا..... اور ہوگا بھی یا نہیں! البتہ شہزاد کے انکشاف سے یہ ضرور سوچا جا سکتا تھا 'صفدر علی نامی وہ شخص ''سینٹرل'' کا کرتا دھرتا بھی ہو سکتا تھا! یہ ایک نہایت ہی اہم اطلاع تھی میرے لیے۔

میں نے شہزاد سے کہا ''میں تمہاری فراہم کردہ معلومات کو شک کی نظر سے تو نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے بتاؤ جے ڈی ملک ڈیفنس سوسائٹی سے نارتھ کب گیا ہے؟''

''آج بعد از دوپہر'' اس نے جواب دیا ''اپنے بنگلے پر پیش آنے والے خونیں واقعے کو نمٹانے کے بعد وہ بنگلا لاک کر کے صفدر علی کے گھر چلا گیا تھا۔''

میں نے کہا ''اپنا بنگلا لاک کرنے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے وہ آج کی تاریخ میں واپس نہیں آئے گا!'' میرا یہ اندازہ امکانات پر مبنی تھا۔

''میں نے اس سلسلے میں بھی سن گن لینے کی کوشش کی ہے۔'' شہزاد وضاحت کرتے ہوئے بولا ''وہ ایک دو دن وہاں رکے گا' جب تک ادھر کے حالات سازگار نہیں ہو جاتے۔''

میں نے چند لمحے سوچنے کے بعد شہزاد کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا تو وہ چونک اٹھا۔ حیرت بھرے لہجے میں بولا ''کمال ہے میں نے اس زاویے سے غور نہیں کیا تھا۔ عین ممکن ہے جے ڈی ملک نے شعیب غوری ہی کے کسی

ٹھکانے پر پناہ لی ہو!''

''تم نے اس زاویے پر اس لیے دماغ نہیں کھپایا کہ تمہاری سوچ کے کینوس پر ابھی تک سی ایف کے پوری طرح ابھری نہیں۔'' میں نے وضاحت کی ''اور نہ ہی چوہدری شعیب کے الحاق پر تم زیادہ توجہ دے رہے ہو۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ منہاس صاحب کے ساتھ پیش آنے والے خون چکاں واقعے نے تمہارے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو متاثر کیا ہو!''

وہ تائیدی انداز میں بولا ''تم بالکل درست سمت میں قیاس آرائی..... بلکہ حقائق نمائی کر رہے ہو۔ میں آج صبح سے بہت اپ سیٹ ہوں۔''

''ایسا ہونا بھی چاہیے۔ تمہارا یہ ردِعمل عین فطری ہے۔'' میں نے ہمدردی سے بھرپور لہجے میں کہا ''انسان ایک حساس اور باشعور مخلوق ہے۔ اپنے پیاروں کو ملنے والی خوشی اور غم سے اسے متاثر ہونا چاہیے ورنہ اس میں اور پتھر میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔''

وہ سوالیہ انداز میں بولا ''وجدان! جب کوئی شخص قدم قدم پر ہمیں فائدہ پہنچاتا ہے تو ہم اسے خیر خواہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ہمیں مسلسل نقصان پہنچانے پر کمربستہ ہو جائے تو وہ ہمارے دشمنوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔ اپنے دوستوں اور دشمنوں کا حساب تو چکتا کرتے رہنا چاہیے نا؟''

میں بڑی حد تک اس کی بات سمجھ گیا تھا تاہم انجان بنتے ہوئے پوچھا ''میں سمجھا نہیں' تم کہنا کیا چاہتا ہو؟''

''میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں۔'' وہ وضاحتی انداز اختیار کرتے ہوئے بولا ''منہاس باقر صاحب میرے خیر خواہوں میں ٹاپ آف دی لسٹ کا اعزاز رکھتے ہیں۔ انہوں نے مجھ پر ان گنت احسانات کر رکھے ہیں۔ میں ان سلوک لمحات کو شمار کرنے بیٹھوں تو زندگی بیت جائے لیکن گنتی ختم نہ ہو۔'' اس کی آواز میں بھراہٹ اتر آئی۔ ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد بولا۔

''وجدان! کیا میں نے چوڑیاں پہن لی ہیں یا میں اتنا ہی گیا گزرا ہوں کہ اپنے اس عظیم محسن کو پہنچنے والے نقصان کا حساب نہ مانگ سکوں؟ کیا فرحت بیگم اور واجد کا خون مجھ سے کوئی تقاضا نہیں کرتا؟ میری یہ جان اور طاقت کس کام کی کہ میں ان سفاک قاتلوں کا ایک بال بھی بانکا نہ کر سکوں؟''

شہزاد اس وقت بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔ میں نے سمجھانے والے انداز میں اسے تسلی دی ''شہزاد! منہاس کے بنگلے پر خون کی ہولی کھیلنے والے درندوں کو میں نے دردناک عذاب میں مبتلا کرنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تم خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔''

وہ بے طرح پھٹ پڑا ''تم اتنے اطمینان سے اس لیے بات کر رہے ہو کہ تم نے ان چار کمانڈوز کو ہلاک کر کے اپنے جگر میں ٹھنڈک اتار لی ہے۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میرے دل و دماغ میں جو الاؤ روشن ہے میں اسے کس کے خون کے چھینٹوں سے بجھاؤں۔ ہر شخص کا اپنا معاملہ ہوتا ہے۔ مجھے ایک بات بتاؤ وجدان!''

وہ بڑے ہیجان خیز انداز میں رکا پھر مجھ سے مستفسر ہوا ''ہم دونوں بھوکے ہوں۔ تم پیٹ بھر کر کھانا کھا لو اور میں سامنے بیٹھا للچائی ہوئی نظر سے تمہیں دیکھتا رہوں۔ کیا اس دیکھن دکھن میں میری بھوک مٹ سکتی ہے؟''

''ہرگز نہیں!'' میں نے قطعیت سے کہا۔

''تو پھر میرے سکون کا کوئی بندوبست کرو!''

''تم کیا چاہتے ہو۔'' میں نے کہا ''تمہارے ذہن میں کچھ تو ہوگا؟''

وہ بولا ''چار کمانڈوز کو تو تم نے جہنم کا ویزا دلا کر روانہ کر دیا مگر ان کا باوا آدم ابھی زندہ ہے۔ انہوں نے اسی شخص کے ایما پر منہاس صاحب کے بنگلے کو قبرستان میں تبدیل کیا تھا۔ میں جے ڈی ملک کے خون سے اپنی پیاس بجھانا چاہتا ہوں۔''

''ڈن!'' میں نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

میرا یہ فیصلہ حالات کا تقاضا اور شہزاد کو لاحق انتقامی مرض کا علاج تھا۔ اگر اس موقع پر اسے اپنے اندر لگی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا راستہ نہ ملتا تو اس کا دماغ بھی الٹ سکتا تھا اور ویسے بھی جے ڈی ملک برے ترین سلوک کو مستحق تھا۔ اس کا زندہ رہنا بہت سے انسانوں کے لیے ایک مسلسل عذاب کے مترادف تھا۔

آئندہ دو منٹ میں ہمارے درمیان جے ڈی ملک کو چھاپنے کا منصوبہ زیر بحث رہا پھر ہم اس فیصلے پر پہنچے کہ کل ادھر کا رخ کیا جائے گا۔ شہزاد میری تائید اور تعاون پا کر قدرے مطمئن ہو گیا تو میں اسے نارمل کرنے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں اس نے ایک عجیب سوال کیا۔ مجھ سے پوچھنے لگا۔

''یہ زرگل کیسی لڑکی ہے؟''

اس کے استفسار نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے پوچھا ''تم کس حوالے سے پوچھ رہے ہو؟''

وہ گڑبڑا گیا ''بس ایسے ہی.....''

ایک بات تو یہ طے تھی کہ زرگل اس وقت شہزاد کے قریب موجود نہیں ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ اس نے خاصے پُراسرار انداز میں سوال کیا تھا۔ لامحالہ مجھے کچھ شک سا ہوا۔ پھر اس کی گڑبڑاہٹ نے مزید مجھے متذبذب کردیا۔

میں نے کریدنے والے انداز میں کہا ''بس ایسے ہی کا کیا مطلب ہوا شہزاد؟''

وہ اور بوکھلا گیا۔ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا ''وہ پچھلے چند دنوں سے تمہارے ساتھ ہے نا..... تم نے اسے کیسا پایا ہے؟''

اس کی بوکھلاہٹ اور ہچکچاہٹ نے مجھے بتایا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ میں نے معنی خیز لہجے میں کہا ''یار! وہ جب سے میرے ساتھ ہے مجھے اس کے بارے میں سوچنے اور سمجھنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ کیسا پایا اور کیسا کھویا کے بارے میں کیا بتاؤں لیکن.....''

میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ذرا توقف کیا پھر اپنے شک کی تصدیق کی خاطر پوچھا ''تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے براہ راست اسی سے کہو۔''

وہ جذبات میں آکر انگریزی پر اتر آیا ''اوکے! آئی ول ٹرائی۔''

''یو شڈ ہیو ٹرائی۔'' میں نے کہا ''اینڈ ٹرائی اٹ اپ!''

اس کے ساتھ ہی ہمارے درمیان ٹیلی فونک رابطہ موقوف ہوگیا۔

میں ریسیور کو کریڈل کرنے کے بعد زرگل اور شہزاد کے بارے میں سوچنے لگا۔ شہزاد کے لیے یہ ایک مشکل ٹاسک تھا۔ زرگل آسانی سے اس کے قابو میں آنے والی نہیں تھی لیکن اس کھیل میں حتمی طور پر کوئی فتویٰ جاری نہیں کیا جاسکتا۔ سنا اور دیکھا بھی ہے کہ اس راہ میں ہر شخص کا تجربہ نیا ہے۔ اگر شہزاد کی لگن سچی اور کوشش پکی ہوئی تو اس کی محنت رائگاں نہیں جاسکتی تھی۔ حصول اور جستجو ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم رشتے سے بندھے ہوئے ہیں۔ کچھ عجب نہیں تھا کہ شہزاد کی جستجو زرگل کو اس کے قریب لے آتی۔ میں نے ان کے ملاپ کے لیے خلوصِ دل سے دعا کی اور کمرے میں حاضر ہوگیا۔

دیوار گیر کلاک ساڑھے بارہ بجا رہا تھا۔ طارق روڈ ایک شاپنگ ایریا ہے۔ عموماً دس سے گیارہ بجے تک دکانیں کھلی رہتی ہیں۔ اس کے بعد اچانک سناٹا چھا جاتا ہے۔ اکّادکّا گاڑیوں کے گزرنے کی آواز کے سوا کوئی صدا نہیں ابھرتی۔ یہاں کی رات خاصی پُرسکون واقع ہوئی ہے۔ سونے سے پہلے میں نے ہلکی پھلکی ایکسرسائز کا ارادہ کیا اور بیڈ سے اتر کر فرش پر آگیا۔

جس طرح زندہ رہنے کے لیے کھانا پینا ضروری ہے اسی طرح مستعد رہنے کے لیے پُرسکون نیند بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آج کا پورا دن مار دھاڑ میں گزرا تھا۔ کل کا سامنا کرنے کے لیے میں ذہنی اور جسمانی طور پر چاق وچوبند ہونا چاہتا تھا لہٰذا ایک پُرسکون نیند ضروری تھی۔ اگر رات سونے سے قبل ہم کی اکا دکا جسمانی مشقیں کرلی جائیں تو تمام اعصاب اور پٹھے ریلیکس ہوجاتے ہیں جو گہری نیند کے لیے بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔

میرے نزدیک انسانی جسم میں تین حصے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ سر پیٹ اور پاؤں۔ سر میں چہرہ بھی شامل ہے۔ پیٹ میں معدے کو اولیت حاصل ہے اور پاؤں تو اول آخر پاؤں ہی ہوتے ہیں۔ ہمارے اندر داخل ہونے والی صحت اور بیماری انہی تینوں حصوں کو اپنا راستہ بناتی ہے لہٰذا ان کی حفاظت، نگہداشت اور صفائی بہت ضروری ہے۔ اپنے ذہن میں ہمیشہ مثبت سوچ کو جگہ دینا چاہئے۔ ہر معاملے کو مثبت انداز میں دیکھنا، سننا اور بولنا چاہئے۔ معدے کی مضبوطی اور صفائی کے لیے سادہ اور بروقت غذا ضروری ہے۔ پاؤں کو حتی الوسع صاف رکھنے کی کوشش کرنا چاہئے مگر سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہم اپنے پاؤں کو بہت حقیر جانتے ہیں، ان پر کم سے کم توجہ دیتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں!

یاد رکھیں پاؤں غیر اہم نہیں ہیں۔ ہم اس کرۂ ارض پر انہی پاؤں کے طفیل جڑے ہوئے ہیں۔ پاؤں اس دنیا میں ہمارے رابطے کا ذریعہ ہیں۔ اگر ہمارے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی جائے تو تصور کریں ہم اس کائنات میں کہاں کھڑے نظر آئیں گے؟

میں نے ہتھ یوگ کا ایک باب ذہن میں کھولا اور پاؤں کو آرام وسکون پہنچانے والی ایک ہلکی پھلکی مشق کرنے لگا۔ زمین پر پنجوں کے بل بیٹھنے کے بعد میں نے اپنے بدن کا سارا وزن ایک ایڑی پر منتقل کردیا، دوسرا پاؤں بوجھ سے آزاد ہوا تو اس ٹانگ کو گھٹنے کے مقام سے تہ کرکے میں نے مذکورہ پاؤں کو دوسرے گھٹنے پر ٹکا لیا جو پہلے ہی ہوا میں معلق تھا۔ دونوں ہاتھوں کو میں نے کمر پر جمایا، ریڑھ کی ہڈی کو عمودی انداز میں تانتے ہوئے میں نے آنکھیں بند کرلیں اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پندرہ سیکنڈ کے بعد میں نے آنکھیں کھول کر..... یہی عمل دوسرے پاؤں کے ساتھ دہرایا اور مشق ختم کردی۔

یہ بظاہر ایک سیدھی سادی اور آسان سی مشق ہے لیکن اس میں ''اسٹے'' والا مرحلہ مبتدیوں کے لیے قدرے دشوار کرسکتے ہیں۔ آہستہ آہستہ جب پریکٹس بڑھے اور توازن قائم ہونے لگے تو ہاتھوں کو کمر پر جمایا جاسکتا ہے۔

اس کم وقتی مشق کے بے پناہ فوائد ہیں۔ پاؤں کی ساری تھکن کو دور کرتی ہے۔ پنڈلیوں اور گھٹنوں کی ایکسٹھن کو ختم کرکے پٹھوں کو مضبوط بناتی ہے۔ کمر درد اور ضعیف عمری کے مختلف مسائل میں بھی مقوی ومعاون ہے۔ ایک وقت میں تین سے پانچ چکر کافی ہوتے ہیں۔

اس کے بعد میں نے بلو پوسچر (لِل آسن) لوٹس پوسچر (کنول آسن) اور مین پوسچر (مچھلی آسن) کا ایک ایک چکر مکمل کیا اور بستر پر آگیا۔

یہ ہر انسان کی عادت ہوتی ہے کہ سونے سے قبل وہ اس روز کے اہم واقعات کو ذہن میں ضرور لاتا ہے۔ یا یوں کہہ لیں وہ واقعات از خود سوچ کے اندر سلسلہ وار چلے آتے ہیں۔ میں بھی اس ہنگامہ خیز دن کا ایک ایک لمحہ یاد کرنے لگا۔ یہ میری زندگی کا مصروف ترین دن تھا۔ آج میں نے بہت کچھ کھویا اور بہت کم پایا تھا۔

اس خیال نے مجھے قدرے افسردہ کردیا کہ میری ساحل ہنوز مجھ سے دور تھی۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا۔ میں اس کے جتنا نزدیک ہونے کی کوشش کرتا وہ مجھ سے اتنے ہی زیادہ فاصلے پر چلی جاتی اور دوری نزدیکی کے اس کھیل میں ساحل کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ بے چاری تو میرے دشمنوں کے رحم وکرم پر تھی۔ ان کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بن کر رہ گئی تھی۔ وہ جیسے ڈوریاں ہلاتے اسے ان کے اشاروں پر ناچنا پڑتا۔

میں اپنی زندگی میں ایسا مجبور اور بے بس پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چوہدری نوازش اور شعیب غوری نے میرے بڑے نازک پہلو پر ہاتھ ڈال رکھا تھا۔ ساحل میرے لیے کسی دکھتی ہوئی رگ سے کم نہ تھی۔ اس کے لیے اپنے دل میں پیدا ہونے والے جذبات کو دیکھ کر میں کبھی کبھی سوچتا، آخر یہ سب کیا ہے؟ میں اس قدر دیوانہ کیوں ہوگیا ہوں؟ کیا یہ میرا پاگل پن نہیں؟ ان تمام سوالوں اور ان جیسے سیکڑوں سوالوں کا صرف ایک ہی جواب آتا..... یہ کچھ بھی نہیں، صرف محبت ہے۔ وہ محبت جو مجھے ساحل سے ہوگئی ہے!

میری زندگی میں دو جنوں لڑکیاں آئیں اور آکر چلی گئیں۔ ہمارے درمیان دل لگی بھی ہوئی مگر ان میں سے کوئی تعلق دل کی لگی نہ بن سکا۔ میں نہیں جانتا، یہ خدا نہیں جانتا تھا کہ یہ دل کی لگی کیا ہوتی ہے! مجھے اس جذبے کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ نہیں تھا۔ میں تو سمندر کے کنارے پر بیٹھا ہوا وہ شخص تھا جو آتی جاتی لہروں کو گنتا رہتا ہے، اور کبھی یہ معلوم نہیں کرپاتا کہ اس سمندر کی گہرائی کتنی ہے۔ سوچ شماری کا مکمل نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔ سمندر کی گہرائی جاننے کے لیے اس کے اندر اترنا پڑتا ہے، خود کو اس کے اندر ڈبونا پڑتا ہے، پھر کہیں جاکر گوہرِ مقصود ہاتھ آتا ہے!

میں ساحل کی تلاش میں محبت کے سمندر میں غرق ہوا جارہا تھا۔ اب مجھے صحیح معنوں میں احساس ہورہا تھا کہ ڈوبنے والے ساحل کی تمنا کیوں کرتے ہیں!

میں نے سونے سے پہلے اپنے دماغ کو مخصوص ہدایت دی اور اپنی جان تمنا ساحل کے تصور سے لپٹ کر نیند کی نرم آغوش میں دبک گیا۔

☆☆☆

اگلی صبح بڑی چمکیلی اور سناٹے دار تھی!

میں ابتدائی مصروفیات سے فارغ ہو کر ناشتے کے لیے بلڈنگ سے باہر آ گیا۔ طارق روڈ پر پائے جانے والے ریسٹورنٹس عموماً دیر سے کاروبارِ زندگی شروع کرتے تھے البتہ میری رہائش سے تھوڑے فاصلے پر ایک ایرانی ریسٹورنٹ ایسا بھی تھا جو علی الصباح مہمان نوازی شروع کر دیتا اور رات گئے تک وہاں آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ مجھے کراچی کے جتنے بھی ایرانی ریسٹورنٹس میں کھانے پینے کا اتفاق ہوا میں نے تمام کی تمام ڈشز کو ذائقے میں ایک جیسا پایا۔ ان کی ریسپیز میں بڑا توازن اور استحکام پایا جاتا ہے۔

میں آدھے گھنٹے بعد واپس فلیٹ پر آ گیا۔ میں راستے میں سے ایک نیوز پیپر بھی خرید لایا تھا۔ اخبار کے مطالعے کے بعد پتا چلا کہ آج روڈ پر اس قدر خاموشی اور ویرانی کیوں تھی۔ اس روز ٹرانسپورٹرز نے اسٹرائیک کا اعلان کر رکھا تھا۔ ان کا مطالبہ تھا ایندھن کی قیمتیں کم کی جائیں یا پھر انہیں کرائے میں اضافہ کی اجازت دی جائے۔

بہرحال میں اپنے مطلب کی خبروں کی تلاش میں ورق گردانی کرنے لگا۔ پی ای سی ایچ سوسائٹی والے واقعے کا کہیں ذکر نہ تھا تاہم جے ڈی ملک اور نادرزمان کے بنگلوں پر پیش آنے والے واقعات کی خبریں موجود تھیں۔ اسی طرح منہاس باقر کے بنگلے پر ٹوٹنے والی قیامت کا احوال بھی بڑی تفصیل سے شائع ہوا تھا۔ تبصرہ نگاروں نے مختلف انداز میں اظہارِ خیال کیا تھا تاہم حکومت کے ذمے دار ادارے اُن تین واقعات کو آپس میں نتھی کر کے گھسے پٹے انداز میں دہشت گردی کی وارداتیں قرار دے رہے تھے اور عوام کو یقین دلایا جا رہا تھا کہ نامعلوم دہشت گردوں کو ''معلوم'' کرنے کے فوراً بعد گرفتار کر کے کڑی سزا دی جائے گی۔

حقیقت کیا تھی! یہ صرف لوگ جانتے تھے جو ان واقعات کے ذمے دار تھے یا پھر ان واقعات سے متاثر ہوئے تھے۔

میں نے اخبار کو ایک صوفے پر پھینک دیا۔

اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے تیسری گھنٹی پر فون اٹینڈ کیا۔ میری ''ہیلو'' کے جواب میں شہزاد کی آواز مجھے سنائی دی۔

''ہیلو وجدان! گڈ مارننگ۔''

میں نے اس کے سلام کا جواب دیا پھر پوچھا ''خیریت تو ہے شہزاد! اتنی صبح کیسے فون کیا؟''

''شاید تمہیں معلوم نہ ہو' آج ٹرانسپورٹ کی ہڑتال ہے۔''

''مجھے معلوم ہو چکا' میں نے اخبار میں خبر پڑھ لی ہے۔'' میں نے کہا ''اور نیچے روڈ کا معائنہ بھی کر آیا ہوں۔ ایک دم سناٹا اور ویرانی ہے۔''

اس نے کہا ''تم نے گزشتہ رات شیرڈ کو تو خیر باد کہہ دیا تھا۔ تمہارے لیے سواری کا مسئلہ ہو جائے گا۔''

اس کی بات میں مجھے کچھ زیادہ اعتماد نظر نہ آیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس موضوع کے عقب میں وہ کوئی اور بات کرنا چاہ رہا ہو۔ میں نے بے پروائی سے کہا۔

''میرے لیے کوئی مسئلہ پیدا یا کھڑا نہیں ہوگا۔ شاید تم نے خبر کو صحیح طور پر نہیں پڑھا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ گڑبڑا گیا۔

میں نے کہا ''یہ ٹرانسپورٹرز کی اسٹرائیک ہے۔ رکشا ٹیکسی اس سے مبرا ہیں اور تمہیں تو معلوم ہے میں عام طور پر پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر نہیں کرتا۔ اس صورت میں میرے لیے کیا پرابلم ہو سکتی ہے!''

''اوہ!'' وہ جلدی سے بولا ''میرا اس طرف دھیان نہیں گیا تھا۔''

''وہ اس لیے کہ..... تمہارا دھیان کسی اور طرف لگا ہوا ہے!'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''کک..... کیا مطلب؟'' وہ بوکھلا گیا۔

''وہی مطلب!'' میں نے اپنے لہجے میں سنجیدگی برقرار رکھی۔

''پتا نہیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو!'' وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا ''کوئی پیش رفت ہوئی؟''

''کس سلسلے میں؟'' اس کے سوال میں الجھن تھی..... ایسا ہوتا ہے!

''خیر چھوڑو۔'' میں نے اس کی گلو خلاصی کرتے ہوئے کہا ''یہ بتاؤ زرگل کیسی ہے؟''

''خاصی ہارڈ ہے..... مم' میرا مطلب ہے' وہ بڑی مشکل ہے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔ وہ مشکل اور ٹیڑھی تو ضرور ہے۔'' میں نے کہا ''بہرحال فرہاد اور مجنوں کی مثالیں تمہارے سامنے

ہیں۔ یہ کام اتنا آسان تو نہیں۔ پہاڑ کھود کر دودھ کی نہر نکالنا پڑتی ہے۔ تپتے صحراؤں میں آبلہ پا نغمۂ محبت گانا پڑتا ہے۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں بظاہر شہزاد سے مخاطب ہوں مگر درحقیقت میں وہ کلام خود سے کر رہا ہوں۔ شہزاد کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''میں خود مشکل پسند ہوں۔ محنت مشقت سے نہیں گھبراتا۔ ایک دن میں اس پتھر مورت کو موم کی گڑیا میں ضرور بدل دوں گا۔''

وہ جذبات میں خاصا کھل گیا تو میں نے کہا ''یہ ہوئی نا مردوں والی بات تمہارے عزم کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے تم واقعی اپنے مقصد کو پا لو گے۔''

پھر ہمارے درمیان حالاتِ حاضرہ پر بات ہونے لگی۔ میں نے اس سے فیصل کی تازہ ترین کیفیت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ وہ مزید ایک رات کے آرام کے بعد پہلے سے کہیں زیادہ ہوشیار اور فٹ ہو گیا ہے۔ اور بار بار اسے مقابلے کے لیے اکسا رہا ہے۔ اس کے کندھے کا زخم بھی بہتر ہے وہ اسے خاطر میں نہیں لا رہا۔ آخر میں شہزاد نے یاددہانی کے انداز میں استفسار کیا ''وجدان تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا؟''

''اچھی طرح یاد ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا ''آج تم اپنی زندگی کے دو اہم ترین معرکے سر کرو گے۔''

وہ چونکے ہوئے لہجے میں بولا ''دو معرکے!'' پھر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا ''ایک تو فیصل سے دو دو ہاتھ کرنا ہیں مگر دوسرا معرکہ کون سا ہے؟''

میں نے اس کے چٹکی لی ''لگتا ہے زرگل کے تصور نے تمہاری یادداشت کو گڑبڑا دیا ہے۔ میں جے ڈی ملک کا ذکر کر رہا ہوں۔ اس کا معاملہ بھی آج ہی نمٹ جائے تو اچھا ہے۔''

''اوہ!'' اس نے انتقام سے لب ریز سانس خارج کی ''اس شیطان کی شہ رگ سے تو میں اتنا بلند فوارہ چھڑاؤں گا کہ دور دور تک فضا خون رنگ ہو جائے گی۔''

میں نے کام کی بات کی طرف آتے ہوئے کہا ''شہزاد! تم نے جی ڈی ملک کے دوست کا نام صفدر علی ہی بتایا ہے نا جو نارتھ ناظم آباد میں رہتا ہے؟''

''میری معلومات تو یہی ہیں۔'' وہ سرسری انداز میں بولا ''جے ڈی ملک ایک دو روز تک اسی کے بنگلے پر رہے گا۔ یعنی روپوش رہے گا۔''

''روپوش کو رونما کرنا ضروری ہے۔'' میں نے خیال میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا ''دراصل میں صفدر علی اور یوسف ہمدانی میں الجھ کر رہ گیا ہوں۔''

''یوسف ہمدانی؟'' وہ چونکا ''اوہ! تم اس رینج روور کے مالک کا ذکر تو نہیں کر رہے!''

''تم بالکل درست سمت میں سوچ رہے ہو۔'' میں نے تائیدی لہجے میں کہا ''صفدر علی اور یوسف ہمدانی میں ''نارتھ ناظم آباد'' قدرِ مشترک ہے۔'' میں نے ایک لمحہ توقف کیا پھر پُرسوچ انداز میں کہا ''اسی طرح جے ڈی ملک اور اس کے پشت پناہ دوستوں میں ''سی ایف کے'' قدرِ مشترک ہے۔ یعنی پہلے وہ نادرزمان کے پاس رکا اور اب صفدر علی کے بنگلے میں جا چھپا ہے۔ یہ دونوں افراد سی ایف کے کے نہایت ہی اہم مہرے ہیں اور.....''

میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر تھوڑا توقف کیا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رینج روور والا وہ لم ڈھینگ ستارسی ایف کے ہی کا ایک آلۂ کار ہے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کہیں صفدر علی اور یوسف ہمدانی میں بھی تو کوئی خاص تعلق نہیں پایا جاتا!''

''تم نے نہایت ہی اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے۔'' وہ فکرانگیز لہجے میں بولا ''میں اپنے طور پر معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرے لیے یہ زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔''

میں نے کہا ''اس کے ساتھ تم جے ڈی ملک کو اس کی پناہ گاہ سے باہر لانے کی بھی کوئی ترکیب سوچو۔ میں چاہتا ہوں صفدر علی کے بنگلے پر کوئی ہنگامہ آرائی نہ کی جائے۔ اگر ہم اسے وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو زیادہ ''خوب صورت'' انداز میں کام کرنے کا مزہ آئے گا!''

بات کے اختتام پر میرا لہجہ خاصا سفاک ہو گیا تھا۔

شہزاد نے کہا ''میں دوپہر کے بعد تمہیں فون کروں گا۔ ویسے تمہارا کیا پروگرام ہے۔ ساحل والا معاملہ تو بیچ میں لٹک کر رہ گیا ہے!''

میں نے اپنے جگر میں ایک ٹیس سی اٹھتی محسوس کی' کسی انجانے خیال کے زیرِ اثر میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ معاملہ اب لٹکا ہوا نہیں رہے گا۔ آج کی رات فیصلہ کن ثابت ہوگی!''

''اس کا مطلب ہے' تمہارے ذہن میں کوئی پروگرام ترتیب پا چکا ہے؟''

''بس ایسا ہی سمجھو۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا ''اگر ترتیب نہیں بھی پایا تو سورج غروب ہونے سے پہلے یہ کام ہو جائے گا۔ آنے والی رات شعیب غوری اور اس کی شیطانی

تنظیم کے لیے بہت بھاری ثابت ہونے والی ہے!''

شہزاد نے مضبوط لہجے میں کہا ''انشاء اللہ اس وقت تک میں بھی فیصل درجے ڈی ملک کو نمٹا چکا ہوں گا۔ ساحل والے مشن کے لیے ہم دونوں ایک ساتھ روانہ ہوں گے!''

''نہیں!'' میرے اس یک لفظی جملے میں بڑی قطعیت تھی۔

دوسری طرف یکسر خاموشی چھا گئی۔

چند لمحوں کے بعد میں نے اسی گمبھیر اور حتمی لہجے میں کہا ''شہزاد! دوست احباب انسان کے دست و بازو ہوتے ہیں لیکن آج کی رات میں اپنے کسی بھی ہمدرد کو زحمت نہیں دوں گا۔ میں انہیں پہلے ہی بہت سے جھمیلوں میں جھونک چکا۔ ساحل کی تلاش اور حصول والا مرحلہ اب مجھے تن تنہا ہی طے کرنا ہے..... اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

جب کوئی انسان اٹل اور دوٹوک فیصلہ سنا دے تو پھر جرح و بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ شہزاد میری ثابت قدمی اور قوت ارادی سے بہ خوبی آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا میں آگے اٹھنے والے قدم کو واپس نہیں ڈالتا لیکن ایک مخلص دوست ہونے کے ناتے وہ مجھے سمجھانے اور قائل کرنے کے فریضے کو نہ بھولا۔

لیکن اس نے کچھ کہنے کے لیے جیسے ہی زبان کھولنا چاہی' میں نے سختی سے منع کر دیا ''نہیں شہزاد! میں نے جو کہہ دیا اس سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہیں۔ میں اپنوں کو پہلے ہی بہت دکھ پہنچا چکا ہوں۔ اب نہیں..... بالکل نہیں!''

''ٹھیک ہے بعد میں دیکھیں گے۔'' وہ مبنی بر مصلحت لہجے میں بولا ''آج کا سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دقت پڑا ہے۔ تمہارا مشن تو ویسے بھی رات ہی کو شروع ہوگا!''

مزید دو چار لفظی باتوں کے بعد میں نے رابطہ ختم کر دیا۔

شہزاد سے ہونے والی گفتگو پر جب میں نے غور کیا تو مجھے محسوس ہوا جیسے میں نے اس کے ساتھ زیادتی کر دی ہو۔ وہ میرا بے لوث اور جان نثار دوست تھا۔ میری ہمدردی سے مجبور کر رہی تھی کہ کڑے وقت میں میرا ساتھ دے کندھے سے کندھا ملا کر دشمنوں کی صفوں میں کھلبلی مچا دے اور میں نے بڑی درشتی سے اسے کارنر کر دیا تھا۔

مگر میں کیا کرتا! میں بھی تو اس معاملے میں مجبور تھا۔ میں اپنی دشمنی کی آگ میں کتنوں کو جھلساتا؟ دشمنوں کو تو ایک مشغلہ مل گیا تھا۔ وہ مجھے شکار کرنا چاہتے تھے اور جب میں نشانے پر نہیں آتا تھا تو وہ میرے کسی پیارے کو ٹارگٹ بنا لیتے تھے' اس گمان میں کہ شاید میں نے اس ٹارگٹ کے پیچھے پناہ لے رکھی ہو! وہ گمان سے یقین تک پہنچنے کے لیے بے دریغ ہلاکتیں کر رہے تھے۔ میرے اپنے' میرے ہمدرد' میرے پیارے ایک ایک کر کے ان کے ہاتھوں اپنی زندگیاں گنوا رہے تھے۔ یہ حالات میرے لیے سوہانِ روح تھے دل کا آزار تھے!

میں نے شہزاد سے جس رویے کا اظہار کیا' اس پر مجھے افسوس تو ہوا لیکن یہ سوچ کر میں نے خود کو تسلی دے لی کہ یہ افسوس اس زیاں کا پاسنگ بھی نہیں جو میری مستقل ہم راہی میں اس کے حصے آتا۔ پتا نہیں میری یہ سوچ کس حد تک درست تھی! بہرحال اس وقت میرے ذہن کی جو کیفیت تھی اس کے پیشِ نظر میں اس دائرے سے باہر سوچ نہیں پا رہا تھا۔

ابھی تک میں نے ساحل کو دست یاب کرنے کے لیے لائحہ عمل تیار نہیں کیا تھا۔ میرا اشارہ ''ایسٹ'' کی جانب ہے۔ جنید کا دعویٰ تھا شکیب عثمانی ساحل کو اپنے ساتھ پولیس موبائل میں سراج الدین کے پاس ایسٹ لے گیا تھا۔ اگر میں جنید کی بات کا یقین بھی کر لیتا تو مجھے بہت سوچ سمجھ کر ایک پلان کے تحت اس جانب پیش قدمی کرنا چاہیے تھی اور اس کے لیے یقین دہانی ضروری تھی..... یعنی اس بات کا پتا چلانا ضروری تھا کہ ساحل واقعی ایسٹ میں موجود بھی ہے یا اسے وہاں سے کہیں اور پہنچا دیا گیا ہے۔

اب تک کچھ ایسا ہی ہوتا آیا تھا۔ رکھاں والی سے ساحل کو لاہور کے ایک مہنگے ترین اسپتال پہنچایا جانے والا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو پتا چلا اسے نشانا می ایک شخص کی کوٹھی پر پہنچا دیا گیا ہے۔ میں صدف کے ساتھ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا تھوڑی دیر پہلے اسے چوہدری دلدار کی کوٹھی منتقل کر دیا گیا ہے۔ ہم نے پوری تیاری کے ساتھ چوہدری دلدار کی کوٹھی پر ایک کامیاب آپریشن کیا جس کے نتیجے میں چوہدری نوازش کا بیٹا فیصل ہمارے ہتھے چڑھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات کن اطلاع بھی ملی کہ ساحل کو لاہور سے کراچی بھیج دیا گیا ہے۔ اور یہاں کراچی میں..... بڑی خوش اسلوبی سے ساحل اور فیصل کا تبادلہ ہونے والا تھا کہ شعیب غوری نے چوہدری نوازش کو ورغلا کر عہد شکنی پر مجبور کر دیا۔ اس طرح ساحل ایک مرتبہ پھر میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ فیصل ابھی تک میری دست رس میں تھا لیکن میں نے اس کا اچار ڈالنا تھا کیا؟

تازہ ترین واقعہ گزشتہ رات پی ایچ ایس کے بنگلے والا تھا۔ ساحل میرے ہاتھ آتے آتے نکل گئی اور اب ایسٹ!

میری سوچ لمحے بھر کے لیے تھمی تھی اور میں نے اسی لمحے کے پتا نہیں' کس حصے میں فیصلہ کیا کہ میں پہلے ایسٹ میں

ساحل کی موجودگی کو کنفرم کروں گا اور پھر سر دھڑ کی بازی لگا کر اکیلا ہی اسے شعیب غوری کے پنجوں سے نکالنے وہاں جا پہنچوں گا۔

اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ منہاس باقر بہت بارسوخ اور طاقت ور شخص تھا اور پولیس ڈیپارٹمنٹ میں بھی اس کی اچھی یاد اللہ تھی۔ میں اس کی مدد اور تعاون سے ایسٹ پر چڑھائی کروا سکتا تھا اور وہ اس کام میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کرتا اس سے پہلے منہاس کے تعاون سے ساؤتھ پر ایک کامیاب آپریشن کر کے وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجائی جا چکی تھی جس کے نتیجے میں کبیر شاہ جیسا جگادری بھی دم دبا کر فرار ہونے پر مجبور ہو گیا..... مگر ایک ندامت آمیز خیال ایک خلش بردار احساس میری زبان کا قفل بن جاتا میری مدد اور تعاون کی پاداش میں اس کا آشیانہ اجڑ گیا۔ میں اسے اور کتنی آزمائشوں میں ڈالتا؟ البتہ میں اس کے ایک تعلق کو استعمال میں لا کر اپنے لیے بہت آسانیاں پیدا کر سکتا تھا۔

ایک فوری خیال کے تحت میں نے منہاس باقر کے نمبر ڈائل کیے۔ فون اسی نے ریسیو کیا۔ رسمی اور بوجھل علیک سلیک کے بعد اس نے میری آئندہ سرگرمیوں کے بارے میں استفسار کیا۔ میں نے جے ڈی ملک کے بارے میں شہزاد سے ہونے والی گفتگو سے اسے آگاہ کر دیا۔ وہ پوری بات سننے کے بعد گمبھیر آواز میں بولا۔

''قانون شکن اور سفاک قاتلوں کو عدالت سے قرار واقعی سزا دلوانا خاصا پیچیدہ عمل ہے اور خاص طور پر جب یہ لوگ شعیب غوری اور جے ڈی ملک جیسے طاقتور بھی ہوں تو ان کے خلاف ثبوت و شواہد جمع کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ عدالت تو ہر بات کا ثبوت مانگتی ہے لہٰذا ان لوگوں سے پرائیویٹ سیکٹر میں نمٹنا ہی بہتر ہے۔''

منہاس نے بڑے ڈھکے چھپے انداز میں ہمیں کسی بھی سنگین کارروائی کی اجازت دے دی تھی۔ میں نے کہا ''آپ جیسا سوچ رہے ہیں ویسا ہی ہوگا۔''

''ذرا ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا!'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''آپ اس سلسلے میں بالکل بے فکر ہو جائیں۔''

''تمہاری ساحل والا معاملہ کہاں تک پہنچا؟''

''جے ڈی ملک کے بعد ادھر کا رخ کروں گا۔'' میں نے مبہم سا جواب دیا۔

''میری کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو بلا تکلف بتا دینا۔''

''میں نے اسی لیے آپ کو فون کیا ہے منہاس صاحب!'' میں نے بڑے رسان سے کہا۔

''ہاں' ہاں بولو۔ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''وہ آپ کا جاننے والا میک اپ ماسٹر نسیم جوہر ہے نا!'' میں نے کہا ''جس نے مجھے سہیل کا روپ دیا تھا۔ مجھے اس شخص کی ضرورت ہے کم از کم دو گھنٹے کے لیے۔''

اس فن کار نے مجھے میک اپ کے بارے میں نہایت ہی اہم ٹپس دی تھیں۔ میں اس کے ساتھ دو تین گھنٹے کے ایک ''سیشن'' میں مزید کچھ سیکھنا چاہتا تھا۔

''خیریت تو ہے' تم نسیم سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہو؟'' منہاس نے پوچھا۔

میں نے اپنا مقصد بیان کیا اور کہا ''اس کا بتایا ہوا ایک ایک نکتہ میرے ذہن میں نقش ہے میرا خیال ہے اگر وہ مجھے دو تین گھنٹے اور دے دے تو میں اس سلسلے میں ہر قسم کی محتاجی سے محفوظ ہو جاؤں گا۔''

منہاس نے کہا ''شوبز سے متعلق لوگ رات دیر تک بلکہ صبح تلک جاگتے ہیں اسی لیے ان کی بیداری دن چڑھے اور بعض اوقات دوپہر کو ہوتی ہے۔ میں نسیم کو فون کر کے دیکھتا ہوں' وہ کس پوزیشن میں ہے۔''

میں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ''آپ اس سے یہ بھی کہہ دیجئے گا کہ میک اپ اور گیٹ اپ کا سامان وافر مقدار میں اپنے ساتھ رکھ لے۔ میں اس سامان کی قیمت ادا کر دوں گا۔''

''کیا کسی گروپ کا میک اپ کروانا ہے!'' منہاس نے حیرت بھرے انداز میں پوچھا۔

میں نے وضاحت کی ''ایکسٹرا سامان میں اپنے اسٹاک کے لیے منگوا رہا ہوں۔''

منہاس نے میرا کام کرنے کی ہامی بھری اور کہا ''میں نسیم سے بات کرنے کے بعد تمہیں فون کرتا ہوں۔''

ٹھیک دس منٹ بعد منہاس کا فون آیا اور اس نے بتایا کہ نسیم جوہر ابھی سو کر اٹھا ہے ''اس نے کہا ہے وجدان کو میرے اسٹوڈیو پر بھیج دیں۔ وہاں اسے سیکھنے اور سمجھنے میں بہت آسانی رہے گی۔ وہاں ہر نوعیت کے سامان کی وافر مقدار بھی موجود ہے دراصل.....'' منہاس تھوڑی دیر کے لیے متوقف ہوا پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''نسیم کو تین بجے کسی نہایت ہی اہم اسائن منٹ پر جانا ہے۔ اسی سلسلے میں اسے اسٹوڈیو میں کچھ ضروری تیاری کرنا ہے۔ اگر وہ دو تین گھنٹے کے لیے تمہارے پاس آ گیا تو اس کا کام متاثر ہوگا۔ اسٹوڈیو میں رہتے ہوئے وہ تمہیں بھی ڈیل کر لے گا اور اپنا کام بھی جاری رکھے گا۔''

''ٹھیک ہے' آپ مجھے اس کا اسٹوڈیو ایڈریس بتادیں۔'' میں نے کہا۔

''وہ تم سے زیادہ دور نہیں۔'' منہاس نے کہا ''تم چاہو تو ٹہلتے ہوئے اس کے اسٹوڈیو تک جاسکتے ہو۔''

اس کے بعد منہاس نے مجھے نسیم جوہر کے اسٹوڈیو کا پتا اور فون نمبر نوٹ کروادیا۔ مذکورہ اسٹوڈیو خالد بن ولید روڈ کے اس پار ایک چھوٹے سے خوبصورت بنگلے میں واقع تھا۔ برک ریڈ اور دبائٹ گرین کلر کا حامل وہ بنگلا آرٹ کا ایک عمدہ نمونہ نظر آتا تھا۔ نسیم جوہر کے اسٹوڈیو تک پہنچنے کے لیے ہاکی گراؤنڈ کے قریب سے گزرنا پڑتا۔ یہ پی ای سی ایچ سوسائٹی کا ایک صاف ستھرا اور عالی شان علاقہ تھا۔

میں نے منہاس باقر کا شکریہ ادا کیا تو وہ میری سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا ''وجدان! میں تمہیں فون کرنے ہی والا تھا کہ تمہارا فون آگیا۔ اب یہ بھی سن لو میں تمہیں کیوں فون کرنے والا تھا۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا ''تم آج شام سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے میرے گھر آنا۔ تم سے ایک ضروری کام ہے۔'' اس کے انداز میں سنجیدگی تھی۔

میں چونک اٹھا ''کیسا کام منہاس صاحب؟''

''تم یہاں آؤ گے تو بتاؤں گا۔'' وہ مبہم لہجے میں بولا۔

میں اور زیادہ تشویش میں مبتلا ہوگیا ''خیریت تو ہے نا؟''

''بالکل خیریت ہے۔'' وہ جلدی سے بولا ''دراصل میں تمہیں کچھ لوگوں سے ملوانا چاہتا ہوں بلکہ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ یہاں آؤ گے تو بات ہوگی۔ تم کسی فکر میں نہ پڑنا۔ سب اپنے ہی لوگ ہیں۔ سہ پہر کے بعد کسی وقت بھی تھوڑی مہلت نکال کر ادھر کا ایک چکر لگالو۔ سب لوگ بیٹھ کر چند باتیں کریں گے۔ وقت اچھا بہل جائے گا!''

منہاس کے آخری جملے کے بعد میں کوئی سوال نہ کرسکا۔ اس کے وقت کو بہلانے کے لیے میں دنیا کے کسی بھی کونے تک پہنچ سکتا تھا۔ میں نے متذکرہ بالا جملے میں چھپا ہوا درد واضح طور پر محسوس کیا۔ منہاس نے یاسیت کو کیموفلاج کرنے کی بھرپور سعی کی تھی تاہم میں اس کے اندر جھانکنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں ایک ایسا مسیحا تھا جو اس کے درد اس کے مرض کو جانتا تھا لیکن اس کے دکھوں کا مداوا نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے درد کی دوا نہیں تھی میرے پاس مستقل طور پر ساتھ چھوڑ جانے والوں کو کوئی واپس نہیں لاسکتا لہٰذا..... مجھے اس کے زخموں کو سہلانا تھا' ان پر تسلی و تشفی کا مرہم رکھنا تھا..... گویا اس کے وقت کو بہلانا تھا!

میں ٹیلی فونک رابطہ موقوف کرکے اپنے حالات پر غور کرنے لگا۔ اس غور و فکر میں بہ مشکل پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ صدف آدھمکی۔

وہ جینز اور ٹی شرٹ میں بڑی اسمارٹ لگ رہی تھی۔ میں نے عموماً اسے مغربی لباس ہی میں دیکھا تھا۔ پتا نہیں یہ اس کی عادت تھی یا وہ میرے پاس آنے کے لیے خاص اہتمام کرتی تھی' ہمارے درمیان رسمی علیک سلیک ہوئی پھر میں نے اس سے پوچھا۔

''صدف! تم لوکل ڈریس نہیں پہنتی ہو؟''

''بہت کم!'' وہ زیرلب مسکراتے ہوئے بولی ''کسی سماجی تقریب یا شادی بیاہ کے موقع پر پہن لیتی ہوں ورنہ عموماً میں پینٹ شرٹ کو پسند کرتی ہوں۔ اس لباس میں انسان بہت چست رہتا ہے۔'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے پوچھا ''کیا تمہیں یہ لباس اچھا نہیں لگتا؟''

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا ''میں نے تو ایسے ہی پوچھ لیا ورنہ تم ہر لباس میں اچھی ہی لگتی ہو۔''

''اس تعریف کا شکریہ۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا۔ پھر پوچھا ''کیا تم ــ ناشتا کرلیا؟''

میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے پوچھا ''آج کا کیا پروگرام ہے؟''

''ابھی کچھ سوچا نہیں۔'' میں نے دانستہ اسے اپنے پروگرام سے بے خبر رکھا۔

وہ بولی ''پھر تو ٹھیک ہے!''

''کیا ٹھیک ہے؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

اس نے بتایا ''آج تم لنچ میرے ساتھ کرو گے..... یعنی ہمارے گھر پر!''

''اوہ!'' میں الجھ کر رہ گیا اور پوچھا ''کیوں کوئی خاص بات ہے؟''

''میرے مما پاپا تم سے ملنا چاہتے ہیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی ''لنچ تو ایک بہانہ ہے وہ کیا کہتے ہیں..... تقریب کچھ تو.....''

میں نے اس کی بات کاٹی ''وہ کیا کہتے ہیں اور کیا نہیں کہتے' اس بات کو چھوڑو۔ تم بتاؤ تمہارے پاپا اور مما مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟''

جب کسی جوان لڑکی کے والدین کسی جوان لڑکے سے ملنے کے لیے اسے اپنے گھر کھانے پر بلائیں تو یہ ایک خطرناک اور معنی خیز صورتِ حالات کا آغاز ہوتا ہے۔ میں نے اسی

حوالے سے بدک کر صدف سے سوال کیا تھا۔

وہ جلدی سے بولی ''تم جو سمجھ رہے ہو' ایسی کوئی بات نہیں!''

اس کے انداز میں شرارت آمیز معنی خیزی پوشیدہ تھی۔ میں نے ایک طویل سانس کھینچتے ہوئے گہری نظر سے اسے دیکھا اور کہا ''پھر؟''

''پھر یہ کہ وہ تم سے صرف ایک ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی ''تمہاری بہت تعریف ان تک پہنچی ہے جس کے نتیجے میں ان کے اندر تم سے ملنے کا اشتیاق جاگ اٹھا۔''

''مجھ میں ایسی تعریف والی کون سی بات ہے؟'' میرا لہجہ سرسری تھا۔

''یہ تو مجھے پتا نہیں' انہی کو جا کر بتانا!''

''تم نے ہی ان سے میرا تعارف کروایا ہوگا!''

''ہرگز نہیں!'' وہ دوٹوک انداز اختیار کرتے ہوئے بولی ''تم لاہور میں میرے ڈی ایس پی ماموں سے مل چکے ہو۔ وہ تمہارے بارے میں بہت کچھ جان چکے تھے۔ انہوں نے اپنی بہن یعنی میری مما کو بتایا وہاں سے یہ بات پاپا تک پہنچ گئی' ہاں.....''

وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر ذرا متوقف ہوئی پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی ''ہاں مجھ سے صرف اتنا ہوا ہے کہ میں نے تمہاری صلاحیتوں کی تصدیق کی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔''

بات ختم کر کے وہ معصومیت سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی معصومیت میں مکاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''گویا تم نے صرف بارود کے ڈھیر کو چنگاری دکھانے کا کام کیا ہے؟''

''اب تم جو بھی مطلب اخذ کرتے پھرو۔'' وہ سادگی سے بولی۔

میں نے کہا ''صدف! آج یہ ممکن نہیں ہے۔ اس کھانے کے پروگرام کو پھر کبھی پر ٹال دو۔''

''اس کا مطلب ہے' تمہارا آج کا دن پیک ہے؟''

''بالکل ایسا ہی سمجھو!''

''لیکن تھوڑی دیر پہلے تو تم نے کہا تھا' ابھی کچھ سوچا نہیں؟''

میں نے اسے چکر دینے کے لیے کہا ''جب تم نے مجھ سے میرے پروگرام کے بارے میں سوال کیا تھا تو اس وقت تک میں واقعی کسی فیصلے پر نہیں پہنچا تھا بلکہ مسلسل سوچ رہا تھا۔''

''تو گویا تم نے مجھ سے گفتگو کے دوران میں سوچ لیا؟'' وہ شکایت بھری نظر سے مجھے تکنے لگی۔

یہ بات نہیں تھی کہ میں صدف سے غلط بیانی کر کے اپنے پروگرام سے بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔ دراصل میں ایک گہری مصلحت کے تحت وہ اوپچ پنچ کر رہا تھا۔ اگر اسے یہ آج کے ہنگامے خیز پروگرام کی بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ سائے کے مانند میرے ساتھ لگ جاتی اور..... میں نہیں چاہتا تھا' وہ خواہ مخواہ کسی مصیبت کا شکار بنے۔ میں محض اس کی خاطر یہ چکر چلا رہا تھا۔

اس کے سوال کا جواب دینا ضروری تھا۔ لہٰذا میں نے گول مول انداز میں کہا ''میں نے ''سب کچھ'' کا دھواں دھار جائزہ لیا ہے۔ کیا صدف! میں نے تو یہ کہا ہے میں مسلسل سوچ رہا تھا..... میں فی الحال اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فوری طور پر مجھے کیا کرنا ہے۔''

وہ الجھن بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی ''کیا کرنا ہے؟''

''مجھے ایک بیوٹیشن سے ملنے جانا ہے۔''

''بیوٹیشن کے پاس۔'' وہ چونکی ''کس سلسلے میں؟''

میں نے اسے بتایا کہ میں ایک ماہر میک اپ آرٹسٹ سے شعبے کے چند اسرار و رموز سیکھنے جا رہا ہوں تو وہ کھلکھلا کر بولی۔

''میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد ہم گھر جائیں گے۔''

وہ اپنی ضد پر قائم تھی' میں نے کہا ''وہاں دو تین گھنٹے زیادہ لگ جائیں گے اس لیے لنچ کا پروگرام نہ ہی بنائو تو اچھا ہے۔ میں نے کہا نا' پھر کبھی چلوں گا تمہارے گھر۔''

''ٹھیک ہے' میں اپنے گھر فون کر کے انہیں آج کے لنچ سے منع کر دیتی ہوں۔'' وہ پٹی برمصلحت انداز اختیار کرتے ہوئے بولی ''یہ پروگرام بعد میں دیکھا جائے گا لیکن.....'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر تیز نظر سے میری آنکھوں میں جھانکنے لگی پھر لہجے میں بولی ''لیکن میں تمہارے ساتھ بیوٹیشن کے ہاں ضرور جاؤں گی!''

میں اپنے خیال میں سر پکڑ کر رہ گیا۔ بہ ظاہر میں نے گردن کو دو بار نفی میں جنبش دی اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس پستہ قامت قیامت کو تکنے لگا۔

آئندہ تیس سیکنڈ کے اندر اس نے اپنے گھر فون کر کے انہیں صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ صدف نے ریسیور رکھا تو

فرزانہ کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

گزشتہ گفتگو میں ہمارے درمیان یہی طے پایا تھا کہ وہ دوپہر کے بعد مجھے فون کرے گا لیکن موجودہ حالات میں' میں نہیں جانتا تھا' نسیم جوہر کے اسٹوڈیو پر کتنی دیر لگے گی لہٰذا فرزانہ کو یہ بتانا ضروری تھا۔

ڈائلنگ کی تکمیل پر دوسری جانب گھنٹی بجی۔ دوسری گھنٹی پر زرگل نے فون ریسیو کیا۔ میں نے اس کی خیر خیریت دریافت کی تو وہ پوچھنے لگی ''وجدان! تم اس وقت کہاں ہو۔ ہماری طرف کب آؤ گے؟''

میں نے مبہم اور محتاط الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے جواب دیا ''اپنے فلیٹ پر ہوں اور آج دن میں کسی وقت ادھر کا چکر لگاؤں گا۔'' پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور پوچھ بیٹھتی میں نے استفسار کیا ''شہزاد کہاں ہے؟''

''وہ ابھی پانچ منٹ پہلے نکلا ہے۔'' زرگل نے بتایا ''ایک گھنٹے میں واپسی کا کہہ کر گیا ہے۔''

تو اس کا مطلب تھا وہ اپنے مشن پر روانہ ہو گیا۔ مجھے امید تو نہیں تھی شہزاد نے زرگل کو اس سلسلے میں کچھ تفصیل بتائی ہوگی تاہم تصدیق کی خاطر میں نے اس سے پوچھ لیا۔

''اس نے تمہیں کچھ بتایا' وہ کہاں جا رہا ہے؟''

''نہیں'' وہ قطعیت سے بولی۔

میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا ''تم کسی قسم کی پریشانی محسوس نہیں کر رہی ہو؟''

پھر جلدی سے وضاحت بھی کر دی ''میرا مطلب ہے فیصل تمہارے لیے کوئی پرابلم تو پیدا نہیں کر رہا؟''

''ہرگز نہیں۔'' وہ پُراعتماد لہجے میں بولی ''وہ پوری طرح میرے کنٹرول میں ہے۔''

''ویری گڈ!'' میں نے اس کی کارکردگی کو سراہا ''بس اب یہ ڈیوٹی ایک آدھ دن کی اور ہے۔ انشاء اللہ فیصل کے بارے میں بہت جلد فیصلہ کر لیا جائے گا۔''

زرگل میرے بارے میں کرید کرید کر پوچھنے لگی تو میں نے گفتگو کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے کہا ''باقی باتیں ملاقات پر کریں گے۔ شہزاد واپس آئے تو تم اسے میرا ایک پیغام دے دینا۔'' وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔ ایک لمحے کے توقف سے میں نے کہا۔

''اس سے کہنا مجھے فلیٹ پر فون نہ کرے۔ میں خود ہی اس سے رابطہ کروں گا۔''

''ٹھیک ہے' میں تمہارا پیغام اس تک پہنچا دوں گی۔'' میں نے ''اللہ حافظ'' کہہ کر ریسیور کریڈل کر دیا۔

اس دوران میں صدف ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھتی رہی تھی۔ ٹیلی فونک رابطہ ختم ہوا تو وہ معنی خیز لہجے میں بولی ''پٹھانی سے کیا راز و نیاز ہو رہے تھے؟''

وہ اپنی فطری جبلت سے مجبور تھی ورنہ میرے اور زرگل کے درمیان ہونے والی گفتگو کے لیے ''راز و نیاز'' جیسے الفاظ موزوں نہیں تھے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور قدرے خشک لہجے میں کہا۔

''صدف! جو کچھ بھی ہوا تمہارے سامنے ہی تو ہوا ہے کیا تم نے کان بند کر رکھے تھے؟''

وہ تیکھے لہجے میں بولی ''میرے کان بند تھے اور نہ ہی آنکھیں لیکن میں تمہارے خیالات تو نہیں پڑھ سکتی نا!''

میں نے کہا ''خیال خوانی یعنی ''تھاٹ ریڈنگ'' ایک باقاعدہ علم ہے اگر تمہیں میرے خیالات پڑھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو تم یہ علم سیکھ لو۔''

''تم ٹیلی پیتھی کا ذکر تو نہیں کر رہے؟''

''ہاں' ٹیلی پیتھی کا ہی آسان انگریزی ترجمہ ''تھاٹ ریڈنگ'' ہے۔ اردو میں ''خیال خوانی'' کہہ لو۔ ٹیلی وژن' ٹیلی فون اور ٹیلی اسکوپ کی طرح یہ بھی ایک سائنس ہے جس کے حصول کے لیے بڑی محنت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''مارکیٹ میں اس علم پر جو کتابیں موجود ہیں ان کے مطالعے سے تو ٹیلی پیتھی نہیں سیکھی جا سکتی۔'' وہ حتمی لہجے میں بولی ''بات کو بہت الجھا کر تحریر کیا جاتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے' تم ٹرائی کر چکی ہو!''

''ہاں' ایک آدھ مہینا میں نے شمع بینی اور کرسٹل بینی کی تھی۔'' اس نے بتایا ''لیکن جب نتائج صفر سے آگے نہ بڑھے تو میں نے سب کچھ چھوڑ دیا۔''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''دیکھو صدف! میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ کتابوں میں سب کچھ غلط لکھا ہوا ہے۔ یا اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ دراصل بات یہ ہے کہ کسی بھی علم کو سیکھنے کے لیے استاد کی راہ نمائی بہت ضروری ہوتی ہے۔ کتاب کی افادیت اپنی جگہ مگر استاد کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ورنہ اگر کتابیں پڑھ کر سب کچھ سیکھ لیا جاتا تو آج دنیا میں کوئی استاد' کوئی تعلیمی ادارہ باقی نہ رہتا۔''

''تمہاری نظر میں اس علم کا کوئی استاد ہے؟'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

میں نے صاف گلامی سے کام لیا ''اس سلسلے میں میری معلومات محدود ہیں۔ میں کسی ٹیلی پیتھی کے ماہر استاد کو نہیں

جانتا!''

وہ قدرے مایوسی سے بولی ''ٹیلی پیتھی تو خیالات پڑھنے کا علم ہے۔ کیا اس سے انسان کی نیت بھی پڑھی جاسکتی ہے؟''

''نیتوں کا احوال صرف اللہ کو معلوم ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ خاموش نظر سے مجھے ٹٹولنے لگی۔

میں نے پوچھا ''تم کس کی نیت پڑھنے کا ارادہ رکھتی ہو؟''

''کک..... کسی کی نہیں.....'' وہ گڑبڑا گئی۔

میں اس کی گڑبڑاہٹ کو بہت دور تک سمجھ رہا تھا۔ اس کی کیفیت کے پیش نظر میں نے کہا ''تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے..... یعنی گڈ نیوز!''

''کیسی گڈ نیوز؟'' اس نے شک آمیز نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا ''میرا وہ پوٹھوہاری شہزاد' تمہاری اس پٹھانی زرگل میں دلچسپی لے رہا ہے۔''

اس کے چہرے پر اطمینان کے رنگ جھلملانے لگے مگر اپنے تاثرات کی نفی کرتے ہوئے اس نے غیر متعلق انداز میں کہا ''وہ میری پٹھانی کب سے ہوگئی۔ تم خواہ مخواہ اسے میرے کھاتے میں کیوں ڈال رہے ہو؟''

''چلو میں نے اسے اپنے کھاتے میں رکھ لیا۔'' میں نے صدف کو چھیڑا ''بہرحال شہزاد بڑے بھرپور انداز میں زرگل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ دیکھو یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے!''

اس نے کریدنے والے انداز میں پوچھا ''تمہیں شہزاد کی اس حرکت پر کوئی اعتراض نہیں؟''

''میں کون ہوتا ہوں اعتراض کرنے والا'' میں نے اس کے زاویے کو سمجھتے ہوئے کہا ''ویسے شہزاد نے مجھ سے ''این او سی'' لے لیا ہے۔''

''اوہ!'' صدف نے ایک طویل اور گہری سانس کھینچی۔ اس ''اوہ'' میں دنیا جہان کا سکون بھرا ہوا تھا۔ زرگل کے حوالے سے اس کا ذہن صاف ہوگیا تھا۔

میں نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی اور وہ یہ کہ ساحل کے معاملے میں صدف نے کبھی کسی قسم کا کوئی منفی یا اعتراضی رویہ ظاہر نہیں کیا تھا' البتہ وہ زرگل کو مجھ سے دور دیکھنے کی تمنائی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اس کا یہ رویہ ایک خاص زاویے کا تھا۔ وہ ساحل کے علاوہ کسی لڑکی کو میرے قریب دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔ اس کی محبت کا یہ پہلو بڑا منفرد اور انوکھا تھا۔ میں نے اس پر جتنا غور کیا' الجھتا چلا گیا۔

صدف ان لڑکیوں میں سے تھی جنہیں سمجھنا آسان نہیں ان پر غور و فکر سے سمجھ کی چولیں ہل کر رہ جاتی ہیں!

تھوڑی دیر بعد ہم صدف کی دہائٹ سنی موٹرز اسٹوڈیو' کی طرف جا رہے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر صدف کا قبضہ تھا اور میں ایڈریس کے سلسلے میں اس کی راہ نمائی کر رہا تھا۔ میں نے اچانک اس سے پوچھا۔

''صدف! تمہارے بازو کا زخم اب کیسا ہے؟''

لاہور میں' چوہدری دلدار کی کوٹھی پر فیصل کو قابو کرتے ہوئے صدف کا بایاں بازو کہنی کے قریب سے زخمی ہوگیا تھا۔ لگ بھگ دو انچ کا کٹ آیا تھا' بعد ازاں میں نے اس کی مرہم پٹی کر دی تھی۔ صدف خود بھی ایک ڈاکٹر تھی۔ میری مرہم پٹی اسکل اس کے لیے حیرت کا باعث تھی۔

اس نے بتایا ''زخم ٹھیک ہے۔ تھوڑی اینٹھن اور درد ہے۔ بہرحال یہ بازو استعمال کرنے میں مجھے کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوتا۔''

ہم مذکورہ اسٹوڈیو پہنچ گئے۔

نسیم جوہر ایک بیوٹیشن ہی نہیں بلکہ وہ ایک ایکٹر ہیئر ڈریسر بھی تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے فوٹو گرافی کے فن میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ جس طرح ایک ماہر پلاسٹک سرجن ایک اچھا آرٹسٹ بھی ہوتا ہے' اسی طرح نسیم جوہر بھی ایک اچھا آرٹسٹ تھا۔ ایک انسان کے چہرے پر کام کر کے اسے دوسرے انسان کا حلیہ دینا آرٹ نہیں تو اور کیا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے ''کارخانے'' کا نام اسٹوڈیو رکھا ہوا تھا۔

صدف نے مجھے بتایا کہ وہ نسیم جوہر کے نام اور شہرت سے واقف ہے تاہم ملاقات کا آج پہلی مرتبہ موقع مل رہا ہے۔ نسیم نے پُرتپاک استقبال کیا۔ اندر سے میں نے اس کا اسٹوڈیو دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ وہاں کی آرائش و زیبائش بین الاقوامی معیار کی تھی۔ ہماری مختصر سی تواضع کے بعد وہ مقصد کی بات پر آ گیا۔

میں نے کہا ''ایک تو آپ مجھے تبدیل کریں یعنی ہیئر اسٹائل چہرے کو چھیڑ دیں۔ اس کے ساتھ ہی کچھ مزید کارآمد تبدیلیاں بھی ضرورت ہے۔ میں چاہتا ہوں اس سلسلے میں خود مطمئن ہو جاؤں۔''

وہ بات سننے کے دوران میں بہ غور میرے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے کہا ''کیا تم کسی مخصوص شخص کے حلیے میں آنا چاہتے ہو؟''

''نہیں'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا ''میں بس اتنا چاہتا ہوں' وجدان نظر نہ آؤں باقی سب کچھ آپ پر چھوڑتا ہوں۔''

''تمہارے فیس کٹس ماضی کے ایک سپر اسٹار سے بڑی حد تک ملتے ہیں۔'' وہ گمبھیر انداز میں بولا اور مسلسل میرے چہرے کو گھورتا رہا۔

میں نے پوچھا ''کہاں کے سپر اسٹار! ہالی ووڈ یا پھر لالی ووڈ؟''

''میں ہالی ووڈ کے مایہ ناز اداکار یل برائنر کی بات کر رہا ہوں!''

''اوہ!'' میں نے متاسفانہ انداز میں کہا ''میں نے یل برائنر کی دو تین فلمیں دیکھی ہیں لیکن ہم دونوں کی مشابہت میں بہت فرق ہے۔''

''میں مشابہت کی نہیں' فیس کٹس کی بات کر رہا ہوں!''

''ٹھیک ہے' آپ مجھے اس کے اریب قریب بنا دیں۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''مگر میرے بال سلامت رہنا چاہئیں!''

وہ زیر لب مسکرایا اور بولا ''تم اس کی فکر نہ کرو۔''

ہالی ووڈ کا معروف اداکار یل برائنر ٹیلی سوالاس کی طرح ہر وقت اپنا سر منڈوا کر رکھتا تھا۔ بے بال سر ان کی مخصوص شناخت تھی۔ پتا نہیں محاورے کے مطابق وہ دونوں فارغ البال بھی تھے یا نہیں!

نسیم اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مجھے مفید مشوروں سے بھی نوازنے لگا۔ جب اس نے میرا میک اپ ختم کیا تو میں اس دنیا کے لاتعداد اسرار و نکات سے آگاہ ہو چکا تھا۔ بس تھوڑی سی پریکٹس کی ضرورت تھی..... پریکٹس ہی کسی شے کو مکمل بناتی ہے!

نسیم نے کہا ''میں نے تمہارا جو میک اپ کیا ہے' اگر اس کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی گئی تو یہ چوبیس گھنٹوں تک بالکل ایسا ہی رہے گا۔ آج کل موسم میں زیادہ حدت نہیں اس لیے مذکورہ لمٹ میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔''

اس کے بعد نسیم نے مجھے مزید اہم رموز سے آشنا کیا جس میں مختلف قسم کے اسپرنگ پیڈز کی مدد سے چہرے کے خدوخال کو تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ کانٹیکٹ لینس کے ساتھ ساتھ گالوں اور نتھنوں کے پھیلاؤ اور سکڑاؤ کی ٹیکنیک بھی بتائی۔ نقلی مونچھوں اور داڑھی کا استعمال بھی سکھایا۔ الغرض اس نے منہاس باقر سے تعلق کا حق نبھا دیا۔ جب ہم وہاں سے رخصت ہوئے تو مختلف قسم کے ضروری ساز و سامان کی ایک بڑی تعداد و مقدار بھی ہمارے ساتھ تھی۔

''اس سامان کے لیے میں کیا پیش کروں؟'' میں نے شائستگی سے اخلاقیات نبھانے کی کوشش کی۔

وہ بے تکلفی سے مسکرایا اور بولا ''کچھ بھی نہیں۔ منہاس صاحب نے مجھے اس سلسلے میں منع کر دیا ہے!''

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ جرح و بحث کی کوئی گنجائش باقی نہیں تھی لہٰذا ہم اس کے اسٹوڈیو سے نکل آئے۔ خالد بن ولید روڈ پر آنے کے بعد میں نے صدف سے کہا۔

''ہمیں واپس فلیٹ پر جانا ہے۔''

اس نے گاڑی کو علامہ اقبال روڈ پر ڈال دیا۔ چند منٹ بعد ہم طارق روڈ پر تھے' ہم فلیٹ کے اندر داخل ہوئے تو صدف نے کہا۔

''وجدان! تمہارا بدلا ہوا حلیہ بتا رہا ہے تم کسی نہایت ہی اہم مشن پر روانہ ہونے والے ہو تم مجھ سے چھپا کیوں رہے ہو؟''

میں نے الٹا اسی کو پکڑ لیا ''صدف! تم نے وعدہ کیا تھا' گزشتہ رات والے معرکے کے بعد تم اس آتشیں کھیل سے الگ ہو جاؤ گی اور پوری توجہ اپنی تعلیم پر دو گی۔ میں نے اسی وعدے کی بنیاد پر تمہیں کل رات اپنے ساتھ رکھا تھا اور اب تم.....''

اس نے میری بات مکمل نہ ہونے دی اور بات کو سنبھالتے ہوئے بولی ''میں کب تم سے ضد کر رہی ہوں کہ آج کے مشن میں بھی مجھے اپنے ساتھ رکھنا'' اس کے انداز میں بہت کچھ ڈھکا چھپا تھا ''میں تو صرف جاننا چاہتی ہوں آج تم کس قسم کی ہنگامی مصروفیات میں رہو گے؟''

اس نے بات ایسی کر دی کہ میں اسے جے ڈی ملک کے بارے میں بتانے پر مجبور ہوگیا۔ صدف ایک قابل اعتماد اور مخلص دوست تھی۔ ایسے جاں نثار ساتھیوں پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کیا جا سکتا ہے۔ میں تو محض اسے محفوظ رکھنے کے لیے احتراز برت رہا تھا کہ کہیں وہ بھی میرے ساتھ پرواز کے لیے پر نہ تولنے لگے۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے بتایا ''صدف! تم جان چکی ہو' منہاس صاحب کی فیملی پر جو قیامت برپا کی گئی اس کا ذمے دار چوہدری نوازش کا ایک مہرہ خاص جے ڈی ملک ہے۔ میں نے اس کے آلۂ کار چار کمانڈوز کو جہنم واصل کر دیا ہے۔ شہزاد ان کمانڈوز کے ''ابا جان'' یعنی جے ڈی ملک کو عبرت ناک انجام سے گزارنا چاہتا ہے۔ ہمیں پتا چلا

ہے ملک اپنے ایک دوست صفدر علی کے بنگلے پر چھپا بیٹھا ہے۔ میں جے ڈی ملک کو نارتھ ناظم آباد کے مذکورہ بنگلے سے نکال کر شہزاد کے حوالے کردوں گا۔ باقی وہ جانے اور اس کا کام!''

میری بات ختم ہوئی تو وہ قدرے مطمئن نظر آنے لگی۔ میں نے اس کی تسلی کی خاطر مزید کہا ''صدف! تم یہ مت سمجھو کہ میں تمہیں بالکل ہی نظر انداز کررہا ہوں۔ آج ایک مشن میں تم میرا ساتھ دوگی۔''

اس کی آنکھیں چمک اٹھیں ''کون سا مشن؟''

''لنچ مشن!''

''کیا تم میرے ساتھ کہیں لنچ پر جانا چاہتے ہو؟''

''کہیں کیا مطلب!'' میں نے تیز لہجے میں کہا ''آج کا لنچ تمہارے گھر پر ہوگا۔''

وہ حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگی ''مگر..... میں تو انہیں منع کرچکی.....''

''تو کیا منع کرنے کے بعد تمہارے گھر والے ہمیں کھانا نہیں دیں گے؟''

''ایسی بات نہیں۔'' وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی ''میرا مطلب ہے وہ اہتمام.....''

''کسی اہتمام کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے قطعیت سے کہا ''جو دال روٹی ملے گی وہ کھالیں گے۔ اصل مقصد تو تمہارے پاپا سے ملاقات کرنا ہے نا۔ دعوت اور اہتمام پھر کبھی سہی!''

وہ اس دوران میں یک ٹک میرے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ جلدی سے بولی ''لیکن اس وقت تو تم اپنے حلیے میں نہیں ہو۔ میرا مطلب ہے وجدان کے بجائے کچھ اور بن چکے ہو۔ میں وجدان کی حیثیت سے تمہارا تعارف کس طرح کراؤں گی۔ یہ تو ایک کھلا جھوٹ ہوگا۔ ماموں اور نگزیب نے جس وجدان کو دیکھا ہے پاپا اس سے مختلف وجدان کو دیکھیں گے تو گڑبڑ نہیں ہوجائے گی!''

''کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔'' میں نے معتدل لہجے میں کہا ''اور نہ ہی تمہیں کھلا یا بند جھوٹ بولنے کی ضرورت ہے۔ تم سیدھا سیدھا کہہ سکتی ہو اس وقت میں ہلکے میک اپ میں ہوں۔ اللہ اللہ خیر سلا!''

وہ مطمئن ہوگئی۔ میں نے میک اپ اور گیٹ اپ کے سامان کو فلیٹ میں لاک کیا اور صدف کی وہائٹ سی میں سوار ہوکر اس کے گھر واقع فیز ون ڈیفنس سوسائٹی روانہ ہوگیا۔ صدف کی رہائش سی الیف کے کے سابق ''ساؤتھ'' کے نزدیک ہی تھی جہاں قریب ہی ایک سرسبز وشاداب پارک بھی موجود تھا۔ مذکورہ پارک کے ایک کونے میں جدید طرزِ تعمیر کی حامل ایک چھوٹی سی مسجد بھی تھی۔ صدف سے میری پہلی ملاقات اسی پارک میں ہوئی تھی۔

راستے میں میں نے صدف سے پوچھا ''جب میں تمہارے ڈی ایس پی ماموں اور نگزیب خان سے پہلی مرتبہ ملا تھا تو تم نے ایک کلاس فیلو کی حیثیت سے میرا تعارف کروایا تھا۔ یاد ہے نا' جب ایک ریسٹورنٹ میں سکندر نامی غنڈے سے معرکہ ہوا تھا۔ وہ تمہاری کزن نادیہ کے ساتھ بدتمیزی کررہا تھا!''

''اس منظر کا ایک ایک لمحہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' وہ ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے بولی ''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ..... آیا تم نے اپنے والدین سے بھی اسی حوالے سے مجھے متعارف کروایا ہے؟''

''تمہارا ابتدائی تعارف چھل پھول اور پھیل کراب کافی طویل و عریض ہوچکا ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی ''نادیہ کو تمہاری اصلیت معلوم تھی اور وہ ہمارے راز کی امین بھی ہے لیکن جب تم مجھے سمجھا بجھا کر لاہور میں چھوڑ کر کراچی آگئے تو تمہارے تعارف کو کھولنا ضروری ہوگیا۔ ماموں جانتے تھے تم فرید پاشا کی کوٹھی پر رکے ہوئے ہو اور میں تمہارے ساتھ کسی گاؤں کی سیر کو جارہی ہوں۔ ہم دونوں نے گاؤں کی سیر کا ''لطف'' جس طرح اٹھایا۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ازاں بعد فرید پاشا کی گلبرگ والی کوٹھی پر جو خون آشام واقعات پیش آئے وہ ماموں کے علم میں بھی آگئے۔ وہ پاشا انکل سے جاکر ملے تو مزید نئی کہانیاں ابھر کر سامنے آگئیں۔ ماموں نے گھر آکر اس سلسلے میں مجھ سے استفسار کیا تو میں نے تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر انہیں حقیقت سے آگاہ کردیا۔''

''کون سی حقیقت؟'' اس کی بات ختم ہوئی تو میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''تمہاری حقیقت اور کون سی!''

میں سر پکڑ کر رہ گیا۔

''تمہیں اتنا زیادہ تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت بھی نہیں کہ سر پکڑ کر بیٹھ جاؤ۔''

میری سماعت سے صدف کی تسلی بردار آواز ٹکرائی ''میں نے اپنے حوالے سے ایک لفظ بتا کر نہیں دیا۔''

''یہ تو اور بھی زیادہ خطرناک بات ہے۔'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا ''تمہارے پاپا کو تشویش ہوسکتی ہے کہ ان

کی بیٹی ایک ایسے شخص کے ساتھ کیوں گھومتی پھرتی ہے جو در در کی خاک چھانتے ہوئے اپنے دشمنوں سے نبرد آزما ہے!''

''میں نے تمہاری خوبیوں اور صلاحیتوں کو اجاگر کیا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی ''لہٰذا پاپا کے دل میں تم سے ملنے کا اشتیاق جاگا۔ پھر انکل ذوالفقار زیدی سے بھی پاپا کی بات ہوئی تھی۔ تم سمجھ رہے ہو میں کون سے انکل کا ذکر کررہی ہوں۔''

میرا دھیان اس وقت کسی اور تانے بانے میں لگا ہوا تھا اس لیے بے توجہی سے کہہ دیا ''پتا نہیں تم اپنے کون سے انکل کی بات کررہی ہو۔ ایک تو تم نے انکل بھی بہت سارے پال رکھے ہیں اور..... سب کے سب ہی نگڑے!''

وہ میری بات کا برا منائے بغیر بولی ''میں ائرپورٹ منیجر ذوالفقار زیدی کا ذکر کررہی ہوں۔ تمہیں یاد ہے نا' ڈارلنگ کے سلسلے میں انہوں نے ہماری بہت مدد کی تھی۔''

میں ڈارلنگ کے ذکر پر چونک اٹھا اور مجھے ائرپورٹ پر پیش آنے والا وہ عجیب وغریب واقعہ یاد آگیا۔ ڈارلنگ نامی اس پُراسرار سفید بلی نے لائیو اسٹاک کنٹینر میں پہنچتے ہی ایسا چکر چلایا تھا کہ وہاں موجود تمام جانوروں کی احتجاجی صدائیں ہر طرف گونجنے لگیں۔

ڈارلنگ کا تصور مجھے بہت دور تک لے گیا۔ اس بلی نے کسی محبوبہ کے مانند میرے ساتھ کئی شب و روز گزارے تھے اور بالآخر نقلی وجدان نے اسے ہلاک کردیا۔ اس کا دعویٰ تھا ڈارلنگ کے اندر کوئی بدروح چھپی ہوئی تھی جو مجھے شدید نقصان پہنچانا چاہتی تھی۔ ڈارلنگ کی ہلاکت جن حالات میں ہوئی اس وقت میں نقلی وجدان کی بات کو جھٹلانے کی پوزیشن میں نہیں تھا لیکن اب جب کہ میں اس بہروپیے کی طرف سے خاصا بیزار بیٹھا تھا تو ایک خیال ذہن میں یہ بھی آرہا تھا کہ کہیں ڈارلنگ نقلی وجدان کی کسی غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہوگئی تھی۔ بہرحال وہ جب تک میرے ساتھ رہی' اس ایک مخلص دوست' ایک وفادار محبوبہ کا کردار ادا کیا تھا' جب میں نقلی وجدان کی تھیوری کی روشنی میں ڈارلنگ کے اعمال وافعال کا جائزہ لیتا تو اس بلی کا کردار کسی گہری سازش سے کم دکھائی نہ دیتا۔ میرا ذہن ڈارلنگ کے حوالے سے ابھی صاف نہیں ہوا تھا۔

''پاپا تم میں ایک خاص وجہ سے دلچسپی لے رہے ہیں۔'' صدف کی آواز نے خیالات کا دھارا موڑ دیا۔ وہ کہہ رہی تھی ''تم مجھے جس طرح تعلیم کی طرف راغب اور مائل کررہے ہو' اس بات نے انہیں بہت متاثر کیا ہے۔ وہ تمہارے احسان

پر دلعزیز شخصیت صبیحہ بانو کے قلم سے

ایک سنسنی خیز سرگزشت

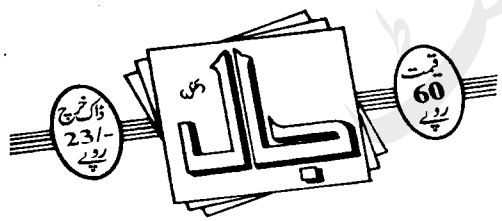

ایک ایسے انسان کی کہانی جسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے

کتاب کی قیمت۔ بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

Email: kitabiat1970@yahoo.com فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

مند ہیں کہ تم ان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے کوشاں ہو۔''

''اس غائبانہ احسان مندی اور متاثری کے بارے میں' میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں!'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

جواب میں وہ کہنے لگی' بہت کچھ کہنے لگی اور کہتی چلی گئی!

☆☆☆

شہزاد ایک اچھوتا آئیڈیا لایا تھا۔

اس وقت سہ پہر کے تین بجے تھے اور میں تھوڑی دیر پہلے ہی اس زیرِتعمیر بنگلے میں پہنچا تھا۔ صدف کے گھر پر کچھ بہ خیر و عافیت ہوگیا۔ ہلکی پھلکی گفتگو رہی صدف نے مجھے اپنی گھریلو ملازمہ آگنس سے بھی ملوایا۔ وہ سانولی سلونی باتونی لڑکی اپنے اندر ایک مخصوص قسم کی کشش رکھتی تھی۔ صدف کے پاپا خالص ایک کاروباری شخص مجھے یقین ہے اس ملاقات اور بچ کے لیے صدف ہی نے زور مارا ہوگا۔ بہرحال صدف مجھے اپنی گاڑی میں اس ٹھکانے پر چھوڑ گئی تھی۔ فیصل والا معاملہ اس سے پوشیدہ نہیں تھا لہٰذا کسی قسم کی پردہ داری کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ میری ایک ایسی ساتھی تھی جس پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کیا جاسکتا تھا۔ میں نے بہ وقتِ رخصت اسے یہاں کا فون نمبر بھی دے دیا تھا۔

میں یک ٹک شہزاد کو دیکھ رہا تھا۔ وہ گہری سنجیدگی میں بولا۔

''دجدان! جے ڈی ملک کو اس کی تازہ ترین پناہ گاہ سے نکالنا بہت آسان ہے۔ بس اس کے لیے مجھے تھوڑی سی نقالی کرنا ہوگی.....اور میرا یقین ہے' میں بہ خوبی ایسا کرلوں گا۔''

اس وقت ہم ٹیلی فون والے کمرے میں تھے۔ بنگلے کے ایک دور افتادہ حصے میں زرگل بڑی ہوشیاری سے فیصل کی نگرانی کررہی تھی۔ میں نے شہزاد کی بات کے جواب میں کہا۔

''تم کس نقالی کی بات کررہے ہو؟''

''آواز کی نقالی۔'' اس نے بتایا ''فیصل کی آواز کی نقالی!''

''ذرا تفصیل بتاؤ۔'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

وہ بولا ''میں نے بڑی گہرائی سے فیصل کو واچ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے میں پورے اعتماد کے ساتھ فیصل کے لب و لہجے میں بات کرسکتا ہوں۔ جے ڈی ملک کی پناہ گاہ کا فون نمبر میں نے حاصل کرلیا ہے۔ اگر میں فیصل بن کر اس سے رابطہ کروں اور اسے کسی مخصوص مقام پر پہنچنے کو کہوں تو وہ یقیناً میرے حکم کی تعمیل کرے گا۔ میں (فیصل) اس کے پاس چوہدری نوازش کا بیٹا ہوں گا۔ وہ کسی قسم کی چوں چراں نہیں کرسکتا۔'' وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''اس طے شدہ مقام سے ہم بہ آسانی جے ڈی ملک کو اغوا کر کے اپنی پسند کی جگہ پر پہنچا سکتے ہیں، تمہارا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟''

''آئیڈیا برا نہیں ہے۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا پھر پوچھا ''اغوا کے بعد تم جے ڈی ملک کو کہاں پہنچانا چاہتے ہو؟''

''سرجانی ٹاؤن والے ٹھکانے پر۔'' اس نے بتایا ''اس الگ تھلگ مقام پر اس سے نمٹنے میں بہت مزہ آئے گا۔ اس سلسلے میں تم تھوڑا ذہن دوڑاؤ۔'' وہ تھوڑے توقف کے بعد بولا ''دجدان! تم بڑی سرعت سے بے داغ کہانیاں بُن لیتے ہو۔ فیصل کے لیے چند لائنوں کا ایک اسکرپٹ تیار کرو جو وہ فون پر جے ڈی ملک سے بولے گا۔ جملے تاثر انگیز اور عمل خیز ہونا چاہئیں۔''

''میں نے ذہن دوڑا دیا۔'' میں نے ایک دم چونکتے ہوئے کہا ''تمہارا آئیڈیا جتنا عمدہ ہے اس کے لیے اسکرپٹ بھی جان دار ہونا چاہئے' بالکل جینوئن۔ تمہیں کسی قسم کی اداکاری یا نقالی کی ضرورت نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ متذبذب نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہا ''جب اصلی فیصل ہمارے پاس موجود ہے تو پھر نقالی کا رسک کیوں لیں.....اور سرجانی کی طرف جانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس یہ ایک محفوظ ٹھکانا ہے۔ جب ہم فیصل کو یہاں کنٹرول کیے ہوئے ہیں تو ایک جے ڈی ملک بھی سہی۔ بندہ اور بندہ نواز کو ایک ہی چھت کے نیچے وقت گزارنا چاہئے۔ چوہدری نوازش اور اس کا سپوت چوہدری فیصل' جے ڈی ملک کے ان داتا اور آقا ہیں۔ آقا اور غلام کے تعلق کو جڑے رہنا چاہئے۔''

میں ایک لمحے کو خاموش ہوا' پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''میں فیصل کے لیے ایک مؤثر اسکرپٹ تخلیق کرتا ہوں تاکہ ہمارا کام آسان ہوجائے۔''

''اگر ایسا ہوجائے تو مزہ آجائے گا۔'' وہ مسرور کن لہجے میں بولا ''انڈرون روف کارروائی کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔ فیصل سے ایک خون ریز مقابلہ اور جے ڈی ملک سے ایک.....'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر معنی خیز نظر سے مجھے تکنے لگا۔

آئندہ دس منٹ میں' میں نے شہزاد کو اپنی پلاننگ سے آگاہ کردیا۔ یہ پلاننگ بڑے ہنگامی انداز میں میرے ذہن میں ترتیب پائی تھی۔ شہزاد کو فیصل کے پاس جا کر میری مرضی کے مطابق ایک ڈیل کرنا تھی۔ اس کام کے لیے اگر فیصل آمادہ

ہوجاتا تو فبہا۔ بہ صورتِ دیگر ہم کوئی اور راہ نکالتے۔ مجھے امید تھی' فیصل اپنی آزادی کی خاطر ہماری بات ماننے پر تیار ہوجاتا۔

زرگل کو واپس بلا لیا گیا اور میں شہزاد کے ساتھ فیصل کے پاس پہنچ گیا۔ میں اس وقت میک اپ میں تھا اور شہزاد و زرگل اس راز سے واقف تھے۔ فیصل کے لیے میں ایک نیا چہرہ ایک اجنبی شخص تھا اور ویسے بھی مجھے خاموش رہنا تھا' فیصل سے معاملاتی گفتگو شہزاد ہی کو کرنا تھی۔

فیصل کو اس زیرِتعمیر بنگلے کے انتہائی محفوظ گوشے میں رکھا گیا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے حرکات و سکنات کے قابل نہیں تھا۔ بقول شخصے ہم نے اسے نتھ ڈال کر رکھی تھی تاہم وہ اگر چیخ چلا کر بھی کسی کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی سعی کرتا تو اس کی یہ کوشش رائگاں ہی جاتی۔ پولیس کی کارروائی کے بعد وہ بنگلا ہمارے لیے اور بھی زیادہ موزوں اور محفوظ ہوگیا تھا۔ گویا ایک طرح سے اسے ''این او سی'' حاصل ہوگیا تھا۔ اب اس طرف کسی کا دھیان جانے کی امید نہیں تھی۔

ہم فیصل کے پاس پہنچے تو وہ مجھے دیکھ کر چونک اٹھا۔ شہزاد تو اس کے لیے شناسا تھا لیکن میں نئی انٹری تھا۔ شہزاد نے زیرِلب مسکراتے ہوئے فیصل کو مخاطب کیا اور بولا۔

''لگتا ہے تمہاری قسمت خاصی یاور ہورہی ہے!''

''کوئی نئی چال چلنے آئے ہو؟'' وہ بہ دستور مجھے گھورتے ہوئے شہزاد سے بولا۔

شہزاد نے کہا ''میری نیت پر شک نہ کرو۔ میں تمہیں آزادی کی نوید سنانے آیا ہوں۔ تم آج کی تاریخ میں اس غم زدہ زندگی سے نجات حاصل کرسکتے ہو لیکن اگر تم میں تھوڑی سی بھی سمجھ بوجھ ہوئی تو!''

شہزاد نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو فیصل ایک لمحے کا تامل کیے بغیر بولا ''تم کس سمجھ بوجھ کی بات کررہے ہو؟'' اس کی آنکھوں میں ایک انوکھی سی چمک ابھر آئی تھی۔

آزادی کی خبر ہر انسان کو بے پناہ خوشی پہنچاتی ہے اور طاقت ور انسان اگر چند روز کے لیے بے بسی و بے کسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجائے تو آزادی اس کے لیے ایک نعمتِ غیرمترقبہ کی شکل و حیثیت اختیار کرجاتی ہے وہ اس آزادی کے حصول کی خاطر ہر بات ہر شرط ہر مطالبہ ماننے پر تیار ہوجاتا ہے۔ فیصل کا ردِعمل عین فطری اور حالات کے تقاضوں کے یکسر مطابق تھا۔

شہزاد نے میری ہدایات کے مطابق ''کھیل'' جاری

رکھا اور گمبھیر لہجے میں بولا ''فیصل! یہ میرے ایک بہت اچھے دوست ہیں۔ خان بہادر!'' بات ختم کرتے ہی اس نے میری جانب اشارہ کردیا۔ فیصل نے بڑی گہری اور الجھی ہوئی نگاہ مجھ پر ڈالی۔

میں نے مسکراہٹ کے انداز میں ہونٹوں کو سکیڑا تاہم زبان سے ایک لفظ ادا نہ کیا۔ شہزاد سلسلۂ کلام کو دراز کرتے ہوئے بولا۔

''اگر تم آج کی تاریخ میں آزادی چاہتے ہو تو ان کی ایک فرمائش پوری کردو۔ میں تمہیں بہ خوشی جانے کی اجازت دے دوں گا۔''

فیصل نے استعجابیہ نظر سے مجھے دیکھا اور بولا ''کس قسم کی فرمائش؟''

میرے بجائے شہزاد نے اسے بتایا ''خان بہادر کی ایک شخص سے بہت پرانی دشمنی ہے۔ مذکورہ شخص نے میرے اس دوست کو بے حساب نقصان پہنچایا ہے۔ اگر تم اس دشمن شخص کو میرے دوست کے حوالے کردو تو تمہاری جان چھوٹ سکتی ہے۔''

وہ ایک پتے کی بات کرتے ہوئے بولا ''دراصل' میں تو وجدان کا قیدی ہوں۔ اگر تم مجھے کسی شرط کے بدلے آزاد کردو گے تو وجدان کو کیا جواب دو گے اور.....'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر متذبذب انداز میں بولا ''اور ابھی تک تو میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تم مجھ سے کس شخص کا مطالبہ کررہے ہو؟''

''زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' شہزاد نے تسلی آمیز لہجے میں کہا ''جب میں یہ کہہ رہا ہوں کہ خان بہادر میرا دوست ہے تو اس کا مطلب یہی ہے یہ وجدان کا بھی دوست ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وجدان سے فون پر میری بات ہوئی ہے۔ میں اسی کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق تم سے سودے بازی کررہا ہوں۔'' وہ چند لمحات کے لیے متوقف ہوا۔

شہزاد کو میں نے جتنا کچھ سمجھایا تھا' وہ اس سے بڑھ کر پرفارم کررہا تھا..... اور خوب پرفارم کررہا تھا۔ اس تیار ہنڈیا کو اس نے خوشبودار بگھار لگاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

''تمہاری اطلاع کے لیے بتاتا چلوں کہ وجدان نے اپنی ساتھی ساحل کا سراغ لگالیا ہے۔ ایک آدھ گھنٹے میں وہ وجدان کی دست رس میں ہوگی۔ وجدان کے جان نثار دستے نے شعیب غوری کو شدید نقصان پہنچا کر ساحل کو اس کے چنگل سے آزاد کرالیا ہے اور اب تک وہ وجدان کے پاس پہنچ چکی ہوگی یا پہنچنے ہی والی ہوگی۔ خود سوچو اس کے بعد تم اور تمہاری حیثیت وجدان کی نظر میں دو کوڑی کی رہ جاتی ہے۔ وہ تمہیں اچار میں یہ نہیں ڈالنا چاہتا۔ تم لوگوں سے اس کی جنگ ساحل کی خاطر تھی۔ جب وہ اس کے قبضے میں آگئی تو سب کچھ ختم ہوکر رہ جاتا ہے۔ وجدان خواہ مخواہ کی قتل و غارت گری کو پسند نہیں کرتا۔ اس لیے تمہارے ذریعے اپنے ایک دوست خان بہادر کا بھلا چاہتا ہے۔ اب یہ تمہاری سمجھ بوجھ پر منحصر ہے کہ کس طرح خان صاحب کے کام آتے ہو میں تمہیں.....''

وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا ''تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ میں کس شخص کو تمہارے اس دوست خان بہادر کے حوالے کروں اور کس طرح..... میں تو خود تمہارے رحم و کرم پر ہوں!''

''میں تمہیں یہی سب کچھ بتانے جارہا تھا لیکن تم چوٹی چلانے سے باز نہیں آئے۔'' شہزاد نے اسے گھر کا پھر سے جاری رکھتے ہوئے بولا ''تم اس شخص سے فون پر رابطہ کروگے بلکہ ہم تمہارا رابطہ کرائیں گے۔ تم اسے ہمارے بتائے ہوئے ایک مخصوص مقام پر پہنچنے کا حکم دو گے۔ وہ تمہارا حکم سن کر دوڑا چلا آئے گا اور.....''

''کون دوڑا چلا آئے گا؟'' وہ ایک مرتبہ پھر شہزاد کی بات پوری ہونے کا انتظار نہ کرسکا۔

شہزاد نے اسے بری طرح جھڑکا ''لگتا ہے تمہاری زبان میں بڑی خارش ہے۔ مجھے مجبور نہ کرو کہ میں اس گوشت کے لوتھڑے کو تمہاری گدی سے کھینچ باہر نکالوں!''

فیصل ناگواری سے باری باری ہم دونوں کو دیکھنے لگا۔

شہزاد نے زہر خند لہجے میں انکشاف کیا ''تمہارے اس رشتے دار کا نام جے ڈی ملک ہے!''

''جے ڈی ملک!'' وہ اس طرح اچھلا جیسے بجلی کا ننگا تار چھولیا ہو۔

اسے بے دریے حیرت کے جھٹکے لگ رہے تھے۔ یہ خبر فی الحال کچھ کم غضب کی نہیں تھی کہ میں نے ساحل کو دستیاب کرلیا تھا۔ اس پر جے ڈی ملک کی حوالگی کا مطالبہ! فیصل کی حالت دیدنی تھی۔ ویسے ایک بات ہے جب شہزاد نے ساحل کے حصول کی بات کی تو میرے دل سے ''آمین!'' نکلا تھا۔ یہ ایک بے ساختہ جذبہ تھا۔

ہم فیصل سے اچھی خاصی غلط بیانی کررہے تھے اور وہ سب کچھ مصلحت اور حالات کا تقاضا تھا۔ ہمارے دشمن دودھ پیتے معصوم بچے نہیں تھے اور نہ ہی عبادت گزار نیک دل انسان۔ وہ جتنے سفاک اور بے رحم تھے' اس کے پیش نظر انسانی سلوک کے متقاضی تھے۔

فیصل کے اچھلنے پر شہزاد نے کہا ''ہاں میں اسی جے ڈی ملک کا ذکر کررہا تھا جو تم لوگوں کا کراچی نیٹ ورک چلا رہا ہے۔ تمہارے باپ نے میاں زاہد حسین کی جگہ اسے دے دی ہے لیکن یہ ملک سخت نالائق ثابت ہوا ہے۔ اس نے چند روز میں پے در پے اتنی غلطیاں کی ہیں کہ تمہارا باپ بھی اس سے خوش نہیں۔''

''لیکن وہ تو ابا جی کا بہت خاص آدمی ہے۔'' فیصل تردد آمیز لہجے میں بولا ''اسے کسی دشمن کے حوالے کرنے کے لیے پہلے مجھے بڑے چوہدری صاحب سے بات کرنا ہوگی۔''

''اس کا مطلب ہے تمہیں اپنی آزادی بلکہ زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں۔'' شہزاد نے پھنکار سے مشابہ لہجے میں کہا ''کان کھول کر سن لو' وجدان نے تمہیں مکمل طور پر میرے سپرد کردیا ہے۔ اس کی مجبوبہ اسے مل گئی ہے۔ میں اب تمہارے ساتھ جو بھی سلوک کروں' وجدان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور میں تمہارے جسم و جان کو جس عذاب سے گزاروں گا' تم اس تکلیف اور اذیت کا تصور کرکے ہی بے ہوش ہوجاؤ گے میں تمہاری روح فنا کرکے رکھ دوں گا۔''

فیصل خاصا متفکر نظر آنے لگا۔ اسے شش و پنج میں دیکھ کر شہزاد نے ایک اور روڑا اچھالا ''یہ تمہارے ہاتھ میں آیا ہوا آخری موقع ہے فیصل! تم نے اپنی آزادی کے لیے ہمارے سیکیورٹی گارڈ سہیل کو ایک کروڑ روپے کی پیش کش کی تھی اور یہ رقم تم اسے جے ڈی ملک ہی سے دلوانے والے تھے۔ اس ڈیل کا جو نتیجہ برآمد ہوا اس پر بات کرنا فضول ہے۔ قسمت کی مہربانی نے تمہیں ایک اور نادر موقع دیا ہے۔ اگر تم نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا تو اس غلطی پر پچھتانے کے لیے تم زندہ نہیں رہو گے' اینڈ اٹ از فنل اینڈ فائنل!''

شہزاد کے لہجے میں پوشیدہ سنگینی نے فیصل کو تشویش میں مبتلا کردیا۔ وہ مبہم سے لہجے میں بولا ''میں کس طرح جے ڈی ملک کو تمہارے حوالے کروں۔ میں تو خود قید و بند میں پڑا ہوں؟''

''تمہیں اس نیک کام کے لیے کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں۔'' شہزاد نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''ہماری ''مہمان نوازی'' میں شاید تمہاری یادداشت کو خاصا دھچکا لگا ہے۔ خاص طور پر شارٹ ٹرم میموری کو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تم صرف جے ڈی ملک کو فون پر ہمارے بتائے ہوئے مقام تک آنے کا حکم دو گے۔ ہم ملک کو مذکورہ مقام سے پک کرکے یہاں لے آئیں گے اور بس تمہاری چھٹی!''

وہ تعاون آمیز نظر سے باری باری ہم دونوں کو دیکھنے لگا۔

شہزاد نے کہا ''میں تمہیں سوچ بچار کے لیے چار گھنٹے دیتا ہوں۔ اگر تم میری بات ماننے کے لیے تیار ہوگئے تو میں ٹھیک آٹھ بجے رات جے ڈی ملک سے تمہارا رابطہ کراؤں گا۔ اس سے اپنے حکم کی تعمیل کرانا تمہارا کام ہے۔ میں صرف تمہیں ٹپس دے سکتا ہوں۔ وہ اگر فوری طور پر اپنی پناہ گاہ سے روانہ ہوگیا تو تیس پینتیس منٹ میں ہمارے مطلوبہ مقام تک پہنچ جائے گا۔'' شہزاد میرے رٹائے ہوئے سبق کو دہرا رہا تھا۔

فیصل نے اس کی بات کے اختتام پر کہا ''پناہ گاہ!'' اس کے لہجے میں حد درجہ حیرت تھی۔

شہزاد نے طنزیہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''جے ڈی ملک کی رہائش گاہ پر جو قیامت ٹوٹی ہے اس نے اسے سر پر تالیں رکھ کر فرار ہونے پر مجبور کردیا ہے۔ وہ اس وقت اپنے ایک دوست صفدر علی کے بنگلے پر نارتھ ناظم آباد میں چھپا ہوا ہے۔ میں اسی بنگلے کے فون نمبر پر اس سے تمہاری بات کراؤں گا۔ میں نے اس روپوش ملک کے لیے جبھی تو ''پناہ گاہ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں!''

فیصل گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے انداز سے آمادگی جھلکتی تھی۔ وہ چوہدری زادہ تھا اور ان لوگوں کے نزدیک اپنے ملازموں یا آلۂ کاروں کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں ہوتی' چاہے ایسا شخص جے ڈی ملک ہی کیوں نہ ہو۔ فیصل کی سلامتی کی خاطر درجنوں جے ڈی ملکوں کو قربان کیا جاسکتا تھا۔

میں شہزاد کے ساتھ واپس ٹیلی فون والے کمرے میں آگیا۔ زرگل وہاں موجود تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی' فیصل کے ساتھ ہم نے کس قسم کے مذاکرات کیے ہیں اور اسے یہ سب کچھ جاننا بھی نہیں چاہیے تھا۔ اس بنگلے پر آئندہ پانچ چھے گھنٹوں میں جو واقعات پیش آتے وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیتی۔

میں نے فیصل کو سوچنے کے لیے اتنی زیادہ مہلت اس لیے بھی دے دی تھی کہ میں اندھیرا ہونے کا انتظار کررہا تھا۔ اندھیرا بے پناہ خوبیوں کا مالک ہے۔ یہ بہت سے عیوب کو اپنے سیاہ سینے میں چھپا لیتا ہے۔ ہم اپنے انتقام کی خاطر جو کچھ کرنے جارہے تھے' وہ بہرحال ایک جرم ہی تھا۔ اندھیرے کی آڑ میں ایسے کام آسانی سے ہوجاتے ہیں۔ تاریکی جہاں گناہ کو جنم دیتی ہے' وہیں وہ اسے تحفظ بھی فراہم کرتی ہے۔

چاہے کچھ بھی ہے' تار کی وفا نبھانا جانتی ہے!

تھوڑی دیر بعد ذرگل فیصل کی نگرانی کے لے وہاں سے اٹھ گئی۔ میں نے شہزاد سے کہا ''اب میں چلتا ہوں۔ شام سے پہلے آنے کی کوشش کروں گا اور اگر کچھ دیر بھی ہوگئی تو پھر بھی آٹھ بجے سے پہلے تو ضرور لوٹ آؤں گا۔''

میں اسے بتا چکا تھا کہ منہاس باقر نے مجھے اپنے بنگلے پر بلایا ہے۔ ہمارے درمیان ضروری نوعیت کے کچھ امور طے ہوئے پھر میں وہاں سے رخصت ہونے لگا تو شہزاد نے کہا۔

''وجدان! تم چاہو تو سوک لے جاؤ۔ مجھے تو کہیں آنا جانا نہیں۔''

لائٹ گرین کلر کی ہونڈا سوک پورچ میں کھڑی تھی تاہم میں نے اسے لے جانا مناسب نہ سمجھا۔ مجھے تو چند قدم پیدل چلنے کے بعد کوئی ٹیکسی مل جاتی لیکن اگر اس بنگلے پر کوئی ایمرجنسی پیش آجاتی تو وہ گاڑی بہت مفید ثابت ہوتی۔

''گاڑی کو تم اپنے پاس ہی رکھو۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

شہزاد نے اصرار نہیں کیا اور میں بنگلے سے نکل آیا۔

منہاس باقر کا وہ بنگلا اپنی تعمیر کے آخری مراحل میں تھا چوں کہ مکمل نہیں ہوا تھا اس لیے میں اسے بار بار زیرِ تعمیر ہی لکھ رہا ہوں حالاں کہ اس کی تکمیل میں بہت تھوڑا کام باقی تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ منہاس نے تعمیری عمل کو ایک عرصے سے کیوں روک رکھا تھا؟ سچی بات تو یہ ہے کہ اس سے اس موضوع پر بات کرنے کی مجھے فرصت ہی نہیں مل سکی تھی۔

میں دو ڈھائی سو گز پیدل چلا تھا کہ ایک ٹیکسی مل گئی۔ منہاس باقر کا بنگلا وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں اس کے گیٹ پر کھڑا تھا۔ نئے گارڈز میرے لیے اجنبی تھے پھر اس وقت میں بھی اپنے اصل حلیے میں نہیں تھا اس لیے جان پہچان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن جب میں نے انہیں اپنا نام بتایا تو وہ ایٹین شن ہوگئے۔ اگلے ہی لمحے مجھے ایک اجڑے ہوئے گھر کے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد منہاس باقر میرے پاس تھا۔ ہم نے بڑی گرم جوشی سے خاموشی اور جذباتی معانقہ کیا پھر وہ سنجیدگی سے بولا۔

''دوسرے کمرے میں آجاؤ۔ وہ سب لوگ ادھر بیٹھے ہیں۔''

میں نے رسمی علیک سلیک میں منہاس کو اپنے حلیے کے بارے میں پہلی فرصت میں بتا دیا تھا مگر اس نے ابھی تک اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا تھا کہ وہ مجھے کن لوگوں سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں اس کی معیت میں ایک اندرونی کمرے میں پہنچا۔ پھر میں نے جیسے ہی اس کمرے میں قدم رکھا' میرا سر خود بخود ندامت سے جھک گیا۔

میری نظر نے وہاں فرید پاشا' قاضی سلطان اور شہناز کے شوہر کو بیٹھے ہوئے دیکھا اسی لمحے فرید پاشا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ وہ منہاس باقر سے پوچھ رہا تھا۔ ''یار منہاس! کیا واقعی یہ وجدان ہے؟''

اس وقت تک منہاس نے انہیں میرے تبدیل شدہ حلیے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ قاضی سلطان اور منہاس کا داماد بھی شک زدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ منہاس نے مختصر الفاظ میں انہیں میرے بارے میں بتا کر مطمئن کر دیا۔

قاضی سلطان اپنی جگہ سے اٹھا اور بانہیں وا کرتے ہوئے میری جانب بڑھا ''بڑا تڑپایا ہے تم نے وجدان!'' اس کے انداز میں والہانہ پن تھا۔

میں بے اختیار اس کے سینے سے جا لگا۔ وہ کافی دیر تک مجھے بھینچے خاموش کھڑا رہا۔

قاضی سلطان کے بعد فرید پاشا کی باری آئی۔ لاہور کی آب و ہوا اور خالص خوراک کا دل دادہ وہ شخص بڑے محبت بھرے انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوا اور کئی لمحات تک ہولے ہولے میری پشت کو تھپکتا رہا۔ اس سے فارغ ہو کر میں نے شبانہ کے شوہر سے معانقہ کیا۔

وہ سب لوگ منہاس باقر کا غم بانٹنے آئے تھے۔ منہاس نے مجھے ان کے بارے میں پیشگی کچھ نہیں بتایا تھا لہٰذا وہ ملاقات میرے لیے کسی سرپرائز سے کم نہ تھی۔ دوستوں پر احسان نہیں کیا جاتا لیکن قاضی سلطان اور فرید پاشا بار بار میرے تعاون اور کارناموں کو سراہ رہے تھے جس سے مجھے اور زیادہ شرمندگی ہونے لگی۔ میں نے قاضی سلطان کی بیٹی ممتاز کو دو مرتبہ بازیاب کیا تھا۔ ایک دفعہ بنی سر میں جب ڈاکوؤں نے اسے بھاری تاوان کے لیے اغوا کیا تھا اور دوسری بار وہ ساحل کے ساتھ اغوا کی گئی تھی۔ ممتاز کو میری رہنمائی میں عمر کوٹ سے برآمد کر لیا گیا مگر میری ساحل نا حالی مجھ سے دور تھی۔ فرید پاشا کی جواں سال خوب رو بیوی نائلہ کو بھی میں نے ایک رات اغوا ہونے سے بچایا تھا۔ ان دونوں کا احسان مندی کا اظہار ایک طرف لیکن میں اس احساس سے بڑی خفت محسوس کر رہا تھا کہ میرے سبب منہاس باقر اور فرید پاشا نے بے حد نقصان بھی اٹھایا تھا۔ البتہ شبانہ کا شوہر غیر

اب داری نبھاتے ہوئے خاموش بیٹھا تھا۔

وہ لوگ منہاس کے پاس تعزیت اور دل جوئی کے لیے آئے تھے۔ اس لیے ہلکے پھلکے انداز میں بات چیت کر رہے تھے۔ ان لوگوں سے مل کر مجھے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ میں اپنے اس احساس پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا..... اور اس میں منہاس باقر بھی شامل تھا۔ میں کچھ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے میں زندگی میں ان سے آخری بار مل رہا ہوں!

یہ بڑا خطرناک احساس تھا۔ اگر میری یہ فیلنگز مبنی بر حقیقت تھیں تو اس کے دو مطالب نکلتے تھے یا تو وہ لوگ کسی بہت بڑے طوفان کی لپیٹ میں آنے والے تھے اور یا پھر میری زندگی قریب الختم تھی! میں نے ایک جھرجھری لی اور ان تمام ہولناک خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔

اسی لمحے قاضی سلطان نے کہا ''بھئی ایسے بالکل مزہ نہیں آرہا۔ میں جس وجدان سے بات کرنا چاہتا ہوں' وہ چہرہ کہیں غائب نظر نہیں آرہا۔''

''یار! تم نے پردہ دار بیبیوں کی طرح کیوں میک اپ کا گھونگٹ نکال رکھا ہے۔'' پاشا نے کہا ''قاضی صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اگر ہم تمہاری یہ نئی صورت دیکھتے رہیں گے تو بات چیت میں خاک لطف آئے گا؟''

منہاس باقر نے میری حمایت میں کہا ''تم لوگ وجدان کو پریشان نہ کرو۔ اس نے اگر بھیس بدل رکھا ہے تو کسی خاص مقصد کے لیے یہ رنگ اپنایا ہوگا۔ بات چیت تو ایسے بھی ہو سکتی ہے۔''

''نہیں ہو سکتی ایسے بات چیت۔'' قاضی سلطان نے جذباتی انداز میں کہا۔

فرید پاشا بولا ''اور تمہیں پل برائز بننے کا اتنا ہی شوق تھا تو پہلے بھی ہو جاتے۔''

''یار! یہ شخص شوبز سے متعلق تھا اور میرے نئے فلم پروڈیوسر کیاں اس سے چھپ نہیں سکی تھیں۔ وہ فوراً حقیقت جان گئی گیا تھا۔ قاضی اور پاشا کی باتوں سے مجھے یہ بھی ہوا کہ ان دونوں میں اچھی خاصی بے تکلفی تھی اور..... بخشے میں بھی مجھے کسی دقت کا سامنا نہیں پیش آیا کہ وہ لوگ منہاس باقر کا دل بہلانے کی کوشش میں چھیڑ چھاڑ سے کام لے رہے تھے۔ میں بھی تو وہاں منہاس کا وقت بہلانے ہی آیا تھا۔

میں نے باری باری موجود افراد کے چہروں کو دیکھا اور ان سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اگلے ہی لمحے میرے قدم واش روم کی جانب اٹھنے لگے۔

میں کمرے سے نکل کر واش روم میں داخل ہوا تو وہ احساس بھی میرے ساتھ ہی اندر پہنچ گیا۔ ایک مرتبہ پھر مجھے بڑی شدت سے محسوس ہوا' میں ان لوگوں ان چہروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچھڑنے والا ہوں۔ یہ صورتیں میرے لیے عنقا ہونے والی ہیں!

باوجود کوشش کے بھی جب اس احساس نے میرا پیچھا نہ چھوڑا تو میں جھنجلا کر میک اپ سے پیچھا چھڑانے لگا۔ وہ عارضی میک اپ جو دوبارہ' تبارہ بھی کیا جا سکتا تھا..... اور اب میں اس کام کے لیے کسی کا محتاج بھی نہیں رہا تھا۔ اپنے خیر خواہوں کے لیے اس ادنیٰ سی شے کی قربانی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

میں اصلی وجدان کی حیثیت سے واش روم سے نکلا تو وہ لوگ ایک مرتبہ پھر اٹھ کر مجھ سے ملے تاہم اس بار انہوں نے صرف مصافحے پر اکتفا کیا۔ ان کے اس دوبارہ ملنے نے میرے احساس کو ایک دفعہ پھر چونکایا اور لامحالہ میرے ذہن میں ابھرا..... کیا میرا اختتام آن پہنچا یا پھر وہ چاروں سدا کے لیے مجھ سے جدا ہونے والے ہیں۔

میں نے ایک مرتبہ پھر ذہن کو جھٹکا اور ایک صوفے پر بیٹھ کر ان سے بات کرنے لگا۔ منہاس باقر ''ابھی آیا'' کا کہہ کر وہاں سے جانے لگا تو قاضی سلطان بول اٹھا۔

''کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں۔ چپ چاپ ادھر بیٹھ جاؤ۔''

فرید پاشا نے کہا ''تم نے وجدان کو یہاں بلایا ہے اور خود کہیں اور چل دیے!''

منہاس باقر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ''میں وجدان ہی کی خاطر جا رہا ہوں..... اور اسی گھر کے اندر ہوں کہیں باہر تھوڑا جا رہا ہوں۔'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا ''پتا نہیں' اس نے دوپہر کا کھانا بھی کھایا ہوگا یا نہیں!''

''میں پوری طرح کھا پی کر آیا ہوں منہاس صاحب۔'' میں نے جلدی سے کہا ''اس سلسلے میں کسی تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ لنچ میں نے صدف کے گھر پر کیا ہے۔''

منہاس جاتے جاتے رک گیا اور خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ فرید پاشا نے چونکے ہوئے لہجے میں کہا ''یہ صدف وہی لڑکی ہے نا جو لاہور میں تمہارے ساتھ گھوم رہی تھی؟''

''بالکل وہی ہے بھائی۔'' منہاس باقر نے گرہ لگائی ''اور پتا نہیں' وہ دنیا میں کہاں کہاں اس کے ساتھ گھومے

گی۔ بڑی ضدی لڑکی ہے۔''

منہاس باقر ایک سنجیدہ اور متین شخص تھا۔ اس کے مندرجہ بالا تبصرے سے لگتا تھا' پاشا اور قاضی اس کا غم غلط کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوگئے تھے۔ منہاس کے اس جملے میں اچھی خاصی شگفتگی پائی جاتی تھی جو کہ ایک مثبت علامت تھی۔ مخلص دوست اپنا فرض نبھانے کی حتی الامکان کوشش کررہے تھے۔

فرید پاشا نے گفتگو کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے کہا ''بھئی قاضی صاحب! میں نے تو اس لڑکی کا ذکر سنتے ہی پیش گوئی کردی تھی کہ یہ ایک مثلث فلم ہے..... ایک ہیرو' دو ہیروئن والی بے انتہا جذباتی فلم۔ اگر وجدان صدف کے ساتھ بھی تھوڑے واقعات آگے بڑھائے تو میں زندہ کرداروں پر مبنی ایک جیتی جاگتی سپر ہٹ فلم بنانے کو تیار ہوں۔''

''جس طرح صدف اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس سے تو یہی نظر آرہا ہے' ان دونوں کے باہمی واقعات تیزی سے آگے بڑھیں گے۔'' منہاس باقر نے ایک اور پیش گوئی کردی۔ اگر میں خاموش بیٹھا رہتا تو یہ لوگ مجھ سے تفریح کا عمل جاری رکھتے۔ وہ میرے سچے خیر خواہ اور مخلص دوست تھے اور میں جانتا تھا' قاضی اور پاشا مجھے ٹارگٹ پر رکھ کر منہاس کو تفریح مہیا کرنے کی کوشش کررہے تھے جس کے خوش گوار تاثرات منہاس پر مرتب ہونا شروع ہوگئے تھے۔ وہ رفتہ رفتہ رنج واندوہ کے بادلوں سے باہر آرہا تھا۔

فرید پاشا نے منہاس باقر کی بات پر کٹکڑا لگایا ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو منہاس! اب تو صدف کے گھر میں لنچ بھی ہونے لگے۔ میں اس لڑکی سے ملا ہوں۔ اپنی کزن کے ساتھ میری کوٹھی پر آئی تھی۔ بڑی آندھی طوفان قسم کی لڑکی ہے وہ۔ مارشل آرٹس کی چیمپئن اور میڈیکل کی طالبہ۔ میں تو سوچ رہا ہوں لاہور پہنچتے ہی اس فلم کی ابتدائی تیاریاں شروع کردوں..... بھئی وجدان کی فلم کے لیے تو اسپیشل یونٹ ترتیب دینا پڑے گا۔''

قاضی سلطان نے کہا ''پاشا! یہ آپ نے خوب بات بتائی۔ وہ لڑکی ڈاکٹر بھی بن رہی ہے اور لڑائی بھڑائی کے فن کی بھی ماہر ہے۔ میرے دل میں اسے دیکھنے کا اشتیاق جاگ اٹھا ہے۔ یہ بڑا عجیب سا کمبی نیشن نہیں ہے سائیں!''

''ایسا ویسا عجیب قاضی صاحب!'' منہاس باقر نے سنجیدگی سے کہا ''لیکن یہ ایک حقیقت ہے اور آپ نے اشتیاق جاگنے کا کیا ذکر کردیا جناب۔ وجدان ایک فون کرے گا تو وہ دوڑی چلی آئے گی۔ صدف سے ملاقات کروانا تو اس کی بائیں چٹکی کا کھیل ہے۔ وہ اس کی کوئی بات نہیں ٹالتی۔''

''خدا خیر کرے وجدان کی۔'' فرید پاشا نے شرارتی آمیز انداز میں کہا ''دو دو کا تجربہ بڑا خطرناک ہوتا ہے' چاہے وہ بیویاں ہوں یا محبوبائیں! یہ تو کوئی ہم سے پوچھے!''

فرید پاشا نے دو شادیاں کررکھی تھیں۔ نائلہ اس کے ساتھ شہر میں رہتی تھی جب کہ شاہین نامی پہلی بیوی اس کے آبائی گاؤں سید پور میں سسرال میں رہتی تھی۔

اس سے پہلے کہ یہ موضوع کوئی سنگینی اختیار کرجاتا' قاضی سلطان نے فرید پاشا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''قاضی صاحب! اگر آپ صدف سے ملنا چاہتے ہیں تو میں کسی وقت اسے بلالوں گا۔ یہ کون سا مشکل کام ہے۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے پوچھا ''اور سنائیں' بنی سرکا کیا حال ہے؟''

وہ مجھے اپنے علاقے اور حالات سے آگاہ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں فرید پاشا سے اس کے باپ کے انتقال پر تعزیت کررہا تھا۔ قاضی اور پاشا اکیلے ہی آئے تھے۔ شاید شوہر اس دوران میں تھوڑی دیر چپ بیٹھا رہا پھر اٹھ کر گھر کے اندرونی حصے میں چلا گیا۔ آخر میں' میں نے پاشا سے گھر کی تھری اور فاضلیہ کالونی والی کوٹھیوں کے بارے میں دریافت کیا۔

وہ یک دم سنجیدہ ہوگیا اور گھمبیر لہجے میں بولا ''یار وجدان! تم وہاں لاہور میں بڑا لمبا چوڑا پواڑا ڈال آئے ہو لیکن بہرحال میں نے سارے معاملات سیٹ کرلیے ہیں۔ ذرا دیر کو رک کر وہ اضافہ کرتے ہوئے بولا ''تعلقات کارآمد ہی ہے یار! اگر میری جگہ کوئی ہما شما ہوتا تو لگ جاتا بے چارہ کسی تاریک کھڈے میں۔''

قاضی دوستی اور تعلق کے طفیل پنجابی کے اچھے الفاظ سے آشنا تھا۔ فرید پاشا نے پواڑا کا لفظ استعمال کیا تو وہ معنی خیز نظر سے مجھے دیکھنے کے بعد پاشا سے بولا۔

''وجدان جہاں جاتا ہے' وہاں پواڑا ڈال کر آتا ہے۔ اندرونِ سندھ میں بھی اس نے کچھ کم افراتفری نہیں مچائی تھی!''

پھر ہمارے درمیان گزرے ہوئے واقعات وحالات زیر بات ہونے لگی۔ ممتاز کا دوبارہ کا اغوا لاہور میں پیش آنے والے خون ریز واقعات' پھر کراچی کی ہنگامہ خیز سرگرمیاں' یہود نواز تنظیم سی ایف کے' شعیب غوری' چوہدری نیٹ ورک الغرض میری زندگی کے تمام ہی اہم شعبے زیر بحث آئے۔ ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی۔ قاضی دیا پاشا نے ایک مرتبہ بھی منہاس باقر پر ٹوٹنے والی ہمت کا ذکر نہیں کیا تھا۔ یہ دوستی نبھانے کا ایک عمدہ نمونہ تھا!

ہماری گفتگو ابھی جاری ہی تھی کہ مغرب کی اذان ہونے لگی۔ اس وقت ساحل کا موضوع چل رہا تھا اور میں فی الحال ٹریفک سے بچنا چاہتا تھا لہٰذا وہاں سے رخصتی کے لیے اٹھنے لگا۔ مجھے ہر صورت آٹھ بجے سے پہلے شہزاد کے پاس پہنچنا تھا!

ملنے اور بچھڑنے کا عمل انسانی زندگی کا حصہ ہے۔ انسان مستقل طور پر کسی ایک حالت' ایک مقام پر نہیں رہ سکتا۔ فرید پاشا کو اسی رات واپس لاہور جانا تھا اور قاضی سلطان کو اگلے روز کراچی سرروانہ ہونا تھا تاہم وہ دونوں باری باری مجھ سے بغل گیر ہوئے۔

فرید پاشا نے بڑے وثوق سے کہا ''انشاء اللہ! ہم بہت جلد دوبارہ ملیں گے۔''

''انشاء اللہ!'' میں نے مختصر گوئی پر اکتفا کیا۔

دل میں اچانک ایک بے نام سی بے چینی اور اضطراب در آیا۔ میں نے کہنے کو کہہ تو دیا تھا لیکن محسوسات چیخ چیخ کر شور مچا رہے تھے..... یہ ہماری آخری ملاقات ہے! اس وقت میں نے کسی کو اپنے احساسات سے آگاہ کرنا ضروری نہ جانا اور دل گرفتہ خاموشی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوگیا۔ بے بسی کی اسی طرح مجبور کیا کرتی ہے!

وہ سب یہی سمجھے ہوں گے' یہ مل کر بچھڑنے کی مولیت ہے۔ وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہی تھے مگر ان کو کون بتاتا کہ یہ ابدی جدائی کی مالیت ہے!

☆☆☆

کسی زمانے میں وہ برساتی نالا ہوا کرتا تھا۔ بعد میں شہر آباد ہوتے ہوتے پھیلتا چلا گیا۔ بستیاں اور علاقے ایک دوسرے کے قریب آنے لگے تو اس نالے کے اندر سڑک بنا دی گئی۔ ایچ ایس ایچ سوسائٹی اور ای مارکیٹ کو آپس میں ملا دیا گیا۔ مذکورہ برساتی نالا جینیسر ہالٹ کے نزدیک ریلوے لائن کے نیچے سے گزرتا تھا۔ اس نالے پر بنی ہوئی پلیا شاید گزشتہ زمانے سے تھی۔

ہم نے جے ڈی ملک کو شکار کرنے کے لیے اسی پلیا کا انتخاب کیا تھا۔ پلیا کے نزدیک دونوں جانب کم از کم پچاس گز تک تاریکی کا راج رہتا تھا۔ اکثر و بیشتر پولیس والے اس اندھیرے میں چھپ کر رکشا ٹیکسی والوں سے ''ملاقات'' کیا کرتے تھے۔ وہ راستہ خاصا شارٹ کٹ تھا لیکن رکشا ٹیکسی والے کتراتے گئے کیونکہ پولیس والوں کے خوف سے ادھر سے جانے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔

میری تازہ ترین معلومات کے مطابق پولیس رات ساڑھے دس کے بعد ہی اپنی کارکردگی کا آغاز کرتی تھی لہٰذا ہمیں ان کی طرف سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں تھا۔ ہم ساڑھے آٹھ بجے تک اپنے مشن سے فارغ ہوجاتے۔

ہماری ہدایت کے مطابق فیصل نے جے ڈی ملک سے فون پر بات کرکے اسے صفدر علی کے بنگلے سے نکلنے پر مجبور کردیا تھا۔ فیصل ملک کے لیے ایک آقا کی حیثیت رکھتا تھا' اس کے حکم سے سرتابی کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ جے ڈی ملک نے ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے اس پلیا کے نیچے سے گزرنا تھا۔ اسے تاکید کی گئی تھی کہ وہ اکیلا آئے۔ اس نے گاڑی کا نمبر بتا دیا تھا اور وعدہ کیا تھا وہ فیصل کی ہدایت کو یاد رکھے گا۔

پروگرام کے مطابق جے ڈی ملک کو یہی بتایا گیا تھا کہ فیصل ای مارکیٹ کے نزدیک ایک نان بائی کی دکان کے قریب کسی خفیہ گوشے میں چھپا کھڑا ہوگا اور جیسے ہی وہ جے ڈی ملک کی گاڑی کو دیکھے گا' سامنے آجائے گا۔ پھر جے ڈی ملک اسے گاڑی میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔ ہمارا شکار نیلے رنگ کی ٹویوٹا اسٹارلٹ میں آرہا تھا۔ ای مارکیٹ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ جینیسر ہالٹ والے ریلوے پھاٹک کی طرف سے تھا لیکن شہزاد کی تاکید کے مطابق فیصل نے پلیا کے نیچے سے گزر کر آنے کی شرط لگادی تھی۔ جے ڈی ملک کو پلیا کے نیچے سے گزر کر بائیں جانب مڑنا تھا۔ جہاں چند گز کے فاصلے پر مذکورہ نان بائی کی دکان تھی۔

اس مشن میں شہزاد نے اپنے ایک بااعتماد دوست کو بھی شامل کیا تھا لیکن پلیا والی کارروائی کی حد تک۔ محمود نامی وہ شخص ہرگز نہیں جانتا تھا کہ جے ڈی ملک کون ہے اور ہم اسے کہاں کس مقصد کے لیے لے جانا چاہتے ہیں۔ شہزاد نے اسے اتنا ہی بتایا تھا' ایک دشمن کو چھاپنا ہے جو ساڑھے آٹھ بجے رات نیلی اسٹارلٹ میں پلیا کے نیچے سے گزرے گا۔ شہزاد اور محمود دونوں مسلح تھے اور پولیس کی وردی میں بھی۔ یہ وردیاں شہزاد ہی نے مہیا کی تھیں۔ محمود اپنی موٹر سائیکل بھی لے آیا تھا۔

ہماری پلاننگ کے مطابق شہزاد اور محمود کو پولیس والوں کے بھیس میں پلیا کے نزدیک موجود رہنا تھا۔ جیسے ہی نیلی اسٹارلٹ پلیا میں داخل ہونے کے لیے ڈھلوان اترتی' محمود اسے رکنے کا اشارہ کرتا۔ لامحالہ جے ڈی ملک کو گاڑی روکنا پڑتی۔ پولیس والوں سے خواہ مخواہ پھنڈا کوئی بھی مول نہیں لیتا۔ محمود' ملک کو گاڑی سے باہر نکلنے کو کہتا' بہانہ چیکنگ وغیرہ کا

ہوتا۔ ملک کے پاس انکار یا اعتراض کی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔ وہ اس لمحاتی چیکنگ کے لیے گاڑی سے نیچے اتر آتا۔ بس وہی لمحہ ہماری کارروائی کا ہوتا۔

شہزاد تھوڑے ہی فاصلے پر موٹر سائیکل کے قریب کھڑا ہوتا۔ میں اس ڈھلوان کے آغاز پر لائٹ گرین ہونڈا سوک میں ریڈ الرٹ بیٹھا ہوتا۔ شہزاد جیسے ہی جے ڈی ملک کو گن پوائنٹ پر لاتا' میں سوک کو اس کے نزدیک لے آتا۔ اگلے ہی لمحے شہزاد جے ڈی ملک کو گاڑی کی عقبی نشست پر پہنچا کر اپنے قابو میں کر چکا ہوتا۔

یہ ایک صاف ستھری اور بے داغ منصوبہ بندی تھی۔ مبینہ جائے وقوعہ اکثر ویران رہتی اس لیے ہمیں اپنی کارروائی میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہوتا۔ اس مختصر سے ایکشن کے بعد ہم جے ڈی ملک کو اپنے خفیہ ٹھکانے پر لے آتے اور محمود اپنی سوزوکی موٹر سائیکل پر کہیں بھی روانہ ہو جاتا۔ اور اب ہم اپنی اپنی پوزیشن پر بالکل تیار کھڑے تھے۔

میں نے گاڑی کو ایک ایسی جگہ روک رکھا تھا جہاں گاڑی کے اندر رہتے ہوئے میں عقب نما آئینے میں نیلی اسٹارلٹ کو اس سڑک پر مڑتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ''پولیس ناکے'' پر بھی میری نگاہ تھی۔ میری گاڑی اس زاویے سے پارک تھی کہ میں پہلی نظر میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا نظر نہ آتا۔ وہاں نیم تاریکی کا راج تھا۔

پھر وہ گاڑی میری نظر میں آ گئی۔ اس وقت آٹھ بج کر پچیس منٹ ہوئے تھے گویا' جے ڈی ملک پانچ منٹ پہلے آ گیا تھا۔ نرسری کی جانب سے آنے والی سڑک پر سے جب نیلی اسٹارلٹ ہماری گلی میں مڑی تو میں تن کر بیٹھ گیا۔ میں نے پہلی نظر میں نمبر پلیٹ کو دیکھ کر گاڑی کا نمبر کنفرم کیا پھر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف میری نگاہ اٹھ گئی۔

میں نے جے ڈی ملک کو روبہ رو نہیں دیکھا تھا۔ تاہم فیصل کی زبانی اس کا جو حلیہ میری یادداشت میں نقش ہوا' ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص اس پر فٹ بیٹھتا تھا..... اور وہ گاڑی میں اکیلا ہی تھا۔ اس کا یہی مطلب تھا' ملک نے فیصل کی ہدایت پر من وعن عمل کیا تھا۔

نیلی اسٹارلٹ میرے پاس سے گزر کر پلیا کی سمت بڑھ گئی تو میں نے نہایت ہی چابک دستی سے نستعلیق اور شائستہ مزاج ہونڈا سوک کا انجن بیدار کر دیا۔ وہ بڑے سنسنی خیز لمحات تھے اور سیکنڈ کا دس واں حصہ بھی ''کام کام اور صرف کام'' کا متقاضی تھا۔

میری آنکھوں نے دیکھا جے ڈی ملک نے ''پولیس'' کے اشارے پر بڑی شرافت سے گاڑی روک لی۔ میں بالکل تیار کھڑا تھا۔ جیسے ہی ملک' اسٹارلٹ سے باہر آیا میں نے گاڑی کو لمحاتی جنبشوں کے طفیل اس کے قریب پہنچانے کے لیے آگے بڑھا دیا۔

وہ میری اس حرکت پر چونکا لیکن میں اس سے پہلے ہی اسٹارلٹ کے اندر ہونے والی غیر متوقع ''حرکت'' پر چونک اٹھا تھا۔ اسٹارلٹ کی عقبی نشست پر میں نے ایک انسانی سر کی نمودار دیکھ لی تھی۔ میرے ذہن نے چشم زدن میں فیصلہ کیا اور میں نے گاڑی روکنے کے بجائے اسٹارلٹ کی پشت سے ٹکرا دی۔

یہ ایک اچانک ٹکر تھی جو میری گاڑی کی فرنٹ رائٹ سائیڈ نے ملک کی گاڑی کی بیک لیفٹ سائیڈ کو ماری تھی۔ اسٹارلٹ اسٹارٹ تھی۔ وہ میری گاڑی کا دھکا کھا کر نشیب میں چل نکلی اور اتفاق سے اس کا رخ آنے والے راستے کی جانب ہو گیا۔ اس دوران میں شہزاد جے ڈی ملک کو مار گرا چکا تھا۔

اسی لمحے اسٹارلٹ کے عقبی حصے میں سے ہم پر فائرنگ کی گئی لیکن ہم کلی طور پر محفوظ رہے۔ اسٹارلٹ بڑے بے ڈھنگے انداز میں قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رانگ سائیڈ پر پلیا میں داخل ہو رہی تھی اس لیے فائرنگ کرنے والے کا نشانہ چوک گیا۔ اس موقع پر چوکنا ہمارے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ شہزاد نے بڑی پھرتی کے ساتھ جے ڈی ملک کو سوک کی عقبی نشست پر پٹخا اور خود بھی پھلانگ کر اندر بیٹھ گیا' اگلے ہی لمحے میں نے گاڑی کو پلیا کے اندر ڈال دیا۔ ایک مرتبہ پھر فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ خطرناک کلاشنکوف گرجی لیکن ہم یک سر فائرنگ کی رینج سے باہر تھے۔ محمود اپنی موٹر سائیکل پر ایک طرف کھسک گیا تھا۔

''اس خبیث نے مجھے ملک کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔'' شہزاد نے زہر خند لہجے میں کہا۔ اس کا اشارہ جے ڈی ملک کے ساتھی کی طرف تھا جس نے دو مرتبہ فائرنگ کر کے ہمیں روکنے اور نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

میں نے عقب نما آئینے میں بیک ویو کا جائزہ لیا۔ اسٹارلٹ پلیا کے عین نیچے پھنس کر رہ گئی تھی۔ سامنے کی طرف سے ایک مزدا ٹرک اس کی راہ روکے کھڑا تھا۔ کلاشن بردار شخص جب تک ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر سیدھے راستے پر ہمارے تعاقب میں لپکتا' ہم اس کی پہنچ سے بہت دور نکل چکے تھے۔ میں نے اطمینان کی سانس خارج کرتے ہوئے سوک کو محمود آباد گیٹ کی جانب بڑھا دیا۔

اسی لمحے شہزاد نے جے ڈی ملک کو بڑی بے دردی سے بٹ کے اوپر سے اپنے پاؤں میں پہنچا دیا۔ پھر اسے گن کے ٹانے پر رکھتے ہوئے غرایا ''عہد شکن نامرادوں کو میں اپنے ذموں میں رکھتا ہوں۔'' بات ختم ہی اس نے اپنا ایک پاؤں ملک کے سینے پر جما دیا۔

ملک کے لیے یہ ایک غیر متوقع اور ہول ناک صورت حال تھی۔ اس کی زبان سے ابھی تک میرا نام خارج نہیں ہوا تھا اس کا یہی مطلب تھا' وہ مجھے صحیح طور پر دیکھ نہیں سکا تھا۔ اس نے گاڑی کو کارپوریشن سے ٹرن کیا اور کالا پل کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لیا۔ یہاں اسپیڈ بڑھانے میں خاصی آسانی محسوس ہوئی۔

جے ڈی ملک شہزاد کے پاؤں تلے دبے دبے سنایا ''میں نے کون سی عہد شکنی کی ہے؟''

''فیصل نے تم سے کہا تھا' اکیلے آنا۔'' شہزاد ترشی سے بولا ''اور تم اپنے اس گن بردار چیلے کو بھی گاڑی میں چھپا لائے عہد شکنی اور کیا ہوتی ہے؟''

''فیصل کہاں ہے؟'' ملک نے ترت پوچھا۔

''اگر یہ تمہارا آخری سوال ہے تو سن لو' فیصل اس وقت جہاں بھی ہے' تمہیں وہیں پہنچایا جا رہا ہے۔'' شہزاد نے کہا اور برا مان لیے بغیر بولا ''یار! گاڑی کو پارکی گیٹ کے بعد بائیں جانب اندر لے لو۔ میں ڈیفنس فیز ون کے اندر ہی اندر رہتے ہوئے ڈیفنس آفسز کی طرف نکل جائیں گے۔ وہاں سے نیشنل ہائی وے پکڑ لینا۔ آگے کا راستہ تمہیں معلوم ہی ہے۔''

میں نے خاموشی سے شہزاد کی بات پر عمل کر ڈالا۔ جے ڈی ملک مجھے دیکھ نہیں پا رہا تھا اور شہزاد کی بھی یہی کوشش تھی' وہ گاڑی میں میری موجودگی میں آگاہ نہ ہو پائے۔ مجبوری کی بات دوسری تھی۔

شہزاد کی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ جے ڈی ملک نے پوچھا ''اگر تم مجھے فیصل سے ملوانے جا رہے ہو تو یہ مجھ پر تمہارا احسان عظیم ہے۔ تم ایک مخلص دوست کا رول ادا کر رہے ہو لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی' تمہارا انداز دشمنوں جیسا کیوں ہے؟''

ایک بات ماننے والی تھی کہ اس کس مپرسی کی حالت میں جے ڈی ملک نے اپنے حواس کو بے قابو نہیں ہونے دیا اس کا مطلب تھا وہ مضبوط اعصاب اور ٹھنڈے دماغ کا مالک تھا مگر اس وقت شہزاد کے تیور بہت خطرناک نظر آ رہے تھے۔

وہ دھمکی آمیز لہجے میں پھنکارا ''تمہاری سمجھ میں اگر میری دوستی دشمنی نہیں بیٹھ رہی تو میں اس سمجھ کا آپریشن کر دوں گا۔ تمہیں اس سلسلے میں فکر مند ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر سنسناتے ہوئے انداز میں بولا ''تم نے ثابت کر دیا ہے وہ تمہارا آخری سوال نہیں تھا لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ اگر اب تم نے اپنی منحوس زبان کھولی تو میں اپنی گن تمہارے سینے میں خالی کر دوں گا اور..... اس کا مطلب یہی ہے کہ گن خالی کر دوں گا جو پوری طرح بھری ہوئی ہے!''

گاڑی کے اندر کامل سناٹا چھا گیا۔ جے ڈی ملک جیسے گھاگ شخص نے صورت حالات کی سنگینی اور شہزاد کے الفاظ کی بے رحمی کو حقیقی معنوں کے ساتھ سمجھ لیا تھا۔

میں ڈیفنس آفسز' مسجد والے خوب صورت پارک اور صدف کی رہائش گاہ کو اپنے پیچھے چھوڑتے ہوئے نیشنل ہائی وے (مین کورنگی روڈ) پر آ گیا۔ یہاں سے دو راستوں کے ذریعے ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچ سکتے تھے۔ ایک تو نیشنل ہائی وے کراس کرنے کے بعد فیز ٹو کے اندر ہی اندر راستہ تھا اور دوسرا راستہ نیشنل ہائی وے پر سفر کرنے کا تھا۔ آگے جا کر ہم مین خیابان اتحاد پر مڑ جاتے جو چند منٹ میں ہمیں منزل مقصود پر پہنچا دیتا۔

میں نے فیز ٹو کے قلب سے گزرنے والے راستے کا انتخاب کیا اور ہونڈا سوک کی رفتار میں بہ تدریج اضافہ کرتا چلا گیا۔ جے ڈی ملک ایک طرح سے اندھا ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے قطعاً یہ بات معلوم نہیں تھی کہ وہ اپنے ہی علاقے سے گزر کر لمحہ بہ لمحہ مقتل کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ٹھیک نو بجے ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔

شہزاد نے گاڑی کے اندر ہی ایک میلا کپڑا جے ڈی ملک کی آنکھوں پر کس کر باندھ دیا تھا۔ یہ گاڑی صاف کرنے والا ایک بدبودار کپڑا تھا جو جے ڈی ملک کے لیے ہماری طرف سے ہونے والی خاطر تواضع کی پہلی ڈش تھی۔ بنگلے میں داخل ہونے کے بعد ملک کو آنکھیں بند ہے بندھے ایک محفوظ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہ اس بات سے یک سر بے خبر تھا کہ میں بھی یہاں موجود ہوں۔

شہزاد قید و بند کا معقول سامان وہاں پہنچا چکا تھا۔ آئندہ پندرہ منٹ میں شہزاد نے میری مدد سے جے ڈی ملک کو بڑے تسلی آمیز انداز میں ''سیٹ'' کر دیا۔ میں اس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ زرگل نے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلا لیا۔

اس کے انداز سے خاصی گھبراہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ میں اس کے ساتھ ٹیلی فون والے کمرے میں آیا اور جلدی سے

پوچھا ''کیا بات ہے زرگل۔ تم اس قدر بوکھلائی ہوئی کیوں ہو؟''

''تمہاری آمد سے ایک منٹ پہلے صدف کا فون آیا تھا۔'' اس نے بتایا ''وہ فوری طور پر تم سے بات کرنا چاہتی ہے اس کے لہجے سے میں نے یہ محسوس کیا ہے، وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے۔''

زرگل کی بات نے مجھے تشویش میں مبتلا کردیا۔ میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا ''اس نے کچھ بتایا نہیں؟''

''نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولی ''بس اتنا کہا ہے وہ تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کرے گی۔ اس دوران میں وہ تمہیں فلیٹ اور منہاس صاحب کے بنگلے پر ٹریس کرنے کی کوشش کرے گی۔''

''اس کا مطلب ہے کوئی سیریس معاملہ ہے!'' میں یک دم متفکر ہوگیا۔

اس دوران میں شہزاد بھی ہمارے پاس آگیا۔ ہمارے لٹکے ہوئے چہروں نے اسے پریشان کردیا۔ الجھے ہوئے لہجے میں بولا ''تم دونوں کو کیا ہوا ہے؟''

اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی اس کے سوال کا جواب دیتا، ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف صدف تھی۔

وہ ہیجانی لہجے میں بولی ''تم کہاں رہ گئے تھے وجدان؟''

''کیا ہوگیا صدف؟'' میں نے الٹا اسی سے سوال کرڈالا۔

وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولی ''میں نے ساحل کا سراغ لگالیا ہے۔ تم فوراً میرے پاس چلے آؤ۔''

صدف اتنی بڑی بات کہہ رہی تھی کہ میں اچھل پڑا ''تم نے اسے کہاں دیکھا ہے؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا۔

''فون پر لمبی چوڑی بات نہیں ہوسکتی۔ میں ایک پبلک کال آفس سے بات کررہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے' میں آرہا ہوں۔ تم مجھے بالکل درست لوکیشن بتاؤ؟''

''میں عوامی مرکز کے سامنے سڑک کی دوسری طرف اپنی گاڑی میں ہوں۔'' اس نے بتایا ''میں نے اپنی گاڑی سروس روڈ کے کنارے کھڑی کررکھی ہے۔ فون رکھنے کے بعد میں گاڑی میں جا بیٹھوں گی۔''

میں نے پوچھا ''تم لال قلعہ والی سائیڈ کی بات کررہی ہو نا؟''

''بالکل صحیح۔''

''تم نے اس بات کا کسی اور سے ذکر تو نہیں کیا؟''

''قطعی نہیں۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

''تم میرا انتظار کرو' میں آدھے گھنٹے سے پہلے تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔''

میں نے ریسیور رکھا تو وہ دونوں استعجابیہ نظروں سے مجھے تکنے لگے۔ میں نے انہیں مختصراً صورتِ حال سے آگاہ کیا پھر شہزاد سے کہا۔

''مجھے فوری طور پر جانا ہوگا۔ تم دونوں ان دونوں پر گہری نظر رکھو گے۔ انشاء اللہ میں بہت جلد واپس لوٹ آؤں گا۔''

شہزاد نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا لیکن میں نے اسے سختی سے منع کردیا اور کہا ''جب تک میں واپس آتا تم ان دونوں کی ڈرائنگ تیار کرلو۔ پھر ہم دونوں مل کر ان میں رنگ بھریں گے۔''

وہ معنی خیز انداز میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

شہزاد اور زرگل کی خواہش تھی کہ میں گاڑی میں جاؤں لیکن میں نے ہونڈا سوک کو زیرِ تعمیر بنگلے پر ہی چھوڑا اور ایک نئی نویلی ٹیکسی پکڑ کر صدف کی طرف روانہ ہوگیا۔ صدف نے اتنی بڑی خوش خبری سنائی تھی کہ میرا تن بدن ہوا میں اڑنے لگا تھا۔ میری ہدایت پر ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی کو ہوائی گھوڑا بنادیا۔

تھوڑی دیر بعد میں صدف کی وہائٹ سنی میں بیٹھا اس سے استفسار کررہا تھا۔ اس وقت رات کے پونے دس بجے تھے۔ صدف نے مجھے جو تفصیل بتائی وہ ایک حیرت انگیز اتفاق ہی تھا۔ اس کے مطابق وہ اپنی ایک دوست سے مل کر واپس آرہی تھی کہ کارساز کے نزدیک اس نے ٹنٹڈ گلاسز والی ایک سیاہ گاڑی کو گزرتے ہوئے دیکھا۔ وہ روڈ کی دوسری جانب تھی۔ ٹنٹڈ گلاسز والی گاڑی کا گزرنا کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن اس سیاہ گاڑی کے پیچھے جانے والی پجارو نے صدف کی توجہ اپنی جانب مبذول کرادی۔ اس نے مذکورہ پجارو میں شکیب عثمانی کی ایک جھلک دیکھ لی تھی۔ وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی تو میں نے پوچھا۔

''کیا تمہیں یقین ہے وہ شکیب عثمانی ہی تھا؟'' میری آواز خاصی تیز تھی۔

''ایک سو ایک فی صد یقین ہے۔ میں نے گزشتہ رات اسے نقلی پولیس موبائل میں بیٹھے دیکھا تھا۔'' صدف نے پورے وثوق سے کہا۔

''تم مجھے ساحل کے بارے میں بتانے والی تھیں؟'' مجھ سے صبر نہیں ہورہا تھا۔

وہ بولی ''میں سیاہ ٹنٹڈ گلاسز والی گاڑی کے اندر تو نہیں دیکھ سکتی تھی تاہم میں نے پجارو کا تعاقب شروع کردیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چلتے ہوئے محمد علی سوسائٹی میں داخل ہوگئیں۔ اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی' وہ دونوں ایک ہی قافلے کا حصہ ہیں لیکن اندھے شیشوں والی گاڑی کو دیکھ کر میرے ذہن میں فوراً ساحل کا تصور ابھر آیا اور کوئی پُراسرار آواز میرے اندر کہنے لگی' اس گاڑی میں ساحل کو کہیں لے جایا جارہا ہے۔ میں نے بڑی محتاط روی سے دونوں گاڑیوں کا تعاقب جاری رکھا اور ان کی منزل دیکھ لی۔''

صدف دھماکا خیز انکشاف کررہی تھی۔ مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہونے لگا جیسے ٹنٹڈ گلاسز والی سیاہ گاڑی میں میری ساحل کو کہیں شفٹ کیا گیا ہے۔ میں نے بڑے اضطرابی لہجے میں صدف سے دریافت کیا۔

''مجھے اس منزل کا راستہ دکھاؤ جہاں ساحل کو پہنچایا گیا ہے۔ تمہیں وہ جگہ یاد ہے نا؟''

''بہت اچھی طرح یاد ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی ''میں نے اس ایک منزلہ سفید بنگلے کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا ہے جہاں وہ دونوں گاڑیاں پہنچی تھیں۔ بنگلے کے مین گیٹ کے ساتھ نصب نیم پلیٹ پر میں نے ''ایس۔غوری'' کے الفاظ بھی درج دیکھے ہیں۔''

''ایس غوری سے شعیب غوری بھی ہوسکتا ہے!'' میرے الفاظ میں بڑی تپش تھی۔

''میں بھی اسی حوالے سے ساحل کے بارے میں پُریقین ہوں۔'' صدف نے کہا۔

''مجھے فوراً اس سفید بنگلے پر پہنچادو۔'' میں نے اضطراری انداز میں کہا۔

چند منٹ کے بعد ہم محمد علی سوسائٹی میں واقع اس بنگلے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ گلی کے اختتام پر میں نے صدف کو گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ اس نے میرے اشارے کی تعمیل کردی۔ میں نے کہا۔

''گاڑی کو اسی جگہ چھوڑ دو۔ ہم ابھی اور اسی وقت سفید بنگلے میں داخل ہورہے ہیں۔ کیا تم ذہنی طور پر تیار ہو؟''

اچانک ہی میں نے صدف کو ساتھ رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

وہ بڑی دلیری سے بولی ''میں ذہنی اور جسمانی طور پر ہر طرح تیار ہوں۔''

ایک منٹ میں ہم نے لائحہ عمل تیار کیا۔ مجھے سامنے سے اور صدف کو عقبی سمت سے بنگلے میں داخل ہونا تھا۔ پھر جو بھی حالات پیش آتے' ان سے نمٹ لیا جاتا۔ ہم دونوں گاڑی سے باہر آئے۔ نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ کیا اور اپنی اپنی راہ پر ہولیے۔

مجھے بنگلے کے اندر داخل ہونے کے لیے کوئی خاص کوشش نہیں کرنا پڑی۔ گیٹ پوری طرح بند تھا اور چوکیدار گیٹ پر موجود نہیں تھا۔ میں نے نہایت ہی ہوشیاری سے دیوار پھاندی اور بنگلے کے اندر پہنچ گیا۔ سامنے ایک وسیع و عریض ڈرائیو وے نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی برآمدہ تھا۔ برآمدے کے سامنے حصے میں ایک بڑا منقش چوبی دروازہ موجود تھا۔ جہاں سے عمارت کے اندرونی حصوں تک رسائی حاصل کی جاسکتی تھی۔ مذکورہ دروازہ بند تھا۔

میں نے اپنے گردوپیش پر ایک چوکنا نگاہ ڈالی اور مطمئن ہونے کے بعد دبے قدموں منقش دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی میں نے برآمدے کا نصف حصہ ہی عبور کیا تھا کہ میرے قدم یک بہ یک رک گئے۔ اس وقت عقب سے کسی نے للکارا۔

''خبردار! ایک قدم بھی اٹھایا تو جان سے جاؤ گے! اس وقت تم ایک خطرناک گن کے نشانے پر ہو۔ یہ جدید طرز کی ہلاکت خیز گن کے کے ہے۔''

میں ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے ''ہینڈز اپ'' ہوگیا۔ حالات کی ستم ظریفی نے اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں چھوڑا تھا۔

میرے عقب میں موجود گن بردار ذرا قریب آگیا پھر اس نے مجھے رائفل کے نشانے پر رکھتے ہوئے جامہ تلاشی لی۔ اس کا انداز بڑا سرسری اور تھپتھپانے والا تھا۔ میں سمجھ گیا' اسے کسی مہلک ہتھیار کی تلاش تھی۔ میرے لباس میں ایسی کوئی شے موجود نہیں تھی چنانچہ اپنی تسلی کرنے کے بعد اس نے دوبارہ مجھے حکم دیا۔

''گھوم جاؤ!''

میں کسی بداری کا بچہ جمہورا نہیں تھا جو اس کے ایسے بے ہودہ احکام کی تعمیل کرتا۔ میں تو وہاں ڈگڈگی بجانے آیا تھا جس کی مخصوص آواز پر ان سب کو ناچنا تھا۔

ہاتھ ہوا میں بلند رکھتے ہوئے میں چشم زدن میں گھوما لیکن اس سے پہلے میری وسیل کک چلی۔ فضا میں ''شائیں'' کی آواز پیدا ہوئی اور میرے پاؤں کی طوفانی ضرب نے گن بردار کی کنپٹی پر دستک دی۔ ٹانگ کے لپیٹے میں اس کے ہاتھ آگئے لہٰذا گن اس کی گرفت سے نکل کر برآمدے کے پختہ فرش پر گری۔ وہ ایک غیر متوقع آفت کی زد میں آگیا تھا۔

وہیل کک بڑی خطرناک اور سریع الاثر ٹھوکر ہے اور یہ کک استعمال کرتے ہوئے تھوڑا سا آگے کو جھکنا پڑتا ہے۔ اس سے حملہ آور کو یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ اگر وہیل کک نشانے پر نہ بھی لگے تو اس کی باڈی مدِمقابل کے اٹیک سے محفوظ رہتی ہے۔

میری وہیل کک اپنے جائز مقام پر لگی تھی۔ مجھے دھکی دینے والا سر کو تھام کر پیچھے الٹ گیا۔ گن اس کے قریب ہی گری تھی اور یہ بات وہ بھی جانتا تھا۔ اپنی تکلیف کی پروا کیے بغیر اس نے گن اٹھانے کے لیے زمین پر پڑے پڑے ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں اس مرحلے پر چوکنے والا کہاں تھا۔

میں نے فضا میں ایک نیچی جمپ لگائی اور پریشر کک کے انداز میں اپنا پاؤں اس کے ہاتھ پر مارا۔ اس کے حلق سے بڑی دردناک چیخ برآمد ہوئی۔ اس کا ہاتھ گن اور میرے پاؤں کے بیچ آ گیا تھا۔ وہ اپنے گھائل ہاتھ کو تھام کر زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ میں نے جھک کر کلاشنکوف اٹھالی۔

اسی لمحے نقشین چوبی دروازہ کھلا اور وہاں سے دو ہٹے کٹے افراد نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھ خالی تھے۔ وہ اپنے ساتھی کی چیخ سن کر افراتفری میں اس کی خیریت معلوم کرنے آگئے تھے۔ میرے پاس تیار کلاشنکوف دیکھی تو انہی کے چہرے دھواں ہو گئے پھر وہ ہڑبڑا کر الٹے قدموں اندر گھس گئے۔

میں نے اندرونی حصے میں قدم رکھنے سے پہلے برآمدے کے فرش پر موجود تکلیف میں مبتلا شخص کی مشکل آسان کی۔ یہ ڈاکٹروں کا آزمودہ کارنسخہ ہے۔ وہ کسی بھی مریض کو شدید تکلیف سے نجات دلانے کے لیے نیند کا انجکشن دیتے ہیں۔ میں نے بھی اس شخص کو گہری بے ہوشی میں پہنچا دیا۔ مقصد ایک ہی تھا۔ بس اپنے اپنے طریقۂ کار کی بات ہے!

مجھے مسلح دیکھ کر پلٹنے والے اب تک نہتے نہیں ہوں گے۔ انہوں نے یقیناً اندر پہنچتے ہی اپنے ہتھیار سنبھال لیے ہوں گے لہٰذا مجھے زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔ میں اگلے قدم کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ بنگلے کے اندرونی حصے میں چیخ کی آوازیں ابھریں۔ میں سمجھ گیا صدف نے کارروائی شروع کردی تھی وہ شیر کی بچی اسی طرح انٹری دیتی تھی۔

میں بنگلے کی سائیڈ لیتے ہوئے پہلو میں آ گیا۔ اس طرف میں نے ایک روشن کھڑکی دیکھی تھی۔ سامنے کے بجائے اس جانب سے اندر داخل ہونا زیادہ مناسب تھا۔ میں نے کھڑکی کا جائزہ لیا۔ وہ بند تھی اور اس میں نصب شیشے اندر روشنی کا پتا دیتے تھے۔ میں نے سب سے اوپر والے شیشے پر رائفل کا دستہ مارا اور ریچنگ کر ایک طرف نکل گیا۔

چھناکے کی تیز آواز کے ساتھ شیشہ ٹوٹا اور اس کی کرچیاں دور تک پھیل گئیں۔ میں نے ایک لمحہ دیوار کے ساتھ کھڑے رہ کر انتظار کیا جب کھڑکی میں کوئی سرگرمی نظر نہ آئی تو میں کچھ گیا' اس کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا۔ شکر تھا ابھی تک بنگلے کے اندر کسی فائر کی آواز نہیں گونجی تھی۔

میں آگے بڑھا اور ٹوٹے ہوئے شیشے میں سے ہاتھ گزار کر کھڑکی کی سٹنگی گرادی۔ اگلے ہی لمحے میں کھڑکی کھول کر کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔

وہ کمرا میری توقع کے مطابق خالی تھا اور اس کا دروازہ نیم وا تھا۔ اسی لمحے دروازے کے باہر مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں لپک کر نیم وا دروازے کے پیچھے پہنچ گیا۔ شاید کوئی شیشے کے ٹوٹنے کا سبب جاننے اس طرف آ نکلا تھا۔ بڑی دیر کی تھی اس مہربان نے آتے آتے!

مگر میں کسی دیر کے موڈ میں نہیں تھا۔ جیسے ہی وہ شخص جھانکنے والے انداز میں کمرے کے اندر داخل ہوا، میں نے بڑی بے دردی سے کلاشنکوف کا بٹ اس کی کھوپڑی پر رسید کر دیا۔ وہ ایک بے معنی سی آواز نکال کر منہ کے بل فرش پر گرا۔ اسی لمحے باہر سے کسی نے پکار کر پوچھا۔

''ادریس! کیا ہوا۔ یہ آواز کیسی تھی؟''

پتا نہیں ادریس کا ساتھی شیشے کے ٹوٹنے کی آواز کے بارے میں استفسار کر رہا تھا یا اس کے منہ سے خارج ہونے والی بے معنی صدا کا پوچھ رہا تھا۔ ہر دو صورت میں ادریس نامی وہ شخص جواب دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اب یقینی تھا' ادریس کا ساتھی اس کی کیفیت معلوم کرنے ادھر کا رخ کرتا۔ میں کلاشن کوتان کر ریڈی الرٹ ہو گیا۔ ادریس کے خیرخواہ نے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی کیوں کہ ادریس ادھ کھلے دروازے میں سے صاف زمین بوس نظر آ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ باہر موجود شخص خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوتا' میں ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اس کے سامنے آ گیا۔ وہ انہی دو افراد میں سے ایک تھا جو تھوڑی دیر پہلے بڑے برآمدے والے دروازے میں نمودار ہوئے تھے۔ اس تنومند شخص کے ہاتھ میں مجھے ریوالور دکھائی دیا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس نے ریوالور سیدھا کرنا چاہا لیکن میں نے اسے مہلت نہ دی۔

میں بڑی تیزی سے ہوا میں اچھلا اور ایک دھواں دھار گھٹنا اس کے سینے پر رسید کیا۔ دوسرا گھٹنا اس کے پیٹ کے زیریں حصے پر پڑا۔ ناف کے مقام پر بڑی شدید چوٹ آتی ہے اور تکلیف ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ وہ کسی زخمی سرائی اونٹ کے مانند بلبلایا۔

میں نے اسی پر بس نہ کیا اور اس کے چہرے کے مختلف حصوں کو نشانہ بناتے ہوئے متعدد خوفناک سمچ جڑ دیے۔ اس کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ ان ناگفتہ بہ لمحات میں اسے ریوالور چلانے کا خیال کہاں سے آتا' اس کے لیے تو سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی ٹھوڑی اور ''خاطر داری'' کی اور اسے فرش پر لمبا لٹا دیا۔ ریوالور کو اٹھا کر میں نے پتلون کی جیب میں رکھا اور ایک طویل راہ داری میں دوڑ گیا۔

اس راہ داری کا اختتام ایک کشادہ کمرے پر ہوا۔ وہاں میں نے صدف کو دو افراد کے ساتھ دھواں دھار انداز میں نبرد آزما دیکھا۔ ایک لمحے میں مجھے اندازہ ہو گیا اسے میری مدد کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں مطمئن ہو کر اس کا فائٹنگ اسٹائل دیکھنے لگا۔

یہ اطمینان بڑا عارضی ثابت ہوا اور میں منہ کے بل فرش پر آ رہا۔ کسی نے بڑے خوفناک انداز میں مجھے عقب سے دھکا دیا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا دبے قدموں میرے قریب پہنچا تھا اور میری غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس نے مجھے زمین بوس کر دیا تھا۔

میں نے اٹھنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کی لیکن اس دوران میں وہ گینڈا مجھے اپنے پسٹل کے نشانے پر رکھ چکا تھا۔ میں نے بلک جھپکتے میں اسے پہچان لیا۔ وہ منقش دروازے سے پلٹنے والا دوسرا شخص تھا۔

میں نے کلاشنکوف سیدھی کرنا چاہی تو وہ غرایا ''نو..... گن کو پھینک دو۔ ورنہ بلاسوچے سمجھے کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔''

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کلاشن کوف کو دور پھینک دیا۔ گن صدف والے کمرے کے دروازہ کے پاس جا کر گری۔ اسی وقت پستول بردار شخص نے مجھے وارننگ دی۔

''کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔ اپنے ہاتھ ہوا میں اٹھا دو۔''

میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی ہدایت کو پورا کیا۔ ہم ایک دوسرے کے روبہ رو کھڑے تھے۔ ہمارے درمیان بہ مشکل پانچ فٹ کا فاصلہ رہا ہوگا۔ میرا رخ صدف کی طرف تھا جب کہ پستول بردار شخص کی اس جانب پشت تھی۔ وہ بڑی چوکنا نگاہ سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

اچانک صدف نے چیختے ہوئے اپنے مدِمقابل کو فرنٹ فلائنگ کک ماری۔ کِکس تو وہ پہلے بھی چلا ہی رہی تھی لیکن چیختی پہلی مرتبہ تھی میری چھٹی حس نے سیکنڈ کے لاکھویں حصے میں مجھے خبردار کیا کہ صدف نے مجھے پستول کے نشانے پر دیکھ لیا ہے اور مجھے چانس دینے کے لیے اس نے خواہ مخواہ حلق کا استعمال کیا ہے۔ مجھے فوراً اس موقع سے فائدہ اٹھانا تھا۔

نتیجہ حسبِ توقع برآمد ہوا۔ اپنے عقب میں صدف کی تیز چیخ سن کر پستول بردار ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا۔ میرے لیے وہ لمحاتی وقفہ بہت کافی تھا۔ میں نے فرنٹ اسٹیپ کے ساتھ اس کے پیٹ میں تھرسٹ کک ماری۔ وہ پستول سمیت پیچھے کو لڑھکا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کی تواضع شروع کر دی۔

اب ہم دونوں بھی صدف والے کمرے ہی میں تھے۔ پستول اس شخص کے ہاتھ سے نکل کر دور پڑی کلاشنکوف کے

پاس جا گرا۔ صدف نے اپنے مدمقابلین کی ٹھکائی کے دوران میں مجھ سے کہا۔

''وجدان! میں نے اپنی سائیڈ صاف کردی ہے۔ بس یہی دو بچے ہیں تین کو میں نے ادھرلم لیٹ کردیا ہے۔ تمہاری طرف کیا صورتِ حال ہے؟''

میں نے اپنے مدمقابل کو تھرو مار کر زمین پر پٹخا اور کہا ''میری سائیڈ بھی صاف ہی سمجھو۔ جو کچھ بچا ہے' تمہارے سامنے ہے۔''

''ان لوگوں کو جلد از جلد بے کار کر کے ہمیں بنگلے کی تلاشی لینا چاہئے۔'' صدف نے بلا کنگ کرتے ہوئے کہا ''ابھی تک جن کمروں سے گزری ہوں' وہاں ساحل مجھے دکھائی نہیں دی۔''

''وہ مجھے بھی کہیں نظر نہیں آئی۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اسی وقت صدف سے پٹنے والے ایک شخص نے موقع پا کر راہ داری میں دوڑ لگادی۔ یہ صدف کے حصے والی راہ داری تھی۔ وہ اس مفرور شخص کے پیچھے لپکی۔ بڑی سرعت سے بولی۔

''وجدان! تم انہیں سنبھالو۔ میں اس بھگوڑے کو مزہ چکھا کر آتی ہوں۔''

وہ دونوں میرے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ میں نے ان کا پھلکا اڑا دیا۔ ایک بات کا مجھے اندازہ ہوگیا کہ ان تین افراد کے سوا ہماری راہ میں رکاوٹ ڈالنے والا اور کوئی شخص بنگلے میں باقی نہیں بچا تھا۔ گویا ساحل اور میرے درمیان حائل تمام رکاوٹیں اٹھ گئی تھیں!

اس خیال نے مجھے سرتاپا مسرور کردیا۔ میں نے ہاتھ پاؤں کی نپی تلی خطرناک ضربات سے اپنے مقابل دونوں افراد کو زمین چاٹنے پر مجبور کردیا۔ جب مجھے یقین ہوگیا کہ اب وہ زمین سے اٹھ کر ہمارے کام میں مداخلت نہیں کریں گے تو میں ان پر لعنت بھیج کر اس سمت بڑھ گیا جدھر صدف گئی تھی۔

میں ایک دوراہ داریوں میں چکرایا اور پھر اسی کمرے میں آ گیا جہاں سے چلا تھا۔ وہ بنگلا عجیب و غریب طرزِ تعمیر کا حامل تھا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے احساس ہوا جیسے میں بھول بھلیوں میں آ نکلا ہوں۔ عام طور پر رہائش گاہیں اس انداز میں تعمیر نہیں کی جاتیں۔ اگر ساحل کو اس بنگلے میں رکھا گیا تھا تو اس کی اہمیت بھی تھی۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف وہی شخص باقی بچا تھا جس کے تعاقب میں صدف گئی تھی۔ مذکورہ شخص نہتا تھا۔ اگر وہ قابو آجاتا تو اس سے ساحل کے بارے میں معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔ میں نے اپنے تئیں تمام ممکنہ کمروں میں جھانک لیا لیکن ساحل کا کوئی سراغ ہاتھ نہ آیا۔

میں اس وقت ایک مشین بنا ہوا تھا۔ ایک راہ داری سے گزرتے ہوئے مجھے صدف نظر آ گئی۔ اس نے مذکورہ شخص کو زمین پر گرا رکھا تھا اور اس کے سینے پر پاؤں رکھے کچھ پوچھنے کی کوشش کررہی تھی۔

میں لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ زمین پر گرے ہوئے شخص کی حالت خاصی ابتر دکھائی دیتی تھی۔ صدف نے ہیجانی لہجے میں کہا۔

''وجدان! کسی طرح اس کی زبان کھلواؤ ورنہ ہم ساحل تک نہیں پہنچ سکیں گے۔''

میں نے نیچے جھک کر اس شخص کا جائزہ لیا۔ وہ واقعی آخری دموں پر تھا۔ میں نے مار پیٹ کے بجائے اسے ایسی جسمانی اذیت پہنچائی کہ تکلیف کی شدت سے اس کا بھٹکتا ہوا دماغ چند لمحات کے لیے مدوشن ہوگیا۔ میں نے گنتی کے ان لمحات کا بڑا بھرپور استعمال کیا اور اس سے اس بنگلے کے ایک کمرے کے بارے میں پوچھنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اہم کمرا جس میں میری ساحل کو قید کیا گیا تھا۔ میرا وجود اس وقت سنسنی کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔

وہ شخص زندگی کی قید سے آزاد ہوا تو ہم دونوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ہمارے قدم اس مخصوص دروازے کی طرف اٹھ گئے جسے کھولنے کا طریقۂ کار ہمیں معلوم ہو چکا تھا۔

وہ دروازہ اسی راہ داری میں واقع تھا جدھر میں نے پستول بردار کی گت بنائی تھی لیکن اس دروازے کی وضع قطع عام دروازوں جیسی نہیں تھی۔ وہ دیوار ہی کا ایک حصہ نظر آتا تھا۔ اس لیے ہمارا اس طرف پہلے دھیان نہیں گیا تھا۔

میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وہ دروازہ کھولا اور ہم دونوں یکے بعد دیگرے اس کمرے میں داخل ہوگئے۔ اسی وقت ہمیں حیرت کے شدید جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ ہمارے کمرے میں قدم رکھتے ہی دروازہ خود کار انداز میں کھٹاک سے بند ہوگیا تھا۔

ہم دونوں نے آنکھیں پھیلا کر اس کمرے کی حیرت آفرینی کو اپنی بصارت میں اتارا۔ وہ چکنے فرش والا ایک خالی کمرا تھا جس کی دیواروں اور چھت میں مختلف آئینے نصب تھے۔ اس کمرے کے در و دیوار میں ہم ہی ہم نظر آرہے تھے۔ ایسا ہی ایک سین میں نے بروس لی کی فلم ''انٹر دی ڈریگن'' میں دیکھا تھا۔ یہ آئینہ خانہ کمرا بھی اس کمرے جیسا ہی تھا۔ بروس لی کو شکار کرنے کے لیے فلم کے ویلن نے وہ کمرا تیار کروایا تھا۔

اسی لمحے برق کی رفتار سے ایک سنسنی خیز خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ کیا ہمیں بھی شکار کرلیا گیا ہے؟

اس خیال کے ساتھ ہی میرے وجود میں کسیلا دھواں بھرنے لگا۔ تم و بیش یہی کیفیت صدف کی بھی تھی۔ ہم نے الجھن زدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی کچھ بولتا' کمرے میں ایک مانوس آواز ابھری۔

میں نے اس ابلیس صفت شخص کی آواز کو پہچان لیا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ سی ایف کے کارو رواں شعیب غوری تھا۔ وہ اپنی منحوس زبان سے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ویلکم..... اینڈ ویل ڈن مسٹر وجدان!''

میں نے چاروں جانب نگاہ گھما کر آواز کے مآخذ کو کھوجنا چاہا لیکن مجھے کامیابی نہ ہوئی۔ اسی وقت شعیب غوری کی زہریلی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''کوئی فائدہ نہیں وجدان! تم کچھ بھی تلاش نہیں کرسکو گے۔ میں تمہارے بہت قریب موجود ہوں اور تمہیں دیکھ سن رہا ہوں۔ تم اپنی تمام صلاحیتیں آزما ڈالو لیکن اس کمرے سے باہر نہیں نکل سکو گے۔ اگر یقین نہ آئے تو ٹرائی کرسکتے ہو۔''

''تم چاہتے کیا ہو؟'' میں نے درشتی سے کہا۔

''بہت ہی خوبصورت سوال کیا ہے تم نے!'' وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا ''پیارے! میں جو چاہتا ہوں وہ بھی بتادوں گا پہلے ضروری کام تو نمٹالوں۔''

''ضروری کام!'' میں نے بے ساختہ کہا اور صدف کی طرف دیکھا۔

''ویری گڈ!'' شعیب غوری نے سرہانے والے انداز میں کہا ''تم بڑی جلدی میری سوچ تک پہنچ گئے۔ میں نے جس ضروری کام کا ذکر کیا ہے' اس کا تمہاری ساتھی سے گہرا تعلق ہے۔'' بات ختم کرتے ہی اس نے بے ہودہ انداز میں قہقہہ لگایا۔

''یہ کیا بکواس ہے!'' میں چیخ اٹھا ''ساحل کہاں ہے؟''

''ساحل کو بھول جاؤ احمق۔ ڈوبنے والے ساحل کی تمنا ہی کرسکتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش بھی پوری نہیں ہوتی۔ میں تمہیں تمہاری اس پستہ قامت ساتھی کے ہمراہ شرمناکی کے سمندر میں ڈبونا چاہتا ہوں۔''

اس کا اشارہ صدف کی طرف تھا۔ میں اس کے مقصد کی تہ تک نہ پہنچ سکا۔ بے اختیار میرے منہ سے نکلا ''پتا نہیں' تم کیا واہی تباہی بک رہے ہو!''

''پتا چل جائے گا..... ابھی سب کچھ سامنے آجائے گا!'' وہ سفاکی سے بولا ''میں بات ختم کرتے ہی اس بند حیرت انگیز کمرے میں ایک مخصوص قسم کی گیس چھوڑنے والا ہوں۔ وہ گیس تمہاری سانسوں کے ساتھ پھیپھڑوں میں اترے گی۔ تم دونوں نیم غنودگی کے عالم میں پہنچ جاؤ گے' تمہارے جذبات میں طوفان اٹھیں گے منہ زور اور بے لگام طوفان۔ تمہارے ذہنوں سے ہر تعلق ہر رشتہ مٹ جائے گا۔ تم ایک دوسرے کو صرف ایک مرد اور عورت کی حیثیت سے دیکھو گے۔ تمہارے جذبات میں بلا کا ہیجان پیدا ہو چکا ہوگا۔ تم لپلپائی ہوئی بھوکی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھو گے پھر تمہارے جبلی تقاضے منہ پھاڑ کر چیخنے لگیں گے اور میں.....'' اس نے ذرا توقف کیا پھر اسی شیطانی انداز میں بولا ''میں تم دونوں کی کارکردگی کی زندہ مووی تیار کروں گا۔ سانپ کو کینے کے بعد اس کا زہر نکالا جاتا ہے۔ میں بھی تمہیں اس مووی کے ذریعے بانجھ بنا کر رکھ دوں گا۔ وجدان! تمہاری ساری مردانگی اور پھرتی خاک میں مل جائے گی۔''

''بکواس بند کرو کتے!'' میں حلق کی پوری قوت سے دہاڑا۔

شعیب غوری کی آواز آنا بند ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کمرے کے اندر ایک عجیب سی بو کو محسوس کیا۔ صدف بھی وہ بو سونگھ چکی تھی۔ اس نے وحشت بھری نظر سے مجھے دیکھا۔ میں سٹ پٹا کر رہ گیا۔ میں نے پوری قوت سے ایک دیوار پر پنچ مارا۔ دیوار میں نصب آئینہ چیخ گیا۔ اس کے ساتھ ہی آئینے میں ابھرنے والا میرا عکس بھی بگڑ گیا۔ میں نے پلٹ کر بڑی تشویش سے صدف کا جائزہ لیا۔ میں اس کے چہرے پر نظر نہ ٹکا سکا۔ میں نے نگاہ جھکالی۔

وہ مخصوص بُو لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جارہی تھی!

زندگی سانس کی آمد و شد کا نام ہے!

ہم دونوں زندہ تھے اور سانس لے رہے تھے' زندہ رہنے کی خواہش ہمیں سانس لینے پر مجبور کر رہی تھی لیکن اس سانس کے ساتھ ہی ایک خطرناک گیس بھی ہمارے پھیپھڑوں میں اتر رہی تھی۔ شعیب خوری نے اگر اس مخصوص گیس کے شرم ناک اثرات کا ذکر نہ کیا ہوتا تو شاید میں اس قدر پریشان نہ ہوتا۔ ان نازک لمحات میں' میں انسانی نفسیات کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہ گیا تھا اور واقعتاً مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ ہیجان خیز گیس میرے جذبات کو بھڑکا رہی تھی' کچھ کر گزرنے پر اکسا رہی تھی۔ پھر اگلے ہی لمحے جذبات کی تیزی سے بڑھتی ہوئی یہ شوریدہ سری میرے وجود کے اندر سوئے ہوئے جبلی تقاضوں کو بیدار کرنے لگی۔

میں نے گھبرا کر اپنے سر کو جھٹکا اور نگاہ اٹھا کر صدف کی طرف دیکھا۔

وہ بھی اس وقت بڑے آزمائشی مراحل سے گزر رہی تھی۔ ظاہر ہے' اس کی کیفیت بھی مجھ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوگی۔ اس کے وجود میں بھی جذبات کا منہ زور طوفان اٹھ رہا ہوگا۔ جب ہم دونوں ایک ایسی فضا میں سانس لے رہے تھے تو پھر ہمارے احساسات کا دھارا دو رخ کیسے ہو سکتا تھا! ہم ایک ہی سمت میں بہہ رہے تھے۔ صدف نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور اس کے دونوں ہاتھ سر پر تھے۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ اپنے اندرون سے خاموش جنگ لڑ رہی تھی' اپنے خون میں پیدا ہونے والے اشتعال کو تھپک تھپک کر سلا رہی تھی۔

وہ مجھے بہت اچھی لگی اور اچانک میرے دل میں خواہش جاگی کہ آگے بڑھ کر اسے اپنی آغوش میں بھر لوں۔ وہ میرا آؤٹ اینگ نظر آ رہی تھی جس کے سنگ لگ کر میں اپنی تکمیل کر سکتا تھا۔ پتا نہیں وہ کیسی جادوئی گیس تھی جو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ میری خواہش کو مہمیز کر رہی تھی۔ پھر مجھے خود پر اختیار نہ رہا اور میرے قدم خود بہ خود صدف کی جانب اٹھنے لگے۔

ہمارے درمیان بہ مشکل پانچ فٹ کا فاصلہ رہا ہوگا جسے دو سیکنڈ میں پاٹا جا سکتا تھا لیکن ان ہیجانی لمحات میں مجھے وہ دو سیکنڈ دو صدیوں سے زیادہ طویل نظر آ رہے تھے۔ میں نے ایک قدم بڑھایا ہی تھا کہ بے بسی کے احساس نے مجھے ہوش سے بے گانہ کر دیا' اگلے ہی لمحے میں کمان سے نکلے ہوئے تیر کے مانند دونوں بازو وا کیے صدف پر جھپٹا۔

صدف نے آنکھیں کھولیں اور بڑی صفائی سے پہلو میں کھسک گئی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا' وہ بند آنکھوں کے پیچھے سے بھی مجھ دیکھ رہی تھی۔ اس کا بروقت ردِعمل حیران کن تھا۔ میں اپنی ہی جھونک میں منہ کے بل چکنے فرش پر جا گرا۔ فری فال ٹیکنیک کے باعث میں کسی سنگین چوٹ سے محفوظ رہا۔ میری دونوں ہتھیلیوں نے چکنے فرش کو بوسے دیے اور میں رولنگ کرتے ہوئے ایک طرف نکل گیا' عقب میں مجھے صدف کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''درج..... دان..... خود کو سنبھالو.....''

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر پلکیں جھپکاتے ہوئے صدف کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے چند قدموں کے فاصلے پر اسٹانس بنائے کھڑی تھی تاہم اس کے اسٹانس میں مضبوطی اور پختگی نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے اپنی سی کوشش کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

صدف کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ان خمار آلود آنکھوں میں بڑی معنی خیز چمک دیکھ کر میں تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ اس شیطانی گیس نے صدف کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ شعیب خوری نے اپنے مذموم عزائم بڑی وضاحت سے بیان کیے تھے۔ صدف کی ذہنی کیفیت کو مجھ سے زیادہ اور کون سمجھ سکتا تھا۔ ہم اس وقت ایک ایسی کشتی میں سوار تھے جس کے پیندے میں ایک خطرناک شگاف پیدا ہو گیا تھا۔ اگر ہمیں خود کو ذلت کے سمندر سے ڈوبنے سے بچانا تھا تو پھر اس فتنہ پرور گیس کے اثرات سے نکلنا تھا..... چاہے اس کے لیے ہمیں کچھ بھی کرنا پڑتا!

پھر میرا دماغ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ اس گیس نے ہمارے اندر اتر کر جو ہیجان پیدا کیا تھا وہ جبلی تقاضوں کی تکمیل کا تقاضا کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں ایک ہی خواہش مجسم ہو کر رہ گئی تھی اور وہ یہ کہ ہر مصلحت اور احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر صدف کو حاصل کر لوں' آج اسے اس کا نہ رہنے دوں' اس کا سب کچھ میرا ہو جائے۔ اسی قسم کا شیطانی انتشار صدف کے ذہن میں بھی پیدا ہو رہا تھا۔ مرد کی بہ نسبت عورت زیادہ ظرف اور برداشت کی مالک ہوتی ہے۔ وہ اپنے منہ زور جذبات کو زیادہ بہتر انداز میں لگام ڈالنا جانتی ہے۔ صدف بھی خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کوشش میں وہ گویا پل صراط سے گزر رہی تھی۔ میری سمجھ میں فوری طور پر یہی آیا کہ اس ہیجانی انتشار سے بچنے کے لیے ہمیں کسی اور مصروفیت میں غرق ہو جانا چاہیے..... اور دو فائٹرز کے لیے دنیا کی بہترین تفریحی مصروفیت فائٹ ہی ہو سکتی ہے!

اس خیال کے ساتھ ہی میں نے اپنی جگہ سے پرواز کی

اور صدف کو ایک فلائنگ کک مارنے کی کوشش کی۔ کوشش اس لیے کہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ میری کک میں وہ ایکو یسی نہیں تھی جو میرا خاصہ رہی ہے۔ یہ کسی نشے میں ڈوبے ہوئے شخص کا عدم دلچسپی سے معمور حملہ تھا۔

صدف بہ آسانی ایک جانب ہٹ کر میرے حملے سے محفوظ ہو گئی' اس کے ساتھ ہی وہ میرے ذہن تک بھی پہنچ گئی تھی کیونکہ راستے سے ہٹتے ہی اس نے ایک ریئر کک میری کمر پر جڑ دی۔ میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی فرنٹ پش کک میرے پیٹ میں لگی۔ میں سمجھ گیا' وہ بھی اپنے خون میں پیدا ہونے والی گرمی کو کسی اور محاذ پر نکال رہی تھی۔

پھر ہمارے درمیان باقاعدہ فائٹ شروع ہو گئی۔ اپنے ذہنی تناؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے یہ راستہ ہی سب سے زیادہ موزوں تھا۔ ہم بے دریغ ایک دوسرے پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگے۔ تاہم صدف کی نسوانیت ایک لمحے کے لیے بھی میری یادداشت سے غائب نہ ہوئی۔ میں اس پر ایسا کوئی ایک نہیں کر رہا تھا جو شدید نقصان کا باعث بنتا۔ میں اسے کوئی مہلک چوٹ لگانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اپنی جان دے دل مجھ پر نچھاور کرنے والی وہ پاکٹ سائز حسینہ میرے لیے بہت اہم تھی۔

شعیب خوری کی شیطانی اور شرم ناک چال سے بچنے کے لیے ہم میں سے کم از کم کسی کا ہوش مند رہنا ضروری تھا۔ اگر ہم دونوں ہی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے تو پھر ہمیں حیوان بننے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ ہوتی۔ ہم اس بند آئینہ خانے میں ایک ایسے گھناؤنے کھیل کے دو کردار بن کر رہ جاتے جس کے نتائج ہماری گردنوں کو زندگی بھر کے لیے جھکا کر رکھ دیتے۔

ہم دونوں ایک دوسرے پر بھرپور حملے کر رہے تھے۔ صدف کے ہاتھ پاؤں کسی مشین کے مانند کام کر رہے تھے مگر اس مشین کے موڈ کو شعیب کی سازشی چال نے ''سلو'' پر ایڈجسٹ کر دیا تھا۔ ہماری وہ فائٹ کسی فلم کا سلوموشن نظر آتی تھی۔ وہ خبیث ابن خبیث کسی دوسرے کمرے میں بیٹھا بہ غور ہمیں واچ کر رہا تھا۔ اب تک ہم نے اس کے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے ایک بھی لغزش قدم نہیں اٹھایا تھا۔ میں یہ سوچ کر خوش ہو گیا کہ شعیب کو ہمارے ایکٹ سے سخت مایوسی ہو رہی ہوگی۔

اگلے ہی لمحے مجھے محسوس ہوا' میری ہمت جواب دے رہی ہے۔ میں نے اپنی جبلی خواہش کے آگے مار دھاڑ کا جو بند باندھ رکھا تھا' اس میں شگاف نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ شاید یہ اس سفلی گیس کے مسلسل اثرات کا نتیجہ تھا کہ میں اپنے اندرونی ہیجان کے آگے بے بس نظر آنے لگا۔ ایک مرتبہ پھر میرے دل میں یہ خواہش پوری طرح بیدار ہو گئی کہ صدف کو بھنبھوڑ کر رکھ دوں۔ اس سے پہلے کہ یہ شیطانی خواہش مجھے کہیں کا نہ چھوڑتی' میں نے نرمی کا دامن چھوڑ دیا۔

شعیب خوری کے مطابق ہماری زندہ مودی تیار کی جا رہی تھی۔ اگر ہم اسی طرح ڈھیلی ڈھالی فائٹ جاری رکھتے تو کسی بھی مرحلے پر ہمارے قدم ڈگمگا سکتے تھے۔ میں نے اپنی قوتِ ارادی کو مجتمع کیا بڑے جارحانہ انداز میں صدف پر حملے کرنے لگا۔ ندامت کے احساس سے اپنی روح کو گھائل کرنے سے کہیں زیادہ بہتر تھا ہم اپنے جسموں کو لہولہان کر لیتے۔ صدف کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں لہٰذا وہ بھی اس پٹنے اور پیٹنے کے عمل میں پوری شدومد سے شامل ہو گئی۔ اگر عزت کو بچانا تھا تو ایک دوسرے کو زخمی کرنا لازمی تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہم بری طرح ہانپنے لگے۔ ہمارے ہاتھوں اور چہروں کے مختلف حصوں پر خون بھی دکھائی دے رہا تھا۔ ہم نے ایک دوسرے کو بے دریغ پیٹا تھا۔ بعض اوقات اپنے پیاروں کی بھلائی کے لیے ان پر ہاتھ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ اس نامراد گیس نے ہمارے خون میں شامل ہو کر جو سرکشی پیدا کی تھی' اس کے جوش میں ہم نے اچھی خاصی معرکہ آرائی کر لی لیکن اب ہمارے بدن تھکن سے چور ہو گئے تھے' مزید مقابلے کی ہم میں ہمت باقی نہیں رہی تھی۔

اسی لمحے ایک تشویش ناک احساس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ صدف بھی پریشان نظر سے مجھے تکنے لگی۔ ہمارے جسم تھک گئے تھے تاہم کمرے کی فضا میں موجود اس گیس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ ان تکان زدہ لمحات میں وہ نشیلی گیس ہمیں زیادہ آسانی سے شکار کر سکتی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میرے ان خوف ناک خیالات کی تصدیق ہو گئی۔

صدف یک ٹک بڑی معنی خیز نظر سے مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کا نشہ اتر آیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا کہ اگر میں اس کے سامنے سے نہ ہٹا تو وہ بھوکی شیرنی کے مانند مجھ پر جھپٹ پڑے گی۔ میں نے طرح دینے کے بارے میں سوچا لیکن میری یہ سوچ' سوچ ہی رہی..... عمل کی صورت اختیار نہ کر سکی کیوں کہ اس وقت جس عمل کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا وہ کسی بھی حفاظتی ردِعمل کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اس منحوس گیس کے بد اثرات نے ہمیں حیوانیت کے دائرے میں دھکیل دیا تھا۔

میں نے سر جھٹک کر ان شرم ناک خیالات کو اپنے ذہن سے بھگانے کی کوشش کی لیکن میری یہ کوشش بے سود رہی۔ اس وقت جبلی تقاضے حلق کے بل چنگھاڑ رہے تھے۔ بے بسی کے احساس کو فراموش کر کے میں صدف پر جھپٹ پڑا۔

وہ بڑی معنی خیز مدافعت پیش کرنے لگی۔ ہیجان انگیز گیس نے اس کے جذبات کو بھی برانگیختہ کر رکھا تھا۔ اس معنی خیز مدافعت میں بڑا جارحانہ پن تھا۔ لگتا تھا وہ مدافعت نہ ہو بلکہ ایک قسم کی ظالمانہ خود سپردگی ہو!

ہم حیرت آفرین کمرے کے چکنے فرش پر ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے اور دو وحشی جانوروں کی طرح بھنبھوڑ کر ایک دوسرے کو چت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہمارے ذہن سے شرافت اور انسانیت اٹھ گئی تھی جس کی جگہ وحشت اور درندگی نے لے لی تھی۔ اگر ہم اپنے حواس میں ہوتے تو اپنے اس ایکٹ پر شرم سے پانی پانی ہو جاتے۔ اس بیرن گیس نے ہمیں فلک سے توڑ کر قعرِ مذلت میں لا پٹخا تھا۔ فرزانگی اور دیوانگی کوسوں دور تھیں۔ اس وقت ہم اپنے جذبات کے غلام دو حیوان تھے جو ایک دوسرے کو نوچنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس کوشش میں ہمارے لباس تار تار ہو رہے تھے۔ اس وحشت میں بڑی بے گانگی اور خود غرضی پائی جاتی تھی۔

اچانک میرے دماغ کو ایک جھٹکا لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی قوت نے پیچھے کھینچ لیا ہو، مجھے تباہی و بربادی سے بچا لیا ہو۔ اس دماغی جھٹکے کے ساتھ ہی ذہن میں تیز روشنی کا ایک جھماکا بھی ہوا تھا۔ میرا اندرون منور ہو کر رہ گیا۔ میں نے ایک جھٹکے سے صدف کو پیچھے دھکیلا اور آنکھیں بند کر لیں یہ سب کچھ جس بھی قوت کے زیرِ اثر ہوا تھا وہ بلاشبہ اس فتنہ انگیز گیس سے زیادہ فعال تھی جب جھمی تو میں شرم ناکی کے گڑھے میں گرتے گرتے بچا تھا۔

جس طرح ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا بھی کافی ہوتا ہے، بالکل اسی طرح بہکنے والے کو سنبھلنے کے لیے ایک اشارہ بہت ہوتا ہے۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر سنبھلنے کے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور کمرے کے چکنے فرش پر پدم آسن جما کر بیٹھ گیا۔

صدف میرا دھکا کھا کر دور تک لڑھکتی چلی گئی تھی۔ وہ اس وقت مجھے ایک دیوار کے قریب نظر آ رہی تھی اور وہ حیرت بھری نظر سے مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔ ہم جس ندامت کے سمندر میں غرق ہونے جا رہے تھے اس کے پیشِ نظر میرے رویے نے صدف کو الجھا دیا تھا۔ ہم جس عمل سے گزرنے والے تھے اس میں ہم دونوں کی جبلی خواہشات شامل تھیں چاہے وہ کسی ظالم گیس کے طفیل ہی تھیں۔

میں نے صدف کو حیران و پریشان چھوڑا اور آنکھیں بند کر لیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے روشنی کا ایک اور جھماکا ہوا اور میری باطنی آنکھ آگ کے ایک گولے پر ٹک گئی۔ وہ گولا روشنی اور حرارت کا منبع سورج تھا، گویا میں اندرونی آنکھ سے سن بینی کر رہا تھا۔ پھر بند آنکھوں کے عقب میں ایک کھلا ہوا منظر طلوع ہونے لگا۔ تصور اور تخیل کندھے سے کندھا ملا کر بازی گری میں مصروف ہو گئے تھے۔

میں نے خود کو پہاڑ کی ایک چوٹی پر بیٹھے پایا۔ میری نگاہ کے سامنے ایک دوسرے پہاڑ کے اوپر وہ گولا موجود تھا جس پر میری نظر جمی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے احساس کی قوت سے اس منظر کو پہچان لیا۔ وہ شاؤلن ٹیمپل کا بیرونی علاقہ تھا۔ پھر مجھے یاد آنے لگا، اپنی تربیت کے دوران میں، میں اس پہاڑی پر بیٹھ کر سن بینی کیا کرتا تھا۔ میرے دادا استاد ماسٹر ہنگ پائی ''چی'' کی بیداری کے لیے مجھے اسی پہاڑی پر لے آتے۔ مخصوص مشقوں کے اختتام پر وہ مجھے سن بینی کا درس دیتے۔ ماسٹر کے مطابق ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھنا بہت مفید تھا۔ ارتکازِ توجہ کے لیے یہ ایک عمدہ مشق ہے۔

ان لمحات میں مجھے ارتکاز کی اشد ضرورت تھی۔ اگر میں اپنے دھیان کو ایک نقطے پر مرکوز کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ سحر انگیز میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ میرا کچھ نہیں بگاڑنے کا مطلب تھا ہم دونوں کا ایک بال بھی بانکا نہیں کر سکتی تھی۔ ہم دونوں میں سے کوئی ایک بھی سنبھل جاتا تو شعیب خوری کی وہ مذموم سازش ناکام ہو جاتی اور ..... میرا خیال ہے، میں پوری طرح سنبھل چکا تھا!

میرے تصور کی نگاہ سورج پر جمی ہوئی تھی اور میں اپنے ذہن سے کچھ اس قسم کے خیالات کو گزار رہا تھا..... یہ سورج بہت مہربان اور دست گیر ہے۔ یہ میرا ہمدرد دوست ہے، ایک مخلص دوست۔ یہ میری خیر خواہی کا خواہش مند ہے۔ اسے یہ گوارا نہیں کہ میں اپنی ہی نظروں میں گر جاؤں۔ یہ وفا پیشہ میری سبک سری چاہتا ہے، مجھے فخر سے سر اٹھا کر جیتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے اسی لیے یہ میرے تصور میں اجاگر ہوا ہے۔ سچے دوست مشکل وقت میں اسی طرح مدد کو آیا کرتے ہیں۔

میں نے محسوس کیا، میرے اندر پھیلی ہوئی اس ہیجانی کیفیت کی شدت میں کمی واقع ہونا شروع ہو گئی۔ صدف کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت سامنے نہیں آئی تھی، اس کا بھی مطلب تھا وہ بھی اپنے بھڑکے ہوئے جذبات کو سرد کرنے کے لیے کسی برف زار میں اتر گئی تھی۔ ہو سکتا ہے میری طرح اسے بھی کچھ سوجھ گیا ہو! وہ بھی انتشار پر قابو پانے والی کسی مشق میں جت گئی ہو۔

میں نے واپس اپنا دھیان سورج کی طرف لگا دیا اور آٹو سجیشن (خود تنبیہی) کی مدد سے پیش آمدہ حالات سے نمٹنے لگا۔ رفتہ رفتہ میرے خون کا آتش فشاں ٹھنڈا ہونے لگا۔ جذبات کے بھڑکیلے پن میں کمی آئی تو اعصاب پُرسکون ہوتے چلے گئے، حیوانی جوش و خروش ماند پڑنے لگا اور میں دھیرے دھیرے نارمل ہوتا چلا گیا۔ میں نے ان لمحات میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

آہستہ آہستہ اس کیفیت میں اضافہ ہونے لگا میں تن من سے شانت ہو گیا۔ میرا وجود زمین سے اٹھنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں ہوا میں پرواز کر رہا ہوں۔ میرے اردگرد بلند و بالا پہاڑ استادہ تھے۔ میں بادلوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ میرا رخ سورج کی سمت تھا۔ وہ سورج جس کی مہربان کرنوں نے آگے بڑھ کر مجھے ذلت کے عمیق غار میں گرنے سے بچا لیا تھا۔ میں اس دست گیر روشنی کی جانب بڑھتا گیا۔ یہ بڑھنا غیر ارادی اور بے اختیار تھا۔ میں کچھ بھی نہیں کر رہا تھا۔ میرا تصور شاید اس روشنی کے تابع تھا جو اس کے ایما پر مجھے اس کی طرف اڑائے چلا جا رہا تھا۔ اس کی یہ پرواز بڑی کیف آور اور خود فراموشی کی حالت تھی۔

چانک آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا ایک جھماکا ہوا اور میں اپنے ہوش کھو بیٹھا۔ اب مجھے کچھ دکھائی یا سنائی نہیں دے رہا تھا۔ چاروں طرف روشنی ہی روشنی تھی اور میں بھی اسی روشنی کا ایک حصہ تھا اسی آفتاب کا ایک ذرہ تھا۔

پتا نہیں، سورج میرے وجود میں اتر آیا تھا یا میرا وجود ہی فوٹان میں بکھر گیا تھا!

☆☆☆

وہ ایک کنگ سائز عجیب و غریب پنجرہ تھا!

اس پنجرے کو دیکھ کر ہیبت سی محسوس ہوتی۔ اس کی شکل ایک عام دیسی پنجرے ایسی تھی تاہم سائز میں وہ ایک وسیع و عریض کمرے کو شرماتا تھا۔ اسے ایک گولائی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ کشادہ ہال کے ایک حصے میں اس آہنی پنجرے کو ایک گنگر بیٹڈ چبوترے پر نصب کیا گیا تھا۔ مذکورہ چبوترے کی اونچائی تین فٹ رہی ہو گی۔ پنجرے کی تیلیاں اس چبوترے کے اندر گڑی تھیں۔ لفظ ''تیلیاں'' اس پنجرے کے شایانِ شان نہ تھا بلکہ تیلیوں کے نام پر دو انچ موٹی آہنی سلاخیں نظر آ رہی تھیں۔ اس پنجرے کا قطر لگ بھگ بیس فٹ تھا اور اونچائی کسی بھی طور پندرہ فٹ سے کم نہیں تھی۔ تمام موٹی آہنی سلاخیں ایک خاص زاویے سے اوپر جا کر پندرہ فٹ کی بلندی پر آپس میں مل رہی تھیں۔ اس طرح ایک بڑا سا گنبد تشکیل پاتا تھا۔ ہر دو سلاخوں کے درمیان بہ مشکل پانچ انچ کا فاصلہ تھا، گویا اس ہیبت ناک پنجرے میں مقید شخص سلاخوں کے بیچ سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔ پنجرے میں آمد و رفت کے لیے ایک دروازہ بھی تھا جو پانچ فٹ اونچا اور تین فٹ چوڑا تھا۔ وہ پنجرہ چوں کہ زمین سے تین فٹ کی بلندی پر تھا اس لیے اس کے اندر پہنچنے کے لیے تین اسٹیپ کی ایک آہنی سیڑھی بھی دروازے کے سامنے موجود تھی۔

مذکورہ حیرت انگیز پنجرہ جس ہال میں موجود تھا اس کے دوسرے حصے میں بھی ایک نیم بیضوی چبوترہ تھا جس پر تین کرسیاں پہلو بہ پہلو رکھی تھیں۔ وہ کرسیاں نہایت ہی قیمتی اور عالی شان تھیں لیکن ان کی شان بڑھانے کے لیے اس وقت کوئی بھی شخصیت وہاں براجمان نظر نہیں آتی تھی۔ وہ وسیع و عریض ہال کم و بیش پچیس ضرب پچاس فٹ پیمائش کا حامل تھا اور میں..... میں اس آہنی پنجرے کے عین وسط میں لکڑی کے ایک اسٹول پر بیٹھا تھا۔

میرے جسم پر لباس کے نام پر صرف ایک شارٹ نیکر تھا جو کسی ریسلر کے جانگیا سے گہری مشابہت رکھتا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ پشت پر آہنی جکڑ میں تھے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی مجھے یہاں پہنچایا گیا تھا۔ مجھے یہاں تک لانے والے مسلح افراد سنگین چہروں والے خاموش انسان تھے۔ ان کی آنکھوں سے دہشت اور سفاکی ٹپکتی تھی۔ میں نے ان کے بشروں کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا کہ اگر میں نے ایک ذرا سی زبان بھی کھولی تو وہ مجھے زندگی سے گزارنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کریں گے۔

میں نے نصف درجن مسلح افراد کے نرغے میں آنکھ کھولی تھی اور اپنے بدن پر اسی اکلوتے جانگیے کو پایا تھا۔ پتا نہیں میں کتنے گھنٹے ہوش و حواس سے بے گانہ رہا تھا۔ مجھے تو صرف اتنا یاد تھا کہ صدف سے کشتم کشتی اور چھینا جھپٹی کے دوران میں اچانک میرا ذہن روشنی میں نہا گیا تھا۔ میں شیطانی گیس کے زیرِ اثر ایک شرم ناک کھیل سے باز آ گیا تھا۔ اپنے ذہن کو بھٹکنے سے بچانے کے لیے میں نے روشنی کے اس ماخذ سے آنکھیں چار کر لی تھیں۔ تخیل اور تصور کا یہ کھیل معلوم نہیں کہاں جا کر ختم ہوا تھا..... واقعی میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا!

میں نے ہوش و حواس میں لوٹنے کے بعد خود کو آہنی گرفت میں پایا تھا۔ میرے اور میرے لباس کے ساتھ جو کچھ

بھی ہوا' وہ میری بے خبری میں ہوا تھا..... اور اب یہ قائمی ہوش و حواس جو کچھ ہونے والا تھا اس کے بارے میں قبل از وقت کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ گن بردار افراد نے مجھے اس پنجرے میں پہنچانے کے بعد پنجرے کو مقفل کر دیا تھا' پھر وہ خاموشی کے ساتھ اس کشادہ ہال سے نکل گئے تھے۔ اس ہال میں آمد و شد کے لیے صرف دو دروازے تھے اور وہ دروازے نیم بیضوی چبوترے کے دونوں پہلوؤں میں واقع تھے۔

میرا ذہن اس وقت برق رفتاری سے سوچ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ہلکی سی بھوک بھی محسوس ہوئی۔ میں نے دوپہر میں صدف کے گھر لنچ کیا تھا' اس کے بعد باقاعدہ کھانا کھانے کی نوبت نہ آئی۔ ہم دونوں رات دس بجے سفید رنگ کے اس یک منزلہ بنگلے میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے بعد کے حالات ایک فلم کے مانند میرے ذہن کے اسکرین سے گزر گئے پھر میرا تصور صدف پر اٹک ہو گیا۔

ہم دونوں ایک ساتھ اس آئینہ خانے میں بند ہوئے تھے۔ وہاں ہم پر جو گزری وہ تو رہی ایک طرف' تشویش ناک بات یہ تھی کہ اب میں اکیلا تھا صدف کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پتا نہیں وہ کہاں ہوگی..... اور اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا ہوگا!

میں صدف کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ہال کے دو دروازوں میں سے ایک کھل گیا۔ کھلے ہوئے دروازے میں مجھے خبیث الاخبث' شیطان ابن شیطان شعیب غوری نظر آیا۔ اس کے پیچھے دو مسلح گارڈز تھے۔ شعیب غوری نے ہمیشہ کی طرح بے داغ قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔

مجھ سے نگاہیں ملیں تو وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر خاموشی سے نیم بیضوی چبوترے کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں گارڈز اسے کمرے میں پہنچا کر واپس چلے گئے اور وہ دروازہ ایک مرتبہ پھر بند ہو گیا۔ شعیب کا تن تنہا اس وسیع و عریض ہال میں موجود رہنا اس کی بے پناہ قوتِ اعتمادی کو ظاہر کرتا تھا۔

شعیب چبوترے پر رکھی تین عالی شان کرسیوں میں سے درمیانی پر بیٹھ چکا تو بڑی دلچسپی سے مجھے تکنے لگا۔ اس نے ملٹی کوٹیڈ گلاسز والا نہایت ہی بیش قیمت چشمہ لگا رکھا تھا۔ اس چشمے کے فریم کی مالیت کم از کم اتنی تھی کہ اس رقم سے ایک متوسط گھرانے کا دو ماہ کا راشن خریدا جا سکتا تھا۔

اس ہال میں روشنی کا مناسب انتظام تھا بلکہ ضرورت سے زیادہ ہی چکا چوند تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں کوئی شوز فنکشن ہونے والا ہو۔ شعیب کے دیکھنے کے جواب میں میں بھی اسے ناپسندیدہ نظر سے گھورنے لگا۔ اسی لمحے ہال میں شعیب کی بھاری بھرکم آواز گونجی۔

''غصہ تمہاری صحت کے لیے اچھا نہیں وجدان۔ خود کو کنٹرول میں رکھو!''

''صدف کہاں ہے؟'' میں نے جارحانہ انداز میں استفسار کیا۔

''میں نے کہا نا' جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرو۔'' وہ زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ سنگین لہجے میں بولا ''تمہاری طرف سے معاملات خاصے گڑبڑ ہو چکے ہیں' ہماری جانب کا معاملہ بگاڑو گے تو تمہارے لیے بڑی مشکل ہو جائے گی۔''

میں ہتھے سے اکھڑ گیا اور نہایت ہی سخت الفاظ میں کہا ''مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ذلیل انسان۔ میں نے اپنی ساتھی کے بارے میں پوچھا ہے؟''

اس نے میرے گستاخانہ انداز کا... برا نہ منایا۔ یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم تھی کہ وہ سفاک شخص بے پناہ قوتِ برداشت کا مالک تھا۔ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''مسٹر وجدان! تمہارا ابھی کچھ ٹھیک نہیں۔ پہلے تم نے مجھ سے ساحل کے بارے میں استفسار کیا۔ اب صدف کو پوچھ رہے ہو؟''

''تم میرے سوال کا جواب دو۔ بڈھے طوطے کی طرح ''ٹیں ٹیں'' نہ کرو۔''

''بڑی گرمی ہے تمہارے دماغ میں۔'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا ''بدن کی گرمی تو خاصی حد تک نکل چکی۔ لگتا ہے تمہارے دماغ کے ساتھ بھی کوئی ہاتھ کرنا پڑے گا۔''

دماغ کی گرمی جیسے الفاظ اور بڑے چبھتے ہوئے انداز میں بدن کی گرمی کے ذکر نے مجھے چونکا دیا۔ وہ شیطان ایک مخصوص حوالے سے یہ تذکرہ چھیڑ رہا تھا۔ تاہم اس سلسلے میں مجھے قلبی سکون حاصل تھا کہ صدف کے ساتھ اس بند آئینہ خانے میں' میں ایک شرم ناک کھیل کا کردار بننے سے بال بال بچ گیا تھا۔

میں نے شعیب کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے پروائی سے کہا ''پتا نہیں تم کیا بکواس کر رہے ہو!''

''ابھی پتا چل جائے گا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میری بکواس کو حقیقت کا روپ دھارتے ہوئے تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ میں نے جس زندہ مووی کا ذکر کیا تھا' وہ تیار ہو چکی۔ تمہاری شرم ناک کارکردگی کی ایک ایک جنبش ریکارڈ پر آ چکی ہے۔ تم تو جانتے ہی ہو میں وعدے کا کتنا پابند ہوں۔ ہم دونوں.....''

''تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو۔'' اس کی بات ختم

ہونے سے پہلے ہی میں چیخ اٹھا ''اس سلسلے میں تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ میں جانتا ہوں' میرا دامن داغ دار نہیں ہو سکا۔ میں نے اپنی قوتِ ارادی اور صلاحیت کے بل بوتے پر خود کو آلودہ ہونے سے بچا لیا۔ تمہارے مذموم عزائم کی تکمیل نہیں ہو سکی میں تمہارے دباؤ میں نہیں ہوں۔''

اس نے ایک نیچا قہقہہ لگایا۔ اس کی آواز بڑے خوب صورت انداز میں چاروں جانب گونجنے لگی۔ اس ہال میں ساؤنڈ ایفیکٹس کا بھی معقول خیال رکھا گیا تھا۔ اپنی آواز کو ہال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچانے کے لیے چیخ کر بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ عام بول چال کو ہر طرف سنا جا سکتا تھا۔

''وجدان! تمہارا تو وہ حال ہے کہ رسی جل گئی لیکن بل نہ گئے۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا ''تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ صورتِ حالات میں کس قدر سنگینی در آئی ہے۔ اس وقت تم کامل طور پر میرے رحم و کرم کے محتاج ہو۔ یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ تم پر میرا دباؤ نہیں۔ میرے عزائم مذموم تھے یا مسنون' اس بحث میں نہ پڑو۔ صرف یہ دیکھو کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔''

''تم بکتے ہو..... بکواس کرتے ہو.....'' میں نفرت آمیز لہجے میں بولا ''مجھے اچھی طرح یاد ہے.....''

''تمہیں کچھ بھی یاد نہیں۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے اپنی مخصوص بھاری بھرکم آواز میں بولا ''تم اور تمہاری وہ پستہ قامت ساتھی اس مخصوص گیس کے زیرِ اثر تھے۔ تمہیں کچھ یاد نہیں تھا کچھ دھیان نہیں تھا۔ تم لوگوں کا دھیان تو بس ایک ہی نقطے پر مرکوز تھا کہ اپنے جذبات کا غبار نکالنا ہے اپنے جبلی تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ تم تو اپنے گرد و پیش سے بے گانہ صرف اور صرف ایک ہی مہم پر کمر بستہ تھے لیکن!'' اس نے بڑے ڈرامائی انداز میں بات ادھوری چھوڑی اور کھوجتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں خاموش رہا تو اس نے بات مکمل کر دی ''لیکن کیمرے کی آنکھ بے گانہ اور بے خبر نہیں ہوتی۔ آج کل تو ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور زوم لینس کا زمانہ ہے۔ حساس کیمرے سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ میں نے کہا تھا نا' سانپ کو کھلانے کے بعد اس کا زہر نکال دیا جاتا ہے۔ میں نہ صرف اب تمہارا کیل چکا بلکہ میں نے تمہارا سارا زہر بھی نکال دیا ہے۔ تمہاری حیثیت ایک حقیر کیچوے سے زیادہ نہیں۔ تمہارے اعمال کا جو ریکارڈ میں اپنے پاس محفوظ کر چکا ہوں' اس کے ذریعے میں تمہیں اپنے قدموں میں لوٹنے پر مجبور کر سکتا ہوں۔''

وہ سراسر دروغ گوئی سے کام لے رہا تھا۔ حقیقت کیا تھی یہ میرے اور صدف سے زیادہ اور کوئی نہیں جان سکتا تھا لیکن وہ جتنے اعتماد سے بول رہا تھا' اس کی بات کو نظر انداز کرنا حماقت ہوتی۔ وہ یہودیوں کا پٹھو اور ایک نہایت ہی طاقتور شخص تھا' سمجھدار اور منصوبہ ساز بھی تھا۔ وہ کوئی بھی سازشانہ چال چل کر سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ ثابت کر سکتا تھا۔ اس وقت ضرورت اس بات کی تھی کہ میں اپنے جوش کو قابو میں رکھوں اور ہوش کو کام میں لاتے ہوئے اس کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کروں۔ ان فیصلہ کن خیالات نے مجھے شانت کر دیا۔

مجھے خاموش پا کر شعیب غوری نے دوستانہ انداز میں کہا ''اپنی شان دار کارکردگی کی رنگین وڈیو نہیں دیکھو گے؟''

میں نے دماغ کو ٹھنڈا اور جذبات کو معتدل رکھتے ہوئے کہا ''اب تم اتنا زیادہ اصرار کر رہے ہو تو دیکھ لیتا ہوں۔ تمہارے اشتیاق کو کچھ نہ کچھ خراجِ عقیدت پیش کرنا ہی پڑے گا نا!''

وہ میرے انداز پر چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ وہ شاید مجھ سے یہی توقع کر رہا تھا کہ میں چیخ چلا کر اسے برا بھلا کہوں گا۔ میں نے اس کی توقع کا جنازہ نکال دیا تو وہ معاندانہ نگاہ سے مجھے گھورتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا اور ہال کی ایک دیوار کی طرف بڑھ گیا۔

مذکورہ دیوار کے ساتھ ایک ٹرالی پر بڑے اسکرین والا ٹی وی موجود تھا۔ یہ دیوار شعیب کے دائیں اور میرے بائیں ہاتھ پر تھی۔ وہ ٹی وی ٹرالی کے نزدیک پہنچا پھر اس کے دونوں ہاتھ وہاں رکھے ٹی وی اور وڈیو سے مصروف ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ اپنی کرسی پر موجود تھا۔ اس وقت شعیب کے ہاتھ میں مجھے ایک ریموٹ کنٹرول بھی نظر آیا۔

وہ چند لمحات تک ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ریوائنڈ فارورڈ کھیلتا رہا پھر پلے کا بٹن دبانے کے بعد اطمینان سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میری تشویش بھری چوکنا نظر ٹی وی اسکرین پر جم گئی۔ اس کنگ سائز اسکرین پر کوئی بہت بڑا انکشاف ہونے جا رہا تھا۔ شعیب کا دعویٰ کسی خوف ناک طوفان سے کم نہیں تھا!

میرے دیکھتے ہی دیکھتے ٹی وی اسکرین روشن ہوا اور وہاں اسی کمرے کا منظر اجاگر ہوا جہاں میں اور صدف شکار

کئے گئے تھے۔ اس کا یہی مطلب تھا' شعیب نے ریکارڈنگ کے والے سے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ ہمیں اس آئینہ خانے میں تو مذکورہ شوٹ کیا گیا تھا۔ مذکورہ منظر اس موقع کا تھا جب شعیب کی آواز آنا بند ہوگئی تھی اور ہم نے اس خبیث گیس کے اثرات کو واضح طور پر محسوس کرلیا تھا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس منظر میں کھوگیا۔

منظر میں تبدیلی واقع ہوئی اور کہانی آگے بڑھنے لگی۔ میرے سامنے ایک ایک سین کود یکھتا چلا گیا۔ ہمارے ساتھ اس آئینہ خانے میں جو حالات و واقعات پیش آئے تھے ان کی مکمل عکس بندی کرلی گئی تھی۔ پھر جب کہانی ہماری چھینا جھپٹی پر پہنچی تو مجھے اپنے آپ سے شرم محسوس ہونے لگی۔ شعیب زیرلب طنزیہ انداز میں مسکرادیا۔ اس کی مسکراہٹ مجھے زہرخند اور میں دوبارہ ٹی وی کی جانب متوجہ ہوگیا۔

اب وہاں پر ایسا منظر پیش کیا جارہا تھا جس کو دیکھنے کی مجھ میں تاب نہ تھی۔ میں اور صدف دو بھوکے حیوانوں کے مانند ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے' حصول کی اس جنگ میں ہم نے تمام تر اخلاقیات کو گہرے کنوئیں میں پھینک دیا تھا اور اپنے وحشیانہ جذبات کی تکمیل کے لیے ایک دوسرے کے لباس کو نوچ رہے تھے۔ میں نے ندامت کے قوی احساس کے ساتھ نگاہ جھکالی۔ صدف کے بدن کے بیشتر حصے کھل گئے تھے۔ میں اس جان نثار لڑکی کو بے لباس ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتا تھا!

اسی لمحے میری سماعت سے شعیب کی شیطانی آواز متصادم ہوئی۔ ''جدان! میں تو تمہیں بہت بہادر سمجھتا تھا۔ تم تو بالکل بودے ثابت ہورہے ہو۔ چچ چچ چچ.....''

میں نے کن انکھیوں سے ٹی وی کی طرف دیکھا۔ شعیب نے وڈیو کو اسٹل کردیا تھا اور وہ آخری شرم ناک منظر اسکرین پر مجسم ہوکر رہ گیا۔ اگلے ہی لمحے میں شعیب کی آنکھوں میں گھورنے لگا۔ میں نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''شعیب! میرے لیے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوچکی ہے' تم اس سے بھی زیادہ ذلیل اور کمینے ہو۔ میں تم سے ہر گھٹیا حرکت کی توقع رکھتا ہوں۔''

وہ ہونٹ بھینچ کر بڑی کینہ توز نظر سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔ ''لگتا ہے' فلم بندی تمہیں پسند نہیں آئی۔ میں تو سوچ رہا تھا تم میری کارکردگی کو سراہو گے!''

''یہ شیطانی کارکردگی تمہاری ناکامیابی اور شکست کا بین ثبوت ہے۔''

''وہ کیسے بھئی؟'' اس نے چشمے کے عقب سے آنکھیں سکیڑ کر مجھے دیکھا۔

میں نے کہا ''تم نے تھوڑی دیر پہلے جو دعویٰ کیا تھا' یہ فلم اس کی نفی کرتی ہے۔ تم اپنے مذموم عزائم کو پورا نہیں کرسکے۔ اس فلم سے تم مجھے اپنے دباؤ میں نہیں لے سکتے۔''

''کن خوش فہمیوں کی نگری میں گھوم رہے ہو احمق!'' وہ حقارت آمیز لہجے میں بولا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میں الجھ کر رہ گیا۔

''کیا تم نے پوری فلم دیکھ لی؟'' اس کا یہ خطرناک سوال طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔

''ہاں..... آں.....'' میری الجھن میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

شعیب نے فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ ہنسی کھیل رہی تھی۔ اس کے اسٹائل نے مجھے مخمصے میں ڈال دیا۔ میری یادداشت کے مطابق وہ فلم ختم ہوچکی تھی۔ اس منظر کے بعد ہی میرے ذہن کو ایک طوفانی جھٹکا لگا تھا اور میں نے صدف کو دھکا دے کر بہت دور پھینک دیا تھا پھر میں نے ارتکاز توجہ سے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن شعیب کا انداز کسی گہری سازش کی نوید دے رہا تھا' اس کی بات سے ظاہر ہوتا تھا کہ فلم ابھی ختم نہیں ہوئی..... فلم کا جو حصہ دیکھنے سے رہ گیا وہ بہت سی سنسنی خیز اور ذلت آمیز ہوگا۔

شعیب نے گہری سنجیدگی سے مجھے مخاطب کیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''وجدان! اس وقت ہماری پوزیشن بالکل واضح ہوگئی ہے۔ میں زبردست اور تم زیردست ہو۔ تم کسی حقیر چوہے کے مانند میری گرفت میں آئے ہوئے ہو۔ میں چاہوں تو پلک جھپکتے میں تمہیں نیست و نابود کرسکتا ہوں اور تم۔'' وہ ایک لمحے کے لیے سانس لینے کے لیے رکا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''تم تم ہزار کوشش کے باوجود بھی میرا بال بانکا نہیں کرسکتے اس لیے میں تم پر سب کچھ واضح کردینا چاہتا ہوں۔ جو فلم تم نے دیکھی' وہ اور ٹیپ ریکارڈنگ ہے۔ اس کے بعد تم جو کچھ دیکھنے جارہے ہو' وہ کمپیوٹر ٹیکنالوجی کا کمال ہے۔ ذرا تم بھی تو دیکھو سائنس نے کتنی ترقی کرلی ہے۔ میں نے تم دونوں کے چہروں کے کلوز اپ لے کر اسے ایک بلیو فلم کے ساتھ مکس کیا ہے۔ اس مکسنگ کا رزلٹ بہت عمدہ آیا ہے۔ تم دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی اور کیمرا ورک نے ہم آغوش ہوکر ایک ماسٹر پیس تخلیق کیا ہے۔ لو تم بھی دیدار کرو۔''

بات ختم کرتے ہی اس نے اسٹل اسکرین کو دوبارہ

متحرک کردیا۔ تھوڑی ہی دیر۔ بعد وہاں جو مناظر ابھرنے لگے میں انہیں دیکھنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا لہٰذا میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

''گھبرا گئے!'' شعیب غوری کی منحوس آواز میری سماعت پر نشتر چلا گئی ''ٹھیک ہے' میں ٹی وی آف کررہا ہوں۔ تم آنکھیں کھول دو۔ میں اندھوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا اور..... ابھی تو میں نے تم سے نہایت ہی اہم گفتگو کرنا ہے!''

میں نے دل میں شعیب پر لعن طعن کرتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ بے ساختہ میری زبان پر یہ سوال آگیا ''صدف کہاں ہے؟''

''اسی بنگلے میں ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

''تم نے صدف کو تو یہ فلم نہیں دکھائی؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''اوہ!'' میں ایک اطمینان بھری سانس لے کر رہ گیا۔

شعیب نے کہا ''میرا شکار تم ہو۔ صدف تو تمہاری دم سے بندھ کر بونس کے طور پر مجھے ملی ہے۔ بہرحال وہ اس یادگار فلم میں تمہاری ہیروئن ہے۔ اگر تم ضد کرو گے تو اسے بھی یہ فلم دکھادوں گا۔'' اس کے اختتامی الفاظ سے بے پناہ مکاری ٹپکتی تھی۔

''ہرگز نہیں!'' میں نے قطعیت سے کہا۔

''اٹس اوکے!'' وہ ہاتھ بلند کرتے ہوئے بولا ''تم کبھی میرے دوست رہے ہو۔ میں اپنے ایک دیرینہ خیرخواہ کی اتنی سی فرمائش تو پوری کرہی سکتا ہوں۔''

وہ لمحاتی خاموشی کے بعد مجھے بتانے لگا کہ اس شرمناک فلم کی کل لمبائی پندرہ منٹ تھی۔ دس منٹ کی اوریجنل فلم اور آخری پانچ منٹ کی شیطانی مکسنگ۔ بات کے اختتام پر اس نے کہا۔

''وجدان! اس فلم کی حقیقت سے اگرچہ تم آگاہ ہوچکے ہو لیکن کوئی تمہاری بات کا یقین نہیں کرے گا۔ میں نے بلیو فلم کے کرداروں کا انتخاب کرتے ہوئے تم دونوں کے مبشوں اور قدکاٹھ کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ اس فلم کو دیکھنے والا ہر شخص بلاتردد اس کا یقین کرلے گا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسانی ذہن اور یقین کو فریب دینا بہت آسان کردیا ہے۔''

اچانک میرے ذہن میں ایک سوال ابھرا ''تم نے اتنی جلدی کمپیوٹر ٹیکنالوجی کا استعمال کرکے فلم مکسنگ کیسے کرلی۔ یہ کام تو اچھا خاصا وقت مانگتا ہے؟'' میں نے شعیب سے پوچھا۔

''تم بالکل درست کہتے ہو۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن کو جنبش دیتے ہوئے شیطانی مسکراہٹ بکھیرنے لگا ''ٹیکنیکل قسم کے کام واقعی ایک مخصوص وقت کے متقاضی ہوتے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا ''میں محسوس کررہا ہوں' تمہیں اندازہ نہیں کتنا وقت بیت چکا ہے ورنہ تم ''اتنی جلدی'' جیسے الفاظ استعمال نہ کرتے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں الجھ کر رہ گیا۔

''مطلب صرف اتنا ہے کہ تم جمعرات کو لوگ بھگ رات دس بجے سفید بنگلے میں داخل ہوئے تھے اور سوا دس بجے تک تم میرے آدمیوں کے ساتھ مارا ماری کرتے رہے پھر آئینہ خانے میں پہنچ گئے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا ''تمہاری بات اور ردِعمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم ابھی تک جمعرات ہی کے تصور میں ہو جب کہ.....''

''کیا جب کہ؟'' میں اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

''سنو گے تو بتاسکوں گا نا۔'' وہ ناگواری سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''جمعرات گزر گئی۔ آج جمعہ ہے اور اس وقت دن کے گیارہ بج رہے ہیں۔ میں نے جس واقعے کو فلم بند کیا ہے اس کو بیتے کم از کم بارہ گھنٹے گزر چکے ہیں۔ یہ تو اچھا خاصا وقت ہوتا ہے وجدان!''

''اوہ!'' میں ایک طویل بوجھل سانس خارج کرکے رہ گیا۔

ان ظالموں نے میری بے ہوشی کے دوران میں لباس کے ساتھ ساتھ رسٹ واچ بھی اتار لی تھی اس لیے مجھے وقت اور تاریخ دون وغیرہ کا اندازہ نہیں ہو پایا تھا۔ اگر گھڑی میرے پاس ہوتی تو مجھے حالات کو سمجھنے میں اتنی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

میرا دل و دماغ شعیب غوری کے لیے نفرت آمیز غصے سے بھر گیا۔ میں نے بپھرے ہوئے لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

''تم یہ سب کچھ کس لیے کررہے ہو؟''

''بہت دلچسپ سوال ہے۔'' وہ گمبھیر آواز میں بولا ''میں تمہیں اس کا جواب ضرور دوں گا۔''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا اور گہری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے محسوس کیا' وہ اپنے ذہن میں خیالات کو ترتیب دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''میں اس تفصیل میں نہیں جاؤں گا کہ تم نے مجھے کتنا نقصان پہنچایا اور جواباً میں نے تمہیں کس کس محاذ پر زک

پہنچائی۔ اس موضوع کو کھولنے کا کچھ فائدہ نہیں' سوائے اپنا خون جلانے اور دماغ تپانے کے۔''

وہ ایک لمحے کے لیے متوقف ہوا۔ میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔ اس وقت وہ بہت ہی سنجیدہ اور بردبار نظر آرہا تھا۔ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔

''اس گرما گرم جنگ میں' میں نے اپنے کئی اہم آدمیوں کو کھودیا۔ جہانگیر' فواد' کبیر شاہ' غلام جیلانی' نادر زمان وغیرہ تو بڑی بڑی مثالیں ہیں۔ اسی طرح تمہارے کئی ساتھی بھی اس دشمنی کی بھینٹ چڑھ گئے۔''

وہ بولتے بولتے ایک مرتبہ پھر رک گیا۔ اس کے بیان میں بڑی کھلی دروغ گوئی شامل تھی لیکن میں نے اسے روکنا یا ٹوکنا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''وجدان! میں نے اب تک تمہارے خلاف جو کچھ کیا اور یہ جو کچھ کررہا ہوں' یہ سب اس لیے ہے کہ تم یہود دشمن ہو۔ تم یہودیوں سے نفرت کرتے ہو اور ہر لمحہ انہیں نقصان پہنچانے کی فکر میں رہتے ہو۔''

''تو سچی بات تمہاری زبان پر آہی گئی یہودیوں کے غلام!'' میں نے زہرخند لہجے میں کہا۔

اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی فرق نہ آیا' سادگی سے بولا ''تم میری عظیم سی ایف کے کی جڑوں تک پہنچ چکے ہو' یہ بات مجھ سے ڈھکی چھپی نہیں۔ تم ہمارے مقاصد کو بھانپ گئے ہو اور اس سیٹ اپ کو یہ خوبی سمجھنے لگے ہو لہٰذا کراچی میں تمہاری موجودگی کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔''

اس نے تھوڑا وقفہ دے کر ناپسندیدہ نظر سے مجھے دیکھا اور بولا ''یہاں سے دفع کرنے سے پہلے میں نے تمہارا ڈنک نکال لیا ہے۔ اب تم مجھے ڈسنے کا تصور بھی نہیں کرسکو گے۔ اگر تم نے میری جانب رخ کرنے کی کوشش کی' کراچی میں موجود ہونے کی نیت باندھی یا پھر پاکستان کی زمین پر قدم رکھنے کا خیال بھی تمہارے ذہن میں آیا تو سمجھ لینا، میں اس فحش فلم کی ایک ایک کاپی ہر وڈیو سینٹر پر پہنچادوں گا اور تم یہ بات بڑی اچھی طرح جانتے ہو' یہاں کی عوام کا ذوق بہت گھٹیا اور پسماندہ ہے۔ ترسے اور تڑپے ہوئے لاکھوں فلم بین ہماری فلم بین اس نوعیت کی فلمز کو بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں۔ کوئی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔''

شعیب نے ترش لہجے میں کہا ''میں پاکستان میں پیدا ہوا' یہ میرا وطن ہے۔ تم مجھ سے اس ملک میں رہنے کا حق کس طرح چھین سکتے ہو۔ اس میں تمہارا کیا فائدہ ہے؟''

''میں نے کہا نا' اس وقت میں اپنے فائدے نقصان کی بات نہیں کررہا۔'' وہ سخت لہجے میں بولا ''میں یہ سب کچھ اپنے بڑوں کے حکم پر کررہا ہوں۔ تم نے سی ایف کے کو جو بھی نقصان پہنچایا ہے' وہ براہِ راست انہی کا نقصان ہے۔ تم نے ایک طرح سے خدا کو نقصان پہنچایا ہے۔ وہ تم سے سخت ناراض ہے۔''

''کیا بکتے ہو؟'' میں نے چیخ سے مشابہ آواز میں کہا۔

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''میں زمینی خدا کی بات کررہا ہوں..... امریکا بہادر!''

''اوہ!'' میں نفرت آمیز نگاہ سے اسے گھور کر رہ گیا۔

وہ کہنے لگا ''اب تم یہودیوں سے دشمنی کا مزہ چکھ لوگے!''

''میں یہود کا دشمن ہوں اور نہ ہی ہنود کا۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''میں دراصل برائی کا دشمن ہوں۔ اس دشمنی میں کسی مذہب وملت کی تخصیص نہیں۔ میں نے ہمیشہ اچھائی کا ساتھ دیا ہے اور برائی کی مذمت کی ہے۔'' ایک لمحے کو رک کر میں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا تم یہودی ہو..... یا چوہدری نوازش یہودی ہے؟ میں تو تم دونوں کا دشمن اول ہوں کیوں کہ تم دونوں شیطان کے چیلے ہو' برائی کے علمبردار ہو۔ تم میری پوری ہسٹری سے واقف ہو۔ میری زندگی کا ایک ایک ورق پلٹ کر دیکھ لو۔ تمہیں ہر جگہ میرے الفاظ کی سچائی ملے گی۔ میں نے ہر قدم پر شیطانی ذہنیت کے حامل افراد کے دانت کھٹے کیے ہیں اور مظلوم و بے کس کی داد رسی کی ہے۔ میں تم دونوں نکبِ انسانیت کو چھوڑنے والا نہیں۔''

''اسی لیے تو میں نے تمہاری یہ وڈیو تیار کی ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا ''اب ہم دونوں تمہارے ہاتھوں محفوظ ہوچکے۔ تم پاکستان میں داخل ہوگے اور نہ ہی ہمیں کوئی نقصان پہنچاؤ گے۔ میرے بڑے تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں' اس کی مجھے کوئی پروا نہیں۔'' وہ تھوڑی دیر رکنے کے بعد بولا ''اور یہ جو تم نے ہسٹری والی بات کی ہے نا' یہ تمام تفصیل میں نے اوپر پہنچادی ہے بلکہ وہ ریکارڈ جو تم نے سی ایف کے میں رہتے ہوئے مرتب کیا تھا۔ تمہیں وہ خون ریز واقعات تو یاد ہوں گے جب تم نے اپنے دوست اور میرے نمک خوار امتیاز کے ساتھ مل کر سی ایف کے کے پلیٹ فارم سے بڑے عظیم الشان کارنامے انجام دیے تھے؟''

شعیب غوری جن کارناموں کو عظیم الشان قرار دے رہا

تھا' وہ ایک ایک کر کے میرے ذہن سے گزرنے لگے۔ یہ سچ ہے کہ میں نے سی ایف کے سے وابستگی کے دوران میں بعض اوقات قتل و غارت گری بھی کی تھی لیکن یہ سب کچھ انجانے میں ہوا تھا۔ میں سی ایف کے کو ایک اصلاحی اور انسانی بہبود کی تنظیم سمجھا تھا اور اپنی دانست میں میں نے سچائی کا ساتھ دیتے ہوئے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور ظالم کا ہاتھ توڑا تھا۔ بہرحال اب نہ امتیاز باقی رہا تھا اور نہ ہی سی ایف کے سے میری وابستگی!

شعیب غوری پورا کھل گیا تھا۔ میں نے اور منہاس باقر نے اس کے بارے میں جو اندازے لگائے تھے وہ صد فی صد درست ثابت ہو رہے تھے۔ میں منہاس ہی کے ایما پر کسی یہود نواز سیٹ اپ کی تلاش میں نکلا تھا اور تان بالآخر سی ایف کے پر آن کر ٹوٹی تھی' یہ الگ بات ہے کہ میں پہلے سے اس تنظیم سے وابستہ تھا لیکن اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں تھا۔ شعیب غوری یہودی لابی کے اشاروں پر ناچتا تھا اور ان کی مقصد براری کے لیے کوشاں تھا۔ منہاس باقر نے یہودیوں کے اس چمچے اور اس کی شیطانی تنظیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم کر رکھا تھا اور میں اس کے عزم کی تکمیل کے لیے کوشاں تھا۔ کوئی بھی محبِ وطن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اغیار اس کی دھرتی کی جانب میلی نظر سے دیکھیں!

یہ تمام خیالات ایک لمحے میں میرے ذہن سے گزر گئے اور میں سوچنے لگا کہ حالات نے اچانک کیسی واہیات صورت اختیار کر لی تھی۔ شعیب غوری نے سب سے زیادہ تشویش ناک انکشاف یہ کیا تھا کہ وہ اپنے یہودی آقاؤں کو میری ہسٹری سے آگاہ کر چکا تھا۔ میں یہودیوں کی ذہنیت' ان کی طاقت اور کام کرنے کے انداز کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ وہ بال کی کھال اور کھال کے بال اتارنے کے ماہر تھے۔ وہ جب کسی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے تو پھر یہ دنیا اس معتوب کو بڑی تنگ نظر آنے لگتی' کوئی بھی محفوظ یا غیر محفوظ پناہ گاہ اس سے آنکھ نہ ملاتی اور وہ ایک نادیدہ شکاری کے آگے دوڑتے دوڑتے ہانپ جاتا۔ اس کے قدم ڈگمگاتے اور وہ منہ کے بل جا گرتا۔

کسی نے سچ کہا ہے' انسان محبت اور دوستی میں بہت مار کھاتا ہے۔ میں نے شعیب غوری سے دوستی کے نتیجے میں اسے اپنے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔ وہ میرے حالاتِ زندگی سے بہ خوبی آگاہ تھا۔ سنگاپور' تھائی لینڈ' نیپال' ہندوستان اور شاؤلن ٹیمپل کی بہت سی کہانیاں میں نے اسے سنا رکھی تھیں۔ یہ اس پر میرا اعتماد ہی تھا کہ میں نے اسے متروک کنوئیں میں سالہا سال سے دفن کروڑوں کی مالیت کے سونے کے راز سے آگاہ کر دیا۔ ازاں بعد اس سلسلے میں بھی اس نے مجھ سے دھوکا کیا اور میرے دشمن دیرینہ سے دوستی کر بیٹھا۔ بہرحال اب ان باتوں کو سوچنے یا ان پر کڑھنے کا وقت بیت گیا تھا۔ موجودہ صورتِ حال خاصی گمبھیر تھی۔

مجھے مستقبل خاموش اور اپنی جانب یک ٹک دیکھتے پا کر شعیب غوری نے کہا ''دجدان! تم کس سوچ میں گم ہو؟ بھئی امریکا بہادر کی دہشت ہی بہت ہے۔ لگتا ہے تمہاری سٹی گم گئی ہے۔ تم اتنے چپ چپ تو کبھی نہیں رہا کرتے تھے!''

میں نے تمام خیالات کو ذہن سے جھٹکا اور جارحانہ انداز میں کہا ''تمہارے اس امریکا بہادر کو میں اپنے جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں تم نے اسے زمینی خدا کہا ہے لیکن میری نگاہ میں وہ زمینی شیطان ہے۔ تم قبول چکے ہو میں نے تمہاری سی ایف کے کو جو بھی نقصان پہنچایا' وہ درحقیقت تمہارے بڑوں کا نقصان ہے۔ ایسا خدا کس کام کا جسے مجھ جیسا ایک معمولی انسان پے در پے نقصان پہنچانے میں کامیاب رہے؟'' میں نے سانس لینے کی خاطر تھوڑا توقف کیا پھر سنستاتے ہوئے لہجے میں کہا ''میرے نزدیک وہ ایک عظیم فتنہ ہے۔ ایسے فتنے اور زمینی خدائی کے جھوٹے دعوے دار ہر دور میں جنم لیتے رہے ہیں۔ جو چیز جنم لیتی ہے وہ فطری اصولوں کے تحت ایک دن فنا بھی ہو جاتی ہے..... تمہارا یہ بزعم خود زمینی خدا بھی بہت جلد نیست و نابود ہو جائے گا۔''

''تم تقریر بہت اچھی کر لیتے ہو۔'' وہ طنزیہ انداز میں سراتے ہوئے بولا ''بہرحال اب ان جوش بھری باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے' انہی سے جا کر کہنا جو تمہیں لینے آ رہے ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ تمہاری دونوں ساتھیوں کو بھی لے جائیں گے بلند و پست کا یہ کبھی نیشن تمہارے ہم رکاب رہے گا..... ایک پردے کے پیچھے' دوسری پردے پر۔''

شعیب کی بات ختم ہوئی تو میرے رگ و پے میں گہری تشویش دوڑ گئی۔ بلند و پست سے اس کی مراد ساحل اور صدف تھی۔ شعیب کے آخری جملے میں بڑی سفاکی شامل تھی۔ اس کی بات کا یہی مطلب نکلتا تھا کہ ساحل کو مجھ سے ملنے نہیں دیا جائے گا' وہ دوری کے تصور نے مجھے تڑپا کر رکھ دیا۔ میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔ میرے انداز میں بے ساختہ پن تھا۔

''ساحل کہاں ہے؟''

''کسی سمندر کے کنارے استادہ ہو گا!'' وہ بے پروائی سے بولا۔

''میں اپنی ساحل کی بات کر رہا ہوں؟'' میں نے غراہٹ آمیز انداز میں کہا۔

''وہ میرے پاس محفوظ ہے۔'' شعیب نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا ''ساحل اور صدف اسی بنگلے کے ایک آرام دہ حصے میں موجود ہیں۔''

میں نے پوچھا ''چلو مان لیا' میں نے اور صدف نے مل کر تمہیں اور تمہاری تنظیم کو نقصان پہنچایا ہے' یا بقول تمہارے تمہارے آقاؤں کو نقصان پہنچایا ہے لیکن ساحل تو اس معاملے میں کسی بھی طور ملوث نہیں' پھر اسے کس بات کی سزا دی جا رہی ہے؟''

''تم سے کس نے کہہ دیا' میں ساحل کو سزا دے رہا ہوں۔'' وہ عجیب سی نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا ''میں نے تو پھولوں کی طرح سجا کر اسے اپنے پاس سنبھال رکھا ہے۔ وہ میرے بڑوں کی امانت ہے۔ میں اسے ایک ذرا سی تکلیف پہنچانے کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتا۔'' وہ ذرا متوقف ہوا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''ساحل کو تو کب کا یہاں سے روانہ کیا جا چکا ہوتا لیکن تم ہمارے قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ تمہیں شکار کرنے کے لیے ساحل کا چارا استعمال کیا گیا۔ بہرحال اب یہ قصہ نمٹ چکا۔''

وہ خاموش ہوا تو میں الجھ کر رہ گیا۔ الجھن کا... سبب یہ تھا کہ ساحل کو اتنی زیادہ اہمیت کیوں دی جا رہی تھی۔ وہ تو ایک غیر متعلق اور سیدھی سادی لڑکی تھی۔ میں تو اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھ سے دوستی کے جرم میں تکلیفیں اٹھا رہی ہے لیکن شعیب غوری نے غور و فکر کا ایک اور دروازہ کھول دیا تھا۔ جب اس دروازے میں ابھرنے والا منظر میری سمجھ میں نہ اتر سکا تو میں نے براہِ راست شعیب ہی سے پوچھنے کا فیصلہ کیا۔ میں اس کانٹے کو ذہن میں کھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

''تمہارے آقا میری ساتھی ساحل میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں؟''

''وہ لوگ ساحل میں نہیں بلکہ دھنو میں دلچسپی لے رہے ہیں۔'' وہ شیطانی انداز میں مسکراتے ہوئے بولا ''میں تبتی نژاد خوش رو والی اس حسینہ کی بات کر رہا ہوں جس کا تعلق کھٹمنڈو کے نزدیک واقع ایک بدھ عبادت گاہ سے ہے۔ تم نے اسے ساحل کا نام دے کر ایک آڑ میں چھپا لیا تھا لیکن دیکھ لو' میرے آقا کس قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے دھنو کو کھوج نکالا اور اسے پکڑنے کا فریضہ مجھے سونپ دیا۔ میں نے انہیں تم تمہارے بارے میں بتایا تو وہ ایک تیر دو شکار پر اصرار کرنے لگے۔''

وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا تو میں اس نئے انکشاف پر ششدر رہ گیا۔ وہ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''یہ وہ لمحات تھے جب تم میرے دوست ہوا کرتے تھے۔'' ایک کروہ قہقہہ لگانے کے بعد اس نے مزید کہا ''میں جان گیا کہ تمہیں دوستی کے پلیٹ فارم پر بہ آسانی ذبح کیا جا سکتا ہے' سو میں تمہارے اور نزدیک ہو گیا۔ پھر تمہاری ساتھی کو اغوا کر لیا گیا چنانچہ مجھے بہ حالتِ مجبوری چوہدری نوازش سے دوستی گانٹھنا پڑی اور میں نے دس کروڑ کی رقم چوہدری کے حوالے کر کے دھنو یعنی تمہاری ساحل کو حاصل کر لیا۔'' وہ ایک مرتبہ پھر بڑے زہریلے انداز میں مسکرایا اور بولا ''یہ الگ بات ہے کہ وہ دس کروڑ روپے تمہارے ہی حصے کے تھے۔ اسے کہتے ہیں' جس کا جوتا اسی کے سر!''

میں اس کا تبصرہ سن کر سلگ اٹھا تاہم میں نے جوش میں آنے سے احتراز برتا۔ اس وقت اگر میں غصے کا مظاہرہ کرتا تو اصل بات بیچ میں لٹک کر رہ جاتی۔ ساحل سے متعلق یہودی لابی کی دلچسپی کے بارے میں جاننا نہایت ہی اہم اور ضروری تھا۔

میں نے متحمل لہجے میں شعیب سے سوال کیا ''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ تمہارے آقا ساحل کے حصول کے لیے اس قدر بے چین کیوں ہیں؟''

''پوری بات تو مجھے بھی معلوم نہیں۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا ''جتنا جانتا ہوں وہ تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ آخر کو گزرے دنوں میں تم میرے دوست رہے ہو!'' وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا اور ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد بولا۔

''میں نے اڑتی اڑتی سنی ہے' ساحل یعنی دھنو کے سینے میں کوئی راز دفن ہے۔ ایک بیش بہا خزانے کا راز۔ میرے بڑے اس خزانے تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اس خزانے کی اہمیت مادی بھی ہے اور روحانی بھی۔ تمہیں تو معلوم ہی ہو گا' یہودی اور یہودیت کا ماضی اور حال بے حد پُراسرار ہے۔ ان کا ایک مخصوص طبقہ مادرائی اور روحانی علوم و فنون میں بڑی مہارت رکھتا ہے' اور یہ لوگ ہر قسم کی مسٹری کی تلاش میں رہتے ہیں۔ دھنو بھی کسی ایسے ہی راز کی امین ہے۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتا۔''

شعیب کی وضاحت نے بجائے سلجھن کے الجھن پیدا کر دی۔ اس کی باتیں میرے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ ساحل ایک بے ضرر اور سادہ سی لڑکی تھی۔ اس کے ناز و ادا میں معصومیت پائی جاتی تھی۔ اگر اس کے سینے میں کوئی راز پوشیدہ

ہوتا تو وہ مجھ سے اس کا ذکر ضرور کرتی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ اپنے آپ سے دور ہو گئے تھے۔ ہمارے درمیان کوئی بات راز نہیں رہی تھی۔ سارے پردے اٹھ چکے تھے۔ ہم من وتو سے بہت آگے نکل آئے تھے۔

دوسری طرف میں شعیب غوری کی بات اور اس کے آقاؤں کے دعوے کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ لوگ اگر ساحل کو کھوج رہے تھے بلکہ..... حاصل کر چکے تھے تو یہ ساری دوڑ دھوپ بے مقصد نہیں ہو سکتی تھی۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خطرناک سوال ابھرا۔

کیا ساحل واقعی اتنی سادہ نہیں تھی جیسی دکھائی دیتی تھی؟ کیا میں اس کی گہرائی ناپنے میں ناکامیاب رہا تھا؟ کیا وہ معصومیت کا پیکر مجھ سے بھی بہت کچھ چھپائے بیٹھی تھی؟

ایک سوال نے اپنے پیچھے قطار لگا دی اور ایک کے بعد ایک منفی اور سنسنی خیز سوال میرے ذہن میں ہتھوڑے برسانے لگا۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا اور اگلے ہی لمحے میں نے سر جھٹک کر ان فضول استفسارات کو اپنی کھوپڑی سے نکال باہر کیا۔ میری ساحل ایسی نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی لمحے شعیب غوری کی مخصوص آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''وجدان! صرف ایک چھپی ہوئی حقیقت نے تمہیں جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اگر سارا احوال سنو گے تو تمہارا دماغ پھٹ جائے گا۔ تمہاری وہ مضبوط اعصابی اور آہنی قوت ارادی کیا ہوئی؟ کیا میں کہوں..... ہوا ہوئی؟''

میں نے طیش میں آنے کے بجائے بڑی تحمل آمیز نظر سے اسے دیکھا اور پوچھا ''تمہارے آقا ہمیں کہاں پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟''

''بہت ہی اہم سوال کیا تم نے لیکن افسوس۔'' وہ خفیف سا ہوتے ہوئے بولا ''مائی اولڈ ڈیئر! میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اپنے بڑوں سے سوال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور از خود انہوں نے اس سلسلے میں مجھے کچھ بتایا نہیں اس لیے..... سوری۔''

وہ ایسے انداز میں بات کر رہا تھا جیسے اس سے زیادہ کوئی میرا خیر خواہ نہ ہو لیکن میں سمجھ رہا تھا' یہ اس کا طنزیہ' اذیت پہنچانے والا اور ناپسندیدگی کا انداز تھا۔ میں نے کرید جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔

''اتنا تو تمہیں معلوم ہی ہوگا' وہ ہمیں کس ذریعے سے لے کر جائیں گے؟''

''ہاں معلوم ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا پھر الٹا مجھ سے مستفسر ہوا ''تمہیں یاد ہے' ابھی چند روز پہلے دو لوگ ایک بندے کو پاکستان سے لے کر گئے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے لیے ''موسٹ وانٹیڈ'' تھا۔ وہ امریکی سی آئی اے کا مجرم تھا۔ وہ لوگ کئی سال سے اس کی تلاش میں کروڑوں ڈالرز خرچ کر چکے تھے بالآخر وہ اسے یہاں سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسے گرفتاری کے مقام سے فی الفور حکومت وقت کے تعاون سے اسلام آباد پہنچایا گیا۔ میرے آقاؤں کا چارٹرڈ طیارہ اسے اسلام آباد سے سیدھا امریکا لے گیا تھا۔ تم نے اخبارات میں اس واقعے کی تفصیل پڑھی ہوگی؟''

''تمہارا اشارہ ایمل کاسی کی طرف تو نہیں؟'' اس وقت میرا پورا وجود سنسنی کی لپیٹ میں تھا ''پچھلے دنوں یہاں اس نوعیت کا بڑا واقعہ پیش آیا ہے۔''

وہ گمبھیر آواز میں بولا ''عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ بس اتنا جان لو کہ ایک تیار چارٹرڈ طیارہ چند گھنٹوں بعد تم لوگوں کو یہاں سے لے جانے کا منتظر ہے۔ میرے آقا اس وقت بنگلے میں موجود ہیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس حال اور اس ہال میں تمہارا دیدار کریں گے۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''ویسے تھوڑی دیر پہلے چوہدری نوازش بھی اپنے گاؤں سے یہاں پہنچا ہے۔ اسے نہایت ہی ایمرجنسی میں کراچی آنا پڑا لیکن میں اسے اس ہال میں نہیں لے کر آؤں گا۔ تم نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے نتیجے میں وہ تمہیں دیکھتے ہی شوٹ کر دے گا اور میں تمہیں بتا چکا ہوں' تم اس وقت کتنی اہمیت اختیار کر چکے ہو!''

میں نے بے ساختہ پوچھا ''میں نے چوہدری کے ساتھ ایسا کیا کر دیا؟''

وہ خاموشی سے مجھے تکنے لگا۔ انداز ایسا تھا یہ بھانپنے کی کوشش کر رہا ہو کہ کیا میں واقعی اس بارے میں کچھ نہیں جانتا یا بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔

''کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو؟' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوا۔

''یقین کرو' چوہدری کے ساتھ جو کچھ بھی نیا ہوا ہے' میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''میں تو کل رات دس بجے سے اب تک تمہارے بنگلے میں ہوں۔''

''ہوں!'' اس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور بولا ''پھر وہ تمہارے ساتھیوں کا کارنامہ ہوگا!''

اس کی بات میرے پلے نہ پڑی تو میں نے اصرار کے انداز میں دریافت کیا ''آخر ہوا کیا ہے؟''

''تم تھوڑی دیر کے مہمان ہو اس لیے تمہیں بتانے میں کوئی حرج نہیں۔'' وہ مدبرانہ لہجے میں بولا ''کل شام چوہدری نوازش کے ایک خاص بندے جے ڈی ملک کو اغوا کیا گیا تھا۔ چوہدری کا لختِ جگر پہلے ہی تمہاری قید میں تھا۔ آج علی الصباح وہ دونوں دریافت ہو گئے ہیں۔ ایک زندہ اور دوسرا مردہ!''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' میں چیخ سے مشابہ آواز میں چلّایا۔

وہ ٹھہری ہوئی نگاہ مجھ پر گاڑتے ہوئے بولا ''حقیقت بیان کر رہا ہوں۔''

''مجھے یقین نہیں آ رہا!'' میں اضطراری انداز میں بولا۔

وہ بولا ''حقائق ایسے ہی تلخ اور ناقابلِ یقین ہوتے ہیں۔''

''ذرا تفصیل بتاؤ۔'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

میرے اس مضطرب سوال کے جواب میں شعیب غوری نے بتایا کہ آج علی الصباح لگ بھگ پانچ بجے ''تین تلوار'' کے قدموں میں جے ڈی ملک کی لاش اور فیصل کا عبرت ناک وجود دریافت ہوا تھا۔ جے ڈی ملک کو بے پناہ اذیت سے گزارنے کے بعد موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا جب کہ فیصل زندہ تو تھا لیکن اس کو دیکھ کو بے ساختہ زبان سے ''استغفراللہ'' نکلتا تھا۔ اس کے دونوں کان' زبان' ناک کا گوشت والا حصہ کاٹ کر جسم سے الگ کر دیا گیا تھا۔ ٹخنے کے عقب میں پائی جانی والی حساس رگیں بھی کاٹ دی گئی تھیں۔ اب وہ زندگی بھر اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی کہنیوں کے جوڑ پر بھی اچھی خاصی طبع آزمائی کی گئی تھی۔ بات کے اختتام پر شعیب نے پھنکار سے مشابہ لہجے میں کہا۔

''فیصل تمہاری تحویل میں تھا۔ جے ڈی ملک کا اس کے ساتھ پایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے بھی تم نے یا تمہارے ایما پر اغوا کیا گیا تھا۔ اس لیے ان دونوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کے تم ہی ذمے دار ہو گے۔ میں نے صبح چھ بجے چوہدری کو اس سانحے کی اطلاع دی اور وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں پہنچا ہے۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟''

آخر میں شعیب نے بڑا معنی خیز سوال کیا تھا جس کا اسی ڈگری پر جواب دینا مجھ پر لازم تھا۔ میں ایک لمحے میں سمجھ گیا تھا' جے ڈی ملک اور فیصل کا حشر خراب کرنے والا شہزاد کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ممکن ہے اس سلسلے میں زرگل نے بھی اس کی کچھ مدد کی ہو۔ پہلے تو مجھے شہزاد کی اس جذباتی بے وقوفی پر غصہ آیا تھا لیکن میں اس وقت جس قسم کی صورتِ حالات سے گزر رہا تھا اس کے تقاضے کے مطابق شہزاد نے بالکل ٹھیک کیا تھا۔

اس جاں نثار دوست کے لیے میرا دل مہر و وفا کے جذبات سے معمور ہو گیا۔ اس جی دار پوٹھوہاری نے دل بڑھانے اور لہو گرمانے والا کارنامہ انجام دیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں شہزاد کی بہادری کو سلام کیا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں شعیب غوری سے کہا۔

''میں نہایت ہی مسرت کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ جے ڈی ملک اور فیصل کو میرے پینل پر نمونۂ عبرت بنایا گیا ہے اور.....'' میں نے ذرا توقف کر کے اپنی بات کو مکمل کر دیا۔

''اور..... تم' تمہارا دہ نیا نویلا دوست چوہدری نوازش اور تمہارے آقا سب کے سب میرے اسی یادگار سلوک کا مزہ چکھو گے۔ جلد یا بہ دیر میں تمہاری زندگیوں کو دردناک عذاب کے سپرد کرنے والا ہوں۔''

''بول لو' جتنی چاہو دل کی بھڑاس نکال لو کیوں کہ تم نہیں جانتے' اس پنجرے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ تمہیں ایک مخصوص قسم کے جانگیے میں بلاوجہ تو یہاں نہیں بٹھایا گیا! آخر کوئی تو مقصد ہوگا'' تمہارے دونوں ہاتھوں کو آہنی بندشوں میں جکڑنے کا!''

''کیا مقصد ہے تمہارا؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا اور میں اپنے برہنہ وجود کو دیکھنے لگا۔

''بس گھبرا گئے!'' شعیب غوری کی طنزیہ نظر مجھے اپنے پار ہوتی محسوس ہوئی۔

میں نے بوکھلا کر پوچھا ''مجھے اس جناتی پنجرے میں کیوں قید کیا گیا ہے؟''

''اس لیے کہ تم بھی کسی جن سے کم نہیں ہو۔'' وہ یہ کہتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ گیا پھر پنجرے کے نزدیک آ کر بولا۔ ''میرے آقا اپنے ساتھ دو نہایت ہی خطرناک فائٹرز بھی لائے ہیں۔ اس پنجرے کے اندر تم ان سے مقابلہ کرو گے۔ یہ انتہائی خوفناک اور خون ریز مقابلہ ہوگا جس کا ایک ایک اسٹیپ کیمرے کی آنکھ میں محفوظ ہوتا چلا جائے گا۔'' وہ تھوڑی دیر کے لیے رکا پھر میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''خون ریزی اور ہلاکت خیزی میرے آقاؤں کو بہت پسند ہے۔ انہوں نے تو اپنے اسپورٹس میں بھی غیر انسانی عوامل کو شامل کر لیا ہے۔ اپنی تفریحِ طبع اور تسکینِ ذوق کی خاطر وہ کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں۔''

''تم اور تمہاری شیطانی تنظیم سی ایف کے اسی وحشیانہ

مزاج کا ٹریلر ہے۔'' میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔

وہ چند لمحات تک بڑی معنی خیز نظر سے مجھے تکتا رہا پھر معتدل لہجے میں بولا'' بہرحال سابق دوستی کا خیال کرتے ہوئے ایک مشورہ میں تمہیں ضرور دوں گا۔ ذرا ہاتھ پاؤں بچا کر مقابلہ کرنا۔ اس پنجرے کو میں نے ڈیتھ کیچ کا نام دے رکھا ہے۔ آج تک کوئی زندہ یہاں سے باہر نہیں نکلا۔''

''ڈیتھ کیچ!'' میں زیرلب بڑبڑایا۔

اس نے کہا'' میں نے تمام ضروری باتیں تم سے کرلیں۔ اب دوسرے سیشن میں ملیں گے۔''

پھر وہ واپس جانے کے لیے مڑا۔ میں اس سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن میں نے کچھ بھی نہ کہا۔ میری خفگی آمیز اور نفرت انگیز نگاہ شعیب غوری کی پشت پر جم کر رہ گئی۔ وہ میری نظر میں ایک ایسا بزدل حریف ثابت ہوا تھا جو عین میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھا کر جا رہا تھا..... اونہہ!

میں نے دانت کچکچائے اور آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

میری تمام تر توجہ اپنے ہاتھوں پر مرکوز تھی!

دونوں ہاتھوں کو پشت پر آہنی ہتھکڑی میں اس طرح فٹ کیا گیا تھا کہ میں انہیں حرکت دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ میں اپنی سی کوشش کے باوجود بھی اس آہنی بندش سے نجات حاصل نہیں کرسکتا تھا ورنہ ایک مرتبہ پہلے بھی اسی قسم کی صورتِ حال سے گزر رہا تھا اور میں نے جسم کی مخصوص جنبشوں کو کام میں لاکر ہتھکڑی کو غیر موثر بنا دیا تھا۔ الٹی ہتھکڑی' سیدھی میں بدل گئی تھی۔ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب میں زمینی راستے سے پاکستان میں داخل ہو رہا تھا اور لٹھر پار کر میں قدم رکھتے ہی ہمیں بے درپے مشکلات سے واسطہ پڑ گیا تھا۔

ہتھکڑی بڑی مختلف اور پیچیدہ قسم کی تھی۔ میں جمناسٹک کی ٹیکنیکس کے طفیل سے چھٹکارا نہیں پا سکتا تھا چنانچہ میں نے ''چی'' کی قوت کو آزمانے کا فیصلہ کیا اور آنکھیں بند کرکے اپنی توجہ بندھے ہوئے ہاتھوں پر مرکوز کردی۔ اس آہنی گرفت سے جلد از جلد آزادی حاصل کرنا بہت ضروری تھا۔ شعیب سے ہونے والی طویل گفتگو نے مجھے گہری تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔ میں ہاتھ پر ہاتھ بندھوائے چوبی اسٹول پر بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا۔ اب میرا مقابلہ کسی علاقائی بدمعاش سے نہیں تھا بلکہ شعیب کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق اس دنیا کا سب سے بڑا انٹلیجنس ایجنٹ میرے مدمقابل آن کھڑا ہوا تھا۔ شعیب جیسے ملک دشمن اور زمین فروش لوگوں کے لیے وہ ارضی خدا سے کم نہیں تھا لیکن میری نگاہ میں وہ ظلم و بربریت کی علامت تھا اور میں ..... میں نے زندگی بھر ظالم کے خلاف' مظلوم کا ساتھ دیا تھا!

میں اس وقت تصور کی نظر سے ہتھکڑی کے لاک کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے چی کی پُراسرار اور خفیہ قوت کو اس لاک تک پہنچانا تھا۔ پنجرے کے لاک سے نمٹنے کا مرحلہ بعد میں آتا اور یہ ساری کارروائی شعیب کی واپسی سے پہلے کرنا تھی۔ اس نے دوسرے سیشن میں ملاقات کی نوید سنائی تھی اور وقت کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ پانچ منٹ بعد بھی واپس آسکتا تھا اور اس آمد میں پندرہ بیس منٹ بھی لگ سکتے تھے۔ آنے والے حالات کی سنگینی اور ہلاکت خیزی مجھے اس پنجرے سے جلد از جلد نکلنے پر مجبور کر رہی تھی۔

میں نے ٹارگٹ کو ذہن میں بٹھانے کے بعد اپنے دھیان کو ناف کے مقام کی سمت منتقل کردیا۔ چی کی پوشیدہ قوت کا مسکن ناف کے عقب میں' ریڑھ کی ہڈی کے نزدیک تھا۔ میں اس قوت کو پہلے بھی کئی بار استعمال کرچکا تھا اس لیے مجھے اچھی خاصی پریکٹس ہوگئی تھی۔ جلد ہی مخفی توانائی کے اس ذخیرے سے میرا تصوراتی رابطہ ہوگیا۔ میں نے اس بیش بہا خزانے میں سے تھوڑی سی توانائی چرائی اور اسے اپنے خیال کی مٹھی میں بھر کر جسم کے اندر ہی اندر چلاتے ہوئے کندھوں تک لے آیا' پھر یہ پُراسرار نادیدہ قوت دونوں بازوؤں میں سفر کرتی ہوئی بڑی تیزی سے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ یہ سارا عمل تصور کے بل بوتے پر انجام پا رہا تھا اور اس کی تکمیل میں سیکنڈ کے حصے استعمال ہو رہے تھے۔ تصور کی کارفرمائی اتنی ہی زود اثر' تیز رفتار اور تیر بہ ہدف ہوتی ہے کیوں کہ تیسری آنکھ براہِ راست اس کی نگرانی کر رہی ہوتی ہے۔ اس عمل کو سمجھنے کے لیے غور و فکر کی ضرورت ہے!

ہتھکڑی کے سبب میری دونوں کلائیاں ایک دوسرے میں باہم پیوست تھیں لہٰذا بازوؤں سے گزر کر وہاں پہنچنے والی قوت کلائیوں کے جوڑوں پر یک جا ہوگئی۔ اس لمحے میں نے چی کا اسٹیرنگ ہتھکڑی کے لاک کی جانب گھما دیا۔

ایک ہلکی سی ''کھٹاک'' ابھری اور میرے دونوں ہاتھ آزاد ہوگئے۔

میں نے خوشی خوشی اپنی دونوں کلائیوں کو سہلایا اور بے ساختہ میری نگاہ پنجرے کے فرش پر پڑی ہتھکڑی پر جا ٹکی۔ میں نے حقارت سے اس شکست خوردہ آہنی گرفت کو دیکھا اور ایک عزم کے ساتھ پنجرے کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

پھر اس سے پہلے کہ میں پنجرے کے لاک کو اپنے تصور کا ٹارگٹ بناتا' مجھے بری طرح چونک جانا پڑا۔ ہال کے دونوں

دروازے یک بہ یک کھل گئے تھے۔ اگر دروازے کھلے تھے تو اس کا یہی مطلب تھا' اب دوسرا سیشن شروع ہونے والا تھا..... خون ریز معرکے کا سیشن!

مجھے اس بات کا سخت افسوس ہوا کہ پنجرے کا لاک ٹوٹنے سے پہلے ہی دوسرا سیشن شروع ہوگیا تھا۔ اگر میں پنجرے سے باہر نکل چکا ہوتا تو صورتِ حالات بہت مختلف ہوتی۔ یہ بات نہیں کہ میں کسی خطرناک مقابلے سے گھبرا رہا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ جب سے مجھے پتا چلا تھا' میں یہودیوں کے مدِمقابل آگیا ہوں' میرے سوچنے کے زاویے میں تھوڑی تبدیلی آگئی تھی۔ یہودیوں کی عیاری اور مکاری صدیوں سے مسلّم ہے۔ یہ مختلف قسم کے ناٹک کا اہتمام کرکے اپنے مریضوں بلکہ یہ شکاروں کو الجھاتے ہیں' انہیں حالات کی سنگینی سے بے دھیان کردیتے ہیں اور اسی بے پروائی کی کیفیت میں وہ اپنے دشمن پر وار کردیتے ہیں..... مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ کوئی بھی سرگرمی دکھانے کا وقت گزر چکا تھا۔ میں نے چوکنا نظر ہال کے دروازوں کی طرف مبذول کردی۔

ایک دروازے میں پہلے دو مسلح گارڈز نمودار ہوئے۔ یہ وہی دروازہ تھا جو شعیب غوری نے تھوڑی دیر پہلے اپنی آمد و شد کے لیے استعمال کیا تھا۔ دونوں گارڈ ہال کے اندر داخل ہونے کے بعد سیدھے ڈیتھ کیچ کی جانب بڑھے اور کیچ کے دروازے کے دائیں بائیں مجھ پر گنتان کر کھڑے ہوگئے۔ یہ سمجھنے میں مجھے ایک لمحے کی تاخیر نہ ہوئی کہ انہیں حفظِ ماتقدم کے طور پر بھیجا گیا تھا تاکہ میں کسی قسم کی مہم جوئی کا خیال دل میں نہ لاؤں۔ ایک بات سے مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ شعیب غوری اینڈ کمپنی کے دلوں پر میری بھرپور دہشت سوار تھی۔

پنجرے کے فرش پر ''چت'' پڑی ہتھکڑی مسلح گارڈز کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی انہوں نے بہ یک وقت چونکی ہوئی نظروں سے میرے آزاد ہاتھوں کو دیکھا۔ پھر ان کے چہرے گہری تشویش میں ڈوب گئے۔ میں نے طنزیہ انداز میں زیرِ لب مسکرانے پر اکتفا کیا۔ ممکن تھا وہ میری اس جسارت پر کوئی ایکشن لیتے کہ ہال میں دیگر افراد کی آمد شروع ہوگئی۔

شعیب غوری کسی سے باتیں کرتے ہوئے دوسرے دروازے سے ہال میں داخل ہوا۔ جلد ہی مجھے اس کے مخاطب کا چہرہ بھی نظر آگیا اور میں اس چہرے کو دیکھ کر واقعتاً چونک اٹھا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ ارب پتی بزنس مین یہودی انسل انگریز نیل آرمرجر تھا۔ ہالی ووڈ کے اداکار مائیکل ڈگلس سے مشابہ اس یہودی کو میں ہزاروں' لاکھوں چہروں میں بخوبی پہچان سکتا تھا۔ میری معلومات کے مطابق وہ گولڈ اکاؤنٹ بینک کا مالک تھا اور ایک ڈائمنڈ ایکسپورٹ کمپنی کا روحِ رواں تھا ''رکھاں والی'' کے متروک کنوئیں سے برآمد ہونے والا بیش قیمت سونا نیل آرمر کے قبضے میں چلا گیا تھا اور یہ سب کچھ شعیب غوری کے طفیل ہوا تھا۔ نیل آرمر کے عقب میں اس کی طرح دار سیکریٹری شیبا بھی نمودار ہوئی پھر وہ دونوں شعیب کی معیت میں چلتے ہوئے نیم بیضوی چبوترے پر رکھی تین عالی شان کرسیوں کی جانب بڑھ گئے۔

شیبا کو میں نے ایک مرتبہ پہلے کراچی انٹرپورٹ کی عمارت سے نکلتے دیکھا تھا۔ وہ انتہائی پُرکشش اور گریس فل عورت تھی۔ یہودی عورتیں عام طور پر خوبصورت اور دل کشش ہوتی ہیں۔ شیبا ایک ہزار یہودنوں کے مقابلۂ حسن میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کی حقدار تھی۔

شعیب غوری ایک یہودی اور ایک یہودن کے درمیان براجمان ہو چکا تو پہلے والے دروازے سے دو اور افراد ہال میں داخل ہوئے۔ وہ دونوں اپنی ڈھال چال اور اسٹائل سے فائٹرز نظر آتے تھے۔ شعیب غوری نے شاید انہی خطرناک فائٹرز کا ذکر کیا تھا۔ ایک فائٹر کے ہاتھ میں مجھے ایک کتے کی زنجیر نظر آئی۔ وہ گلی محلے والا ایک دیسی کتا تھا اور بڑی فرماں برداری سے اس شخص کے ساتھ چل رہا تھا۔ کتا بردار فائٹر اپنے حلیے اور خدوخال سے مغربی دکھائی دیتا تھا جب کہ دوسرے کے خال و خط اور پہناوے میں چینی رنگ غالب تھا۔

دونوں فائٹرز اسٹیج پر براجمان افراد کے دائیں بائیں کھڑے ہوگئے تو گارڈز نے شعیب غوری کا اشارہ پا کر ہال کے دروازوں کو بند کردیا اور ایک ایک دروازے پر پوزیشن سنبھال کر پہرا دینے والے انداز میں استادہ ہوگئے۔

میں ڈیتھ کیچ کے اندر خاموش کھڑا ایک ایک چہرے کا بہ غور جائزہ لینے لگا۔ نیل آرمر خاصا سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ شعیب نے اپنے امریکی آقاؤں کی آمد کا ذکر کیا تھا لیکن میں جانتا تھا' نیل آرمر انگریز بہادر کے ملک انگلینڈ سے تعلق رکھتا تھا البتہ وہ یہودی ضرور تھا۔ پہلے سیشن میں شعیب غوری نے مجھ سے جتنی بھی گفتگو کی اس میں سے بہت سی باتیں میرے ذہن کو الجھا رہی تھیں۔ سرفہرست معاملہ امریکیوں کا مجھ میں اور ساحل میں دلچسپی لینے کا تھا اور دلچسپی بھی ایسی گہری کہ ہمیں لے جانے کے لیے ایک چارٹرڈ طیارہ بھی بھیج دیا گیا تھا اگر ایسی ہی بات تھی تو پھر اس کیچ والی ڈرامے بازی کی کیا ضرورت تھی۔ وہ لوگ اپنے مشن کو چشم زدن میں تکمیل تک پہنچانے کے عادی ہوتے ہیں۔ میری گرفتاری کے بعد انہیں لمحہ بھر یہاں نہیں رکنا چاہئے تھا' جیسا کہ ایمل کاسی کے سلسلے

میں واقعہ پیش آیا تھا۔ مجھے تو اس ڈرامے کے پیچھے کوئی اور ہی کہانی نظر آرہی تھی۔ یہ قصہ اگرچہ میری سمجھ میں فٹ نہیں بیٹھ رہا تھا تاہم میں شعیب کی بات پر اعتبار کرنے پر مجبور تھا۔ فی الحال میرے پاس ایسا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ اس کے کہے ہوئے کی صداقت کو پرکھ سکوں۔ یہ بھی ممکن تھا اس نے سراسر دروغ گوئی سے کام لیا ہو اور اصل معاملہ کچھ اور ہی ہو۔ آنے والا وقت اور پیش آمدہ حالات ہی حقیقت کے چہرے پر پڑے نقاب کو اٹھا سکتے تھے۔

شعیب غوری اپنی سیٹ سے اٹھا اور چبوترے سے نیچے اتر آیا پھر وہ پنجرے کے فرش پر پڑی جھنگڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے امید تھی' تم کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کرو گے۔ کیا تم نے پنجرے کے دروازے پر طبع آزمائی نہیں کی؟''

میں خاموشی سے اسے گھورکر رہ گیا۔

اس نے بالکل ویسٹرن اسٹائل میں کندھے اچکائے اور کہا ''بہرحال! میں نہیں جانتا تم نے اس جھنگڑی کو کیسے کھولا لیکن تمہاری اس کارروائی کا کوئی فائدہ نہیں۔ وقت اپنی مخصوص رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے۔''

میں نے نیل آرمر کی جانب انگلی اٹھائی اور طنز بھرے لہجے میں استفسار کیا ''کیا تم نے اپنے اسی یہودی آقا کا ذکر کیا تھا؟''

نیل آرمر اپنے کسی اور تعارف کے حوالے سے میری یادداشت کی چند لائنیں گھیرے بیٹھا تھا۔

''یہ تو میرا دوست ہے۔'' شعیب نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ''تم اسے میرے بڑوں کا نمائندہ سمجھ لو۔ اعلیٰ حکام تو دوسرے کمرے میں بیٹھے ہیں اور یہاں کی کارروائی کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے ہیں۔ اس ہال میں ہونے والی ایک ایک حرکت کو مانیٹر کیا جارہا ہے۔''

اس ہال میں کوئی اسٹل یا موویز کیمرا دکھائی نہیں دے رہا تھا' اس کا یہی مطلب تھا کہ ریکارڈنگ اور شوٹنگ نہایت ہی خفیہ طریقے سے کی جارہی تھی جیسا کہ آئینہ خانے میں کی گئی تھی۔ شعیب غوری نے اس بنگلے میں حیرت انگیز انتظامات کر رکھے تھے۔

شعیب غوری نے بنگلے کے کسی دوسرے کمرے میں امریکیوں کی موجودگی کا ذکر کر کے میرے تن بدن میں سنسنی سی دوڑا دی تھی۔ اگر مجھے اس آہنی پنجرے سے باہر نکلنے کا موقع مل جاتا تو میں ان امریکیوں سے دو دو ہاتھ نمٹ لیتا۔ میری جانِ تمنا ساحل اور جاں نثار صدف بھی اسی بنگلے کے کسی گوشے میں مقید تھیں۔ ان تک رسائی حاصل کرنے کے لیے میں دو چار کیا' دو چار ہزار دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ تقدیر نے حالات کی بساط پر بڑی چابک دستی سے مہرے بجا دیے تھے۔

شعیب غوری نے کتا بردار فائٹر کو ایک مخصوص اشارہ کیا۔ وہ اس آوارہ کتے کی زنجیر تھامے دو قدم آگے بڑھ گیا۔ شعیب نے اس کا تعارف کرواتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''وجدان! آج تمہارے مارشل آرٹس پر کڑی آزمائش ہے۔ یہ ڈیوڈ ہے۔'' اس نے سگ بردار فائٹر کی جانب اشارہ کیا ''اس کا تعلق امریکا سے ہے۔ ابھی چند ماہ پہلے اس نے انٹرا اسٹیٹ چیمپئن شپ جیتی ہے۔ ڈیوڈ تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بنا دے گا۔''

میں نے ڈیوڈ نامی اس مارشل آرٹسٹ کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہاں سفاکی اور درندگی مجسم تھی۔ شعیب نے دوسرے فائٹر کو آگے بڑھایا اور ایک مرتبہ پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا۔

''یہ چنگ یو ہے۔ چینی مارشل آرٹس کا ماہر۔ تم نے بھی شاؤلن ٹیمپل میں رہ کر بہت کچھ سیکھا ہے۔ چنگ یو اپنے ہاتھ پاؤں کی ضربوں سے تمہیں بتائے گا' کنگ فو کس طوفان کا نام ہے۔ آج تمہاری سٹی گم ہوکر رہ جائے گی۔''

چنگ یو گردن اکڑائے بڑے تکبر آمیز انداز میں کھڑا تھا۔ شعیب غوری کی باتوں میں واضح تضاد موجود تھا۔ ایک طرف وہ مجھے اپنے آقاؤں کے لیے نہایت ہی اہم گردان رہا تھا۔ اتنا اہم کہ وہ چوہدری نوازش کو اس ڈر سے میرے سامنے نہیں لا رہا تھا کہ کہیں وہ مجھے شوٹ نہ کر دے اور دوسری جانب وہ ان فائٹرز کے ہاتھوں میری ہڈی پسلی ایک کرنے کی واشگاف دھمکیاں بھی دے رہا تھا۔ میں نے شعیب کی الجھن زدہ اور مفاقت آمیز باتوں کو ذہن سے جھٹکا اور حالات پر توجہ مرکوز کر دی۔ مجھے ہر صورت میں ایک ایسا چانس لینا تھا کہ بازی پلٹ سکوں۔ امریکیوں کے ہاتھوں بے بس ہونا مجھے گوارا نہ تھا' میں اس انڈر ورلڈ جنگ کا نقشہ بدلنے کے لیے ہر مشکل سے گزرنے کو کامل تیار تھا۔

مختصر سی تعارفی تقریر جھاڑنے کے بعد شعیب غوری نے ڈیوڈ کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اس کا یہی مطلب تھا' پہلے مجھے ڈیوڈ سے مقابلہ کرنا تھا۔ شعیب کا اشارہ پا کر دونوں سگ گارڈز بھی آگے آگئے۔ ایک گارڈ پنجرے کا دروازہ کھولنے لگا جب کہ دوسرے نے بڑی مستعدی سے مجھے گن پوائنٹ پر رکھ لیا تاکہ میں کسی بھی قسم کی مہم جوئی کا خیال دل میں نہ لاؤں۔

پنجرے کا دروازہ کھل گیا اور ڈیوڈ اس ادنیٰ نسل کتے کے ساتھ پنجرے کے اندر داخل ہوا۔ گارڈ نے ڈیوڈ کے داخلے کے ساتھ ہی دروازے کو دوبارہ مقفل کر دیا۔ میں اس بات پر حیران تھا کہ ایک کتے کا وہاں کیا کام۔ فوری طور پر ایک مضحکہ خیز خیال میرے ذہن میں ابھرا کہ شاید وہ کتا ریفری کے طور پر انٹروڈیوس کرایا گیا تھا۔ میں نے اس خیال کو مضحکہ خیز اس لیے کہا ہے کہ شعیب غوری کے مطابق وہاں ایک خون ریز مقابلہ ہونے جارہا تھا۔ جس میں فاؤل پلے اور نیئر پلے کی تمیز نہیں تھی۔ ایسے رف اینڈ ٹف مقابلوں میں ریفری کی بھی ٹھک ٹھاک پٹائی ہوجایا کرتی ہے۔ ریفری کے حوالے سے مارشل آرٹس کی ایک عظیم فلم ''دی وے آف دی ڈریگن'' میرے تصور میں پھر گئی۔ اس فلم کی آخری فائٹ کنگ فو کے بادشاہ بروس لی اور فلم کے ویلن چک نورس کے درمیان تھی۔ اس فائٹ میں ایک بلی نے ریفری کے فرائض انجام دیئے تھے۔

میرا حریف پنجرے میں پہنچ چکا تو شعیب نے ایک گارڈ کو مخصوص اشارہ کرنے کے بعد مجھ سے مخاطب کرتے ہوئے کہا ''وجدان! مقابلے سے پہلے میں تمہیں ایک چھوٹا سا تماشا دکھانا چاہتا ہوں۔ اس منظر کو دیکھ کر یقیناً تمہارے رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے۔''

اپنی بات ختم کر کے وہ کرسی پر جا بیٹھا۔ گارڈ اس کی اشاراتی ہدایت لے کر ایک دیوار کی جانب بڑھ گیا تھا۔ میں گارڈ کو دیکھنے لگا۔ مذکورہ دیوار پر ایک بڑا سا پینل نصب تھا جس میں مختلف قسم کے بٹن اور ہینڈلز نظر آرہے تھے۔ گارڈ نے پینل کھولنے کے بعد ایک ہینڈل کو اوپر اٹھا دیا' گویا کسی شے کی سپلائی آن کر دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی پینل کے اندر ایک سرخ بلب روشن ہوگیا۔

سرخ بلب خطرے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ میں ریڈ الرٹ ہوگیا۔ میں نہیں جانتا تھا' وہاں کیا پیش آنے والا تھا' بہرحال جو کچھ بھی رونما ہوا وہ روزمرہ سے کافی ہٹ کر ہوتا۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ڈیوڈ نے کتے کی زنجیر چھوڑ دی۔ کتا ''چیاؤں چیاؤں'' کی مخصوص آواز خارج کرتے ہوئے پنجرے کے اندر چکرانے لگا۔

پتا نہیں وہ جانور اب تک شرافت سے چپ کیوں سادھے بیٹھا تھا۔ ڈیوڈ ہانکا کرنے والے انداز میں کتے کے پیچھے تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ سگ پرست قوم کا وہ فرزند اس وقت بڑا پُرجوش نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہری ہوئی سفاکی اور درندگی میں اچانک بے پناہ اضافہ ہوگیا تھا۔ میں دلچسپی سے وہ تماشا دیکھنے لگا۔

معاً ڈیوڈ نے اس کتے کو ایک ٹھوکر رسید کی۔ یہ فٹ بالر والی ایک خوفناک کک تھی۔ ڈیوڈ کا پاؤں کتے کے پیٹ پر پڑا اور وہ بے چارہ کسی فٹ بال کے مانند ہوا میں پرواز کر گیا۔ اس پرواز کے دوران میں اس کے ہاتھ پاؤں بڑی بے بسی سے متحرک تھے۔

پھر وہ تماشا رونما ہوا جس کے بارے میں شعیب نے رونگٹے کھڑے ہونے والی بات کی تھی۔ ہوا میں تیرتا ہوا وہ کتا پنجرے کی سلاخوں کے ساتھ ایک دھماکے سے ٹکرایا۔ بے ساختہ کتے نے حفاظتِ خود اختیاری میں اپنے پنجوں سے آہنی پنجرے کی سلاخوں کو تھامنا چاہا۔ پھر وہ ان سلاخوں کے ساتھ چپک کر رہ گیا۔

کتے کے وجود میں پیدا ہونے والے مخصوص ارتعاش نے سیکنڈ کے دس ویں حصے میں مجھے بتا دیا کہ آہنی پنجرے کی سلاخوں میں ایک طاقت ور کرنٹ دوڑ رہا تھا۔ اس کے بعد دیوار میں نصب پینل کی حقیقت بھی کھل گئی۔ اس پنجرے کو بجلی کے نظام کے ساتھ بڑی مہارت سے منسلک کیا گیا تھا۔ پینل میں موجود ہینڈل کو ان کرتے ہی پنجرے میں مہلک کرنٹ رواں ہوجاتا تھا۔

چند لمحات تک کتے کا وجود تھرتھرایا پھر وہ ساکت ہوگیا۔ اگلے ہی لمحے وہ کسی خزاں رسیدہ پتے کے مانند سلاخوں سے بچھڑا اور ''دھپ'' سے پنجرے کے فرش پر آن گرا۔ اس کے اندر زندگی کی کسی رمق کی موجودگی کے بارے میں سوچنا خود کو فریب دینے کے مترادف ہوتا۔

شعیب غوری نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا ''وجدان! اسے کہتے ہیں..... ڈیتھ کیچ!''

میں نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا اور پنجرے میں موجود ڈیوڈ پر نظر گاڑ دی۔ وہ پنجرے میں داخل ہوتے وقت جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ کتے کو اپنی بربریت کا نشانہ بنانے کے بعد اس نے ٹی شرٹ اتار دی اور دارم اپ ایکسرسائز کرنے لگا۔

میں بھی ہاتھ پاؤں کھولنے کے لیے جسم کو مخصوص جنبش دینے لگا یہ مقابلہ مجھ پر مسلط کر دیا گیا تھا... تو میں خاموش کیسے بیٹھ سکتا تھا اور یہ مقابلہ کسی عام اکھاڑے میں نہیں بلکہ ڈیتھ کیچ میں ہو رہا تھا۔ ہم دونوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا' وہ پنجرہ اپنے پاس کس کی موت کا پیغام رکھتا ہے۔

ڈیوڈ کی صحت اور ہائٹ قابلِ رشک تھی۔ ہم دونوں میں انیس بیس کا فرق رہا ہوگا۔ شعیب نے اس کے تعارف میں بتایا تھا' وہ انٹرا اسٹیٹ چیمپئن شپ کا فاتح تھا اور یہ کوئی معمولی

بات نہ تھی۔ اس سے فائٹ کے دوران میں مجھے بہت احتیاط کی ضرورت تھی۔

دارم اپ ہوتے وقت مجھے ہلکی سی بھوک کا احساس ہوا۔ صورتِ حالات کی مناسبت سے یہ ایک پلس پوائنٹ تھا۔ دشمنوں نے تو جسمانی طور پر کمزور کرنے کے لیے مجھے بھوکا رکھا تھا لیکن ان کی یہ چال اس وقت میرے لیے مفید ثابت ہورہی تھی۔ میرا تجربہ یہ رہا ہے' بھرے ہوئے پیٹ کی بہ نسبت ہلکی بھوک کی کیفیت ہر نوعیت کی جسمانی کارکردگی میں اضافے کا باعث بن جاتی ہے!

ڈیوڈ مقابلے کے لیے تیار ہو چکا تو اس نے ایک عجیب حرکت کی۔ میری نظر میں وہ اوچھی اور چھچھوری حرکت تھی۔ شاید اس طرح وہ مجھ پر اپنی دہشت بٹھانا چاہتا تھا۔ وہ پنجرے میں رکھے چوبی اسٹول کے پاس پہنچا۔ مذکورہ اسٹول کی اونچائی لگ بھگ دو فٹ تھی۔ وہ ذرا سا جھکا اور بریکنگ کے انداز میں اسٹول پر ایک ہاتھ جڑ دیا۔

ڈیوڈ کے ہاتھ کا وار اسٹول کے نشست والے تختے پر لگا اور چوبی اسٹول دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی ڈیوڈ نے فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھا۔ اس کے انداز میں ایک خاص قسم کی سنگینی اور حقارت پائی جاتی تھی۔

اسی لمحے شعیب کی طنز بھری آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''وجدان! تمہیں میرا مشورہ یاد ہے نا! ذرا ہاتھ پاؤں بچا کر۔ ڈیوڈ بہت خطرناک فائٹر ہے اور ہاں..... پنجرے میں اس وقت تہلکہ کرنٹ بھی دوڑ رہا ہے۔''

ادھر شعیب کی بکواس ختم ہوئی' ادھر ڈیوڈ نے مجھ پر حملہ کردیا۔ اس کا' کِک بڑا جارحانہ تھا۔ اس نے چشم زدن میں رائٹ راؤنڈ ہاؤس چلائی تھی۔ میں بڑی سرعت سے بیک فٹ پر آیا اور ایک پہلو کو نکل گیا۔

اس مقابلے میں کِک اور بلاک سے زیادہ اہمیت اس بات کی تھی کہ اپنے جسم کو پنجرے سے مس ہونے سے بچایا جائے۔ آگ' ہوا' پانی اور بجلی کی کسی سے دوستی نہیں ہوتی' نہ ہی انہیں کسی صلاحیت سے اپنا مطیع و فرماں بردار بنایا جاسکتا ہے۔ یہ اپنی فطرت کے عین مطابق موقع ملنے پر ضرور نقصان پہنچاتے ہیں۔

ڈیوڈ نے ایک کِک پر اکتفا نہ کیا اور میرے سنبھلتے ہی اس نے اندر آکر میرے چہرے پر ان سائیڈ پنچ مارا۔ میں نے نیک جرک کے طفیل اپنے چہرے کو بچایا اور اس کے آگے بڑھے ہوئے بازو کو گرفت میں لینے کی کوشش کی۔ میں اس کی کلائی کو تھامنے میں کامیاب ہوگیا۔ اسی وقت اس نے میرے گھٹنے پر پاؤں کی ٹھوکر رسید کردی۔

میں نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑی اور اس کے ساتھ ہی اس کے پیٹ میں مکا مارا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے دو قدم پیچھے گیا۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک بھرپور سائیڈ کک اس کی پسلیوں کے سپرد کردی۔

سائیڈ کک بڑی خطرناک ٹھوکر کا نام ہے اور اگر اس میں غصہ بھی شامل ہو تو یہ مدِمقابل کو قدموں سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے۔ ڈیوڈ کے لیے میرے دل میں خیر اور بھلائی کے جذبات نہیں تھے لہٰذا وہ سائیڈ کک کھانے کے بعد دور تک لڑھکتا چلا گیا پھر اسی غیر ارادی رولنگ کے دوران میں وہ اچانک اٹھ کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

ڈیوڈ کی خوش قسمتی تھی کہ وہ پنجرہ خاصا وسیع و عریض تھا۔ ورنہ اس وقت اس کا وجود کسی آہنی سلاخ کو سلامی پیش کرچکا ہوتا۔ اس ٹکر کے بعد جو کچھ ہوتا اس کے لیے کتے کی ایک مثال کافی تھی۔

ڈیوڈ اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس کے تیور کی خطرناکی بڑھ چکی تھی۔ انٹرا اسٹیٹ چیمپئن..... تو مجھ سے ہاتھ کھانے کی توقع نہیں کررہا تھا۔ وہ بڑے محتاط انداز میں میرے قریب پہنچا اور ایک..... محفوظ اسٹانس بنا کر کھڑا ہوگیا۔ مارشل آرٹس کے مقابلوں میں اگر آپ اپنے حریف کا اسٹانس توڑنے میں کامیابی حاصل کرلیں تو یہ نصف فتح کے برابر ہوتا تھا۔ آپ کو حریف پر نفسیاتی سبقت حاصل ہوجاتی ہے۔

ڈیوڈ' ٹی اسٹانس پر باکسنگ اسٹائل بنائے کھڑا تھا۔ میں نے چھیڑ چھاڑ کی غرض سے اس کے فرنٹ پنچ پر ایک جرک کک ماردی۔ اس نے پنچ کھول کر ہتھیلی سے میری کک بلاک کی اور بیک فرنٹ پر جاتے ہوئے ایک وہیل کک چلادی۔

اس کی کک میرے کندھوں پر لگی اور میں ایک جھٹکے کے انداز میں لڑکھڑا کر دو قدم آگے چلا گیا۔ اسی وقت ڈیوڈ نے میرے جھکے ہوئے سر پر ایک کراس کک مارنا چاہی لیکن میں اس کی کمر کی حرکت سے اس کے عزائم کو بھانپ چکا تھا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر میں نے بیک فلپ لگائی اور اس کی کک کی رینج سے نکل گیا۔ وہ گھور کر مجھے دیکھتے ہوئے اپنے پنجوں پر اچھلنے لگا۔

میں نے فرنٹ اسپرنگ لگایا اور اس کے سامنے جم کر کھڑا ہوگیا۔ ڈیوڈ مجھ پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگا۔ اس نے پنچ کا ڈاج دیا' میں ایک قدم پیچھے گیا تو اس نے فرنٹ ہک کک میری ٹھوڑی پر مارنے کی کوشش کی۔ میں ایک جھٹکے سے نیچے بیٹھا اور بیک سوئپ گھمادی۔

ڈیوڈ کی ایک ٹانگ ہوا میں اٹھی ہوئی تھی۔ بیک سوئپ نے اسے زمین چاٹنے پر مجبور کردیا۔ میں اس سے ایک قدم کے فاصلے پر نپی تلی جمپنگ کرنے لگا۔ وہ شرمندہ سی صورت لے کر اٹھا اور جیسے ہی سیدھا ہوا' میں نے بلی کی آواز خارج کرتے ہوئے اس کی ناک پر پنچ ماردیا۔

ڈیوڈ کی ناک خون اگلنے لگی۔ اس درد ناک چوٹ نے اسے وحشی بنادیا۔ اس نے ناک سے نکلنے والے خون کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کیا پھر آلودہ ہاتھ کو منہ کے نزدیک لے گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہتھیلی کی پشت کو زبان سے چاٹنے لگا۔ میں اس کی مکروہ حرکت کو دیکھتے ہوئے مسلسل اپنے پنجوں پر اچھلتا رہا۔ میری یہ اچھلن ڈیوڈ کو غصہ دلانے کے لیے بڑی معاون ثابت ہورہی تھی۔

وہ کسی بپھرے ہوئے سانڈ کے مانند آگے بڑھا۔ ایک نپی تلی جمپ لی اور فرنٹ فلائنگ کک چلادی۔ میں نے سائیڈ اسٹیپ لے کر اس کی کک سے خود کو بچایا اور جیسے ہی اس کے قدموں نے زمین کو چھوا' میں نے رائٹ کریسنٹ ماردی۔

ڈیوڈ کا ہونٹ کٹ گیا۔ اس کی ناک میں پہلے ہی زخمی کرچکا تھا۔ اس نے خون آلود چہرے کے ساتھ کھا جانے والی نظر سے مجھے دیکھا اور مجھ پر پل پڑا۔ وہ کوئی عام فائٹر نہیں تھا۔ اس کے حملوں میں بڑی طاقت تھی۔ ہمارے درمیان ہینڈ ٹیکنیکس کا مقابلہ ہونے لگا۔ اس کے وار کی میں روک پیش کرتا اور وہ فوراً میرے حملے کا توڑ پیش کردیتا۔ حقیقی معنوں میں مجھے ڈیوڈ سے مقابلہ کرنے کا مزہ آرہا تھا۔ کافی عرصے بعد کوئی ایسا فائٹر میرے مدِمقابل آیا تھا جس کے سامنے حاضر دماغی کی اشد ضرورت تھی۔ ہال کے اندر ایک پُراسرار سناٹا چھایا ہوا تھا اور وہاں موجود ہر شخص بڑی دلچسپی سے یہ مقابلہ دیکھ رہا تھا۔

کنگ فو کی ہینڈ ٹیکنیکس کے دوران میں ہمارے جسم ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے۔ اسی مرحلے پر ڈیوڈ کو میرے ایک بازو پر گرفت حاصل ہوگئی اور اس نے نھرو مار کر مجھے دور پھینک دیا۔ میں لڑھکتا ہوا آہنی سلاخوں کے پاس آیا اور تین انچ کے فاصلے پر میں نے اپنے جسم کو کنٹرول کرلیا۔

ڈیوڈ نے ایک ساتھ دو فلیک لگائیں۔ ڈبل بیک فلیگ نے اسے میرے انتہائی نزدیک پہنچادیا۔ وہ درحقیقت مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ سلاخوں کے نزدیک فائٹنگ میرے لیے سراسر نقصان دہ ثابت ہوتی لیکن میں نے ڈیوڈ کو خود پر وار کرنے کا موقع نہ دیا۔ حالات کی نزاکت اور سنگینی کو میں بھی اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

ڈیوڈ جیسے ہی میرے پاس پہنچا' میں نے زمین پر ہی رہتے ہوئے ایک لمبی رولنگ کی اور پنجرے کے وسط میں پہنچ گیا۔ ڈیوڈ کسی شکاری کتے کی طرح لپک کر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس نے بڑی تیز رفتاری سے یکے بعد دیگرے لیفٹ اور رائٹ راؤنڈ ہاؤس کِکس چلائیں اور اگلے اسٹیپ پر میرے فیس کو نشانہ بناتے ہوئے ایک پنچ ماردیا۔

میں نے اس کے حملہ آور بازو کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ازیں قبل میں نیک جرک سے اپنے چہرے کو بچا چکا تھا اس کی کلائی جیسے ہی میرے قابو میں آئی' میں نے ایک زوردار مروڑ دے کر گرفت کو آزاد کردیا۔

وہ منہ کے بل پنجرے کے پختہ فرش سے ٹکرایا اور اس کے حلق سے ایک دردناک آواز خارج ہوئی۔ یہ اس مقابلے میں کسی پٹنے والے کی پہلی فریاد تھی۔ ڈیوڈ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے فوراً سے پیشتر اس کے منہ پر ایک زوردار فرنٹ ٹو سائیڈ کک جڑ دی۔

ڈیوڈ کا بدن چند انچ ہوا میں اچھلا اور وہ دھڑام سے پنجرے کے فرش پر چاروں خانے چت ہوگیا۔ میں ایک قدم آگے بڑھ کر اپنے مخصوص انداز میں قدموں پر اچھلنے لگا۔

''فرنٹ ٹو سائیڈ کک'' دراصل ایک مخلوط کک ہے۔ فرنٹ اور سائیڈ کک کی خطرناکی کو یک جا کر کے ایک نہایت ہی سریع الاثر کک بنالی گئی ہے۔ اس کک کی سرعت اور زدیہ فوری طور پر مدِمقابل کی سمجھ میں نہیں آتا اس لیے وہ مار کھا جاتا ہے۔

ڈیوڈ اس کک کی ہزیمت سے فیض یاب ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر اٹھ کر کھڑا ہوگیا لیکن اب اس کا انداز قدرے مختلف تھا۔ وہ غصے کو تھوک کر میری طرح نپی تلی جمپنگ کرنے لگا جلد ہی اس کی جمپنگ میں شدت پیدا ہونے لگی۔

☆☆☆

میں ڈیوڈ سے چند قدم کے فاصلے پر ٹائیگر اسٹانس بنا کر کھڑا ہوگیا۔

ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس جمپنگ کی بلندی میں اضافہ ہورہا تھا۔ اس پنجرے کی بلندی لگ بھگ پندرہ فٹ تھی اور یہ ہائٹ ڈیوڈ نے اپنی یادداشت میں محفوظ کررکھی تھی ورنہ وہ کب کا اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ چکا ہوتا۔ وہ بارہ تیرہ فٹ سے زیادہ اونچا نہیں اچھل رہا تھا۔

پھر اس کی جمپنگ میں سمر سالٹ بھی شامل ہوگئے۔ کبھی فرنٹ سمر سالٹ اور کبھی بیک سمر سالٹ اور کبھی ڈبل سمر سالٹ۔ وہ ایک ماہر جمناسٹ کی طرح ٹریمپولن کررہا تھا' فرق صرف اتنا تھا کہ ٹریمپولن میں تنے ہوئے کسی کپڑے

یا نیٹ پر جمناسٹک کے کرتب دکھائے جاتے ہیں اور ڈیوڈ پنجرے کے پختہ فرش پر اپنے فن کا مظاہرہ کررہا تھا اسی لیے اس کے کمالات میں وہ حسن دیکھنے کو نہیں مل رہا تھا جو ژیمپولن کا خاصہ ہے۔ اس سلسلے میں بلغاریا کی گیلینا اور جرمنی کی نیٹالڈوگ کا جواب نہیں!

چند لمحات کے بعد ڈیوڈ نے جمناسٹک کی کرتب بازی موقوف کردی اور اپنے قدموں پر ٹھہر کر ہانپنے لگا۔ اس کا پورا بدن پسینے سے شرابور تھا۔ اگر اس نے یہ مشقت مجھے متاثر کرنے کے لیے اٹھائی تھی تو میں واقعی اس کے فن سے متاثر ہوا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ خراجِ تحسین کے طور پر میں اس کی مدح سرائی شروع کردیتا۔

ڈیوڈ جیسے ہی فرش پر ٹھہرا' میں نے ہوا میں پرواز کی اور ہیل کرتے ہوئے اس کے سینے پر ایک فرنٹ فلائنگ ماری۔ وہ اس بری طرح ہانپا ہوا تھا کہ اپنا دفاع نہ کرسکا۔ بلاکنگ کے لیے اٹھنے والے ہاتھ ہوا میں معلق رہ گئے اور وہ میری زوردار کک کھا کر لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے گیا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا اور اس کی لڑکھڑاہٹ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تابڑتوڑ حملے کرنے لگا۔ میرے پنچز اور کِکس نے اس کے پورے وجود کی مالش کردی۔ اسی مارامار کے دوران میں وہ قدرے سنبھلا اور اس نے میرے دونوں ہاتھوں پر گرفت حاصل کرلی۔

ہم ایک دوسرے کے روبہ رو کھڑے تھے اور اس نے میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے رکھے تھے۔ ہمارے درمیان اتنا ہی فاصلہ تھا جتنا پنجہ آزمائی کرنے والوں کے مابین ہوتا ہے۔ اچانک اس نے میرے ہاتھوں کو کلائیوں پر موڑنا شروع کردیا۔ میں نے بڑی سرعت سے بیک سمرسالٹ والے انداز میں اچھلتے ہوئے باڈی کو رول کیا' دوسرے ہی لمحے میرے دونوں پاؤں کی یک مشت خوف ناک جرک اس کے چہرے پر پڑی۔ وہ تکلیف کی شدت سے بلبلایا اور میرے ہاتھ آزاد کردیے۔

میں بیک سمرسالٹ کی تکمیل کے بعد اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔ ڈیوڈ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ تھامے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ میرے دونوں پاؤں کی یک لخت ٹھوکر نے اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ اس کی ناک اور ہونٹ کو میں پہلے ہی بری طرح زخمی کرچکا تھا۔

اس مرحلے پر میں اسے کوئی چانس دینے کو تیار نہیں تھا۔ میں جارحانہ انداز میں آگے بڑھا اور اسے اپنے نشانے پر رکھ لیا۔ میں نے ڈبل راؤنڈ ہاؤس اور وہیل کک کا کمبی نیشن مکمل کیا تو وہ اپنا دفاع کرتے ہوئے آہنی سلاخوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اگر میں اسے ایک بھرپور سائیڈ کک لگا دیتا تو وہ کرنٹ زدہ سلاخوں سے جا ٹکراتا۔

اس نے شاید میری سوچ پڑھ لی تھی یا پھر اس کی چھٹی حس نے اسے میرے ارادے سے آگاہ کردیا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹا اور زاویہ بدلتے ہوئے ایک مرتبہ پھر جمناسٹک کے کمالات دکھانے لگا۔ میں نے گھوم کر اسے دیکھا تو وہ ٹمبلنگ کرتے ہوئے مجھ سے دور نکل رہا تھا۔ ٹمبلنگ جمناسٹک کا ایک خطرناک شعبہ ہے۔ اس میں ہاتھ اور سر کا استعمال کیے بغیر محض پاؤں کے پنجوں کے سہارے مسلسل ایک سیدھ میں سمرسالٹ لگانا ہوتے ہیں۔ یہ بہت ہی خوب صورت فارمیشن ہوتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے' کوئی جمناسٹ ٹمبلنگ نہ کررہا ہو بلکہ انسانی بدن فٹ بال بنا کر ایک لائن میں ٹپنگ کرتا چلا جارہا ہو۔

ڈیوڈ کے فن کا مظاہرہ تھا تو وہ اس اسٹول کے قریب پہنچ گیا جسے مقابلے کے آغاز میں اس نے دولخت کردیا تھا۔ ڈیوڈ نے اسٹول کا ایک حصہ اٹھالیا اور بڑے خوفناک انداز میں میری جانب بڑھا۔ امریکی سپوت نے بالآخر اپنی نسلی روش کا مظاہرہ شروع کردیا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی یہودی ہو اور مکاری و بے ایمانی اسے چھو کر نہ گزری ہو۔ اس قوم نے تو اپنے پیغمبر کو بھی بہت ستایا تھا' ہما شما کس کھاتے میں تھے! عیاری اور عہد شکنی ان کے خمیر میں رچی بسی تھی۔

اسٹول کا نصف حصہ کسی ہتھیار کے مانند ڈیوڈ کے ہاتھ میں سجا تھا اور وہ بڑے خونخوار انداز میں میری جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ لہولہان تھا اور اس کا یہ حشر میرے ہاتھ پاؤں کا کیا دھرا تھا۔ وہ میرے نزدیک آیا اور میرے سر کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔

اس کے حملے میں ایکوریسی نہیں تھی' صرف جوش بھرا ہوا تھا۔ مسلسل پہنچنے والی چوٹوں نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ انٹر اسٹیٹ چیمپئن شپ کے ونر کو توقع نہیں تھی کہ میں اس کے لیے لوہے کا چنا ثابت ہوں گا۔

میں نے اس کے وار کو اپر بلاک سے روکا اور ساتھ ہی کاؤنٹر اٹیک کے طور پر اس کے پیٹ میں تھرسٹ کک جڑ دی۔ وہ توپ میں سے نکلنے والے گولے کے مانند ہوا میں نیچی پرواز کرتے ہوئے آہنی سلاخوں سے ٹکرایا لیکن اس موقع پر اس نے حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا اور سلاخوں کے قریب پہنچتے ہی اس نے ہاتھ میں تھامے ہوئے اسٹول کو ڈھال کے طور پر آگے کردیا تھا۔ ٹکراؤ اسٹول اور سلاخوں کے درمیان ہوا۔

ڈیوڈ محفوظ رہا۔

لکڑی ایک عمدہ قسم کا غیر موصل ہے۔ یہ اپنے اندر کسی بھی قسم کی برقی رو کو گزرنے نہیں دیتی۔ چوبی اسٹول کا نصف حصہ ڈیوڈ کی زندگی کی ضمانت بن گیا تھا۔ میں نے دوسرے نصف حصے کو اٹھالیا اور غصیلے انداز میں ڈیوڈ کی طرف بڑھا۔

وہ پنجرے کے پختہ فرش پر پڑا حیران اور پریشان نظر کبھی مجھے اور کبھی کرنٹ زدہ آہنی سلاخوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے زندہ بچ جانے کا یقین نہیں آرہا تھا۔ میں نے اس کی حیرانی اور پریشانی کو توڑنے کے لیے اس کی تشریف پر اٹھارہ چارٹھڈے برسائے۔ اس تحقیر آمیز سلوک کے بعد وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور محتاط انداز میں مجھے گھورنے لگا۔

اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ میں نے جس انداز میں اس کی گت بنائی تھی وہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ لوگ ہمیں اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ ایک ادنیٰ غلام کی ایسی جسارت ڈیوڈ کی نظر میں ناقابلِ معافی تھی۔ لہٰذا وہ بری طرح پھنکار رہا تھا۔

وہ فرش سے اٹھتے ہوئے آہنی سلاخوں سے فاصلے پر چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک ہم پینترے بدلتے رہے پھر ہمارے درمیان باقاعدہ مارامار شروع ہوگئی۔ کراٹے میں اسٹک فائٹ کی جو اہمیت ہے' کنگ فو میں وہی مقام اسٹول فائٹ کو حاصل ہے۔ لیکن ہمارے درمیان ہونے والا وہ مقابلہ اسٹک فائٹ تھا اور نہ ہی اسٹول فائٹ ہم دونوں ادھورے اسٹول کو دوسرا ایک دوسرے کے خلاف استعمال کررہے تھے۔

اسی ''استعمال'' کے دوران میں ڈیوڈ نے میرے بازو کو زخمی کیا اور قہر مار کر مجھے دور پھینک دیا۔ میں اس لکڑی کے ٹکڑے کے ساتھ چکرا کر گرا جس نے تھوڑی دیر پہلے میری کلائیوں کو اپنی خونخوار گرفت میں جکڑ رکھا تھا۔ گرنے کے دوران میں چوٹی کی سکل میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ میں نے ''ٹوٹی'' ہوئی لکڑی کو اٹھالیا اور اچھل کر خود بھی اپنے قدموں پر استادہ ہوگیا۔

ڈیوڈ ایک مرتبہ پھر ادھورے اسٹول سے مجھ پر حملہ آور ہوا لیکن وہ لکڑی میرے ہاتھوں میں پہنچتے ہی نن چکو کی صورت اختیار کرچکی تھی۔ میں نے اس کی ایک کڑی کو مضبوطی سے تھام لیا اور آزاد کڑی ہوا میں مختلف خوب صورت فارمیشن بنانے لگی۔ اس کی رفتار میں نن چکو جیسی تیزی تو نہیں تھی تاہم وہ بھی بھرپور حفاظت کررہی تھی..... اور اس کے ساتھ ہی ڈیوڈ کے جسم کے مختلف حصوں کو بھی یادگار ربو سے دے رہی تھی۔

ہپناٹیزم
مصنف: ڈاکٹر جی ایم ناز
ہپناٹیزم کے موضوع پر اردو میں پہلی مستند کتاب
کتاب میں شامل چند عنوانات
✦ ہپناٹیزم ایک پوشیدہ قوت۔
✦ ہپناٹیزم کیا ہے؟
✦ ہپناٹیزم کی ابتدا۔
✦ ہپناٹیزم کے عملی اصول۔
✦ ہپناٹیزم اور جرائم۔
✦ ہپناٹیزم کا استعمال
✦ ازدواجی زندگی اور ہپناٹیزم
✦ بچوں پر ہپناٹیزم
قیمت:-/30 روپے
کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کیلئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی

ڈیوڈ کی دہشت عروج کو پہنچ گئی۔ اس نے ادھورے اسٹول کو شدید غصے کے عالم میں مجھ پر پھینک مارا۔ میں نے جھکڑی کی مدد سے اپنی جانب آنے والے اسٹول کو لپیٹ کر ایک طرف اچھال دیا۔ یہ عمل اس سرعت سے ہوا تھا جیسے کوئی منجھا ہوا ایتھس مین باؤنسر کو پل کر کے باؤنڈری لائن کے پار پھینک دیتا ہے۔

ڈیوڈ اس وقت بہت خون خوار ہو رہا تھا۔ پے در پے ناکامیابی اور پٹائی نے اسے بے قابو کر دیا اور وہ اندھے بیل کے مانند مجھ پر جھپٹ پڑا۔ وہ مارشل آرٹس کی کھلی توہین کر رہا تھا۔ ایک سچے مارشل آرٹسٹ کو یہ زیب تن نہیں دیتا کہ وہ اپنی ٹیکنیکس کو پس پشت ڈال کر عام دنگا فسادیوں کی طرح مدِمقابل سے دست و گریبان ہو جائے۔

ہم دونوں گتھم گتھا تھے اور فرش پر لوٹ رہے تھے۔ ہمارے جسم پسینے میں نہائے ہوئے تھے اور ایک اچھی خاصی فائٹ ریسلنگ کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ اسی چھینا جھپٹی کے دوران میں ایک مرحلے پر میری گردن ڈیوڈ کے ہاتھوں میں آ گئی۔ وہ میرا گلا دبانے کے لیے زور صرف کرنے لگا۔ میں نے سانس روک لی اور اسے خود کے اوپر سے اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنے ہاتھوں کو استعمال کر کے گردن چھڑانے کے لیے بھی چارہ جوئی کر رہا تھا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کے مانند چمکا اور میں نے اپنی حکمتِ عملی تبدیل کر دی۔ اب میں اپنی گردن کو چھڑانے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ میں نے سانس روک رکھی تھی لہٰذا ڈیوڈ مجھے کوئی سنگین نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

اس فوری خیال کے تحت میں غیر محسوس طریقے سے ڈیوڈ کو آہنی سلاخوں کے قریب لانے لگا..... اس طرح کہ کبھی وہ میرے سینے پر سوار ہوتا اور کبھی میرے نیچے دب کر رہ جاتا۔ میری گردن پر سے اس نے گرفت کو ایک لمحے کے لیے بھی ڈھیلا نہیں ہونے دیا تھا۔

اسی لوٹ پوٹ میں ہم خطرناک سلاخوں سے چار فٹ کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ اس وقت میں نیچے اور ڈیوڈ اوپر تھا۔ میرا گلا دبانے کی خواہش جنون کی شکل اختیار کر چکی تھی اور موت کا پیامبر وہ آہنی جنگلا ڈیوڈ کی پشت پر تھا۔

مجھے اسی نازک لمحے کا انتظار تھا۔ اس سنہری موقع کو حاصل کرنے لیے میں نے اپنی گردن دبوائی تھی۔ میں نے اچانک گردن چھڑانے کی کوشش ترک کر دی۔ اسی لمحے میں بنے اپنے دونوں پاؤں کو سمیٹ کر ڈیوڈ کے پیٹ سے پیوست کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے ارادے کو بھانپ سکتا، میں نے جسم و جاں کی پوری قوت صرف کر کے ڈیوڈ کو اپنے اوپر سے اچھال دیا۔

اس ڈبل فٹ پٹش میں قیامت کا دھکا پوشیدہ تھا۔ میں نے اپنے تمام تر غیظ و غضب کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ حرکت کی تھی۔ ڈیوڈ کا وجود ہوا میں بلند ہوا اور سیدھا جا کر آہنی سلاخوں سے ٹکرایا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ اس حالت میں کرنٹ بردار آہنی سلاخوں نے کھلے بازوؤں سے اسے دبوچ لیا۔

میں ہینڈ پٹش کی مدد سے چشم زدن میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے میں نے شعیب غوری کو کرسی سے اٹھ کر بے ساختہ سوئچ پینل کی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ یقینی طور پر پنجرے میں دوڑنے والے کرنٹ کو آف کرنے کے لیے حرکت میں آیا تھا تاکہ ڈیوڈ کو موت کے جبڑوں سے کھینچ لائے لیکن اسے دیر ہو گئی تھی..... بہت دیر ہو گئی تھی۔ بجلی' آگ' ہوا اور پانی کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ ان کے ہاتھوں واقع ہونے والی موت بڑی بھیانک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہوتی ہے!

شعیب غوری کے قدموں میں جیسے کسی نے آہنی زنجیر ڈال دی ہو۔ وہ ساکت کھڑا پھٹی ہوئی آنکھوں سے ڈیوڈ کو تڑپتے جا رہا تھا جو یقینی طور پر اب اس دنیا میں باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے انجام کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے ساتھ بھی کم و بیش وہی سنگین حالات پیش آئے تھے جو تھوڑی دیر پہلے بے چارے کتے پر گزرے تھے۔ یہ بھی ایک حسین اتفاق ہی تھا کہ ڈیوڈ اس کتے سے صرف ایک فٹ کی دوری پر زمین بوس ہوا تھا۔ وہ کتے کی موت مارا گیا تھا۔ ایک بے زبان اور بے قصور جانور کو اذیت ناک موت سے دوچار کرنے والا جاندار نمونۂ عبرت بن کر رہ گیا تھا۔ شاید مکافاتِ عمل اسی کو کہا جاتا ہے!

ہال میں موجود تمام افراد کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نپے تلے قدموں سے چلتے ہوئے پنجرے کے دروازے کے پاس آیا اور نفرت آمیز نظر سے شعیب غوری کو گھورنے لگا۔ اس نے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے مجھ پر ایک گہرا طنز کیا تھا۔ اب اس کے جواب کا وقت تھا۔ اینٹ کا جواب پتھر ہی سے دیا جانا چاہیے۔

میں نے بند مٹھی میں سے انگوٹھے کو الگ کیا' پھر اس انگوٹھے سے اپنے عقب میں بے جان پڑے ڈیوڈ کی طرف اشارہ کیا اور شعیب غوری سے مخاطب ہوتے ہوئے نہایت فخر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شعیب! اسے کہتے ہیں ڈیتھ کیچ!"

پھر میں چینی مارشل آرٹسٹ چنگ یو کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے انگلی سے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور چ کرنے والے انداز میں کہا۔

"مسٹر چنگ یو!..... یو..... کم ان۔"

چنگ یو نے نیل آرمر کی طرف استفساریہ نظر سے کھا۔ نیل آرمر نے شعیب غوری کی جانب دیکھتے ہوئے بات میں گردن ہلا دی۔ شعیب غوری نے مسلح گارڈ کو حکم دیا کہ تھوڑی دیر کے لیے پنجرے میں دوڑنے والے کرنٹ کو ک دیا جائے۔

پھر اس نے چنگ یو کو آگے بڑھنے کا مخصوص اشارہ یا۔ اب مجھے چنگ یو سے مقابلہ کرنا تھا۔ پنجرے والے رنٹ کو روک کر چنگ یو اندر داخل کیا جانے والا تھا۔ اس ت میرا ذہن برق رفتاری سے سوچ رہا تھا۔ چنگ یو کو زمین ہوا کر مجھے کوئی میڈل یا ٹرافی نہیں جیتنا تھی۔ میں اگر اسے لست فاش سے بھی ہمکنار کر دیتا تو رہتا اسی کرنٹ زدہ آہنی پنجرے میں ہی..... یعنی شعیب غوری کی قید میں..... اور اس کا مطلب تھا' ہمیشہ ہمیشہ کی قید میں!

سب سے اہم معاملہ میری آزادی کا تھا۔ اگر میں اپنے پاؤں کا ہو جاتا تو ایک ایک دشمن سے نمٹ سکتا تھا' چاہے وہ مشرقی ہو یا مغربی!

پلک جھپکتے میں میرے ذہن نے ایک لائحہ عمل طے کر لیا اور میں بڑے پُرسکون انداز میں اس لمحے کا انتظار کرنے لگا جب مجھے ایک ایسے عمل میں آنا تھا جس کے ردِعمل کے بارے میں قبل از وقت کوئی بھی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

گارڈ نے پینل کے اندر نصب ہینڈل کو گرا دیا' گویا آہنی پنجرے میں رواں دواں کرنٹ آف ہو گیا پھر چنگ یو دونوں گارڈ کی معیت میں پنجرے کے قریب آ گیا۔ اب طریقے کے مطابق ایک گارڈ نے دروازہ کھول کر چنگ یو کو پنجرے میں داخل کرنا تھا جب کہ دوسرا گارڈ تھوڑے فاصلے پر مجھے نشانہ بنائے کھڑا رہتا۔ میں پنجرے کا دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔

اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ سیکنڈ کا ہزارواں حصہ بھی نہایت ہی نازک اور اہمیت کا حامل تھا۔ گارڈز نے پنجرے کے تالے میں چابی گھمائی اور تھوڑی دیر بعد دروازہ کھول دیا۔ میں اپنی حالت سے یہ ظاہر کرنے لگا جیسے چنگ یو کا انتظار کر رہا ہوں لیکن میں اپنے ذہن میں کچھ اور ہی سوچے بیٹھا تھا۔

ٹیلی پیتھی کی جدید تحقیقات

(باتصویر)

مصنف اسلام حسین

ٹیلی پیتھی کے موضوع پر جدید ترین اردو کتاب

جو طریقے، تجربے، مشقیں، سوال و جواب

کتاب کے چند عنوانات

- ٹیلی پیتھی ایک علم، ایک سائنس
- ٹیلی پیتھی کا ماضی اور حال
- ہفتے کے ساتوں دن کرنے والی مختلف مشقیں
- ٹیلی پیتھی میں یوگا کا استعمال
- غیر معمولی حس ادراک اور روحانی قوتیں
- مستقبل کی پیش گوئی

قیمت:-/45 روپے | ڈاک خرچ:-/23 روپے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطہ کیلئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ فورتھ روڈ کراچی

جیسے ہی چنگ یو نے پنجرے میں قدم رکھا' میں نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر بڑی سرعت سے حرکت کی اور میری سائیڈ کک اس کے پیٹ میں لگی۔ چنگ یو کا ایک قدم پنجرے کے اندر اور دوسرا باہر تھا۔ وہ اس غیر متوقع حملے سے سنبھل نہ سکا اور اپنے عقب میں' زینے پر موجود گارڈ سے جا ٹکرایا' پھر وہ دونوں ایک دوسرے کو لیتے ہوئے ہال کے پختہ فرش پر دور تک لڑھکتے چلے گئے میں نے کڑے وقت کے اس نازک لمحے کو کیش کرلیا تھا!

اسی لمحے دوسرے گارڈ کی گن نے ایک برسٹ مارا۔ اس نے پنجرے کے اندر میرے قدموں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن میں پنجرے میں موجود ہوتا تو اس کی فائرنگ کی زد میں آتا۔ سائیڈ کک کی تکمیل کے ساتھ ہی میں نے بے خطر فرنٹ رولنگ کی تھی۔ یہ رولنگ ایک طویل جست اور تھوڑے لڑھکنے پر مشتمل تھی۔ میں نے کسی گائیڈڈ میزائل کے مانند ہوا میں روٹیٹنگ فلائٹ کی اور زمین پر آتے ہی دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ ہال' شیبا کی دہشت ناک چیخوں سے گونج اٹھا۔

میری اس برقی حرکت کا اختتام مسلح گارڈ کے قریب ہوا۔ وہ گارڈ اور چنگ یو ابھی سنبھل نہیں پائے تھے۔ اس وقت سب سے اہم شے گن تھی۔ میں نے جھپٹا مار کر گارڈ کے ہاتھ سے گن چھین لی اور رول کرتے ہوئے دور نکل گیا اور بڑی چابک دستی سے دوسرے گارڈ پر فائرنگ کی۔ وہ میری چلائی ہوئی گولیوں سے چھلنی ہوگیا۔ میں نے کھڑے ہوتے ہوئے مہلک ہتھیار کا رخ نیم بیضوی چبوترے کی طرف پھیر دیا۔ وہاں کرسیوں پر مجھے نیل آرمسٹرانگ اور شیبا سکتے کی حالت میں بیٹھے نظر آئے۔ میں نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر انہیں بھون ڈالا اور شعیب غوری کی خبر لی۔

شعیب غوری' نہتے گارڈ اور چنگ یو کی معیت میں رکوع کی حالت میں رینگتے ہوئے وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کررہا تھا۔ اس نے حالات کی سنگینی اور نزاکت کا بہ خوبی اندازہ لگالیا تھا۔ میں نے ان کی پشت پر ایک طویل برسٹ مارا۔

شعیب غوری اور چنگ یو گولیوں کی آمد سے قبل ہی دروازہ پار کرچکے تھے۔ نہتا گارڈ البتہ لقمۂ اجل بن گیا۔ اس خوف ناک برسٹ نے گارڈ کا وجود چھید ڈالا تھا۔ اس کا جسم ہوا میں اچھلا پھر زمین بوس ہوکر تڑپنے لگا۔ وہ اب تب کا مہمان تھا۔

گن خالی ہوگئی تھی۔ میں نے دوسرے گارڈ کی گن کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس میں کافی سے زیادہ راؤنڈز باقی تھے۔ اس وقت ہال میں صرف میں ہی ایک زندہ بچا تھا۔ نیل آرمسٹرانگ' شیبا' ڈیوڈ اور دونوں گارڈز موت کے منہ میں لمبی تان کر سو رہے تھے جبکہ شعیب' چنگ یو کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اب میرے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ میں اس ہال سے نکلنے میں اپنی مرضی کا مالک تھا۔

اس ہال کو جلد از جلد چھوڑنا جتنا ضروری تھا' اس سے کہیں زیادہ اہم کام ایک اور بھی تھا۔ میں گن سونتے ہال کی اس دیوار کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک بڑا سی پر بڑے اسکرین والا ٹی وی رکھا تھا۔ اس ٹی وی کے اسکرین پر شعیب نے مجھے ایک ناگفتہ بہ فلم دکھائی تھی۔ ٹرالی کے زیریں خانے میں وڈیو کیسٹ پلیئر بھی موجود تھا۔ وہ شرم ناک گردن جھکا دینے والی فلم ابھی تک اسی وڈیو کیسٹ پلیئر میں لگی ہوئی تھی۔

میں نے چشم زدن میں فائرنگ کر کے لنگ سائز ٹی وی کی کچرے کے ڈھیر میں بدل دیا۔ یہی حال میں نے وی سی پی کا بھی کیا۔ کیسٹ اس کے پیٹ میں موجود تھی۔ میں نے زور دار بچہ دونوں کے پرخچے اڑا دیے۔ مجھے بلیک میل کرنے کا سامان نیست و نابود ہوگیا۔ میں نے اطمینان بھری سانس خارج کی اور کندھے پر گن کو ٹکا کر محتاط قدموں سے ہال کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اسی وقت ہال میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔

☆☆☆

وہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والی تاریکی تھی۔ ایک لمحے کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اندھا ہوکر رہ گیا ہوں۔ میں مہیب اندھیرے کے سمندر میں خود کو ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے محسوس کررہا تھا۔ شعیب غوری کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق وہ فرائی ڈے کی دوپہر تھی۔ اگر اس نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا تو لائٹ آف ہوجانے کے بعد بھی دن کا تھوڑا بہت اجالا ہال کے اندر ضرور آنا چاہئے تھا لیکن وہاں تو ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کسی تاریک غار میں اتر گیا ہو۔ وہ ہال مکمل طور پر ائرکنڈیشنڈ تھا۔ اگرچہ اس میں مناسب کولنگ ابھی باقی تھی تاہم ائرکنڈیشنر کے بند ہونے سے پیدا ہونے والا گھٹن کا مخصوص نفسیاتی احساس اجاگر ہوگیا تھا۔ ایک لمحے کو میرے ذہن میں یہ خطرناک سوال ابھرا..... کہیں وہ ہال کسی تہ خانے میں تو واقع نہیں تھا؟

اس خیال نے مجھے لرزا کر رکھ دیا۔ اگر میں اس وقت واقعی کسی بیس منٹ میں تھا تو کولنگ کے اختتام پر وہاں میرے لیے سانس لینا دشوار ہوجاتا۔ اب یہ بات بھی سمجھ میں آرہی تھی کہ دوپہر ہونے کے باوجود بھی اس ہال میں اس قدر تاریکی کیوں تھی۔

اس ہال کی گھٹن اور تاریکی اپنی جگہ رہی اس سے بھی کہیں زیادہ خوف ناک بات یہ تھی کہ اس بنگلے میں شاطر یہودی موجود تھے جو مجھے اپنے ساتھ لے جانے آئے تھے اور میری ساتھی عورتیں ان وحشیوں کے رحم و کرم پر تھیں۔ اگر اس ہال کی برقی رو کو ارادتاً منقطع یا آف کیا گیا تھا تو پھر اس بات کے امکانات بھی روشن تھے کہ ہال کے دروازوں کو پہلی فرصت میں مقفل کردیا جائے گا تاکہ میں اس اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر وہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کرسکوں۔

شعیب غوری کے یہودی آقا کسی قریبی کمرے میں، ہال میں ہونے والے ''شو'' کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ہال کی کارروائی کو اس کمرے میں مانیٹر کیا جارہا تھا۔ ان چٹی چمڑی والے فرعون صفت لوگوں نے ہال کے ایک ایک منظر کی جزئیات کو ملاحظہ کیا ہوگا۔ میں نے وہاں جو تہلکہ ڈالا تھا وہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ شعیب کی زبان ان تک میری صلاحیتوں کا جو پروفائل پہنچا تھا' ہال والے واقعات کے بعد اس کے مندرجات میں کئی گنا اضافہ ہوگیا ہوگا..... یعنی اب میں ان کی انتہائی ضرورت بن گیا تھا..... مطلوب نمبر ون..... موسٹ وانٹیڈ!

یہودیوں کے نزدیک انسان صرف وہی ہیں۔ اس کرۂ ارض پر جینے کا حق صرف انہی کا ہے۔ اگر اور کسی قوم کو زندہ رہنا ہے تو ان کا محکوم اور غلام بن کر زندہ رہنے کی اجازت ہے کسی کی بھی بہانے..... حالات پیدا کر کے یا بنظر یۂ ضرورت کے تحت وہ غیر یہودیوں کو اپنے مقاصد کی بھینٹ چڑھانے میں ذرا بھر بھی تاخیر نہیں کرتے۔ بالکل ایسے جیسے آوارہ کتے بلیوں کو ختم کردیا جائے لیکن اس کے برعکس وہ اپنے کسی ایک یہودی کے خون کا بدلہ لینے کے لیے کروڑوں ڈالرز خرچ کرنے پر بھی ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ یہ قوم پرستی نہیں بلکہ شیطانیت ہے۔ امریکا بہادر کو زمینی خدا سمجھنے والوں کو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ انسانی تاریخ میں تمام بڑے فتنے اسی رنگ و روغن میں ظہور پذیر ہوئے ہیں لیکن افسوس..... صد افسوس! ہم تاریخی حقائق کو فراموش کرنے کے عادی ہوچکے ہیں۔ ہم.....!

میں اس سے آگے کچھ نہ سوچ سکا۔ وہ سوچ سے زیادہ عمل کا وقت تھا۔ جذباتی انداز میں غور و فکر اور فکری انداز میں جذبات کا اظہار پھر کسی موقع پر کیا جاسکتا تھا۔ یہ تمام خیالات سیکنڈ کے دس ویں حصے میں میرے ذہن سے گزرے اور میں اس گارڈ کے مردہ جسم کی طرف بڑھ گیا جس نے پنجرے میں مجھ پر فائرنگ کی تھی۔ وہ قد کاٹھ میں مجھ سے ملتا جلتا تھا۔ اس وقت میرے جسم پر صرف ایک لنگوٹ نما جانگیا تھا۔ میں اندازے کی بنا پر جلد ہی اپنے مطلوبہ مردے تک پہنچ گیا۔

میں نے چند سیکنڈ میں اس کی پتلون اپنے بدن پر سجالی۔ شرٹ پہننا میں نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ جا بجا خون آلود ہوچکی تھی۔ اس ضروری کام سے نمٹنے کے بعد میں تاریکی کی ''آڑ'' لیتے ہوئے ہال کے ایک دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اب اس اندھے ہال میں رکنے کا کوئی جواز باقی نہ تھا۔

میں دروازے پر پہنچا اور اس سے پہلے کہ میں دروازے کے کھلا یا بند ہونے کا اندازہ لگاتا' باہر سے چند افراد کے باتیں کرنے کی آوازیں ابھریں۔ میں نے ایک دیوار کے ساتھ لگ کر سانس روک لی۔ گن تیار حالت میں میرے ہاتھ میں تھی۔ اسے استعمال کرنے میں' میں کسی تردد یا سوچ بچار کے موڈ میں نہیں تھا۔

باہر سے ابھرنے والی آوازیں تھم گئیں۔ میں نہیں جانتا تھا' آنے والوں کے ذہنوں میں کیا تھا میں محض اندازے کی بنا پر چلتے ہوئے ایک دروازے تک پہنچا تھا اور مجھے اتفاق سے ایک ایسی آڑ میسر تھی کہ اگر وہ لوگ ہال میں داخل ہوتے تو ان کی اندھا دھند فائرنگ بھی میرا ایک بال بانکا نہیں کرسکتی تھی۔ وہ آڑ فائرنگ سے مطلق محفوظ تھی۔

دروازہ کھلا' نہ کوئی اندر داخل ہوا اور نہ ہی دروازے کو مقفل کرنے کی مخصوص آواز ابھری۔ میں آنے والوں کی پُراسرار خاموشی کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ہال روشنی سے بھر گیا۔

میری چھٹی حس نے بروقت راہنمائی کی اور میں لمبی جست بھر کر نیم بیضوی چبوترے کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس چبوترے کے عقب میں دیوار کے ساتھ چھپنے کے لیے ایک مناسب جگہ موجود تھی۔ وہ نیم بیضوی چبوترہ زمین سے پانچ فٹ کی بلندی پر تھا۔ سامنے والے حصے میں نیم بیضوی انداز ہی کے زینے تھے تاہم عقب میں خلا ہونے کے باعث دو فٹ چوڑی' پانچ فٹ گہری اور طویل سی ایک خندق وجود میں آگئی تھی جہاں میں گن تھامے دم سادھے بیٹھا تھا۔

میں جانتا تھا اس ہال کو شوٹ کرنے کے لیے نادیدہ کیمرے مختلف گوشوں میں خفیہ طریقے سے نصب کیے گئے تھے اور اس فلم بندی کو کسی دوسرے کمرے میں مانیٹر بھی کیا جارہا تھا۔ ہال کے دوبارہ روشن ہوجانے کا واضح مطلب یہی تھا کہ اب وہاں کی ایک ایک شے کو کہیں اور دیکھا جارہا تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ لوگ وہاں کی صورتِ حالات کا جائزہ

لینے سے زیادہ مجھے تلاش کرنے میں دلچسپی لے رہے ہوں گے۔ میں نے وہاں جو افراتفری مچائی تھی وہ ان کے لیے ناقابلِ یقین ہی نہیں بلکہ ناقابلِ فراموش بھی تھی۔ ڈیوڈ، نیل آرمر اور شیبا کی میری ہاتھوں موت انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دینے کے لیے کافی تھی۔ میں نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس وقت کیمرے کی آنکھ سے محفوظ تھا۔ وہ لوگ وہاں میری موجودی کو نہیں پکڑ سکتے تھے۔

میں نے جس نیم بیضوی چبوترے کے عقب میں پناہ لے رکھی تھی، تھوڑی دیر پہلے وہ خاصا آباد تھا۔ اس پر موجود تین عالی شان کرسیوں پر شعیب غوری، نیل آرمر اور شیبا براجمان تھے۔ شعیب کو دم دبا کر بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا تھا لیکن نیل آرمر اور اس کی خوبرو سیکریٹری کو میں نے کرسیوں سے اٹھنے کی مہلت نہیں دی تھی۔ اس وقت وہ عین میرے سر کے اوپر مردہ حالت میں اپنی کرسیوں میں پڑے تھے۔

میں دم سادھے اس خفیہ گوشے میں دبکا رہا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے کے باہر پھر زندگی کی مخصوص ہلچل سنائی دی۔ میں نے پہلے ہی وہاں کچھ افراد کی آوازیں سنی تھیں۔ اگلے ہی لمحے اس دروازے کو کھولا جانے لگا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا، اندھیرا ہوتے ہی ہال کے دروازے آٹومیٹک نظام کے تحت بند ہو گئے تھے یا کسی شخص نے انہیں بند کر دیا تھا۔ ایک بات یہ بھی واضح ہو گئی کہ وہ لوگ کسی ٹی وی اسکرین پر مجھے ہال کے اندر تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے۔ کیمرے کی ناکامیابی کے بعد ان کے آلۂ کار بہ نفسِ نفیس میری خبر گیری کے لیے ہال میں داخل ہونے والے تھے۔

دروازہ کھل گیا اور کھلے ہوئے دروازے میں مجھے دو گن بردار افراد دکھائی دیے۔ میں نے جس مقام پر پناہ لے رکھی تھی وہاں سے دروازہ واضح طور پر نظر آ رہا تھا تاہم دروازے سے داخل یا خارج ہونے والے افراد مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ میں نے دیکھا، مذکورہ دو مسلح افراد سے دو قدم پیچھے چینی مارشل آرٹسٹ چنگ یو بھی ہال میں داخل ہوا تھا۔ چنگ یو نے تھوڑی دیر پہلے فرار ہو کر اپنی بزدلی کا ٹریلر دکھایا تھا۔ اس کی نظر میں وہ مصلحت کوشی رہی ہو گی لیکن اس کے طرزِ عمل نے مجھے خاصا مایوس کیا تھا۔

وہ تینوں ہال کے اندر داخل ہونے کے بعد چوکنا نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ انہوں نے دروازے کو بند کرنے زحمت نہیں کی تھی۔ عین ممکن تھا، انہوں نے اپنے کسی ہنگامی فرار کے لیے وہ راستہ دار کھا ہو!

میں چاہتا تو اپنی پناہ گاہ سے اچانک نمودار ہو کر ان سے بھڑ جاتا، پھر جو بھی نتیجہ سامنے آتا، اسے بھگت لیتا لیکن میں اس ہال کے اندر مزید کسی مار ماری کے حق میں نہیں تھا۔ وہ سیٹلائٹ عریض ائرکنڈیشنڈ ہال کسی کنگ سائز چوہے دان کی عمدہ مثال تھا۔ میں اب کسی رسک کے موڈ میں نہیں تھا۔

جب وہ لوگ ہال کے وسط میں پہنچ کر تین مختلف سمتوں میں پیش قدمی کرنے لگے تو میں ایک فوری فیصلے کے بعد اپنی جگہ سے متحرک ہوا اور گولی کی رفتار سے رکوع کے بل دوڑتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا۔ اگر مزید کوئی دنگا فساد اور خون ریزی ناگزیر تھی تو وہ ہال کے باہر بھی مکمل میں لائی جا سکتی تھی۔

انہوں نے جلد ہی میری حرکت کو نوٹس کر لیا اور بڑی سرعت سے میری جانب پلٹے مگر میں اس وقت تک دروازے میں پہنچ چکا تھا۔ میں نے چشم زدن میں ڈائیو کیا اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر پہنچ گیا۔ اپنے عقب میں مجھے اضطراری فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ یقینی طور پر ان دو مسلح افراد نے پلٹتے ہی اپنی گنوں کو مجھ پر کھول دیا تھا..... اور کچھ بعید نہیں تھا کہ ہال کو مانیٹر کرنے والے کیمرے بھی میری موو کو بڑی وضاحت کے ساتھ شوٹ کر لیا ہو۔

اس لائف سیونگ ڈائیو کے نتیجے کے طور پر میں ایک راہ داری میں گرا اور فالنگ کے قاعدے کے مطابق دور تک رول کرتا چلا گیا۔ اسی لمحے مجھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ آواز کی سمت نے مجھے بتا دیا کہ میرا تعاقب کرنے والے ہال کی طرف سے آ رہے تھے۔ وہ چنگ یو اور دو مسلح افراد کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے تھے۔

میری اس رولنگ کا اختتام راہ داری کے جس حصے میں ہوا وہاں مجھے زینہ نظر آیا۔ میرے لحاتی اندازے کے مطابق وہ بیس سے پچیس اسٹیپ والا ایک پختہ زینہ تھا جس کے اختتام پر ایک دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ اب اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ مذکورہ ہال اس بنگلے کے بیس منٹ میں واقع تھا۔ میں اپنی گن سمیت اچھل کر زینے کی آڑ میں چلا گیا۔

اس راہ داری میں مناسب روشنی تھی مگر اطمینان بخش بات یہ تھی کہ اب میری حرکات و سکنات کو کسی ٹی وی اسکرین پر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے یہودیوں کے لیے میں ہال سے فرار ہو چکا تھا۔

میں نے زینے کی اوٹ میں خود کو چھپا کر عقل مندی کا ثبوت دیا تھا کیوں کہ ہال سے نکلنے کے بعد انہوں نے اسی زینے کو نشانہ بنا کر فائرنگ کی تھی۔ میں اس بے دریغ فائرنگ

سے محفوظ رہا۔ وہ راہ داری کوئی اتنی لمبی چوڑی نہیں تھی کہ مجھے ڈھونڈنے کے لیے انہیں کسی دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ میں کسی بھی ہنگامی کارروائی کے لیے گن سنبھالنے تیار بیٹھا تھا۔

جب میں انہیں راہ داری میں کہیں نظر نہ آیا تو ایک گن بردار زینے کی جانب بڑھا۔ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے میری ہی طرف آرہا تھا۔ اس راہ داری میں چھپنے کی جگہ صرف وہی تھی جہاں میں عارضی طور پر پناہ گزیں تھا۔ چنگ یو دوسرے گن بردار کے ساتھ زینہ طے کر کے اوپر جانے لگا کہ کہیں میں وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو گیا ہوں۔

میں نے سانس روک کر گن کو مضبوطی سے تھام لیا۔ ان نازک لمحات میں میرے اعصاب پر بے پناہ دباؤ تھا۔ موت اور زندگی کا یہ خوفناک کھیل طول پکڑتا جا رہا تھا۔ پھر جیسے ہی مجھے اس شخص کی ٹانگیں نظر آئیں میں نے بلا تردد اس کی ٹانگوں پر ایک برسٹ فائر کیا۔ مختصر سی راہ داری گن بردار کی ہولناک چیخوں سے گونج اٹھی۔ میں نے ٹانگوں سے گھسیٹ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اب پہلی نظر میں وہ کسی کو دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔

اسی لمحے مجھے زینے کے اوپر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ یقینی بات تھی چنگ یو دوسرے گن بردار کے ساتھ واپس لوٹ آیا تھا۔ میری گن خالی ہو چکی تھی میں نے بڑی سرعت سے مغروب شخص کی گن کو اپنے ہاتھوں میں سجا لیا۔

مجھے یہ جاننے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا کہ میری فائرنگ نے اس شخص کی ٹانگوں کا کچومر نکال دیا تھا۔ وہ نچلے دھڑ سے خون میں لت پت بری طرح تڑپ رہا تھا۔ ہڈیوں کی ناکارگی کے ساتھ ہی گوشت و پوست میں بھی پگھلا ہوا سیسا اتر چکا تھا۔ طرفہ تماشا یہ تھا کہ اسے بلبلانے یا چیخنے چلانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ میں نے اپنے ایک ہاتھ کو پھیلا کر اس کے منہ کا ڈھکن بنا دیا تھا۔ میری گرفت اتنی یقینی اور ظالم تھی کہ اس بے چارے کو سانس لینے میں بھی کافی دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

چنگ یو مسلح شخص کے ہمراہ زینہ اتر کر مختصر سی راہ داری میں پہنچ گیا۔ وہ دونوں اس وقت مجھے نظر نہیں آرہے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں حالات و واقعات کی روشنی میں ممکنہ اندازہ لگایا تھا۔ نیچے پہنچتے ہی انہوں نے اپنے ساتھی کو تلاش کیا ہوگا..... اور دکھائی نہ دینے پر انہیں میری ہی جانب آنا تھا۔ راہ داری میں چھپنے کے لیے اور کوئی گوشہ واقع نہ تھا۔

میں نے چشم زدن میں ایک ہنگامی فیصلہ کر لیا..... چنگ یو کو شدید زخمی کرنے کا فیصلہ!

میرے اس فیصلے کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں تھا کہ میں خدانخواستہ اس چینی مارشل آرٹسٹ سے مقابلے سے گھبرا رہا تھا۔ اس وقت ایک ایک لمحہ نہایت قیمتی تھا۔ اگر میں کنگ فو کے جوہر دکھانے میں مصروف ہو جاتا تو وقت ہاتھ سے نکلنے کا قوی امکان تھا۔ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر میرا وہ فیصلہ انتہائی معقول تھا۔ حالات کے تقاضوں کو نبھانے والے ہی آگے بڑھتے ہیں!

پھر وہ دونوں میری نگاہ میں آ گئے۔

مجھے ان کے جسموں کے زیریں حصے نظر آرہے تھے۔ مخصوص پہناوے کے سبب چینی چنگ یو کو پہچاننے میں مجھے کسی دقت کا سامنا نہ ہوا۔ میں نے اس کے قدموں کو اپنے ذہن میں فوکس کیا اور گن کے ٹریگر پر میری انگلی دب گئی۔

خطرناک گن کے دہانے سے خارج ہونے والی گولیوں نے چنگ یو کے پاؤں اور پنڈلیوں کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اس فائرنگ کے نتیجے میں وہ کرب ناک انداز میں چیختے ہوئے ایک جانب لڑھک گیا۔ میں نے اپنی پناہ گاہ کو چھوڑتے ہوئے ایک لمبی لوٹ لگائی اور کئی فٹ دور مخالف سمت میں نکل گیا۔

میں نے یہ حرکت فطری ردِعمل سے بچنے کے لیے کی تھی۔ میری فائرنگ کے جواب میں' دوسرا گن بردار میری سمت فائرنگ کرتا اور میرے حساب کے عین مطابق ایسا ہی ہوا۔ جیسے ہی میں نے اپنی عارضی پناہ گاہ کو الوداع کہا' مجھے اپنے عقب میں زخمی آدمی کی بلند چیخیں سنائی دیں۔ یہ اس برسٹ کا خوفناک نتیجہ تھا جو دوسرے گن بردار نے مجھے ختم کرنے کے لیے فائر کیا تھا۔ ان شکست خوردہ لمحات میں یہ حقیقت اس کے ذہن سے نکل گئی تھی کہ مجھے مارنے کا مطلب تھا' اس نے اپنے پورے خاندان کو سپردِ عذاب کیا۔ میں شعیب خوری کے آقاؤں کا مطلوب تھا۔ وہ میری جاں کا زیاں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ پتا نہیں انہوں نے مجھے کن کن کٹھنائیوں سے گزارنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔

میں اس گن بردار کو مزید کوئی موقع دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کی فائرنگ سے اسی کا ساتھی جہنم واصل ہو چکا تھا۔ اس نے بے ساختہ میری طرف گن سیدھی کرنا چاہی مگر میں اس کی حرکت سے قبل ہی ایکشن لے چکا تھا۔ میں فرنٹ رول کرتے ہوئے اس کے انتہائی نزدیک پہنچا' پھر سر کو جھکاتے ہوئے پوری قوت سے اس کے پیٹ میں ایک خوف ناک ٹکر رسید کر دی۔

وہ بیک گیئر میں ڈگمگاتے ہوئے چنگ یو سے ٹکرایا جو

پہنچ گیا۔ درحقیقت مجھے یوں کہنا چاہئے میں دوسرے بنگلے سے پہلے بنگلے میں پہنچ گیا۔ سفید بنگلے کا عقبی لان والا حصہ کم و بیش ویسا ہی تھا جیسا میں دوسرے بنگلے میں اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

یہاں پر مجھے سناٹے اور ملگجے اجالے کی حکمرانی نظر آئی۔ آثار سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بنگلا بھی انسانی وجود سے خالی ہو لیکن یہ کیسے ہوسکتا تھا۔ میرے ذہن میں ایک تشویش ناک سوال نے ڈنک مارا۔

کیا وہ سب لوگ یہاں اور وہاں سے کہیں اور جا چکے ہیں؟

''نہیں!'' میں قدرے بلند آواز میں بڑبڑایا۔

میری اس بڑبڑاہٹ میں بڑی شدت تھی۔ میں بے ساختہ اپنے دلی جذبات کو کھول بیٹھا تھا۔ شعیب غوری اور اس کے آقا گئے بھاڑ میں' میرا تصور تو اس احساس ہی سے لہولہان ہو رہا تھا کہ ساحل اور صدف کہیں نظر نہیں آرہی تھیں۔ یہ کھو کر پانا اور اس طرح پانا کہ پانے سے چند لمحات پہلے کھو دینا بڑا روح فرسا ہوتا ہے۔ ابدی جدائی کا کبھی نہ کبھی صبر آ ہی جاتا ہے مگر ملنے بچھڑنے کا یہ کھیل تن من پر آبلے ڈال دیتا ہے' انسان کا احساس جھلس کر رہ جاتا ہے۔ ان بے وفا اور کج ادا لمحات میں میرے دل میں اس خواہش نے شدت سے انگڑائی لی کہ کاش! ملن اور جدائی کا یہ ناٹک ختم ہو جائے۔ میں اپنی ساحل سے اس طرح ملوں کہ بچھڑنے کا امکان باقی نہ رہے۔ اس لڑکی نے مجھ سے مجھے چھین لیا تھا!

ذہن میں بسے ان خیالات نے میرے پاؤں میں پہیے لگا دیے اور میں ایک دیوار سے پشت ٹکا کر کسی تربیت یافتہ کمانڈو کی طرح بنگلے کے اندرونی حصے کی سمت رینگ گیا۔ میں نے ایک جھٹکے سے اندرونی حصے میں کھلنے والے دروازے کو کھولا اور گن لہراتے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔

اگلے ہی لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اندھا ہو گیا ہوں۔ میری بینائی مجھ سے روٹھ گئی تھی۔ اس وقت مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آخری لمحات میں' میں نے جو آخری منظر دیکھا وہ تیز روشنی کے ایک جھماکے کا منظر تھا۔ چشم زدن میں کوئی فلڈ لائٹ میری بینائی سے ہم آغوش ہوئی تھی اور میری آنکھوں کے سامنے نور کی ایک چادر سی پھیلتی چلی گئی۔

ردِعمل کے طور پر بے اختیار میرے دونوں ہاتھ آنکھوں پر آئے۔ اس سے پہلے ہی گن چھوٹ کر نیچے گر گئی تھی۔ میں دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو دبائے تکلیف کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ بند آنکھوں کے پیچھے بھی اسی تیز چندھیا دینے والی روشنی کا عکس تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سالم سورج میری آنکھوں میں گھس بیٹھا ہو!

پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے بدن میں کوئی گولی اتر گئی ہو۔ وہ ایک بے آواز فائر تھا یا ہوسکتا ہے' بینائی کے ساتھ ہی میری سماعت بھی وداع ہو گئی ہو۔ فائر ہوا ہو مگر میں اس کی مہلک صدا سننے سے قاصر رہا ہوں۔

اگلے ہی لمحے میری کیفیات میں واضح تبدیلی رونما ہوئی۔ میری سماعت اور بینائی اچانک لوٹ آئی۔ میں نے چند افراد کو بڑی افراتفری میں بڑبڑاتے اور اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔ وہ مجھے آناً فاناً میں مضبوط بندشوں میں جکڑنے میں مصروف ہو گئے۔

میری سماعت اور بینائی کے لوٹنے کا خاک فائدہ نہ ہوا کیونکہ اس واپسی کے ساتھ ہی قوتِ گویائی اور حرکت کی صلاحیت مفقود ہو گئی تھی۔ میں ایک مجسم عضوِ معطل ہو کر رہ گیا تھا۔ میں گلا پھاڑ کر اس بہیمانہ کارروائی کے خلاف احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن بے سود۔ میں ہاتھ پاؤں کی جنبشوں سے ان شیطانوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلانا چاہتا تھا مگر بے فائدہ' میں کچھ بولنے' کوئی حرکت کرنے کے قابل نہیں رہا تھا..... اور یہ سب اسی بے آواز' ناہنجار' خانہ خراب گولی کا نتیجہ تھا جو میرے بدن میں اتر کر مجھے مفلوج بنا گئی تھی۔

میں بڑی بے بسی سے اپنے ساتھ ہونے والی کارروائی کو دیکھنے لگا!

☆☆☆

آنکھیں نعمت ہیں..... ایک بہت بڑی نعمت!

اس دنیا کی ساری خوب صورتی' رنگینی اور سنگینی ہم آنکھوں ہی کی مدد سے دیکھ پاتے ہیں لیکن بہت کم لوگ یہ راز جانتے ہوں گے کہ ہماری یہ آنکھیں بہت ہی مجبور اور بے بس ہیں۔ کوئی بھی منظر دیکھنے یا دکھانے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ یہ کسی کیمرے کے لینس کی طرح ہیں۔ دنیا کا ہر کیمرا اور کیمرے کا ہر لینس اپنے کام کے لیے روشنی کا محتاج ہے۔ ہماری آنکھوں کو بھی جب تک روشنی میسر نہ ہو' یہ ہمیں کوئی بھی شے دکھا نہیں سکتیں۔ درحقیقت روشنی کی موجودگی میں مختلف اشیا سے خارج ہونے والی مخصوص شعاعیں ہماری آنکھوں کے لینس پر تکراتی ہیں اور پردے پر اپنا عکس بناتی ہیں' یعنی اس شے کی شبیہ وجود میں آجاتی ہے۔ ہمارا دماغ اس شبیہ کو لوٹس کر لیتا ہے اور ہمیں بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے اپنی آنکھ سے اس شے کو دیکھا ہو۔ اگر واقعی یہ آنکھ کا کمال ہو تو پھر وہ شے ہمیں گھپ اندھیرے میں بھی دکھائی دینا چاہئے مگر ایسا نہیں ہوتا!

میری آنکھوں کے سامنے بھی اس وقت گہری تاریکی تھی اور اس تاریکی کا سبب بھی مجھے معلوم تھا۔ خدانخواستہ میں بینائی سے محروم نہیں ہوا تھا۔ میری بصارت اپنی جگہ قائم و دائم تھی مگر میری آنکھیں کسی دبیز سیاہ پٹی کی اوٹ میں بے بس ہو کر رہ گئی تھیں کیونکہ روشنی کی ایک موہوم سی کرن بھی ان تک پہنچنے میں ناکام تھی۔ اس کس کر باندھی گئی سیاہ پٹی نے مجھ سے دیکھنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔

ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو محسوس کرنا چاہا تھا تو سب سے پہلا احساس یہی ہوا تھا کہ میری آنکھوں پر کوئی مضبوط سیاہ پٹی باندھ دی گئی تھی۔ میں نے اپنی سننے اور بولنے کی صلاحیت کو آزمایا تو وہ مجھے صحیح سلامت محسوس ہوئیں۔ جب مجھے چند افراد مضبوط رسیوں میں جکڑ رہے تھے تو قوتِ گویائی اور قوتِ حرکت غائب ہو گئی تھیں۔ یہ اس پراسرار گولی کا کمال تھا جو میری داہنی ران میں گھس بیٹھی تھی۔ اس کرشمہ کار گولی کا اثر تھا کہ میں خود کو مفلوج محسوس کرنے لگا تھا۔ کیا میں اب بھی مفلوج ہی تھا؟

اس سوال نے میرے اندر تحریک پیدا کی کہ میں اپنے وجود کو ہلا جلا کر دیکھوں۔ میں نے پلکوں کو جھپکانا چاہا۔ پٹی کے باعث میری یہ کوشش بارآور نہ ہو سکی اور میں آنکھیں نچا کر رہ گیا تاہم یہ اندازہ ہو گیا کہ میں آنکھوں کو حرکت دے سکتا ہوں۔ یہی تجربہ میں نے ناک کے ساتھ کیا اور کامیاب رہا۔ اگلا نمبر گردن کا تھا اس کوشش میں بھی مجھے مایوسی نہ ہوئی۔ میری جدوجہد بازوؤں تک پہنچ گئی اور میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کسی آہنی کرسی کے ہتھوں پر' چمڑی ڈوریوں کی مدد سے کس کر بندھے ہوئے پایا۔ لامحالہ میرا دھیان نچلے دھڑ کی جانب چلا گیا اور اسی وقت مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔

میرے دھیان کی پرواز ناف پر جا کر رک گئی تھی جیسے اس کے پر پھڑپھڑانا بھول گئے ہوں۔ اس پرواز کے راستے میں کوئی نادیدہ رکاوٹ کھڑی کر دی گئی تھی۔ میں زیریں بدن کو محسوس کرنے سے قاصر تھا۔ میرا نچلا دھڑ کسی خاص دوا انجکشن یا پھر کسی بھی سائنسی طریقے سے مفلوج کر دیا گیا تھا۔ میں ہاتھوں کی بندشوں اور آہنی ہتھوں سے یہ تو سمجھ رہا تھا کہ اس وقت میں کسی کرسی پر بیٹھا ہوں لیکن بیٹھنے کا مطلق احساس نہیں ہو رہا تھا۔ یہی کیفیت میری ٹانگوں اور پاؤں کی بھی تھی۔

اس واہیات نوعیت کی صورتِ حالات نے مجھے بھونچال میں مبتلا کر دیا اور میرا ذہن تیزی سے پیش آمدہ واقعات کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسی وقت ایک نامانوس آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ بولنے والے نے انگلش زبان کا سہارا لیا تھا اور لب و لہجہ خالصتاً امریکی تھا۔ مذکورہ شخص نے مجھے میرے نام سے مخاطب کیا تھا۔

''وجدان! ایسی ویسی سوچوں سے اپنے ذہن کو مت الجھاؤ۔ ابھی تمہیں ایک بہت بڑے امتحان سے گزرنا ہے۔''

میں نے چونک کر بولنے والے کی سمت دیکھا۔ اس دیکھنے کا واضح مطلب یہی ہے کہ میں نے اس سیاہ دبیز پٹی کے عقب سے آواز کی جانب توجہ مرکوز کر دی۔ باقاعدہ دیکھنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ وہ شخص مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر موجود تھا اور اس کے ایکسنٹ نے مجھے بتا دیا کہ اس وقت میں امریکیوں میں تھا' کم از کم ایک امریکی کے ساتھ!

میں نے بھی جواباً انگریزی ہی میں پوچھا ''تم کون ہو؟''

''تمہارے میزبان!'' مجھے بتایا گیا۔

''میں اس وقت کہاں ہوں؟''

''یو۔ ایس۔ اے میں۔''

''یو ایس اے میں!'' میں گڑبڑا کر رہ گیا ''امریکا میں کہاں..... کس علاقے میں' کس اسٹیٹ میں؟'' بے اختیار میری زبان سے متعدد سوالات پھسل گئے۔

ان سوالات کے اختتام پر اس شخص کی پُرمعنی اور طنز سے لب ریز ہنسی میری سماعت تک پہنچی۔ میں تلملا کر رہ گیا۔ اسی لمحے اس شخص نے میرے سوالات کے جواب میں کہا۔

''تم اس وقت پاکستان میں ہو۔''

''مگر تم نے تو بتایا ہے' میں امریکا.....''

''ایک ہی بات ہے۔'' وہ میری بات کو قطع کرتے ہوئے بُرے مغرور انداز میں ہنسا۔

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی اور میں نے نفرت آمیز لہجے میں کہا ''بکواس بند کرو۔ تم لوگوں کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو سکے گا۔ پاکستان ایک آزاد مملکت ہے اور ہمیشہ آزاد ہی رہے گا' اپنی ایک جداگانہ شناخت کے ساتھ۔ تم چاہے کتنی بھی کوشش کر لو' اس آزاد ریاست کو اپنی اسٹیٹس میں شامل نہیں کر سکتے۔ تمہارے منہ میں خاک!''

میں جب سے پاکستان میں تھا' اکثر سیاسی جگادریوں کو نجی محفلوں میں یہ پیش گوئی کرتے سنا تھا کہ عنقریب پاکستان' امریکا کی ریاستوں میں شامل ہو جائے گا۔ بعض، اندر کی خبر رکھنے والے ماہرین کا فتویٰ صرف کراچی تک محدود تھا۔ ان کے خیال کی امریکا بہادر پورے پاکستان میں نہیں بلکہ صرف کراچی میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میں نے کبھی سنجیدگی سے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔ بادی النظر میں مجھے یہ کسی سیاسی

پروپیگنڈا سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ اکثر سیاستداں عوام کی سوچ کا رخ تبدیل کرنے کے لیے اس قسم کے ایشوز سامنے لاتے رہتے ہیں۔

یہ تمام خیالات ایک سیکنڈ میں میرے ذہن سے گزرے اور اگلے ہی لمحے اس ''نادیدہ'' امریکی کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اس کے لہجے میں بڑا ٹھہراؤ اور اعتماد تھا۔

''جذباتی تقریر بہت اچھی کر لیتے ہو مگر ہمیں تمہاری اس صلاحیت کی ضرورت نہیں اور نہ ہی امریکا کی کوئی نئی اسٹیٹ ہمارا موضوعِ گفتگو ہے۔''

ہمارے درمیان وہ تمام تر گفتگو انگلش میں ہو رہی تھی۔

میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں دریافت کیا ''پھر مجھے یہاں کیوں پابند کیا گیا ہے۔ تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میرے نچلے دھڑ کو تم لوگوں نے حرکت کے قابل کیوں نہیں چھوڑا؟''

''کیا سارے پاکستانی ایک سانس میں اتنے ہی سوال پوچھتے ہیں؟''

''تمہارا تجربہ کیا ہے؟'' میں نے ترکی بہ ترکی پوچھا۔

''میں نے اس قوم کو بہت ہی جذباتی اور پرجوش پایا ہے۔'' وہ زہریلے انداز میں گویا ہوا ''یہ جوش میں بہت جلد ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ انہیں شکار کرنا قدرے آسان ہے۔''

پتا نہیں' وہ اپنا تجربہ بیان کرنے میں کس قدر راست گوئی سے کام لے رہا تھا۔ اس وقت مجھے تو یوں محسوس ہوا وہ ساری باتیں مجھے سلگانے کے لیے کر رہا ہو۔ پاکستانیوں کی برائی کھول کر وہ نفسیاتی طور پر مجھے ٹارچر کرنا چاہتا ہو۔

میں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے کہا ''ہم ایک زندہ قوم ہیں۔ ہر زندہ قوم میں جوش اور جذبہ تو ضرور پایا جاتا ہے..... اور جہاں تک شکار کرنے کی بات ہے تو تم لوگوں کو اس محاذ پر بری طرح شکست ہوگی۔ ایسے خوش آئند خواب دیکھنا چھوڑ دو۔''

''ہم اپنی مرضی کے خواب دیکھنے پر قدرت رکھتے ہیں اور ان خوابوں کی تعبیریں پہلے سے رقم کر لیتے ہیں۔'' وہ رعونیت آمیز لہجے میں بولا۔

میں نے دل ہی دل میں اس کی تعلی پر لعنت بھیجی اور اپنے مقصد کی طرف آ گیا ''تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا مسٹر.....؟''

میں نے ''مسٹر'' کے بعد دانستہ سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ یہ ایک طرح سے چال تھی۔ ایسے مواقع پر عموماً سامنے والا اپنا نام بتا دیا کرتا ہے لیکن وہ کائیاں امریکی میری چال میں نہ آیا اور جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔

''تم اس وقت ہماری گرفت میں اس لیے ہو کہ تم پر سنگین الزامات ہیں۔''

''مجھ پر سنگین الزامات؟'' میں ایک مرتبہ پھر بری طرح اچھل پڑا۔

''ہاں تم پر۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا ''اسی لیے ایک مخصوص انجیکشن کے ذریعے تمہارے نچلے دھڑ کو عارضی مدت کے لیے ناکارہ کیا گیا ہے تاکہ تم کسی قسم کی ہمجوئی کا خیال دل میں نہ لا سکو۔ اس سے پہلے تمہاری ران میں ایک مخصوص گولی اتار کر تمہیں وقتی طور پر مفلوج کیا گیا تھا۔ اس وقت تم صرف سوچنے' سننے اور بولنے کے قابل ہو۔ تم ہماری ضرورت اور مقاصد سے زیادہ کسی قسم کی ذاتی ایٹی ٹینسی کے قابل نہیں ہو۔ اس قسم کے تمام شعبدے ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہیں۔''

میں الجھ کر رہ گیا۔ شعیب خوری کے مطابق اس کے یہودی آقاؤں کو ساحل یعنی دھنو کی تلاش تھی جو کسی بیش قیمت خزانے کے راز سے واقف تھی۔ مجھے تو صرف چارے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا تاکہ ساحل کو شکار کیا جا سکے۔ یا پھر میرا قصور یہ تھا کہ میں نے شعیب کی تنظیم سی ایف کے کو خاصا نقصان پہنچایا تھا۔ شعیب خوری یہودیوں کا آلۂ کار تھا۔ سی ایف کے کو پہنچنے والا نقصان براہِ راست یہودیوں کا نقصان تھا۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی تھی کہ میں سی ایف کے کے پردے میں یہودیوں کی خفیہ سرگرمیوں سے واقف ہو گیا تھا لیکن وہ امریکی جس انداز میں بات کر رہا تھا وہ خاصا سنگین اور تشویش ناک تھا۔

میں نے وضاحت طلب لہجے میں کہا ''تمہارے اس نمک خوار شعیب خوری نے تو مجھے بتایا تھا کہ تم لوگ ساحل کی تلاش میں ہو جو پہلے دھنو ہوا کرتی تھی۔ اب تم مجھ پر سنگین الزامات کا ذکر کر رہے ہو۔ یہ کیا بدمعاشی ہے؟''

''دھنو کا معاملہ الگ ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''اس پر کام امریکا پہنچنے کے بعد شروع کیا جائے گا۔ تم پر تین امریکی افراد کے قتل کا الزام ہے۔ ڈیوڈ' نیل آرمرا اور اس کی خوبرو دیکر بڑی شیبا۔ نیل آرمرا اگرچہ برطانوی شہریت رکھتا ہے لیکن یہودی ہونے کے ناتے وہ ہمارے لیے اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جیسا کہ کوئی امریکی شہری! پھر وہ ہمارے سسٹم کا ایک اہم پرزہ بھی تھا۔''

میں اس کی مکاری پر دل ہی دل میں سلگ کر رہ گیا۔ میں نے کہا ''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں نے تین یہودیوں کو صفحۂ ہستی سے رخصت کیا ہے' ان کا نام و نشان مٹا دیا ہے؟''

''ثبوت!'' وہ خوں خوار لہجے میں بولا ''میں نے تمہاری کارکردگی کو ڈی اسکرین پر دیکھا ہے اس ہال میں تیار ہونے والی فلم سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا۔ وہ خوں چکاں ریکارڈنگ اب ہمارے پاس محفوظ ہے۔'' اس کی بات وزن سے خالی نہیں تھی لیکن میں بھی ہار ماننے والا نہیں تھا۔

میں نے کہا ''ٹھیک ہے' نیل آرمرا اور شیبا میری فائرنگ سے ہلاک ہوئے لیکن ڈیوڈ کو تم کس طرح میرے کھاتے میں ڈال رہے ہو۔ وہ تو ایک خون ریز مقابلے میں مارا گیا ہے'' ڈیتھ میچ'' میں ہونے والے مقابلے تو زندگی اور موت کی بنیاد پر ہی منعقد کیے جاتے ہیں۔ ایسے کسی مقابلے کے فاتح کو قاتل اور مفتوح کو مقتول تو نہیں کہا جا سکتا۔ اس مقابلے کا نتیجہ اس کے بالعکس بھی سامنے آ سکتا تھا۔ کیا اس صورت میں تم ڈیوڈ کو میرا قاتل ماننے پر تیار ہو جاتے؟''

اس کی طرف خاموشی چھا گئی۔ میرے سوال میں ایک ہزار نیوٹن وزن تھا۔ وہ فوری طور پر لاجواب ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے ایک ٹھوس حقیقت بیان کی تھی جسے جھٹلانا کسی بھی معقول آدمی کے بس میں نہیں تھا۔ تاہم مسلسل خاموش رہنا میرے اس ان دیکھے دشمن کی ناکامیابی ہوتی اس لیے بولنا اس پر لازم تھا۔ وہ بولا تو اس کے انداز میں مخصوص نسلی ڈھٹائی اور سفاکی شامل تھی۔

''دھدان! ڈیوڈ' نیل آرمرا اور شیبا کے قتل کی تحقیق اور تفتیش تو امریکا پہنچ کر ہوگی۔ ہمارے بڑے تمہاری تقدیر کا فیصلہ کریں گے۔ فی الحال تو اس سے بھی اہم معاملہ درپیش ہے۔ اس مسئلے کو پاکستان میں رہتے ہی حل ہو جانا چاہئے ورنہ تمہارے لیے بڑی مشکل ہو جائے گی۔''

''اب کون سا نیا مسئلہ سامنے آ گیا ہے؟'' میں نے بیزاری سے استفسار کیا۔

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''مسئلہ نیا نہیں' پرانا ہے یہ چند روز پہلے کا واقعہ ہے۔ تم نے ہماری ایک نہایت ہی اہم فائل چوری کی تھی۔ ہمیں اس فائل کی تلاش ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔ کہیں تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟'' میں بھڑک اٹھا۔

وہ بدستور سنجیدہ اور سفاک انداز میں بولا ''اس طرح غصہ دکھانے سے بات نہیں بنے گی۔ تم ہمیں بتاؤ گے کہ وہ فائل تم نے کہاں چھپائی ہے۔ فائل والا معاملہ ادھر ہی نمٹ جائے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔''

میری کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کس فائل کا ذکر لے بیٹھا تھا۔ اس کی بہکی بہکی باتوں کے جواب میں' میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا ''تم نہایت ہی گھٹیا مذاق کر رہے ہو۔ میں ایسی کسی فائل کے وجود سے واقف نہیں ہوں۔''

''تم ثبوت جب اپنی آنکھوں سے دیکھو گے تو زبان سے کہے گئے انکار پر شرم سار ہو جاؤ گے۔'' وہ گمبھیر آواز میں بولا۔ ''تم نے ہمارے جس خفیہ اڈے سے وہ فائل چرائی ہے وہاں پر نصف حساس کیمرے نے تمہاری اس چوری کو عکس بند کر لیا ہے جو ایک ٹھوس ثبوت کے طور پر ہمارے قبضے میں ہے۔ جھوٹ بول کر یا اس فائل کے بارے میں زبان نہ کھول کر تم اپنے لیے مصائب کو دعوت دے رہے ہو۔ ایسے مصائب جو اس سے پہلے تمہاری زندگی میں نہیں آئے۔''

اس کی باتیں سن کر مجھے غصہ آنے لگا۔ ایک تو یہی بات میری جھنجلاہٹ کا باعث تھی کہ وہ تو مجھے دیکھ رہا تھا اور میں اندھوں کی طرح اس کے سامنے بیٹھا' اس کی فضول ''ٹیں ٹیں'' سن رہا تھا۔ وہ بے دریغ جھوٹ بول رہا تھا۔ مذکورہ فائل یا متذکرہ کسی خفیہ اڈے سے میرا دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ میں اس قدر بیزار بیٹھا تھا کہ اس امریکی کے چٹکی لینا ضروری ہو گیا۔

میں نے تپتے ہوئے لہجے میں کہا ''تم لوگوں نے دیسے تو زمین سے آسمان تک ترقی کر لی ہے لیکن فائلوں کے اسی فرسودہ اور دقیانوسی سسٹم میں پھنسے ہوئے ہو۔ یہ کیا تم نے ''فائل فائل'' کی رٹ لگا رکھی ہے؟''

''فائل سے میری مراد کمپیکٹ ڈسک ہے..... یعنی سی ڈی!'' وہ رسانیت سے بولا ''اس سی ڈی میں تمہارے ملک سے متعلق نہایت ہی اہم معلومات ہیں۔ اگرچہ وہ معلومات ہماری مخصوص خفیہ زبان میں ہیں لیکن کوئی ایکسپرٹ اسے ڈی کوڈ کر سکتا ہے۔ تم نے یقیناً وہ سی ڈی کسی ماہر تک پہنچا دی ہوگی۔''

اب میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان کو میرے بارے میں کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہو گئی تھی۔ لیکن کیا غلط فہمی ہوئی تھی' یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ لوگ بلاوجہ اپنا وقت ضائع نہیں کر رہے تھے۔ میں نے چڑ کر کہہ دیا ''اگر تمہیں میری بات کا اعتبار نہیں تو تم میری تلاشی لے سکتے ہو۔''

''بڑی بچوں والی بات کی ہے تم نے۔'' وہ تحقیر آمیز انداز میں بولا ''تم جب سے ہمارے قبضے میں ہو' ہم مختلف طریقوں سے متعدد بار تمہاری تلاشی لے کر اپنی تسلی کر چکے ہیں۔ تمہاری کھال اور کھال کے ایک ایک بال کی اسکیننگ کی

چا چکی ہے۔ تمہارے وجود کے کسی حصے یا خفیہ گوشے میں وہ سی ڈی موجود نہیں۔ تمہارے چہرے کو بھی مختلف ٹیسٹ سے گزار کر دیکھ لیا۔ تم کسی قسم کے میک اپ میں بھی نہیں ہو۔ باقی فنگر پرنٹس بلنڈ گروپ اور ڈی این اے اسپیسن کلیکشن کا کیا ذکر! وہ تو ہم پہلی فرصت میں کر گزرتے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر بولا ''بہر حال ہماری مطلوبہ سی ڈی تمہارے پاس نہیں۔ تمہارے پاس نہیں تو اس کا مطلب یہی ہے' تم نے آگے کہیں پہنچائی ہے۔ ہمیں بتاؤ' اس وقت وہ سی ڈی کہاں ہے؟''

یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ حالانکہ میں اس سی ڈی کے وجود سے آگاہ نہیں تھا مگر پوچھنے والے کی سنجیدگی اور الفاظ کی شدت بتاتی تھی کہ اس کے پیچھے کوئی حقیقت پنہاں تھی' چاہے کسی بھی روپ میں ہو۔ میں نے اپنا ذہن صاف کرنے کے لیے پوچھ لیا۔

''تم جس اہم سی ڈی کا ذکر کر رہے ہو اس میں کون سا راز تھا؟''

''میں تمہیں اس کے بارے میں بتا چکا ہوں۔''

''تم نے ایک لنگڑی بات بتائی تھی۔ تم نے میرے وطن پاکستان سے متعلق اہم معلومات کا ذکر تو کیا تھا لیکن ان معلومات کی تفصیل یا نوعیت تمہاری زبان سے خارج نہیں ہوئی۔''

میرے سوال کے جواب میں اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔ سرد لہجے میں بولا ''وجدان! ہمارا اپنا ایک طریقۂ کار ہے۔ ہم اپنے شکار کو پھانسنے سے پہلے اس کے ساتھ تھوڑی انگیلیاں کرتے ہیں۔ تھوڑی چھیڑ چھاڑ' تھوڑی دل لگی۔ اس طرح ہمیں کسی کشٹ میں پڑے بغیر مقصد تک پہنچنے میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ فارملیٹی پوری ہو چکی۔'' وہ چند ثانیے کے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

''میں نے تمہارے بہت سے فضول سوالات کے جواب دے دیے ہیں۔ اب سیدھی طرح بتا دو وہ سی ڈی تم نے کہاں چھپا رکھی ہے؟''

''میرا جواب اب بھی وہی ہے۔ میں ایسی کسی سی ڈی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر ٹھوس لہجے میں بولا ''میں یہ جانتا تھا کہ وہ سی ڈی خود برآمد کر کے اوپر تک پہنچاؤں۔ اس طرح میرے کریڈٹ پر ایک کارنامہ آ جاتا اور میری ترقی لازمی تھی لیکن تم میری ترقی نہیں ہونے دو گے۔ ٹھیک ہے!'' وہ تلخی آمیز لہجے میں اتنا کہہ کر متوقف ہوا پھر حتمی انداز اختیار کرتے ہوئے بولا۔

''میں تمہاری چوری کے اس فلمی ثبوت کے ساتھ ہی تمہیں آگے بڑھا دیتا ہوں۔ شرافت کی زبان تو تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔ آگے والے تم سے بہ خوبی نمٹ لیں گے۔ چند منٹ کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہونے والے ہیں۔''

وہ خاموش ہو گیا۔ میرے وجود کے بیدار حصے میں کھلبلی مچ گئی۔ دل اور دماغ اسی مذکورہ متحرک حصے میں واقع تھے۔ میرا دماغ نہایت ہی تیز رفتاری سے سوچ رہا تھا۔ پیش آمدہ حالات و واقعات کا کھٹ کھٹ تجزیہ ہو رہا تھا۔ اس وقت میری تمام تر توجہ کا مرکز وہ خفیہ ریکارڈنگ تھی جو کسی خفیہ امریکی اڈے میں کی گئی تھی جس میں مجھے کوئی نہایت ہی اہم سی ڈی چوری کرتے ہوئے عکس بند کیا گیا تھا۔ امریکی اڈے سے اس شخص کی مراد کوئی دفتر وغیرہ ہی ہو گی۔ اس ریکارڈنگ کی موجودی ظاہر کرتی تھی' ایسا کوئی واقعہ پیش تو ضرور آیا ہو گا۔

اچانک میرے ذہن میں نقلی وجدان کا تصور جاگا اور میں اچھل پڑا۔ یہ اچھلنا جسم کے مخصوص حصوں کا محدود حد تک تھا۔ اس وقت میرے جسم کے بیدار حصوں میں ایک سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ اب تک اس بہروپیے کی طرف میرا دھیان کیوں نہیں گیا تھا۔ شاید یہ حالات کے دباؤ کا اثر تھا کہ میں اس کے بارے میں نہ سوچ سکا۔ اس قسم کی حرکت بہ زعم خود میرے پرتو کے لیے چٹکی بجانے کے مترادف تھا۔ وہ پہلے بھی ایسے کئی شعبدے دکھا چکا تھا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ آخری ملاقات میں وہ مجھ سے خاصا مایوس ہوا تھا۔ جب میں نے اس کی پیش کش کو سنجیدگی سے نہ لیا تو وہ خاصا دل شکستہ ہو گیا تھا۔ رخصت کے وقت وہ بڑا غصے میں بھی تھا۔ اگرچہ اس نے واضح طور پر مجھے سنگین نتائج سے متعلق کوئی دھمکی نہیں دی تھی تاہم اس کا انداز ایسا ہی تھا کہ میں اس کے خلوص کر ٹھکرا کر بہت پچھتاؤں گا! یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم نادرزمان سے نمٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔

تو کیا اس سی ڈی کی چوری کا سہرا نقلی وجدان کے سر ہی بندھتا تھا؟ اس نے یہ حرکت مجھے پھنسانے کے لیے کی تھی؟ کیا میں یہ سمجھوں کہ اس کی جانب سے دشمنی کا آغاز ہو گیا؟

یہ تینوں سوالات ایسے تھے کہ میں چکرا رہ گیا تھا۔ اسی لمحے ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں ابھرا اور وہ یہ کہ آج تک نقلی وجدان نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہمیشہ وہ میرے کام ہی آیا تھا۔ آخری ملاقاتوں میں وہ اس بات پر زور دیتا رہا تھا کہ میں جلد از جلد اسے اپنے قابو میں لے آؤں ورنہ بدی کی کوئی قوت اسے اپنا آلۂ کار بنا لے گی۔

وہ زیادہ عرصے تک یوں آزادانہ حالت میں اور غیر جانب دار نہیں رہ سکے گا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ واقعی وہ بدی کی کسی قوت کے قبضے میں چلا گیا ہو؟

یہ سوال بڑا اتھلکہ خیز تھا اور اس سے زیادہ خوف ناک بھی۔ بدی کی کوئی قوت اگر نقلی وجدان کی صورت میں میرے سامنے آن کھڑی ہوتی تو میرے لیے ان گنت مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ میں آنے والے وقت کے تصور سے پریشان ہو گیا۔

''کیا بات ہے وجدان! تم چہرے سے کافی فکر مند دکھائی دینے لگے ہو۔'' اسی امریکی لب و لہجے کی حامل آواز نے مجھ سے استفسار کیا ''تھوڑی دیر پہلے تو تم..... اس قدر پریشان اور بوکھلائے ہوئے نظر نہیں آ رہے تھے؟''

اس شاطر نے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات سے میری کیفیت کو بھانپ لیا تھا۔ میں نے اس کے سوال کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا اور اضطراری لہجے میں دریافت کیا۔

''سی ڈی کی چوری والا واقعہ کس دن کا ہے؟''

وہ میری تشویش سے شاید یہی سمجھا ہو کہ میں اسے کوئی اہم بات بتانے جا رہا ہوں۔ اس نے میرے سوال کا مفصل جواب دیا اور میں ایک مرتبہ پھر چونک کر رہ گیا۔ یہ اس دن کے بعد آنے والی رات کا واقعہ تھا جب ہم نے ساؤتھ کے کرتا دھرتا نادرزمان کو ٹھکانے لگایا تھا اور اس مشن کے اختتام پر نقلی وجدان مجھ سے خفا ہو کر چلا گیا تھا۔ اس اعلان کے ساتھ کہ وہ اب کبھی میرے پاس نہیں آئے گا۔ میں اس وقت ساحل کے معاملات میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس کی خفگی پر زیادہ توجہ نہ دے سکا۔

یہ حالات و واقعات تو سیدھا سیدھا نقلی وجدان کی طرف ہی اشارہ کر رہے تھے لیکن ظاہر ہے' میں اس امریکی کے سامنے نقلی وجدان کا باب کھول کر نہیں رکھ سکتا تھا۔ میں نے اسے ایک اور زاویے سے گھیرنے کی کوشش کی اور پوچھا۔

''تمہارے اس پٹھو شعیب غوری نے تو کسی خفیہ فائل یا سی ڈی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ تم یہ نیا شوشہ کہاں سے اٹھا لائے ہو؟''

''غوری کو ہم نے اس معاملے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔'' اس نے دھیمی آواز میں کہا ''وہ بے چارہ اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا جیسا کہ ہم تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے!'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''ہمارا مشن دھنو کو تلاش کرنا تھا اور اس سلسلے میں شعیب غوری ہماری بھرپور مدد کر رہا تھا۔ پھر دھنو کے حوالے سے تمہارا نام بیچ میں آ گیا۔ شعیب نے مختلف حوالوں سے تمہاری بہت تعریف کی۔'' لفظ ''تعریف'' پر اس نے خاصا زور ڈالا تھا ''تمہارا سابق ریکارڈ ہمارے پاس پہنچا تو ہم تمہاری ذات میں بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئے۔ سنگاپور' تھائی لینڈ' نیپال' انڈیا' شمال چین اور اب پاکستان میں تمہارے کارناموں کی کوئی حد ہے اور نہ ہی حساب۔ ہم ایسے ہر فن مولا اور جینئس افراد کی تلاش میں رہتے ہیں اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جو ہماری بات ماننے سے انکار کرتا ہے' ہم اس کی کمزوریوں اور مجبوریوں کو ڈھونڈ کر اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر وہ شخص ہمارے اشاروں پر ناچنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے جیسا کہ تم کرو گے!''

وہ معنی خیز انداز میں بات کو نامکمل چھوڑ کر متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا ''پھر سی ڈی کی چوری والا واقعہ پیش آ گیا۔'' اس نے کلام کے تسلسل میں اچھی خاصی ایڈیٹنگ کر ڈالی تھی ''تم نے ہماری ایک نہایت ہی اہم سی ڈی اڑا لی۔ ہم نے غوری کو اس واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور تمہیں اپنے دام میں لانے کے لیے سرگرم ہو گئے اور دیکھ لو' اس وقت تم ہمارے رحم و کرم پر ہو!''

میں نے دل ہی دل میں اسے بہت برا بھلا کہا' پھر زبان سے پوچھا ''ایک لمحے کے لیے میں تمہیں سچا سمجھ لیتا ہوں۔ سی ڈی کی چوری والے واقعے کو حقیقت مان لیتا ہوں لیکن شعیب غوری کے بنگلے میں تم لوگوں نے جو ویڈیو اپنایا' وہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ تم لوگ اتنے بے پر و اکب سے ہو گئے؟''

''تم کس رویے کی بات کر رہے ہو؟'' وہ غراہٹ سے مشابہ آواز میں مستفسر ہوا۔

میں نے اس کی کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا ''اس زمین دوز ہال میں جب میں نے پاسا پلٹ دیا تو تم لوگ دم دبا کر فرار کیوں ہو گئے تھے۔ میں کافی دیر تک من مانی کرتا رہا اور تمہارے نمک خواروں سے نمٹ کر جب میں بنگلے کے عقبی حصے میں پہنچا تو کسی نے میری راہ نہ روکی اور میں بہ سہولت ایک بنگلے سے دوسرے بنگلے میں پہنچ گیا۔ وہ تو میرے ذہن میں اپنی ساتھی عورتوں کا سودا سمایا ہوا تھا اس لیے ان کی تلاش میں' میں دوسرے بنگلے میں داخل ہوا تھا ورنہ میرے فرار میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ موجود نہیں تھی۔ میں اگر چاہتا تو اس بنگلے کی عقبی دیوار پھاند کر وہاں سے رفو چکر ہو سکتا تھا۔''

میں سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''اگر میں کسی نہایت ہی اہم سی ڈی کی چوری میں ملوث تھا

تو پھر ان لمحات میں آپ لوگوں نے میری طرف سے ایسی غفلت کیوں برتی؟''

''ہوں!'' اس نے ایک طویل سانس کھینچی اور بولا۔ پہلے تو تم اس غلط فہمی کو دور کرلو کہ ہم ایک لمحے کے لیے بھی تمہاری جانب سے غافل ہوئے ہوں۔ اگر تم اسے بنگلے سے باہر قدم ڈالتے تو تمہیں ہماری چوکسی کا اندازہ ہوجاتا۔ ان دونوں بنگلوں کی خفیہ نگرانی کے لیے ہمارے مستعد آدمی ہمہ تن الرٹ تھے۔ وہ تمہیں فوراً قابو کرلیتے۔''

وہ چند لمحات کے لیے متوقف ہوا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''اور جہاں تک تم نے ہمارے دم دبا کر بھاگنے کی بات کی ہے تو اس میں ذرا بھی حقیقت شامل نہیں۔ دراصل ان دونوں بنگلوں کو ہر حوالے سے آپس میں مربوط کیا گیا ہے۔ ہم تو شروع ہی سے سفید بنگلے میں موجود تھے اور ہیں ایک کمرے میں بیٹھے ہال میں پیش آنے والے واقعات کو ملاحظہ کررہے تھے۔ تم غوری کی باتوں سے الجھ گئے اور یہی سمجھ بیٹھے کہ ہم بھی تہ خانے والے بنگلے ہی میں کہیں کسی کمرے میں بیٹھے ہیں۔ ہمارے اعتماد' پلاننگ اور کارکردگی کا نتیجہ ہی ہے کہ اس وقت تم پوری طرح ہمارے قبضے میں ہو!''

وہ اپنی بات مکمل کرچکا تو میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس کی وضاحت میں اچھا خاصا وزن تھا۔ میں نے دیگر امور پر لعنت بھیجتے ہوئے نہایت ہی اہم سوال کیا۔

''ساحل اور صدف کہاں ہیں؟''

وہ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد جواب دیتے ہوئے بولا ''صدف کو ہوش میں لانے کے بعد ہم نے اس کا طویل انٹرویو کیا تھا' پھر آئندہ چند گھنٹوں میں اس کے بیان کی تصدیق بھی کرلی۔ وہ ہمارے لیے ایک غیر متعلق لڑکی ہے' البتہ تم سے انتہائی متعلق ہے!'' اس کا انداز بڑا معنی خیز تھا ''تمہارا اور صدف کا تعلق ہمارا مسئلہ نہیں۔ وہ اگر تمہاری ذات میں انٹرسٹڈ ہے تو اب تمہاری یاد میں آنسو ہی بہا سکتی ہے۔ وہ کبھی تم تک نہیں پہنچ سکے گی۔ پہنچے گی تو وہ اس صورت ناں' اگر اسے معلوم ہوگا کہ تم کہاں ہو۔ اس کی قسمت میں تمہیں یاد کرنا ہی رہ گیا ہے۔''

''کیا مطلب۔'' میں اپنی جان نثار ساتھی کے بارے میں ایسے الفاظ سن کر تڑپ اٹھا ''تم لوگوں نے صدف کے ساتھ کیا کیا ہے؟''

''ابھی تک تو کچھ بھی نہیں کیا۔'' وہ مکاری سے بولا۔ ''لیکن اگر تم نے سی ڈی کے بارے میں زبان نہ کھولی تو اس لڑکی کے ساتھ بہت کچھ ہوسکتا ہے۔''

''صدف اس وقت کہاں ہے؟'' اس کے عزائم سے مجھے کسی گہری سازش کی بو آرہی تھی۔

اس نے بتایا ''ہم اسے غوری کے پاس چھوڑے جارہے ہیں۔ وہ یرغمال کے طور پر غوری کی تحویل میں رہے گی جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ہمارے قبضے میں رہے گی۔ ہم جس وقت چاہیں گے' اس کا پتا صاف کردیں گے۔'' وہ صدف کی زندگی کے خاتمے کی بات بڑی بے رحمی سے کررہا تھا ''اگر تم ہمیں سی ڈی تک پہنچا دیتے ہو تو تمہاری ساتھی صدف کو چھوڑ دیا جائے گا۔ بہ صورتِ دیگر اس کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا اس کی سنگینی کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔''

''یہ تو سراسر بزدلی ہے تم لوگوں کی۔'' میں نے ایک چوٹ کی۔

''یہ ہمارے کام کا طریقہ کار ہے۔''

''یہ بہت ہی شرمناک اور گھٹیا طریقہ کار ہے۔''

اس نے میری ترش کلامی کا برا نہ منایا اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''تم نے تین اہم یہودیوں کو قتل کیا ہے اس لیے فوری طور پر تمہارا امریکا پہنچایا جانا ضروری ہے۔ ہم چاہتے تو تمہارے ملک میں بھی تم پر مقدمے بازی کی جاسکتی تھی لیکن یہاں پر تمہارے ''سلپ'' ہونے کے امکانات موجود ہیں اسی لیے ہم تمہیں اپنے ساتھ لے کر جارہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر تمہیں قرار واقعی سزا دی جائے گی مگر۔''

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ذرا دیر کے لیے خاموش ہوا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''لیکن اگر تم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو پھر صدف پر جو بیتے گی اسے تم دیکھنے سے بھی محروم رہو گے۔ اگر کسی طرح اس کا قصہ تم تک پہنچ بھی گیا تو سن کر تم بہرے ہوجاؤ گے۔ سمجھ رہے ہو نا' میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

اس کا انداز دھمکی سے لب ریز تھا۔ میں جانتا تھا' وہ بہت طاقتور لوگ تھے۔ تقریباً دنیا کے ہر ملک میں انہیں آسانیاں میسر تھیں..... وہ اپنے الفاظ کو عملی جامہ پہنانے میں آزاد اور خود مختار تھے۔ صدف کے ان کی کسٹڈی میں ہونے نے مجھے گہری تشویش میں مبتلا کردیا۔ اگر وہ مجھ میں دلچسپی نہ لیتی تو آج اس حال کو نہ پہنچتی۔ اس کو پیش آنے والے ان غدار لمحات کا ذمے دار میں ہی تھا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے اپنے دل میں بہت ندامت محسوس ہوئی۔ کاش! مجھے اس منحوس سی ڈی کے بارے میں کچھ معلوم ہوتا تو میں پہلی فرصت میں یہ معلومات اس شیطان امریکی کے سامنے کھول کر اپنی صدف کو ایک بہت بڑے عذاب سے بچالیتا!

میں ان لمحات میں خاصا جذباتی ہورہا تھا۔ حالانکہ یہ

بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر میں اپنے ہاتھ سے وہ سی ڈی ان لوگوں کے حوالے کردوں تو بھی وہ صدف کو چھوڑنے والے نہیں تھے۔ ان کی کینہ پروری' سفاکی اور بربریت میں کوئی کلام نہیں تھا۔ اس وقت میں صدف کے لیے اپنے دل میں بہت درد محسوس کررہا تھا۔ شاید یہ اس محبت کا اثر تھا جو وہ مجھ سے کرتی تھی۔ میں صدف کے دلی جذبات کو سمجھتا تھا اور نہ دل سے ان کی قدر بھی کرتا تھا۔ وہ ایک حیرت انگیز اور چونکا دینے والی لڑکی تھی۔ نعلی وجدان کی ایک ممکنہ کارستانی نے اسے ایک بہت بڑی مصیبت میں ڈال دیا تھا!

میں صدف اور نعلی وجدان کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس شخص کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''تم کسی گہری سوچ میں غرق ہو۔ کیا کوئی فیصلہ کرنے میں تمہیں کسی قسم کی دشواری پیش آرہی ہے؟''

''تم میری دشواری اور آسانی کے چکر میں نہ پڑو۔'' میں نے درشتی سے کہا ''ساحل کے بارے میں بتاؤ وہ اس وقت کہاں ہے؟''

''تم غالباً دھنو کا پوچھ رہے ہو!''

''غالباً نہیں یقیناً!'' میں نے قطعیت سے کہا۔

وہ بتانے لگا ''دھنو کا معاملہ تم سے الگ ہے۔ اس لیے اسے تم سے الگ ہی ایک محفوظ جگہ رکھا گیا ہے۔''

''یہ تم ایک نئی بات کررہے ہو!'' میں نے بگڑ کر کہا۔

''تمہارے لیے نئی ہوگی ورنہ.....'' اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

میں سمجھ گیا' وہ میری مرضی کے مطابق کچھ اگل کر نہیں دے گا پھر بھی اپنے ذہن کی خلش دور کرنے کے لیے میں نے اس سے دو چار سوالات کر ہی ڈالے اگرچہ مجھے امید نہیں تھی کہ ان کے درست جواب مجھے ملیں گے۔ میں نے اسے اور اس کے بڑوں کو ناپنے کی خاطر پوچھا۔

''کیا تم لوگوں کا تعلق امریکی سی آئی اے سے ہے؟''

''نہیں۔'' وہ بڑی شرافت سے انکار کر بیٹھا۔

میں نے پوچھا ''پھر تم لوگ ایف بی آئی سے متعلق ہوگے؟''

''ہرگز نہیں۔'' اب اس کے انکار میں زیادہ شدت شامل تھی۔

میں جانتا تھا سی آئی اے اور ایف بی آئی کا۔ دائرۂ کار کہاں سے کہاں تک تھا۔ میں نے وہ سوالات محض اسے مطمئن کرنے کے لیے کیے تھے تاکہ وہ میری کم علمی پر دل ہی دل میں خوش ہوجائے۔ اس کے مسلسل انکار سے میں چڑ گیا اور دریافت کیا۔

''پھر آخر تم لوگ ہو کون؟''

''ہم یہودی ہیں اور یہودیوں کی ایک اہم تنظیم کے ادنیٰ رکن ہیں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''باقی تفصیل تمہیں ہمارے بڑے بتائیں گے۔ اب ہمارے رخصت ہونے کا وقت آگیا ہے۔''

''ہم اس وقت کہاں پر ہیں؟'' اس نے مجھے گہری تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔

میرے سوال کے جواب میں اس نے کہا ''مسٹر وجدان! خلافِ معمول تم سے بہت باتیں ہوگئیں۔ اس کی دو وجوہ تھیں۔ ایک تو ہمیں یہ اطمینان تھا کہ تم مکمل طور پر ہماری دست رس میں ہو' کسی قسم کی کوئی گڑبڑ پھیلانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہ باتیں تمہیں بعد میں بھی بتا ہی دی جاتیں اس لیے وقت گزاری کے لیے میں نے انہیں موضوع بنالیا کیونکہ ہماری پرواز میں کچھ وقت باقی تھا۔'' وہ اتنا کہہ کر متوقف ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''دوسری وجہ یہ تھی کہ میں چاہتا تھا' سی ڈی والا معاملہ یہیں نمٹ جاتا تو اچھا تھا۔ اس طرح میری ترقی کا امکان نکل آتا اور تمہاری ساتھی صدف کی جان چھوٹ جاتی لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ ساتھ اپنی ساتھی کے بھی دشمن ہو۔ اگر تمہیں صدف کے بارے میں ذرا سی بھی تشویش ہوتی' تمہارے دل میں اس کے لیے ہمدردی پائی جاتی تو تم فوراً وہ سی ڈی ہمارے حوالے کردیتے۔''

وہ اب جذباتی بلیک میلنگ کا سہارا لے رہا تھا لیکن افسوس کہ میں اس نعتی کمپیکٹ ڈسک کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں نے اس کی وضاحت کو ملیامیٹ کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اس وقت میں کہاں ہوں؟''

''یو۔ ایس ائربیس پر۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں بتایا۔

''اوہ!'' میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز خارج ہوئی۔

اس نے اسی بے مہر انداز میں کہا ''اگر تمہیں حالات کی سنگینی اور موقع کی نزاکت کا احساس ہوگیا ہو تو اب بھی اس خفیہ سی ڈی کے بارے میں بتادو۔ میں تمہیں آخری چانس دے رہا ہوں۔''

''میرے جواب میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔'' میں نے گمبھیر آواز میں کہا ''کیونکہ میں واقعی کسی سی ڈی کے بارے

میں نہیں جانتا۔"

میرے حتمی انکار نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہوگا۔ اس کی سمت خاموشی چھا گئی۔ پھر چند لمحات کے بعد اس خاموشی کو اسی امریکی کی کھردری آواز نے توڑا۔ وہ سرد مہری سے بولا۔

"ٹھیک ہے!"

میں نہیں جانتا' یہ مختصر سا جملہ اس نے کس سے مخاطب ہو کر ادا کیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے مجھے اپنے عقب میں زندگی کے آثار محسوس ہوئے۔ کوئی پہلے سے وہاں موجود تھا یا اس شخص کا اشارہ پا کر وہاں پہنچا تھا' میں اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ آنکھوں پر بندھی دبیز سیاہ پٹی نے مجھے خاصا لاچار کر دیا تھا۔ وہاں ہونے والی سرگرمی نے مجھے جلد ہی بتا دیا کہ میرے آس پاس اس شخص کے علاوہ بھی چند افراد موجود تھے جس نے اب تک مجھ سے گفتگو کی تھی۔

میری چھٹی حس نے مجھے مطلع کیا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ کیا ہونے والا ہے' اس کا اندازہ لگانے کی مجھے مہلت نہ مل سکی کیونکہ اس وقت میں نے اپنے بازو میں کسی انجکشن کی سوئی پیوست ہوتے محسوس کی۔ میرے عقب میں موجود کسی شخص نے پہلو میں آ کر مجھے کوئی سریع الاثر انجکشن دے دیا تھا۔ ایک مخصوص چبھن کے ساتھ ہی میرا ذہن تیزی سے تاریکی کی جانب بڑھنے لگا۔

اس سے قبل کہ میں مکمل تاریکی میں گھر جاتا' میرے ذہن میں موجود کسی روشنی کی ننھی سے کرن نے کام کیا جس کے طفیل میری سماعت ایک مخصوص آواز سننے کے قابل ہو گئی۔ وہ کسی طیارے کے انجن کی آواز تھی مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ میں اس وقت ایک طیارے میں موجود تھا جو پرواز کے لیے پر تول چکا تھا۔ ہم اب تب میں زمین چھوڑنے والے تھے۔

یہ میری زمین تھی' میرا وطن تھا۔ میں نے اس دھرتی پر جنم لیا تھا۔ اس پاک مٹی کا بہت قرض بہت احسان تھا مجھ پر اور آج مجھے اس مٹی سے دور کیا جا رہا تھا اور وہ بھی بہ جبر! اور یہ جبر پہلی مرتبہ نہیں کیا جا رہا تھا..... ماضی بعید میں بھی اس قسم کا ایک واقعہ پیش آ چکا تھا۔

مجھے یوں لگا جیسا میری سوچ کے پر نکل آئے ہوں۔ میرا تصور مجھے ماضی میں لے گیا جب میں ننھا منا ایک شیر خوار بچہ تھا۔ میرے والدین مجھے اور خود کو دشمنوں سے بچاتے پھر رہے تھے۔ بالآخر حالات کے جبر نے انہیں اپنی پیاری سرزمین چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا وہ اپنے دشمنوں سے چھپتے چھپاتے لاہور سے کراچی اور کراچی سے سنگاپور چلے گئے تھے اور آج مجھے زبردستی یہاں سے لے جایا جا رہا تھا۔ مجھے بھی بے کس اور بے بس بنا دیا گیا تھا۔ تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔

اگرچہ دونوں واقعات کے محالف کردار مختلف تھے' میرے دشمن الگ الگ تھے لیکن حالات کی ستم ظریفی ایک قدرِ مشترک کے مانند مجھ سے لپٹ کر رہ گئی تھی۔ مجھے ایک مرتبہ پھر پاکستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا تھا مگر بہ اندازِ دگر!

یہ تمام احساسات سیکنڈ کے ہزارویں حصے کی تخلیق تھے۔ روشنی کی وہ ننھی سی کرن کسی راہنما لائٹ ہاؤس کی طرح مجھے ماضی کی جھلک دکھا گئی تھی۔ میں اس لمحاتی روشنی میں بہت دور سے ہو آیا تھا۔ پھر مجھے کچھ خبر نہ رہی۔ اس سریع الاثر انجکشن نے مجھے ہوش و حواس سے بے گانہ کر دیا۔ میں جیسے تاریکی کے کسی گہرے کنوئیں میں جا گرا تھا۔

☆☆☆

طیارہ ہزاروں فٹ کی بلندی پر محوِ اڑان تھا!

مجھے ہوش میں آئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ میری آنکھ کھلی تو کھلے آسمان کا منظر نگاہ سے ٹکرایا' پھر مخصوص جسمانی احساسات نے مجھے بتایا کہ میں کسی جہاز میں محوِ سفر ہوں..... ہوائی جہاز میں! میری گردن ایک جانب مڑی ہوئی تھی اور میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ میں نے خود کو ایک آرام دہ نشست پر نیم دراز پایا۔ پھر گزرا ہوا ایک ایک واقعہ میرے ذہن میں تازہ ہونے لگا۔

مجھے شعیب غوری کا وہ بنگلا یاد آیا جس کے ایک زمین دوز ہال میں' میں نے ڈیتھ کیچ کے اندر ڈیوڈ نامی مارشل آرٹسٹ سے ایک خونی مقابلہ کیا تھا۔ اس کے بعد ہال میں پیش آنے والے خون ریز واقعات اپنی جھلک دکھانے لگے۔ نیل آرمر اور اس کی دل کش سیکریٹری شیبا کی میرے ہاتھوں المناک موت۔ شعیب غوری کا بزدلانہ فرار۔ مسلح گارڈ کی زندگیوں کا خاتمہ اور چینی فائٹر چنگ یو کا عبرتناک انجام..... اور آخر میں میرا زیرِ دام آنا!

ان مکار یہودیوں نے اپنی ریسرچ کا استعمال کر کے مجھے بے بس بنا دیا تھا۔ پھر وہ منظر بھی ابھر آیا جب کسی یو۔ ایس ائربیس پر مجھ سے کڑی پوچھ تاچھ کی گئی تھی۔ اس وقت میری آنکھوں کو ایک دبیز سیاہ پٹی سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ اب اپنی آنکھوں کو میں نے کھلا ہوا پایا تو شدید حیرت ہوئی۔

اس حیرت نے مجھے سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں نیم دراز پڑا پڑا اپنے حالات پر غور کرنے لگا۔ میرے اندازے کے مطابق میں امریکی سی آئی اے والوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا اگرچہ مجھ سے گفتگو کرنے والے نے اس کا اعتراف نہیں کیا تھا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

اگلا اندازہ میرا یہ تھا کہ مجھے ڈی سی (ڈسٹرکٹ آف کولمبیا) پہنچایا جائے گا۔ امریکا سے باہر لوگ اسے واشنگٹن ڈی سی کہتے ہیں جو یو۔ ایس۔ اے کا دارالحکومت بھی ہے لیکن مقامی لوگ صرف "ڈی سی" کہنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ مجھ پر سنگین الزامات عائد کیے گئے تھے ان کی تفتیش ڈی سی ہی میں ممکن تھی کیونکہ ایف بی آئی والوں کا ہیڈ کوارٹر وہیں پر تھا جہاں ڈی این اے ٹیسٹنگ لیبارٹری بھی موجود تھی۔

میں نہیں جانتا تھا کہ ہمیں پرواز کرتے ہوئے کتنا وقت گزر چکا تھا اور اس وقت طیارہ امریکا سے کتنی دور تھا۔ اچانک میرا دھیان ساحل کی طرف چلا گیا۔ امریکیوں یا یہودیوں کو ساحل میں بڑھتی ہوئی دلچسپی میرے لیے اٹھٹھک تھی۔ میں نہیں سمجھتا تھا' وہ کسی کی بیش بہا خزانے کے راز سے واقف ہوگی اور دوسری طرف یہودیوں کی سرگرمی کو بھی فضول چارہ جوئی کے کھاتے میں نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔

ساحل کے بارے میں سوچتے ہوئے طیارے کے اندرونی ماحول کی طرف متوجہ ہو گیا' اسی وقت مجھے ایک اور حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ وہ طیارہ نہیں تھا جس میں ایک آہنی کرسی پر مجھے مفلوج کر کے سی ڈی کے بارے میں استفسار کیا گیا تھا۔ اس وقت میں ایک آرام دہ نشست پر موجود تھا۔ بے اختیار میں نے گردن گھما کر دائیں جانب دیکھا..... اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔

مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر' طیارے کے دوسری جانب والی کھڑکی کے ساتھ لگی نشست پر ساحل موجود تھی۔ وہ یک ٹک مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ اس منظر نے مجھے تڑپا کر رکھ دیا اور بے ساختہ میں اسے پکار بیٹھا۔ میری آواز میں ایک طوفانی بلاانگیز شامل ہو گیا تھا۔

"ساحل.....!"

وہ ٹس سے مس نہ ہوئی اور بہ دستور خاموش نظر سے مجھے تکتی چلی گئی۔ مجھے یہ سمجھنے میں لمحے بھر کی دیر نہ لگی کہ اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ تھی۔ لگتا تھا ہمارے دشمنوں نے ساحل کو بھی عارضی طور پر مفلوج بنا دیا ہو۔ وہ کافی دنوں کے تڑپا دینے والے انتظار کے بعد مجھے دکھائی دی تھی۔ میں اس کھڑے کو دیکھنے کو ترس گیا تھا۔ وہ نظر بھی آئی تو اس کس مپرسی میں کہ میری پکار پر لبیک بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ ان جذباتی لمحات میں مجھے خود پر اختیار نہ رہا اور بے ساختہ اٹھ کر ساحل کی طرف لپکا۔

لیکن یہ کیا؟ میں اپنی نشست پر ایک بے معنی سی حرکت کر کے رہ گیا۔ اسی وقت مجھے احساس ہوا کہ میں اپنی مرضی سے اس نشست کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میرے ہاتھ اور پاؤں اس سلسلے میں کسی تعاون کو تیار نہیں تھے۔ میری جنبشی کوشش کے نتیجے میں دونوں ہاتھ پہلوؤں میں ساکت پڑے رہے اور پاؤں بھی اپنی جگہ بے حرکت موجود رہے۔ اس مرتبہ ان ظالموں نے مجھے ہاتھ پاؤں سے مفلوج کر کے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔

میں نے دیوانگی کے عالم میں ایک اور کوشش کی لیکن نتیجہ پہلے سے مختلف برآمد نہ ہوا۔ میں دیکھ سکتا تھا' سن سکتا تھا اور بول سکتا تھا مگر اپنے بازوؤں اور ٹانگوں کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ کیا بے بسی سی بے بسی تھی۔ میں رات دن ساحل کو دیکھنے کی تمنا کرتا رہا تھا۔ یہ تمنا پوری ہوئی بھی تو ادھوری۔ میں صرف اسے دور سے دیکھ سکتا تھا' اسے چھونے' پیار کرنے اور بانہوں میں بھرنے کی سکت مجھ سے چھین لی گئی تھی..... اور ساحل کو بھی ایسا بنا دیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے میری جانب پیش قدمی کرنے کے قابل نہیں تھی۔ میں حالات کی بے رحمی اور واقعات کی ستم ظریفی پر کڑھ کر رہ گیا۔

ہاتھ پاؤں انسانی وجود کے نہایت ہی اہم اعضا ہیں جن کے بغیر حرکت بے معنی اور مضحکہ خیز ہو کر رہ جاتی ہے۔ میں نے اس سلسلے میں جو کوشش کی تھی وہ بڑی مایوس کن ثابت ہوئی تھی اور میں تصور میں اپنا سر پیٹ کر رہ گیا تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر حسرت بھری نظر سے ساحل کو دیکھا۔ وہ بہ دستور مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مجھے تاثرات نظر نہ آئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ساحل کا سنگی مجسمہ اس نشست پر براجمان کر دیا گیا ہو تا کہ میری دل داری بہ الفاظ دیگر دل آزاری ہوتی رہے۔ شعیب کی زبانی میرے دشمنوں کو بہرحال یہ بات معلوم ہو چکی ہوگی کہ میں اپنے دل میں ساحل کے لیے کس قسم اور کتنی شدت کے جذبات رکھتا ہوں۔ میری یہ دکھتی ہوئی رگ ان ظالموں کے قابو میں آ گئی تھی۔ شعیب غوری اور چوہدری نوازش نے ساحل کو میری مجبوری بنا کر پچھلے کچھ عرصے سے میرا جینا عذاب کر رکھا تھا اور اب یہ نئے دشمن! یہ تو وہ نوب تھے جن کے اختیار کی کوئی حد تھی اور نہ ہی طاقت کا کوئی حساب' میں بیٹھے بٹھائے ایک خوف ناک جن کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

میں نے ساحل پر سے اپنی توجہ ہٹائی اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ بند آنکھوں کے پیچھے روشن ہو گئی۔ اس کے چہرے کا ایک خط و خال ابھر کر سامنے آنے لگا۔ یہ وہ صورت تھی جو میری پیاسی' ترسی ہوئی آنکھوں کے لیے ٹھنڈے پانی کے چشمے

سے کم نہیں تھی لیکن ان عذاب لمحوں میں یہ صورت پتھر کی مورت بن کر رہ گئی تھی۔ ہم دونوں کی حالت زار ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔ ہم حالات کے مارے ہوئے دو بے پر کے پرندے بن کر رہ گئے تھے۔

مجھے اپنی بے بسی پر سخت غصہ آنے لگا۔ اگر میں یہودیوں کے مجھے نہ چڑھا ہوتا تو ساحل کی رہائی اور واپسی کے لیے اپنی سی کوشش کر سکتا تھا لیکن اب تو میری حیثیت کسی عضو معطل جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ میں اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا' کسی اور کی کیا خاک مدد کرتا۔

اسی لمحے نقلی وجدان میرے تصور میں در آیا۔ وہ بڑے طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ شاید یہ میرے تخیل کا کرشمہ ہو۔ میں اس وقت نقلی وجدان کی حرکت کی وجہ سے خاصا برہم۔ میری اسی لاشعوری اور شعوری ناراضی نے مجھے اس کا طنزیہ چہرہ دکھا دیا ہو۔ بہرحال اس کی سی ڈی کی چوری والی حرکت میری نظر میں ناقابل معافی تھی۔ میرے اندازے اور تجربے کے مطابق اگر واقعی ایسی کوئی اہم سی ڈی چوری ہوئی تھی تو پھر چور اس روپے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے تصور میں اسے بہت کھری کھری سنائیں اور کسی حد تک اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ وہ فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے میرے تصور سے رخصت ہو گیا۔ جیسے مجھے ٹھینگا دکھا کر جا رہا ہو!

اسی لمحے مجھے آنکھیں کھولنا پڑیں کیوں کہ میری سماعت سے وہی منحوس امریکی لب و لہجے والی آواز ٹکرائی تھی۔ اب وہ میری نظر کے سامنے کھڑا تھا۔ دراز قامت' مضبوط بدن کا مالک۔ اس کی آنکھیں نیلی اور ناک طوطے کی چونچ جیسی مخصوص انداز میں جھکی ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے چند فٹ کی دوری پر کھڑا تھا اور میرے نام سے مجھے مخاطب کر رہا تھا۔

''مسٹر وجدان! اپنی حفاظتی بیلٹ باندھ لو۔ طیارے کی لینڈنگ میں بہت کم وقت باقی ہے۔''

میں اگرچہ اسے پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا لیکن آواز کے مخصوص انداز اور اتار چڑھاؤ سے میں نے اسے شناخت کر لیا۔ یو۔ ایس ائیر میں پر کسی طیارے کے اندر ہمارے درمیان طویل گفتگو ہوئی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس وقت میں اس شخص کو دیکھ نہیں سکتا تھا اور اب وہ بہ نفس نفیس میرے سامنے کھڑا تھا۔

میں نے اس کی گہری نیلی آنکھوں میں بہت دور تک جھانکا۔ وہاں مجھے سرد مہری' سفاکی اور درندگی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس کے پتلے ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ یہ ایک بھرپور طنز تھا ہماری بے بسی اور لاچاری پر۔ میں نے نفرت سے اسے گھورا اور دھیان دوسری طرف کر لیا۔

وہ میرے قریب آتے ہوئے بولا ''میں سمجھ رہا ہوں' تم مجھ سے کیوں ناراض ہو۔ دراصل میرے ذہن میں نہیں رہا تھا۔''

وہ بالکل میرے نزدیک آ گیا اور میرے اوپر جھکتے ہوئے خاصی بلند سرگوشی کی ''میں بھول گیا تھا کہ تم سیفٹی بیلٹ باندھنے کے قابل نہیں ہو۔ یہ کام تو مجھے ہی کرنا ہوگا۔''

میں خاموشی سے اس کے ہاتھوں کی کارروائی دیکھتا رہا۔ مجھ سے فارغ ہونے کے بعد وہ ساحل والی نشست کی جانب بڑھ گیا اور اس کی سیفٹی بیلٹ کے ساتھ مصروف ہو گیا۔

وہ کسی طوطے کی نسل' کم بخت انسانی نفسیات کا ماہر بھی لگتا تھا۔ اسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ میرے اور ساحل کے درمیان کیا رشتہ ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ہم ایشیائی اور خاص طور پر انڈو پاک کے لوگ اپنی محبت کے معاملے میں کس قدر جذباتی اور حساس ہوتے ہیں۔ وہ میرے احساس کو گھائل کرنے اور جذبات کو مجروح کرنے کے لیے' بیلٹ باندھنے کے دوران میں ایک طرح سے ساحل پر ڈھے سا گیا تھا۔ یہ اس کا ایک دانستہ فعل تھا۔

اس کی اس شیطانی حرکت سے میرا خون کھول کر رہ گیا لیکن میں اس کے خلاف کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا لہٰذا آنکھوں سے دیکھتے ہوئے مجھے وہ خون کے گھونٹ پینا پڑے۔

بعض اوقات انسان حد درجہ مجبور اور لاچار ہو جاتا ہے۔

وہ بدبخت اپنی کارروائی سے فارغ ہوا تو ایک مرتبہ پھر میرے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں وہی سنگینی اور ہونٹوں پر وہی طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر مجھے مخاطب کیا اور سرسراتے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

''تم دونوں اس قابل تو نہیں ہو کہ کسی قسم کی مہم جوئی کا خیال دل میں لاسکو لیکن میں احتیاطاً پھر بھی تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ اپنی جان کا دشمن بننے والی کوئی بھی حرکت نہ کرنا۔ نہ دیکھتے ہوئے بھی بہت سی آنکھیں تم دونوں کو دیکھ رہی ہیں۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا!''

میں نے زہر خند لہجے میں کہا ''میں صرف یہ سمجھ رہا ہوں کہ تمام تر ترقی کے باوجود بھی تم لوگوں میں اعتماد کا فقدان ہے۔ جب تمہیں یقین ہے کہ ہم اپنی مرضی سے حرکت نہیں کر سکتے تو پھر تمہاری یہ وارننگ کیا معنی رکھتی ہے؟''

اس نے برا سا منہ بنایا اور کندھے اچکاتے ہوئے

''بس اوکے!''

''بس لاجواب ہو گئے؟'' میں نے ایک اور چوٹ کی۔

وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے سرسری انداز میں بولا ''میں باتھ روم میں جا رہا ہوں۔ لینڈنگ کے بعد تم لوگوں سے ملاقات ہو گی۔ ٹیک کیئر۔''

میرے محتاط اندازے کے مطابق اس طیارے کو ڈی سی کے کسی بھی ظاہرہ یا خفیہ ائرپورٹ پر اترنا چاہئے تھا لیکن میں جاتے جاتے اس دراز قامت یہودی کے چٹکی لینا ضروری سمجھا۔

''یہ تو بتاتے جاؤ۔'' میں نے کہا ''ہم کہاں لینڈنگ کرنے والے ہیں؟''

''اینکوریج کے خوب صورت ائرپورٹ پر۔'' اس نے بتایا۔

''اینکوریج!'' میں بڑبڑایا ''یہ نام پہلے سننے میں نہیں آیا۔''

وہ فخریہ انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اینکوریج' الاسکا کا ایک حسین شہر ہے۔ دیکھو گے تو طبیعت خوش ہو جائے گی۔''

''الاسکا؟'' میں بساط بھر اچھل کر رہ گیا۔

''ہاں' ہم الاسکا کی زمین پر لینڈنگ کرنے جا رہے ہیں۔''

میں چکرا کر رہ گیا۔ اگر وہ بدمعاش کسی غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا تھا تو پھر میرے تمام تر اندازے غلط ہو گئے تھے۔ الاسکا کے بارے میں تو میں خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ یو۔ ایس۔ اے کی اس ریاست کے حوالے سے میں صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑی اسٹیٹ تھی..... اور اس رقبے کا بڑا حصہ برفانی تودوں اور برف کے پہاڑوں سے اٹا ہوا تھا۔ میں نے بے ساختہ آنکھیں بند کر لیں۔ اسی وقت میں نے اس شاطر یہودی کے جاتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔

میں نے الاسکا کا تصور کیا اور ایک وسیع و عریض برف زار تا حدِ نگاہ پھیلتا چلا گیا۔ اگلے ہی لمحے میرا احساس کپکپا کر رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں بھی اس برف زار کا حصہ بنتا جا رہا ہوں۔

پتا نہیں' اس موقع پر تقدیر ہم سے کون سا مذاق کرنے جا رہی تھی!

الف لیلہ ڈائجسٹ کے

دلچسپ ترین سلسلے، کتابی شکل میں

شیخ کرامت کی سرگزشت جو اس نے بستر مرگ پر بیان کی

ہمزاد (مکمل)

نیٹ 60 روپے

ڈاک خرچ 23 روپے

ہر دل عزیز شخصیت صبیحہ بانو کے قلم سے ایک سنسنی خیز سرگزشت

جال (مکمل)

نیٹ 60 روپے

ڈاک خرچ 23 روپے

- ایک پراسرار شخصیت کی کہانی جس کیلئے کوئی بھی کام ناممکن نہیں تھا
- اس شخصیت کا قصہ جس کے چہرے کی عمر 130 سال اور بقیہ جسم کی عمر 25 سال تھی۔
- ہمزاد مسخر کرنے کے طریقے۔

- ایک ایسے انسان کی کہانی جسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔
- جب اس نے آنکھ کھولی تو ایک ٹیکسی میں سفر کر رہا تھا۔
- دنیا کی بڑی بڑی تنظیمیں اس کے تعاقب میں تھیں۔
- اس پر نہ کوئی گولی اثر کرتی تھی اور نہ ہی کوئی زہر۔

کتابیات پبلی کیشنز بوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802551-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے میں کورنگی روڈ کراچی 75500

تقدیر کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے انداز میں کھیلتی ہے اور ہر مقابل کو چاروں خانے چت کر دیتی ہے۔ اس کی حکمتِ عملی کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں، شاید اسی لیے کہا جاتا ہے..... تقدیر کے ہاتھوں میں کھلونا ہے آدمی!

تاہم تقدیر نا انصاف نہیں۔ یہ باتدبیر لوگوں کو پسند کرتی ہے۔ جو لوگ ہاتھ پاؤں چھوڑ کر نہیں بیٹھ جاتے' اپنے معاملات اور مسائل سے نمٹنے کے لیے کسی نہ کسی تدبیر میں لگے رہتے ہیں' یہ ان سے بہت خوش ہوتی ہے۔ ان کی محنت اور تگ و دو کو سراہتی ہے اور پچھاڑنے کے بعد انہیں انعام و اکرام سے بھی نوازتی ہے۔ ان کی کوشش کا صلہ ضرور دیتی ہے۔ اسی حوالے سے یہ بھی کہا جاتا ہے..... تدبیر' تقدیر کو بدل دیتی ہے۔

سب سمجھ کا ہیر پھیر ہے۔ فطری اصول ہے' آپ محنت کریں تو اس کا ثمر آپ کو ضرور ملے گا مگر محنت کی تکمیل کے بعد کام کر چکنے پر۔ گویا تدبیر' تقدیر کو نہیں بدلتی بلکہ تقدیر' تدبیر کا بدلہ دیتی ہے! آپ کی محنت ہار پاتی ہے' کوشش رنگ لاتی ہے اور آپ کامران ٹھہرتے ہیں۔

ہم دونوں اس وقت تقدیر کے رحم و کرم پر تھے۔ پتا نہیں، یہ ہمیں کون سا روپ دکھانے کا فیصلہ کیے بیٹھی تھی۔ ہمیں اس تقدیر کو بدلنا تھا کوئی ایسی سعی کرنا تھی کہ حالات مکمل طور پر ہمارے قابو میں آجاتے۔ میرا ذہن تیزی سے کسی تدبیر کے بارے میں سوچنے لگا۔

یہ سچ ہے اور میرا ایمان بھی ہے کہ قدرت انسان کو اس کی بساط اور برداشت کے مطابق آزماتی ہے۔ کسی بھی شخص کو ایسے امتحان سے نہیں گزارا جاتا جس کے سلیبس سے وہ ناآشنا ہو' یہ الگ بات ہے، اس نے سلیبس پر توجہ دینے کی ضرورت نہ محسوس کی ہو۔ میں نے بڑی کٹھن اور عملی زندگی گزاری ہے۔ آنکھ کھولتے ہی زندگی کے ہنگاموں سے آشنا ہو گیا تھا اور حالات یہی بتاتے تھے، آنکھ بند ہونے تک مار ماری کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ گویا میرا تو وہ معاملہ تھا..... مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں۔

میرا ذہن جدید ترین کمپیوٹر سے بھی زیادہ فعالیت دکھا رہا تھا لیکن ہاتھ پاؤں گویا برف کی سل بن چکے تھے۔ وہ میرے دماغ کے تابع نہیں رہے تھے۔ دماغی احکام کو ان تک پہنچانے والے مخصوص اعصاب کو کسی زود اثر اور حیرت انگیز دوا کے ذریعے مفلوج بنا دیا گیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا' وہ مجھ سے روٹھ گئے ہوں۔ میں ہاتھ پاؤں کا نہیں رہا تھا۔ ہمارا جہاز بھی الاسکا کے عظیم الشان برف زار میں نہیں اترا تھا لیکن اس سے پہلے ہی عیار یہودیوں نے ہمارے اجسام میں برف زار اتار دیا تھا۔

میں اپنی بے بسی پر جھنجلا کر رہ گیا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ انسان اپنی مرضی سے ہاتھ پاؤں کو حرکت بھی نہ دے سکے۔ اگر انسان ''کچھ'' ہوتا ہے تو ایسی صورتِ حال میں اسے اتنی ہی زیادہ بے بسی محسوس ہوتی ہے۔ میں ایک عام اور سیدھا سادہ انسان نہیں تھا جو گہری بندھی زندگی کا عادی ہوتا ہے۔ اس کے شام و سحر اور دن رات کا معمول متعین ہوتا ہے، اس کی لائف میں کوئی اپ سیٹ نہیں ہوتا۔ وہ ایک مخصوص سیٹ اپ میں سانس لے رہا ہوتا ہے۔ درحقیقت وہ زندگی کو نہیں گزار رہا ہوتا بلکہ زندگی اسے گزار رہی ہوتی ہے۔

جب کہ میں زندگی کو گزار رہا تھا۔ میرے صبح و شام کا کچھ ٹھیک نہیں تھا' میرے حالات میں ہر لمحے ایک نئی کروٹ انگڑائی لیتی تھی اور مجھے کسی نئی راہ پر دھکیل دیتی۔ قدم قدم پر ہنگامے طوفانی بگولوں کے مانند چکراتے نظر آتے۔ وہ مجھے اپنے حصار میں لینے کی کوشش کرتے لیکن میں ہر حصار کو توڑتا ہر بگولے کو چیرتا اور ہر طوفان کو روندتا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ میں نے تھکی اور ہنگامہ خیز زندگی میں اتنی راہیں، اتنی گزرگاہیں دیکھی تھیں کہ کوئی راستہ کوئی سمت میرے لیے نئی نہیں تھی۔ میں نے زندگی کا ہر مکروہ اور خوبصورت پہلو دیکھ لیا تھا لیکن.....!

''لیکن'' پر آکر میری سوچ کو ایک جھٹکا لگا اور بے بسی کے احساس نے ایک مرتبہ پھر مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میں زندگی میں اتنا مجبور آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ بے ساختہ میں نے آنکھیں کھول دیں۔

وہ طوطے کی اولاد منحوس امریکی مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ اس کے جاتے ہوئے قدموں کی آواز تو میں نے بند آنکھوں کے پیچھے ہی سن لی تھی۔ بے اختیار میں نے دائیں جانب گردن موڑ لی۔ میری نگاہ ساحل پر جا کر ٹک گئی۔ وہ یک ٹک مجھے ہی تکے جا رہی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے پر کوئی تاثر کوئی جذبہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے نہ دیکھ رہی ہو' میرے پار کہیں بہت دور خلا میں گھور رہی ہو۔

میرے دل سے ایک موہوم سی ٹیس اٹھی اور میرے تن بدن کو ایک اذیت میں مبتلا کر گئی۔ ساحل کو پانے کے لیے میں نے کیا کیا جتن نہیں کیے تھے' اپنے دشمنوں کی کتنی لاشیں گرائی تھیں میں نے۔ بدلے میں میرے پیاروں کی بھی ناقابلِ تلافی زیاں ہوا تھا۔ آگ اور خون کے کھیل کا یہی دستور ہے۔ یہ جہنم اپنا پیٹ بھرنے کے لیے دونوں جانب سے

دھن کھاتا ہے۔ جیسے آگ سوکھی لکڑی کو چاٹ جاتی ہے ایسے ہی یہ انسانی زندگیوں کو چاٹ جاتا ہے۔ ایک سنگین فاق نے مجھے میری ساحل سے ملایا بھی تھا تو بڑے لاچار بات میں۔ بس ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے اور یہ دیکھنے ی معاملہ بھی شاید میری ہی حد تک تھا' ساحل کے بارے میں دوثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ چینی کی مورت' پتھر کی مورت بن کر رہ گئی تھی۔

پیاسے کو اگر کسی کنوئیں کی منڈیر پر بٹھا دیا جائے اور ے کہ اس کے ہاتھ سے ڈول چھین لیا جائے تو اس کی بے بسی ر کس میری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ی معاملہ تھا۔ میں ساحل کے انتہائی قریب تھا مگر ایسی ربت اور ہم نشینی کس کام کی کہ میں اسے چھو نہیں سکتا تھا' اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا تھا اور اسے عملاً بتا نہیں سکتا تھا کہ ں نے اس کی جدائی میں، یہ دن و رات کس کرب میں ارے ہیں۔ میری آنکھوں میں کتنی تھکن، کتنی دکھن ہے۔ رے ذہن میں کتنا اضطراب' کتنا عذاب ہے۔ میرے دل ں کیا کیا ارمان ہیں' جذبات کے اظہار کے کیا کیا پلان یا کچھ نہیں' میں کچھ نہیں کر سکتا تھا..... کچھ بھی تو نہیں! میں نے اپنے دھیان کا رخ موڑا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اب نیچی پرواز کر رہا تھا' اتنی نیچی کہ نیچے کا منظر آنکھوں کھل گیا تھا۔ میں نے تاحدِ نگاہ ایک وسیع و عریض سفید چادر پھیلے ہوئے دیکھا۔ یہ سفید چادر درحقیقت وہ برف زار تھا ں کا تصور الاسکا کے تصور کے ساتھ نتھی تھا۔ میں ایک جھرجھری لے کر رہ گیا۔ یہ جھرجھری صرف میرے جسم کے صوں تک محدود تھی۔ ذہن میں ایک خوف ناک خیال ابھارا۔ کیا ہمیں اس برف زار زمین پر پھینکا جا رہا تھا؟

میں نے امریکا کے بارے میں سنا ہی سنا تھا۔ آج پہلی ر اس بے بسی کی حالت میں اس کی کسی اسٹیٹ پر قدم رکھ جا رہا تھا۔ میں وہاں کے کسی مقام کے بارے میں کچھ نا جانتا تھا۔ جب دیکھا نہیں تھا تو میری معلومات تصوری ہو تک تھیں۔ اب یہ تصوری تجربے سے گزرنے والی تھی۔ جربات کا تعین تو وقت ہی کر سکتا تھا کہ یہ تجربہ خوشگوار ہو گا یا ک!

ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ جیسا کہ میں بتا چکا ں پہلی بار امریکا میں داخل ہو رہا تھا۔ وہاں کی جگمگاہٹیں عمارات' اور سڑکیں میرے لیے نئی تھیں لیکن رفتہ رفتہ ں مجھے ان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوتا چلا گیا۔ ابتدائی معلومات کے مطابق میں اس داستانِ حیات میں ہر

شے کا ذکر ایسے ہی کروں گا جیسی وہ ہے یا تھی۔ تاکہ یہ اظہار اندھا' گونگا اور بہرا محسوس نہ ہو۔ اپاہج بیان پڑھنے والے کی دلچسپی اور داستان کی خوبصورتی کھو دیتا ہے اور میں اپنی کہانی اور اپنے قارئین کے ساتھ یہ ظلم نہیں کر سکتا!

جہاز مزید نیچے آیا تو اینکوریج شہر کے آثار واضح ہونے لگے۔ امریکی اپنے ایکسنٹ کے اعتبار سے اسے ''اینکریج'' کہتے ہیں۔ بہرحال اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کھڑکی سے باہر نگاہ جمائے تیزی سے ابھرتے ہوئے اینکریج کے خدوخال کو دیکھنے لگا۔ یوں محسوس ہوتا تھا' کسی کشادہ سفید دسترخوان پر مختلف انواع و اقسام کی ڈشیں چن دی گئی ہوں۔ یہ چاروں طرف پھیلی ہوئی سفید برف تھی جس کے سینے پر اینکریج کا شہر نمودار ہو رہا تھا' عمارتیں' پل اور سڑکیں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھیں۔ میں نے ایک مرتبہ پھر آنکھیں بند کر لیں اور اپنے تازہ ترین حالات پر غور کرنے لگا۔

مجھے اس حال تک پہنچانے کا سہرا نقلی وجدان کے سر جاتا تھا۔ اب میں گہری سنجیدگی سے ''سی ڈی'' والے معاملے کو اسی کی ذات سے منسوب کر چکا تھا۔ اگر وہ یہ حرکت نہ کرتا تو سی آئی اے والے اتنی شدومد سے میرے پیچھے نہ پڑتے۔ یہ بھی میرا اندازہ ہی تھا کہ مجھے امریکی سی آئی اے والے اپنے ساتھ لائے تھے ورنہ جس شخص سے اب تک میں گفتگو کرتا آیا تھا' اس نے سی آئی اے اور ایف بی آئی سے اپنی وابستگی سے انکار کیا تھا۔ اس کے انکار میں بھی اب خاصا وزن نظر آنے لگا تھا۔ اگر میں امریکی سی آئی اے کے ہتھے چڑھا ہوتا تو مجھے کہیں اور دھکیلنے کے بجائے سیدھا ڈی سی پہنچایا جاتا۔ ایک امکان یہ بھی ہو سکتا تھا کہ یہ یہودی لابی کا چلایا ہوا کوئی اور ہی چکر ہو اور واقعتاً ایف بی آئی یا سی آئی اے والے اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہ رکھتے ہوں۔

ہم اینکریج کی زمین پر اترنے والے تھے۔ اس کا مطلب یہی تھا صورتِ حالات مجھ پر واضح ہونے والی تھی۔ میری تشویش کا باعث نقلی وجدان کی ذات تھی۔ اس نے کوئی نہایت ہی اہم اور خفیہ سی ڈی چرا کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ اب وہ میرا کھلا دشمن ہے..... بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب رہے گا کہ وہ میرے کسی دشمن کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا ہے' ایک ایسا دشمن جو بدی کا علم بردار ہے اور نیکی کی راہ کھوٹی کرنے پر برسرِ پیکار ہے!

پھر مجھے وہ سہ پہر یاد آنے لگی جب میں منہاس باقر کے بنگلے پر قاضی سلطان' فرید پاشا اور منہاس باقر سے ملا تھا۔ یہ

سب میرے اپنے تھے۔ اتنے اپنے کہ میں انہیں خود سے زیادہ اپنا مخلص اور خیر خواہ سمجھتا تھا' جو میرے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار رہتے تھے۔ ان لمحات میں میرا دل بہت بوجھل اور ذہن بجھا ہوا تھا۔ میں ہمہ وقت یہ محسوس کرتا رہا تھا کہ ان ایثار پیشہ اور یار باش لوگوں کو میں آخری بار دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت میں نے بہت سوچا لیکن سمجھ میں نہ آیا کہ میں ان سے بچھڑنے والا ہوں یا وہ لوگ مجھ سے اور اب..... میرے اس احساس کو حقیقت مل گئی تھی۔ میں ان سے بچھڑ گیا تھا۔ پتا نہیں وقتی طور پر یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے!

ایسا سوچتے ہوئے میرا دل خون ہونے لگا۔ ان بچھڑنے والوں میں ایک صدف بھی تو تھی۔ اس عجیب لڑکی نے میری خاطر جاں نثاری کی کون کون سی حد عبور نہیں کی تھی۔ اپنی جان جوکھم میں ڈال کر میری جان بچائی تھی۔ صرف اس لیے کہ وہ مجھے چاہتی تھی۔ اس کی چاہت میں بڑی سچائی تھی' بڑی شدت تھی' بڑی حدت تھی مگر.....

میں اس سے آگے کچھ نہ سوچ سکا۔ اس کے آگے میری مجبوری پر پھیلائے میری سوچ کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ دیانت داری کی بات تو یہ ہے کہ اس وقت میں نے اپنے دل میں بڑی ندامت محسوس کی۔ صدف کی محبت جس ردِعمل کی متقاضی تھی، وہ میں نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ میں نے اس کی محبت کا استحقاق چھین کر گویا اس کا استحصال کیا تھا!

اسی لمحے میرے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ جہاز کے پہیوں نے غالباً رن وے کو چھو لیا تھا۔ میں آنکھیں کھول کر اپنے ماحول میں حاضر ہو گیا۔

☆☆☆

وہ ایک بند اسٹیشن ویگن تھی جس کی کھڑکیوں پر ٹنٹڈ گلاسز کی حکم رانی تھی یعنی ہم ویگن کے باہر کے مناظر تو دیکھ سکتے تھے لیکن باہر والے ویگن کے اندر جھانکنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ یہ اندھے شیشے ان کی بصارت کے سامنے کسی سرخ سگنل کے مانند استادہ تھے۔ ہمیں جہاز سے نکال کر اس ویگن میں سوار کرایا گیا تھا پھر یہ ویگن ایک نامعلوم منزل کی جانب رواں دواں ہو گئی تھی۔

ہم دونوں کو ویگن کی درمیانی نشست پر بٹھایا گیا تھا۔ عقبی نشست پر دو افراد موجود تھے۔ اسی طرح اگلے حصے میں بھی دو افراد نظر آ رہے تھے۔ اسٹیشن ویگن چھے افراد کے ایک چھوٹے سے قافلے کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی جن میں دو صید اور چار صیاد تھے۔

ہماری حالت' اختیار اور مجبوری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ہم اب بھی ایک دوسرے کو چھو سکتے تھے اور نہ ہی آگے بڑھ کر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ سکتے تھے۔ زندہ رہنے کے لیے ایک مخصوص حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ویگن کی اندرونی فضا میں خوشگوار حرارت موجود تھی۔ ویگن کا ائر کنڈیشنر بڑے مناسب انداز میں کام کر رہا تھا ورنہ باہر کے ماحول کو شدید سردی نے اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا تھا۔ رگوں میں خون منجمد کر دینے والے ٹمپریچر کے سبب سڑکیں ویران اور عمارتیں سنسان نظر آ رہی تھیں۔ مجھے جنوری کے مہینے میں' الاسکا کے اس شہر میں اترنے کا ''شرف'' حاصل ہوا تھا۔ جنوری کو وہاں کی سردی کی پیک تصور کیا جاتا ہے۔ الاسکا کے دور دراز شمالی علاقوں کا تو کیا ذکر یہاں اینکریج میں ان دنوں درجۂ حرارت منفی چھے سے منفی تیرہ ڈگری سینٹی گریڈ کے درمیان رہتا تھا' یعنی آٹھ سے اکیس ڈگری فارن ہائٹ۔ ویسے الاسکا کا ریکارڈ درجہ حرارت تئیس جنوری انیس سو اکہتر عیسوی میں منفی باسٹھ ڈگری سینٹی گریڈ اور ستائیس جون انیس سو پندرہ عیسوی میں اڑتیس ڈگری سینٹی گریڈ نوٹ کیا گیا تھا۔

الاسکا نامی برف کا یہ دیو کسی زمانے میں روس کا حصہ ہوا کرتا تھا۔ یہ خطہ روس کے لیے بے معنی اور فضول تھا یا یوں سمجھ لیں کہ ان ٹھنڈے خون والوں نے کبھی اپنے اس علاقے کو توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ جب اپنے کسی شے پر سے توجہ ہٹا لیں تو غیر تاکا جھانکی شروع کر دیتے ہیں چنانچہ الاسکا پر بھی ایک ''غیر'' کی نگاہ پڑ گئی۔ اس شخص نے اس برف زار میں جانے کیا خوبی دیکھی کہ اسے خریدنے پر تیار ہو گیا۔ ولیم ۔ایچ۔ سیوارڈ نامی وہ شخص بہت کائیاں اور موقع شناس تھا۔ اس نے اٹھارہ سو سڑسٹھ عیسوی میں روس والوں کو اپنے شیشے میں اتارا اور الاسکا کو صرف سات اعشاریہ دو ملین ڈالرز میں خرید لیا۔ روس والے خوش تھے کہ بیٹھے بٹھائے ایک برفانی طوفان سے جان چھوٹ گئی اور اچھی خاصی رقم بھی ہاتھ آ گئی۔ ازاں بعد ان کی یہ خوشی اس وقت پچھتاوے میں بدل گئی جب اسی الاسکا کے برفانی پہاڑوں اور چٹانوں میں مختلف دھاتوں کا سراغ ملا۔ سب سے اہم اور حیران کن بات یہ تھی کہ اس خطے میں سونے کے وسیع ذخائر دریافت ہوئے تھے۔ یہ دریافت اٹھارہ سو چھیانوے عیسوی میں ہوئی۔ سونے کے ذخائر پر مشتمل یہ علاقہ ''کلون ڈائیک ریجن'' کہلاتا ہے۔ الاسکا نامی اس وسیع و عریض برف خانے کو تین جنوری انیس سو انسٹھ عیسوی میں باقاعدہ امریکا کی ریاستوں میں شامل کیا گیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا میں اس کا نمبر انچاسواں ہے۔ امریکا کی پچاسویں ریاست ''ہوائی'' ہے جو انیس اگست انیس سو انسٹھ عیسوی ہی میں اس اتحاد میں شامل ہوئی۔

الاسکا کا دارالحکومت ''جون آ'' نامی شہر ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ آباد شہروں میں اینکریج' فیئر بینکس' سیوارڈ' ہومر اور ٹاکیٹنا ہیں۔ اینکریج سب سے بڑا شہر ہے جس کی آبادی لگ بھگ تین لاکھ ہے۔ جو پورے الاسکا کی آبادی کا تقریباً نصف ہے۔ اینکریج کا رقبہ ایک ہزار' چھے سو ستانوے مربع میل ہے جب کہ مکمل الاسکا چھ لاکھ' چھپن ہزار' چار سو چوبیس مربع میل پر مشتمل ہے جس میں گھنے جنگلات' ہموار اور پہاڑی زمین' برفانی تودے اور پانی کی سطح پر تیرتی میلوں لمبی چوڑی ..... برف ہی کی مضبوط چٹانیں سب شامل ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق امریکا کی اس ریاست میں بسنے والے پچھتر اعشاریہ پانچ فی صد سفید فام' چار اعشاریہ ایک فی صد سیاہ فام' پندرہ اعشاریہ چھے فی صد اسکیموز' تین اعشاریہ چھے فی صد ایشیائی اور ایک اعشاریہ دو فی صد دوسرے لوگ شامل ہیں۔

ہمیں اپنے ساتھ لے کر جانے والی وہ اسٹیشن ویگن تیز رفتاری سے اپنی منزل کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اگلی نشست پر ڈرائیور کے ساتھ وہی امریکی یہودی براجمان تھا جو اب تک مجھ سے گفتگو کرتا آیا تھا۔ اس شخص کی شخصیت میں بڑی شدت اور سفاکی پائی جاتی تھی۔ ہمارے عقب والی نشست پر بیٹھے ہوئے دو افراد بھی بالکل خاموش تھے۔ وہ چاروں بظاہر ہماری جانب سے غافل نظر آ رہے تھے لیکن میں جانتا تھا وہ ہم پر اس قدر متوجہ تھے کہ خود اپنے آپ سے غافل ہو چکے تھے اسی لیے ویگن کے اندر سناٹے کا راج تھا۔

ائر پورٹ سے نکلنے کے بعد ویگن جلد ہی اسپنارڈ روڈ پر آ گئی پھر کچھ فاصلے طے کر لینے کے بعد وہ ''بیسٹ ویسٹرن ہیرٹ اِن'' کے پاس سے بائیں جانب مڑ گئی۔ چند چھوٹی اسٹریٹ میں گردش کرنے کے بعد ہم ایک عظیم الشان عمارت میں داخل ہو گئے۔

طویل اور کشادہ ڈرائیوے پر کہیں بھی ویگن کو روکا نہیں گیا اور ہمارے سفر کا اختتام ایک بند دروازے پر ہوا۔ وہ کسی گیرج کا دروازہ معلوم ہوتا تھا۔ گاڑی کے اندر ہی سے کوئی میکانزم استعمال کیا گیا اور وہ شٹر نما دروازہ اوپر اٹھ گیا۔ قبل ازیں اس عمارت کے مین گیٹ کو بھی ایسے ہی کسی میکانزم سے کھولا گیا تھا۔ ویگن ایک کشادہ ہال میں داخل ہوئی تو ہمارے عقب میں وہ شٹر دوبارہ بند ہو گیا۔

میں اب تک خاموش بیٹھا تھا حالانکہ میری قوتِ گویائی سلامت تھی۔ میں نے جہاز کے اندر اس طوطے کی چونچ والے یہودی سے خاصی تلخ کلامی بھی کی تھی۔ میں اس موقع پر چپ نہ رہ سکا اور اسی شخص سے پوچھ بیٹھا۔ میں نے اظہار کے لیے انگریزی زبان کو وسیلہ بنایا تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا!

''کیا ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے؟''

اس دراز قامت چٹی چمڑی والے نے ٹھہری ہوئی نگاہ مجھ پر ڈالی تاہم زبان سے کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر میں دنیا جہاں کی سرد مہری سمٹی ہوئی تھی۔ میں پلک جھپکتے میں سمجھ گیا' اب مجھے کسی سوال کا جواب نہیں ملے گا۔

میں نے اس کے باوجود بھی اتمامِ حجت جاری رکھا ''کیا ویگن میں بیٹھتے ہی تم گونگے ہو گئے ہو؟'' میرا مخاطب وہی امریکی تھا' ''ادھر جہاز میں تو تم نے ''ٹیں ٹیں'' لگا رکھی تھی!''

میرے لہجے سے ہویدا حقارت اور طنز کو وہ خاموشی سے پی گیا اور دروازہ کھول کر ویگن سے اتر گیا۔ باقی تین افراد بھی ویگن سے باہر چلے گئے۔ ایک ہم دونوں ہی ایسے محتاج تھے کہ اپنی مرضی سے جنبش نہیں کر سکتے تھے۔ ساحل کی حالت تو مجھ سے بھی زیادہ گئی گزری تھی۔ مجھے وہ بولنے کی قوت سے بھی محروم نظر آئی۔ پتا نہیں ان ظالموں نے اس کے ساتھ کون سا ہاتھ کیا تھا!

میں حتی الوسع کوشش کر کے اس ہال کا جائزہ لینے لگا جہاں وہ ویگن پہنچ کر رکی تھی۔ ویگن ہال کے وسط میں کھڑی تھی۔ وہ تینوں افراد اور ان کا ڈرائیور تھوڑی دیر تک مختلف کوششوں میں مصروف رہے پھر ویگن کے قریب دو کرسیاں پہنچا دی گئیں۔ وہ وہیل چیئرز سے مشابہ کرسیاں تھیں۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ اب ہمیں ویگن سے باہر نکالا جانے والا تھا۔

میرا اندازہ درست ثابت ہوا اور یکے بعد دیگرے ان لوگوں نے سہارا دے کر ہمیں ویگن سے نکالا اور کرسیوں پر بٹھا دیا۔ طوطے کی چونچ جیسی ناک والا امریکی ڈرائیور کے ساتھ کسی اندرونی کمرے میں غائب ہو گیا جب کہ دوسرے دو افراد ہماری نگرانی کے لیے ہال میں موجود رہے۔ وہ بہ ظاہر غیر مسلح دکھائی دیتے تھے تاہم مجھے یقین تھا' انہوں نے اپنے لباس کے اندر خطرناک ہتھیار ضرور لگا رکھے ہوں گے۔ ویگن کا انجن بہ دستور اسٹارٹ تھا حالانکہ اس ہال میں خوشگوار حرارت موجود تھی۔ میں نے سن رکھا تھا' الاسکا جیسے برفیلے علاقوں میں اگر کھلی جگہ پر تھوڑی دیر کے لیے رکنے کی ضرورت محسوس ہو تو گاڑی کے انجن کو سوئچ آف نہیں کیا جاتا ورنہ پھر گاڑی بھی اسی ٹھنڈک کا حصہ بن کر اسٹارٹ ہونے کا نام نہیں لیتی۔ سوئچ آن کی ہر کوشش ناکامیاب ہو کر رہ جاتی

ہے۔

میرے ذہن نے کہا ان افراد سے تھوڑی تفریح لینا چاہئے۔ میں نے ان میں سے ایک کی آنکھوں میں جھانکا اور سوال کیا ''مسٹر! تمہارا نام کیا ہے؟''

وہ کسی سنگی بت کے مانند مجھے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

میں نے ایک اور کوشش کی اور تیکھے لہجے میں کہا ''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم لوگ مجھے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو۔ احتیاط کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے' پوری امریکی قوم کا اعتماد کہیں گم ہوگیا ہو!''

اس کی آنکھوں میں تحیر کی پرچھائیں لہرائی۔ پتا نہیں وہ میری جرأتِ گفتار کا اثر تھا یا میرے سوال نے اسے چونکنے پر مجبور کردیا تھا۔ میں نے سوچا' اس موقع پر بات کو آگے بڑھانا چاہئے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں ایک واضح استفسار پڑھ لیا تھا۔

میں نے کہا ''اس جگہ پر اچھی خاصی حرارت موجود ہے' اس کے باوجود بھی تم لوگوں نے ویگن کا انجن اسٹارٹ حالت میں چھوڑ دیا ہے۔ پتا نہیں، آپ لوگ مجھ سے اتنے خوف زدہ کیوں ہیں۔ کیا میں کوئی جن ہوں جو تم کو کھا جاؤں گا؟''

میں اسے اکسانے اور تاؤ دلانے کی کوششیں کررہا تھا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

میں نے ایک اور وار کیا ''آپ لوگوں نے اپنی سائنسی ترقی کے طفیل ہمیں اس قابل نہیں چھوڑا کہ ہم اپنی مرضی سے حرکت کرسکیں اس کے باوجود بھی تم لوگ ہماری طرف سے بہت محتاط ہو۔ کیا یہ تمہارے طاقتور اختیار کا شرمناک مظاہرہ نہیں؟''

وہ جی ہی جی میں بل کھا کر رہ گیا لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ میں نے دوسرے شخص کی طرف دیکھتے ہوئے ایک اور وار کیا۔

''مجھے تو یوں محسوس ہورہا ہے' الاسکا کے موسم نے تم لوگوں کے جذبات کو بھی فریز کرکے رکھ دیا ہے جو میری تلخ باتیں بھی تمہارے خون میں ابال نہیں لارہیں۔ تم دونوں جس بے غیرتی اور بے حسی کا مظاہرہ کررہے ہو' وہ یاد رکھنے کے قابل ہے!''

اس شخص کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ میں بڑی صاف انگلش میں اسے غصہ دلانے والی باتیں کررہا تھا۔ ایک قیدی اور مجرم شخص جو کسی نقل وحرکت کے قابل بھی نہ ہو، کی زبان سے اس قسم کی زہریلی باتیں سن کر ان دونوں کے دماغوں کا جو حشر ہوا ہوگا' اس کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا تاہم ان میں سے کسی نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی۔ شاید انہیں اسی قسم کی ہدایات دی گئی تھیں۔

میں مزید تھوڑی دیر تک اسی نوعیت کی چھیڑ خانی میں مصروف رہا پھر مجھے یہ سلسلہ موقوف کرنا پڑا کیونکہ طوطا مار کا ناک والا یہودی واپس آگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مجھے ایک باکس نظر آیا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ کوئی فرسٹ ایڈ باکس تھا۔ ازاں بعد میرے اس اندازے کی تصدیق بھی ہوگئی۔

اس شخص نے وہ باکس کھولا اور ایک انجیکشن تیار کرنے لگا۔ میں سمجھ گیا وہ انجیکشن ہمارے لیے تیار کیا جارہا تھا۔ پتا نہیں اب مزید وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ میرے بدن کے بیدار حصوں میں ایک گہری تشویش دوڑ گئی۔ شاید یہی حال ساحل کا بھی ہوا ہوگا۔

ڈسپوزبل سرنج میں کوئی سیال بھرنے کے بعد وہ شخص ساحل والی وہیل چیئر کے نزدیک آگیا۔ ساحل کسی پروگرائڈ روبوٹ کے مانند بے حس وحرکت بیٹھی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوما میں چلی گئی ہو یا پھر شوکیس میں سجے کسی اسٹیچو کی بھرپور اداکاری کررہی ہو۔

سرنج بردار سفاک شخص نے لباس کے اوپر ہی سے ساحل کے بازو میں وہ انجیکشن دے دیا۔ سوئی کی چبھن پر ساحل کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اس کے ہونٹوں سے کوئی سسکاری خارج ہوئی اور نہ ہی چہرے پر کوئی تاثر ابھرا۔

سرنج میں بھری ہوئی دوا ساحل کے جسم میں انجیکٹ ہوچکی تو اس شخص نے وہاں موجود دو افراد میں سے ایک کو مخصوص اشارہ کیا۔ مذکورہ شخص خاموشی سے آگے بڑھا اور ساحل والی وہیل چیئر کو دھکیل کر ایک طرف لے جانے لگا۔ میں خاموشی سے وہ تماشا دیکھنے پر مجبور تھا۔ میں نہیں جانتا تھا' اگلے مرحلے پر ساحل کے ساتھ کیا ہونے والا تھا اور یہ نہ جاننا ہی میری تشویش کا باعث تھا۔

میری نگاہ ساحل والی وہیل چیئر پر جمی ہوئی تھی۔ وہ شخص چیئر کو دھکیلتے ہوئے ایک دروازے کے قریب لے گیا پھر دروازہ کھول کر وہ ساحل سمیت کسی کمرے میں داخل ہوگیا۔ میں اس کمرے کے اندرونی منظر کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ کوئی آپریشن تھیٹر بھی ہوسکتا تھا اور ڈریسنگ چیمبر بھی!

اچانک میری سوچ کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ میں نے اپنی گردن میں کسی سوئی کو اترتے محسوس کیا تھا۔ وہ میرے جسم کا بیدار حصہ تھا' لہٰذا تکلیف کا احساس لازم تھا تاہم میں نے اپنے چہرے سے ایسا کوئی تاثر نہ دیا جس سے میری کمزوری یا خوف جھلکتی ہو۔ میں ان مکار یہودیوں کے سامنے سینہ تان کر رہنا چاہتا تھا۔

انجیکشن کی تکمیل کے بعد میری وہیل چیئر میں بھی حرکت پیدا ہوئی' دیکھتے ہی دیکھتے میں اس ہال کی ایک دیوار کے پاس پہنچا دیا گیا۔ ہمارا یہ مختصر سا سفر ایک دروازے پر ختم ہوا۔ ایسے ہی ایک دروازے میں ساحل کو داخل کیا گیا تھا۔ تاہم یہ وہ دروازہ نہیں تھا۔ ہم دونوں کو دو مختلف سمتوں میں روانہ کیا گیا تھا۔

پتا نہیں اسے جدائی کہا جاسکتا ہے یا نہیں! جدائی کے لیے ملن کی شرط ہے، ملن کے بعد ہی جدائی کا مرحلہ آتا ہے۔ جہاز کے اندر اور پھر ویگن میں ہم دونوں کا جو مضحکہ خیز اور عبرت انگیز ملن ہوا تھا اس کے بعد جدائی کا تصور بے معنی ہوکر رہ جاتا تھا۔

میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ میری وہیل چیئر ایک کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی کمرے کا دروازہ بند ہوگیا۔ میں نے کمرے کے ماحول پر نظر ڈالی تو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ وہ ایک کشادہ واش روم تھا۔ مجھے وہاں پہنچانے والا شخص واش روم کا دوسرا دروازہ کھول کر خاموشی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوگیا۔ میں واش روم میں تنہا رہ گیا۔

تنہائی بڑے انوکھے خیالات کو جنم دیتی ہے۔ میں نے سوچا کیا ساحل کو بھی کسی ایسے ہی واش روم میں پہنچایا گیا ہوگا؟ اگر اس سوال کا جواب ''ہاں'' میں تھا تو پھر ایک نیا سوال اٹھتا تھا..... ''کیوں؟''

واش روم پاکیزگی اور طہارت کے کام آتا ہے۔ نہادھو کر ہم اپنے جسم کو صاف ستھرا کرتے ہیں۔ اس واش روم میں بھی صفائی ستھرائی کے سارے لوازمات موجود تھے بلکہ وہ حد سے زیادہ ماڈرن باتھ روم تھا۔ باتھ ٹب وشاورز کے علاوہ وہاں اسٹیم باتھ کا بھی مکمل بندوبست نظر آرہا تھا۔ میں بہ غور وہاں کی ایک ایک شے کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک مجھے چونک جانا پڑا۔

واش روم کا وہ دروازہ کھلا، مجھے یہاں پہنچانے والا جہاں سے رخصت ہوا تھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ نظارہ سانس کی آمد وشد کو روکنے کے لیے کافی تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے بدن کا سارا خون کن پٹیوں پر ٹھوکریں مارنے لگا ہو۔ دو کڑکتی ہوئی بجلیاں کھلے ہوئے دروازے میں نمودار ہوئیں اور اگلے ہی لمحے دروازہ ایک مرتبہ پھر بند ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں بجلیاں بھی واش روم میں بند ہوگئیں۔ ان میں سے ایک توے سے زیادہ سیاہ اور دوسری چاندی سے زیادہ سفید تھی!

میں نے اپنے جسم کے مختلف حصوں میں پھریری سی محسوس کی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے بدن کے خوابیدہ حصے بیدار ہورہے ہوں' ان میں ایک نئی زندگی دوڑنے لگی ہو۔ پتا نہیں یہ گردن پر لگنے والے اس انجیکشن کا اثر تھا یا ان کڑکتی بجلیوں کا کرنٹ! میں بڑی خوشگوار حیرت سے یک ٹک انہیں تکے جارہا تھا۔ سیاہ وسفید ایک ہی صف میں آن کھڑے ہوئے تھے۔ کیا صف بندی تھی!

وہ دونوں کمر پر ہاتھ رکھے پہلو بہ پہلو کھڑی تھیں اور کسی کمان کے مانند تن کر کھڑی تھیں۔ ان کی خوب صورتی اور حسن وجمال میں کوئی کلام نہیں تھا۔ بدن کی شادابی اور کشش بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہ اس وقت محض اٹرگارمنٹس میں تھیں' جیسے الاسکا میں نہ ہوں بلکہ یورپ کے کسی گرم ساحل پر سن باتھ کے ارادے سے نکلی ہوں!

اس وقت ان کے ارادے مجھے بڑے خطرناک نظر آرہے تھے۔ وہ مجھے دیکھتے ہوئے زیرِلب مسکرا بھی رہی تھیں۔ ان کے زندہ و پائندہ لبوں پر بھی یہ معنی خیز مسکراہٹ مجھے گہری تشویش میں مبتلا کررہی تھی۔ وہ بلیک اینڈ وہائٹ کا ایک حسین اور سنگین سنگم تھیں۔

میں نے جلدی سے اپنی سوچ کو سنبھالا' حواس کو ان کے رعبِ حسن سے نکالا اور یکے بعد دیگرے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شستہ انگریزی میں سوال کیا۔

''تم دونوں کون ہو؟''

جواب دینے سے پہلے انہوں نے بڑی تیکھی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر کالی حسینہ نے ایک ادا..... سے اپنے کھلے گیسوؤں کو جوڑے کے انداز میں سمیٹتے ہوئے خالصتاً امریکی لب ولہجے میں کہا۔

''ہم تمہاری خادمائیں ہیں۔''

اس کے اس والہانہ جواب نے میرے بدن میں سنسناہٹ سی جگادی۔ میں نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا ''یہ اگر مذاق ہے تو بس ہوچکا۔ مجھے تم لوگوں سے کسی قسم کی کوئی خدمت نہیں کرانا۔''

''یہ تو ہم جانتے ہیں' ہمیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا!'' سفید فام آفت بڑی سنجیدگی سے بولی اور میری جانب قدم بڑھادیے۔

اماوس کی رات اٹھلاتے ہوئے ہاتھ ٹب کی طرف چلی گئی۔ گویا انہوں نے کسی کارروائی کا آغاز کردیا تھا۔ مکھن ملائی اور برف کی سنگاشی سے پروان چڑھنے والی امریکی حسینہ میرے نزدیک آئی تو میں نے بڑے واضح اور دوٹوک الفاظ میں کہا۔

''مجھے چھونے کی کوشش نہ کرنا۔ مجھ سے دور رہو!''

''کیوں!'' وہ آنکھیں گھماتے ہوئے بولی ''تمہیں چھونے سے کرنٹ لگتا ہے کیا؟''

بے اختیار میرے ہونٹ مسکرا اٹھے۔ اس نے بات ہی ایسی کی تھی۔ سمندر' قطرے سے پوچھ رہا تھا' کہیں مجھے اپنے اندر غرقاب تو نہیں کردو گے؟ وہ کم بخت کسی تھیرمل پاور اسٹیشن سے کم نہیں تھی اور بڑی حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ میں اسے کرنٹ تو نہیں ماردوں گا!

میں نے اپنی سنجیدگی کو واپس لاتے ہوئے اس سے کہا ''مجھے تم دونوں کے ارادے ٹھیک نظر نہیں آرہے۔ سچ سچ بتاؤ میرے ساتھ کیا کرنے والی ہو؟''

''تمہیں بتایا ہے نا' ہم تمہاری خدمت کرنے آئے ہیں۔''

''کیسی خدمت؟'' میں اس کے تیور دیکھ کر بوکھلا گیا۔

''ہم تمہیں ایک شاندار اور یادگار باتھ دیں گے!'' وہ بڑے گھلے ڈلے انداز میں بولی۔

میری بوکھلاہٹ میں مزید اضافہ ہوگیا کیونکہ اس نے میرے لباس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ میرے لیے یہ صورتِ حالات بڑی واہیات تھی۔ بے ساختہ میں نے مدافعت میں اس کے ہاتھ کو روکنا چاہا۔ اس ''چاہنے'' کا مطلب یہی تھا' میں نے اپنے ہاتھوں کو جنبش دینے کی کوشش کی تھی لیکن افسوس کہ وہ بے حس و حرکت ہی رہے۔ اس کے بیاتھ ہی میرا وہ اندازہ بھی غلط ہوگیا کہ گردن پر لگنے والے انجیکشن کے اثر سے میرے جسم کے خوابیدہ حصے بیدار ہونے لگے تھے۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے اپنے بدن میں جو تحریک محسوس کی تھی اس کا تعلق تصور اور تخیل سے تھا۔ درحقیقت میری سوچ میں ہل چل مچی تھی جس نے جذبات کو ایک نئی انگڑائی لینے پر مجبور کردیا تھا اور اس خوش گوار تغیر کا سبب وہی دو بجلیاں تھیں جن کے چبھتے چلاتے بلیک اینڈ وہائٹ جلوے نے میرے احساس میں انتشار پیدا کردیا تھا۔ انہیں دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا' رات اور دن ایک ساتھ کسی وادی میں اتر آئے ہوں!

میں کسی قسم کی رکاوٹ یا مدافعت پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا تاہم منہ میں زبان ضرور رکھتا تھا۔ میں نے وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے اس حسینہ سے استفسار کیا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

میرے لباس کی جانب بڑھتے ہوئے اس کے ہاتھ رک گئے۔ منہ بگاڑ کر ٹیڑھے لہجے میں بولی ''کام بتادیا' یہی کافی ہے۔ نام پوچھ کر کیا کرو گے؟''

''اتنی سنگ دل نہ بنو روٹی!'' بلیک بیوٹی نے باتھ ٹب کے پاس کھڑے کھڑے اپنی ساتھی کو مخاطب کیا ''بے چارہ کتنی محبت سے پوچھ رہا ہے۔ نام بتادو گی تو تمہارا کیا چلا جائے گا؟''

میرے سامنے کھڑی گوری نے کہا ''تم نے مجھے مخاطب کرکے نام تو ظاہر کر ہی دیا ہے۔ میرے بتانے نہ بتانے سے کیا فرق پڑتا ہے روزی!''

بات ختم کرتے ہی اس نے بے پروایانہ انداز میں کندھے اچکادیے۔

بلیک قوئین ٹب کے پاس سے ہٹ گئی اور ہماری جانب قدم بڑھاتے ہوئے اپنی ساتھی سے بولی ''تو گویا تم نے حساب برابر کردیا۔ ایک سینٹ اوپر نیچے نہیں ہونے دیتی ہو روٹی!''

ان کی باہمی نوک جھوک نے مجھے ان کے نام سے آشنا کردیا۔ سیاہ حسن کا نام روزی تھا۔ اگر وہ روزی تھی تو پھر اسے ''بلیک روز'' کہنا زیادہ مناسب تھا۔ سیاہ گلاب بھی اپنے اندر اسی قسم کا پُراسرار حسن رکھتا ہے۔ روزی کی ساتھی روٹی اپنے حسن کی چمک دمک کے باعث وہائٹ گولڈ کو شرماتی تھی۔ دونوں اپنے اپنے فیتر میں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔

پتا نہیں، یہ قدرت کا کیسا حسین مذاق تھا۔ میں اس وقت پردیس میں اپنے دشمنوں کے رحم و کرم پر تھا۔ ان نامساعد حالات میں اس نے میرے لیے بڑی سنگین روزی روٹی کا بندوبست کردیا تھا!

میری نگاہ نے ان دونوں کے بیچ سے راستہ نکالا اور جا کر باتھ ٹب پر ٹک گئی۔ ٹب کو تیار کردیا گیا تھا۔ اس میں ایک مناسب سطح تک پانی بھرا ہوا تھا۔ پانی کی سطح پر بلبلے دار جھاگ کی حکم رانی تھی۔ گویا بلیک قوئین نے میرے باتھ کے لوازمات یک جا کردیے تھے۔ میری نگاہ اگلے ہی لمحے واپس لوٹ آئی۔

روزی (ROSY) نے سوالیہ نظر سے روٹی (ROTY) کو دیکھا اور بولی ''پروگرام شروع کریں؟''

''پہلے اسے ڈریس آؤٹ کرنا ہوگا۔'' روٹی نے میرے سینے کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' روزی بے پروائی سے بولی ''یہ کام ٹب کے اندر بھی ہوسکتا ہے۔''

پھر انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا اور بڑی مستعدی سے میری جانب ہاتھ بڑھائے۔ روٹی میرے عقب میں پہنچی اور میری بغلوں میں اپنے سڈول بازو ڈال دیے۔ روزی نے اپنی صندل بانہوں کو میری پنڈلیوں کے گرد حائل کرکے ٹانگوں کو مضبوط شکنجے میں جکڑ لیا۔ میرے پاؤں کے نیچے ایک گداز رکاوٹ کے سامنے سرنگوں ہوگئے۔ دوسری جانب روٹی نے میری پیشانی کو اپنی ٹھوڑی کے نیچے دبا رکھا تھا۔ ان آفت زادیوں کی گرفت میں بڑی جان تھی' جکڑ میں بڑی شان تھی اور پکڑ میں بڑی آن تھی۔

انہوں نے آن واحد میں میرے جسم کو ایک جھٹکا دیا اور کرسی سے باہر نکال لیا۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے مجھے اٹھا کر اس کنگ سائز ٹب میں پھینک دیا۔ ان کے اس عمل میں بڑی مہارت اور تجربہ کاری تھی۔ وہ مار دھاڑ سے بھرپور شاہکار تھیں۔

وہ ٹب کسی ڈبل بیڈ کے سائز کا تھا جس میں بہ یک وقت تین چار افراد بہ آسانی باتھ لے سکتے تھے۔ مجھے باتھ ٹب میں پہنچانے کے بعد وہ دونوں بھی اندر اتر آئیں۔ ٹب میں بھرا ہوا پانی بڑے مناسب درجۂ حرارت کا تھا' جسم کو گدگدا دینے والا۔ اس پانی میں داخل ہوتے ہی مجھے ایک راحت ہی محسوس ہوئی' بدن کو ایک نئی زندگی ملنے لگی۔ پھر وہ دونوں خادمائیں میری خدمت گزاری میں جت گئیں۔

میں ایک ننھا بچہ بن کر رہ گیا تھا۔ میرے جسم کے وہ اعضا جو میرے تابع نہیں رہے تھے وہ ان جادوگرنیوں کے اشاروں پر ناچ رہے تھے۔ انہوں نے گداز اسفنج کی مدد سے خوب مل مل کر مجھے دھویا اور دھو دھو کر نہلایا۔ میں کسی فرماں بردار بچے کے مانند ان کے ہاتھوں کا کھلونا بنا رہا۔ دس پندرہ منٹ بعد وہ بالآخر مجھے غسل سے نمٹ لیں۔

اس شان دار غسل نے مجھے ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ انہوں نے نہایت ہی خدمت گزار خادماؤں کی طرح مجھے ڈریس اپ کردیا۔ یہ وہ لباس نہیں تھا جو غسل سے پہلے میرے بدن کا پہناوا بنا ہوا تھا۔ روزی اور روٹی نے باہمی امداد سے مجھے دوبارہ کرسی پر بیٹھا دیا۔ میں ایک مرتبہ پھر وہیل چیئر کا مہمان بن گیا۔

انہوں نے مجھ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ شاید وہ اپنی کارکردگی کا تنقیدی جائزہ لے رہی تھیں۔ مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور ''بائے'' کرنے والے انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے واش روم سے نکل گئیں۔

اگلے پانچ منٹ میں میری وہیل چیئر کو دوبارہ اسی ہال میں پہنچا دیا گیا جہاں اسٹیشن ویگن آکر رکی تھی۔ ساحل اپنی وہیل چیئر پر پہلے سے وہاں موجود تھی۔ میں اسے دیکھ کر چونک اٹھا۔ اس کے جسم پر بھی وہ پہلے والا لباس نظر نہیں آرہا تھا۔ یقیناً اسے بھی ایک وارم باتھ سے گزارا گیا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ نکھری دکھائی دیتی تھی۔ اس کے نکھار میں ایسی کشش تھی کہ دل خواہ مخواہ اس کی طرف لپکتا تھا۔ اسے پکڑنے اور محسوس کرنے کو جی چاہتا تھا لیکن.....

لیکن کے بعد سوچ کے پُرپُرزے پھرانے لگتے تھے' خیال کی پرواز تھم جاتی اور ایک اذیت ناک بے بسی جذبات کے غبار کو اپنے حصار میں لے لیتی۔ میری درجنوں ترسی ہوئی راتوں اور گرسنوں سلگتے ہوئے دنوں کے انتظار کے بعد وہ مجھے دیکھنے کو ملی تھی اور ایسے ملی تھی کہ بیان سے باہر! ہمارا یہ ملن' جدائی سے زیادہ تڑپانے والا تھا' بدن میں نشتر اتارنے والا' روح پر کوڑے برسانے والا!

اچانک ایک خیال نے مجھے لرزا کر رکھ دیا۔ میں نے خطرناک انداز میں سوچا..... کیا ساحل کو بھی میرے ہی طریقے سے نہلایا گیا ہوگا؟ اس سوال کے عقب میں ایک اور سوال سر اٹھائے کھڑا تھا۔ اگر مجھے دو حسینا ؤں نے غسل کرایا تھا تو کیا ساحل کو دو مردوں نے باتھ کرایا تھا.....؟ ایک سیاہ فام اور دوسرا سفید فام؟ اور کیا وہ دونوں بھی روزی اور روٹی کی طرح مختصر جانگیے میں تھے؟ انہوں نے بھی اسی شدت سے ساحل کو اٹھا کر کسی ٹب میں پھینکا ہوگا!

میں ان ہولناک سوالات کے جواب ڈھونڈنے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اس تصور نے کہ میری ساحل کو دشمن ہاتھوں نے چھوا ہوگا' مجھے بے حال کردیا۔ اس کے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں' میں سوچنے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ خون میری رگوں کے اندر اچھل کر رہ گیا۔

اسی لمحے وہ طوطے کی چونچ والا یہودی اس ہال میں نمودار ہوا۔ میں اس سے بہت سارے سوالات کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے ڈھیروں کیا' مجھے ایک سوال کرنے کا موقع نہ دیا۔ وہ وہاں پہنچتے ہی اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اگلے ہی لمحے مجھے اپنی گردن کے نزدیک کسی سوئی کی چبھن محسوس ہوئی۔ یقیناً مجھے کوئی انجیکشن دیا گیا تھا۔ غسل کے بعد میں خاصا ہلکا پھلکا ہو چکا تھا' اس انجیکشن کے بعد مجھے یوں لگا' میرا جسم روئی کا گالا بن گیا ہو۔ میں خود کو فضا میں اڑتا ہوا محسوس کرنے

لگا..... نشے میں چور کسی آوارہ بادل کی طرح!

ساحل کے بازو میں بھی ایک انجکشن دیا گیا' پھر ہمیں دوبارہ اسی اسٹیشن ویگن میں سوار کرایا گیا۔ ایک مرتبہ پھر ہمارا سفر شروع ہوگیا تاہم اس بار ہمیں عقبی نشست بخشی گئی تھی۔ ہم دو تنکے جسموں کے مانند چپ چاپ اور ساکت بیٹھے تھے۔ ہم دو ایسے پڑوسی تھے جو کسی شدید جھگڑے کے بعد اپنا جینا مرنا الگ کر چکے تھے!

میں نہیں جانتا تھا' ہمارا یہ ناتمام سفر کہاں جا کر تمام ہوگا! میں یہ جان بھی کیسے سکتا تھا۔ میں تو اس وقت خود اپنے آپ کو بھول رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں فضائے بسیط میں کہیں گم ہو رہا ہوں' ایک اتھاہ خلا میں تحلیل ہو رہا ہوں۔ میں قطرہ قطرہ پگھل رہا تھا اور ذرہ ذرہ بکھر رہا تھا۔ شاید میں ہوش و خرد سے بہت دور بے خبری کی کسی وادی میں اتر رہا تھا۔

میری آنکھوں نے اس کیفیت میں جو آخری منظر دیکھا' وہ ویگن کے ڈیش بورڈ کا منظر تھا' جہاں اسپیڈ میٹر کے ساتھ ہی نارتھ کمپاس کا ڈائل بھی تھا۔ نارتھ کمپاس (قطب نما) کی سوئی بتا رہی تھی کہ ہم شمال کے شمال کی جانب گامزن ہیں۔

الاسکا تو پہلے ہی کرۂ ارض کے انتہائی شمال میں واقع تھا۔ پتا نہیں یہ شاطر یہودی ہمارے لیے اپنے ذہن میں کیا سوچے بیٹھے تھے۔ کہیں یہ لوگ ہمیں نارتھ پول پر لے جا کر پھینکنے کا ارادہ تو نہیں رکھتے تھے!

☆☆☆

آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک سنگلاخ کمرے میں پایا۔

میں حیرت اور دلچسپی سے اس کمرے کے در و دیوار کو دیکھنے لگا۔ در و دیوار کیا؟ وہاں تو چاروں طرف صرف دیواریں ہی نظر آ رہی تھیں' دروازے کا نام و نشان کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا البتہ ایک دیوار میں چھوٹی سی کھڑکی ضرور موجود تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

تبھی مجھے احساس ہوا کہ میں کسی گدے پر ہوں۔ وہ ایک چھوٹا سا اسپرنگ والا میٹریس تھا جس کی لمبائی پانچ فٹ اور چوڑائی محض دو فٹ تھی۔ مذکورہ میٹریس اس مختصر سے کمرے کی ایک دیوار کے ساتھ بچھا ہوا تھا۔ اس سنگلاخ کمرے کا سائز آٹھ ہائی آٹھ فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا' کسی پہاڑی کو بڑی مہارت سے تراش کر وہ کمرا وجود میں لایا گیا تھا۔

میں میٹریس سے نیچے اُتر آیا۔ اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس پتھریلے کمرے کی چھت کا اندازہ ہوا۔ فرش اور چھت کے درمیان بھی آٹھ فٹ سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ وہ ایک نیچی چھت والا کمرا تھا۔ میں تھوڑا سا اچک کر اس کمرے کی چھت کو چھو سکتا تھا۔ اس کمرے کے ایک کونے میں مجھے ایک چھوٹی سی چوبی میز بھی نظر آئی۔ میز پر پانی سے بھری ہوئی ایک بوتل رکھی تھی۔ یقیناً یہ پانی میرے ہی لیے تھا کیوں کہ اس کمرے میں میں ہی میں تھا' دوسرا کوئی نہیں تھا۔ لامحالہ میرا دھیان ساحل کی طرف چلا گیا۔

ہم دونوں کو ایک جیسے ''ٹریٹمنٹ'' سے گزارنے کے بعد ایک ساتھ اس اسٹیشن ویگن میں سوار کرایا گیا تھا۔ ویگن میں بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد میں انٹاغفیل ہوگیا تھا۔ میری آنکھ اس چھوٹے سے چٹانی کمرے میں کھلی تھی تو عین ممکن تھا ساحل کو بھی کسی ایسے ہی کمرے میں پہنچایا گیا ہو۔ بہرحال اسے مجھ سے الگ کر دیا گیا تھا۔

مجھے اپنی سوچ پر خود ہی ہنسی آ گئی۔ الگ کر دینے والی بات تو میں ایسے سوچ رہا تھا جیسے اس سے پہلے وہ میرے ساتھ تھی' میرے ہاتھ تھی!

میں کمرے کی واحد کھڑکی کے پاس آ گیا۔ وہ نہایت ہی مختصر اور عجیب و غریب کھڑکی تھی۔ اس کی کل پیمائش آٹھ ہائی دس انچ ہوگی۔ دس انچ چوڑی اور آٹھ انچ اونچی۔ کھڑکی کے نچلے حصے میں' چوڑائی کے رخ اسٹیل کی ایک انچ موٹی سلاخ نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہ تقسیم بھی سمجھ میں نہ آنے والی تھی۔ اس مضبوط سلاخ کی تنصیب نے کھڑکی کو ''ٹو ان ون'' بنا کر رکھ دیا تھا۔ نچلا پورشن دو ہائی دس انچ کا تھا جب کہ اوپر والا حصے ہائی دس انچ کا۔ یہ مخصوص قسم کی کھڑکی یقیناً کسی مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہی بنائی گئی تھی۔

میں کھڑکی کے نزدیک کھڑا اس کی تعمیر کے مقاصد پر غور کر رہا تھا کہ بائیں جانب دیوار میں مجھے ایک دراڑ سی نظر آئی۔ مذکورہ دراڑ دو دیواروں کے سنگم پر ایک کونے میں واقع تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس دراڑ کے اندر جھانکا۔ ایک فٹ کے اس خلا کے بعد مجھے ایک چھوٹا سا واش روم نظر آیا۔

وہ دراڑ درحقیقت ایک فٹ چوڑا اور چار فٹ طویل ایک تنگ سا راستہ تھی جس میں پہلو کے بل کھسکتے ہوئے مذکورہ باتھ روم تک پہنچا جا سکتا تھا۔ میں کھڑکی والی دیوار سے پشت ٹکا کر دھیرے دھیرے کھسکتے اور سرکتے ہوئے باتھ روم کے اندر پہنچ گیا۔ وہ تین ہائی تین فٹ کا ایک چوکور سا روم تھا جس میں ایک کونے میں کموڈ نصب تھا۔ دوسری جانب دیوار کے ساتھ واش بیسن لگا ہوا تھا۔ واش بیسن کے دائیں ہاتھ دیوار پر ٹشو رول بھی نصب تھا۔ ایک کونے میں چھوٹی سی ویسٹ بن بھی دکھائی دے رہی تھی حیرت انگیز طور پر اس باتھ روم میں مجھے کھڑکی یا دروازہ دکھائی نہ دیا۔ پتا نہیں وینٹی لیشن کا کیا بندوبست تھا۔ وہاں کسی قسم کی بدبو یا گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی۔ صابن' تولیا یا آئینہ نام کی کوئی شے وہاں نظر نہیں آتی تھی۔ میں نے اس واش روم کو ''گزارہ چلاؤ'' کا نام دیا اور واپس دیوار کے ساتھ سرکتے ہوئے اس کوٹھری نما چٹانی کمرے میں آ گیا۔

کمرے میں کسی دروازے کی غیر موجودگی نے مجھے الجھا کر رکھ دیا تھا۔ پتا نہیں اس کمرے میں آمد و شد کا کیا ذریعہ تھا۔ آخر انہوں نے مجھے بھی تو اس کمرے میں پہنچایا تھا!

ایسا سوچتے ہوئے مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ میں بے انتہا تعجب سے اپنے ہاتھ پاؤں کو دیکھنے لگا۔ میرے مذکورہ اعضا میرے تابع تھے اور میری مرضی کے مطابق حرکت کر رہے تھے۔ خدا جانے بیدار ہونے کے بعد میرا اس طرف دھیان کیوں نہیں گیا تھا؟ اسٹیشن ویگن میں بیٹھنے تک تو یہ بے حس و حرکت تھے۔ شاید یہ اس انجکشن کا اثر تھا جو وہاں سے اٹھاتے وقت میری گردن کے نزدیک دیا گیا تھا یا پھر یہ بھی ممکن ہے میرے دشمنوں نے مجھے اپنے ہاتھ پاؤں کا کرنے کے لیے کوئی اور ترکیب آزمائی ہو!

دشمن کبھی آسانیاں اور سہولتیں فراہم نہیں کرتا۔ اگر ان یہودیوں نے میرے جسم کو حرکت کے قابل بنا دیا تھا تو اس کا یقیناً مطلب تھا وہ کسی اور انداز میں مجھے پہلے سے بھی کہیں زیادہ پابند بنا چکے تھے۔ میں واپس میٹریس پر آ کر بیٹھ گیا اور اس محبس کے بارے میں سوچنے لگا۔

اس کوٹھری کا واحد روزن وہ مختصر سی کھڑکی تھی جس میں سلاخ کی مضبوط سلاخ نصب تھی۔ میں اس سلاخ کو جھنجوڑ کر اندازہ لگا چکا تھا' وہ دیوار میں بہت دور تک گھسی ہوئی تھی۔ اسے نکال کر باہر کرنا آسان کام نہیں تھا۔ بہ فرض محال اگر میں ''جی'' کی قوت کو آزما کر کھڑکی کو سلاخ سے فارغ کر بھی دیتا تو بھی آٹھ ہائی دس انچ کے خلا سے باہر نکلنا ناممکن تھا۔ گویا انہوں نے مجھے ''کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!'' والی آزادی دی تھی!

میں میٹریس پر نیم دراز ہوگیا۔ اس گدے پر پھیل کر لیٹنا ممکن ہی نہیں تھا۔ میری ٹانگیں گھٹنوں سے نیچے فرش پر جاتیں۔ اگر پاؤں کو گدے پر کرتا تو کندھے گردن سمیت فرش سے جا لگتے۔ یہ بڑی مضحکہ خیز صورتحال تھی۔ میں سٹ پٹا کر رہ گیا اور اپنے حالات پر غور کرنے لگا۔

ساحل کے حوالے سے ایک سوال ذہن میں جم کر بیٹھ گیا تھا۔ کراچی میں شعیب غوری اور پھر بعد میں طوطے کی چونچ جیسی ناک والے یہودی نے بھی اس بات پر زور دیا تھا کہ ساحل کسی بیش بہا خزانے کے راز سے واقف ہے جس کی روحانی اہمیت بھی ہے اور یہی بات مجھے ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔ میں ساحل کے بارے میں ایسا نہیں سوچتا تھا لیکن یہودی لابی کی سرگرمی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں اس سلسلے میں جتنا سوچ رہا تھا' اتنا ہی الجھتا چلا رہا تھا۔ میری سوچ اس کوٹھری کی پتھریلی دیواروں اور چھت سے ٹکرا کر واپس آ جاتی اور مجھے ہر حال میں ساحل ایک سیدھی سادی اور معصوم لڑکی نظر آتی۔ وہ لگتی تو اپنے حسن و شباب کے خزانے کا پوری طرح ادراک نہیں رکھتی تھی کسی ارضی یا سماوی خزینے سے کیا واقف ہوتی!

اچانک میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور سوچ کا کیمیرو والا سکا کی اس کوٹھری سے پرواز کر کے کھٹمنڈو کے مضافات میں پہنچ گیا۔ میری نگاہ اس کوٹھری کی چٹانی چھت پر ٹکی تھی لیکن تصور کی آنکھ سے میں پگوڈا نما بدھ نیل کنڈ کی عبادت گاہ کو دیکھ رہا تھا۔ تصور اور تخیل حیرت انگیز رفتار سے اڑان بھرتے ہیں اور پلک جھپکتے میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتے ہیں۔

کھٹمنڈو کے اس مضافاتی پہاڑی علاقے میں ناگ پال کے خوں خوار آدمی میرے تعاقب میں تھے۔ میں زخموں سے چور سما کو سنبھالتے' اپنی جان بچاتے ہوئے اس عبادت گاہ کی طرف نکل آیا تھا۔ ساحل عینی دھنو سے میری پہلی ملاقات اسی بدھ عبادت گاہ میں ہوئی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ وہاں رہتی تھی۔ ساحل (دھنو) کا باپ تھوبچی بدھ بھکشو نہیں تھا تاہم اس عبادت گاہ کا انتظام و انصرام اسی کے ذمے تھا۔ تھوبچی پندرہ سال پہلے اپنی بیوی بھیر جانی کی عزت بچاتے ہوئے اس عبادت گاہ تک پہنچا تھا جو ہزاروں سال سے دریا کے کنارے ایک کوہ کے دامن میں موجود تھی۔ یہ تمام واقعات تفصیل کے ساتھ میری داستان کے ابتدائی حصے میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

تھوبچی اور بھیر جانی نے نہ صرف ہمیں پناہ دی بلکہ میرے زخمی ساتھی سما کا حتی المقدور علاج بھی کیا۔ تھوبچی مجھ پر اندھا اعتماد کرنے لگا تھا۔ اس کے مطابق میں پراسرار شخصیتوں کا مالک ایک سچا انسان تھا۔ اسی اعتبار اور خیال کے نتیجے میں اس نے مجھے عبادت گاہ کے تہ خانے میں پوشیدہ ایک سربستہ راز سے بھی آگاہ کر دیا۔ میں اس کی معیت میں مختلف خفیہ اور پُراسرار راستوں سے گزر کر عبادت گاہ کے تہ

خانے میں پہنچا تھا جہاں مہاتما بدھ کا دس فٹ بلند سونے کا مجسمہ استادہ تھا جس کا گھیر کسی بھی طور پر پانچ فٹ سے کم نظر نہیں آتا تھا۔ اس حنوخانے اور وہاں تک پہنچنے والے طویل غار میں بھی جابجا سونے کی ڈلیاں پڑی تھیں۔ اسی طرح دیواروں پر بھی سونے کی مخصوص آب و تاب دکھائی دیتی تھی۔ میں اس حیرت کدے میں شش در کھڑا تھا۔ میں نے اتنا زیادہ سونا کسی ایک جگہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تھوتچی نے اس موقع پر مجھے بتایا کہ اس راز سے بہت کم لوگ واقف ہوتے ہیں۔ ہر دور کا دلائی لاما اور اس کے قابلِ اعتماد چند افراد۔ اس عبادت گاہ کی حفاظت کرنے والے شخص کو بھی دلائی لاما کا معتمد تصور کیا جاتا ہے۔ میں نے تھوتچی سے پوچھا تھا' وہ مجھے کیوں اس راز سے آگاہ کر رہا ہے؟ تو اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا تھا کہ میں بھی دلائی لاما کی نظر میں قابلِ اعتماد ہوں۔

کہیں یہ کم بخت یہودی اسی خزانے کی تلاش میں تو نہیں سرگرداں رہے تھے؟

یہ سوال اگرچہ بہت اہم تھا لیکن میں اس سے پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ ایک بیش بہا خزانہ تھا۔ اگر دلائی لاما کی نگرانی میں تھا تو اس کی روحانی حیثیت اور اہمیت بھی مسلم تھی مگر ساحل (دھنو) کو اس راز کے ساتھ نتھی کرنا سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اگر وہ لوگ اس خزانے کے وجود سے آگاہ تھے تو پھر یہ بھی ضرور جانتے ہوں گے کہ یہ راز صرف تھوتچی تک محدود تھا۔ اس نے اپنی بیوی یا بیٹی کو اس راز میں شریک نہیں کیا ہوگا..... اور تھوتچی اب اس دنیا میں باقی نہیں رہا تھا۔ ناگ پال کے وحشی بھیڑیوں نے تھوتچی اور بھیر جانی کو بہیمانہ انداز میں قتل کر دیا تھا۔

یہ بات صرف مجھ تک محدود تھی کہ مجھے دھنو کے ساتھ اس تہ خانے میں چھپنے کی ضرورت پیش آئی تھی اور میں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ پہلی مرتبہ اس جادو نگری میں اتری تھی۔ بہرحال وہ سونے کے اس راز سے واقفیت حاصل کر چکی تھی۔ اگر اس بنیاد پر یہودی لابی دھنو کی تلاش میں تھی تو پھر انہیں اتنی ہی شدت سے میری بھی ضرورت ہونا چاہئے تھی۔ اگرچہ اس وقت ہم دونوں ان کے قبضے میں تھے تاہم وہ لوگ اول آخر ساحل کو مجھ سے الگ تصور کر رہے تھے۔ اس کے معاملے کو مجھ سے جدا بیان کر رہے تھے۔ پتا نہیں یہ کیسا گورکھ دھندا تھا! میرا ذہن سوچ سوچ کر ٹکڑی کے جالے کی صورت اختیار کرنے لگا۔ اس سے پہلے کہ میں اس تارِ عنکبوت میں پھنس کر رہ جاتا' مجھے چونک جانا پڑا۔

باہر قدموں کی آواز ابھری تھی۔ یہ مخصوص چاپ اس کوٹھری کی اکلوتی کھڑکی کے راستے سے مجھ تک پہنچ تھی یقیناً کوئی شخص اس طرف آرہا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

میں نہیں جانتا تھا' اس کھڑکی کے پار کوئی راہ داری تھی یا کوئی ہال وغیرہ۔ ادھر سے مناسب روشنی کوٹھری کے اندر پہنچ رہی تھی تاہم اس روشنی کا ماخذ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اندر کا اجالا باہر کا رہینِ منت تھا۔ میں صبر و سکون کے ساتھ آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔

پھر کھڑکی میں مجھے اس کی صورت نظر آگئی۔ وہ رکا ایک لمحے کے لیے جھکا پھر سیدھا ہوگیا۔ مجھ سے نگاہ ملی تو اس نے کھڑکی کے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اس سے پہلے کہ میں میٹرلیس چھوڑتا' وہ ایک مرتبہ پھر جھک گیا۔

میں سبک قدموں سے کھڑکی کی جانب بڑھ گیا۔ وہ کھڑکی اس دیوار کے عین وسط میں نکالی گئی تھی۔ تین فٹ آٹھ انچ جگہ اوپر اور اتنی ہی جگہ نیچے تھی۔ میں کھڑکی کے نزدیک پہنچا تو جھکا ہوا شخص ایک بار پھر کھڑا ہو چکا تھا۔

وہ شکل و صورت سے کوئی امریکی ہی نظر آتا تھا۔ اس نے سکیورٹی گارڈ والی وردی پہن رکھی تھی۔ مجھے اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے نظر آئی۔ میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تو اس شخص نے کھڑکی کے زیریں پورشن سے وہ ٹرے میری جانب دھکیل دی۔ مطلب یہی تھا میں اس ٹرے کو تھام لوں۔

اس دیوار کی چوڑائی لگ بھگ دو فٹ تھی تاہم اسٹیل کی مضبوط سلاخ دیوار کے اندرونی کنارے کے قریب نصب کی گئی تھی تاکہ دیوار کی چوڑائی کا فائدہ صید کو نہیں بلکہ صیاد کو پہنچے۔ ٹرے سلاخ کے نیچے سے میرے ہاتھوں میں پہنچ چکی تو وہ شخص ایک دفعہ پھر جھکا۔ میں خاموش کھڑا' ٹرے تھامے اس کی کارروائی دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری اور زبان خاموش تھی۔

دو تین مرتبہ جھکنے اور اٹھنے کے بعد اس نے اپنی کارروائی مکمل کر لی۔ اس اٹھک جھٹک کے نتیجے میں کھانے پینے کی چند اشیا ٹرے میں منتقل ہوگئیں۔ وہ ان چیزوں کو ٹرے میں رکھ کر وہاں تک پہنچا تھا پھر ایک متاثر کرنے والے انداز میں کوٹھری میں مجھ تک پہنچا دیا تھا۔

میں نے ٹرے کو تھامے تھامے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا ''میں اس وقت کہاں ہوں؟''

توقع کے مطابق مجھے اس سوال کا جواب نہیں ملا۔ اس سیکیورٹی گارڈ نے بڑی سرد مہری سے مجھے گھورا اور اسی جانب

قدم بڑھا دیے جدھر سے وہ آتا تھا۔ میں ٹرے لے کر میٹرلیس آگیا اور کھانے پینے کے ان لوازمات کا جائزہ لینے لگا۔

ایک خوب صورت اور صاف ستھرے گلاس میں خوش بو دار لسی کافی تھی۔ ایک گوشت کی عجیب و غریب ڈش تھی۔ چند سلائس تھے۔ جام اور جیلی کے ساشے تھے اور دو ڈنر رول۔ یہ کانٹی نینٹل بریک فاسٹ کا ارینجمنٹ تھا۔

کسی بھی شے کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے میں نے اس تہ شدہ کاغذ کو اٹھالیا جو ڈنر رولز کے نیچے دبا ہوا تھا۔ سیکیورٹی گارڈ نے مجھ سے بات کرنا گوارا نہیں کیا تھا تو کیا ہوا! وہ لوگ شاید تحریری طور پر مجھ سے مخاطب ہو رہے تھے۔ میں نے تہ شدہ کاغذ کو کھولا اور پڑھنے لگا۔

نہایت سلیس انگریزی میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے لکھا گیا تھا ''مسٹر وجدان! یہ تمہارا ناشتا ہے۔ بے فکر ہو کر ہر شے کھا سکتے ہو۔ ہم نے کسی بھی آئٹم میں کچھ نہیں ملایا۔ تمہاری زندگی ہمیں بہت عزیز ہے کیونکہ تم ہمارے لیے مستقبل قریب میں بہت مفید ثابت ہونے والے ہو۔ آدھے گھنٹے بعد برنارڈ لیو تم سے ملاقات کریں گے لہٰذا کھا پی کر اچھی طرح فریش ہو جاؤ۔ تمہارا ذہنی اور جسمانی طور پر چاق چوبند رہنا نہایت ضروری ہے۔''

اس مختصر سی تحریر نے مجھے مخمصے میں ڈال دیا۔ اس تحریر کا مخاطب' الفاظ اور انداز سے دوستی جھلکتی تھی۔ کراچی سے ایئنکر بیج تک ہمارے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا وہ بدترین دشمنی کا غماز تھا البتہ ایئنکر بیج کی اس عالی شان عمارت میں ہمیں خصوصی ''ٹریٹ'' دیا گیا تھا۔ بہرحال یہ تحریر میری سمجھ سے باہر تھی۔ اغلب امکان یہی تھا کہ یہودی کوئی نہایت ہی خطرناک چال کے موڈ میں تھے۔ ان کا یہ تازہ ترین رویہ خاصا الجھا ہوا تھا۔ پتا نہیں یہ برنارڈ لیو کون تھا اور مجھ سے کس سلسلے میں ملاقات کرنے والا تھا۔ اس تحریر میں برنارڈ لیو کو جس عزت و احترام سے بیان کیا گیا تھا' اس سے تو یہی لگتا تھا وہ ان کا کوئی نہایت اہم آدمی تھا۔ وہ کوئی ربی وغیرہ بھی ہو سکتا تھا!

میں نے واش روم کا معائنہ کرنے کے دوران میں بیسن پر کھڑے ہو کر چند چھپاکے اپنے چہرے پر مار لیے تھے اور ہاتھوں کو بھی اچھی طرح دھو لیا تھا لہٰذا ناشتا شروع کرنے سے پہلے کسی تردد کی ضرورت نہیں تھی۔

اس وقت مجھے اچھی خاصی بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ ٹرے میں موجود سامانِ خورد و نوش اس بھوک کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا تاہم میں نے اس موقع پر بہت زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کیا۔ سالن کی ڈش کو تو میں نے بالکل ہاتھ نہیں لگایا۔ پتا نہیں وہ کون سے ایسے ویسے جانور کا گوشت تھا۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا' یہودی جانور کا جھٹکا نہیں کرتے باقاعدہ ذبح کر کے کھاتے ہیں' پھر بھی حالات ایسے نہیں تھے کہ میں آنکھیں بند کر کے اس پرچے کی تحریر پر بھروسا کر لیتا اگرچہ راقم الحروف نے اس سلسلے میں مجھے بڑی تسلی تشفی دی تھی۔

میں نے جام' جیلی' سلائس اور کافی پر اکتفا کیا۔ بعد میں مجھے پتا چلا' الاسکا میں بعض نہایت مثلاً معقول جانور بھی پائے جاتے تھے' موٹی کھال والی بڑے سائز کی بھیڑ' گائے بیل اور برفانی بکرا لیکن میں کسی قسم کے رسک کے موڈ میں نہیں تھا۔ کیا پتا' گھنے بالوں والا کوئی برفانی ریچھ میرے معدے میں اتار دیا جاتا!

میں ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ نیلی آنکھوں والا وہ سیکورٹی گارڈ کھڑکی کے سامنے نمودار ہوا۔ اس نے منہ سے ایک لفظ ادا کیے بغیر مجھے برتنوں کی واپسی کا اشارہ کیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا وہاں نہایت ہی قیمتی ہوں جنہیں استعمال کرتے ہوئے بہت کچھ سوچنا سمجھنا پڑتا ہو۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا تھا وہ شخص کسی مصلحت کے تحت میرے سامنے زبان نہ کھول رہا ہو' اسے اس سلسلے میں سخت ترین ہدایات دی گئی ہوں۔ یہ خیال قرین قیاس تھا کیونکہ مجھے مخاطب کرنے کے لیے بھی تقریر کے بجائے تحریر کا سہارا لیا گیا تھا۔

میں نے خالی اور بھرے ہوئے برتنوں سمیت وہ ٹرے اس شخص کو واپس کر دی۔ یہ منظر بھی اسی طریقے سے ہوئی تھی جیسے وہ ناشتا کوٹھری کے اندر پہنچایا گیا تھا۔ سکیورٹی گارڈ نے ٹرے میں موجود سامان کا بہ غور جائزہ لیا اور خاموشی سے رخصت ہوگیا۔ ٹرے کو گھورنے کا اس کا انداز ایسا ہی تھا' جیسے یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہو' میں نے کوئی برتن اپنے پاس تو نہیں رکھ لیا!

تھوڑی دیر بعد کھڑکی سے باہر ایک مرتبہ پھر ہلچل کے آثار نمودار ہوئے۔ میں نے چند چلتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں اور پوری طرح کھڑکی کی جانب متوجہ ہوگیا۔ آدھا گھنٹا گزر چکا تھا۔ یہ میں نے اندازہ لگایا ہے ورنہ وقت بتانے والا کوئی آلہ مجھے میسر نہیں تھا۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا تھا' اس وقت دن تھا یا رات! میرے خیال کے مطابق اب مجھے برنارڈ لیو کے پاس لے جایا جانے والا تھا۔

لیکن اگلے ہی لمحے میرے اس خیال کی تردید ہوگئی۔ وہ لوگ فی الحال مجھے اس کال کوٹھری سے نکالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ برنارڈ لیو نامی وہ شخص بہ نفسِ نفیس کھڑکی کے باہر

پہنچنے والا تھا کیوں کہ ایک آرام دہ مقفل کرسی کو وہاں رکھ دیا گیا تھا۔ مذکورہ کرسی دو افراد نے وہاں پہنچائی تھی اور وہ جس خاموشی سے آئے تھے اسی خاموشی کے ساتھ کرسی وہاں چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے۔ ان کے اجسام پر بھی سیکورٹی گارڈز والے یونیفارم تھے۔

امریکی خصوصاً یہودی وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتے۔ برنارڈ لیو نے بھی مجھے زیادہ انتظار نہیں کرایا اور کرسی وہاں پہنچنے کے ٹھیک پانچ منٹ بعد وہ اس کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔ میں کھڑکی کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ اس وقت ہم دونوں کے سوا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

برنارڈ لیو نے میری جانب دیکھتے ہوئے سر کو خفیف سی اثباتی جنبش دی۔ شاید یہ اس کا ''ہیلو ہائے'' کا انداز تھا۔ میں گہری نظر سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

اس کی عمر اسّی کے قریب ہوگی تاہم وہ خاصا صحت مند اور فٹ تھا۔ اس کی چوکسی کا مجھے اسی وقت پتا چل گیا تھا جب وہ تیز اور مستعد قدموں سے چلتے ہوئے اس کرسی تک پہنچا تھا۔ اس کا قد پانچ فٹ دس انچ رہا ہوگا۔ سر کے بال اور بھویں تک سفید اور پیشانی بڑی حد تک صاف ہو چکی تھی۔ گویا وہاں ''ایم'' نمودار ہو چکا تھا۔ رنگت سرخ و سفید چہرہ بیضوی آنکھیں نیلی اور عینکی۔ ٹھوڑی فربہ اور چوڑی جو اس کے دولت مند ہونے کی علامت تھی۔ پیشانی کی کشادگی اور آنکھوں کی گہرائی سے ذہانت مترشح تھی۔ اس نے رسمی علیک سلیک کو ضروری نہ سمجھا اور براہِ راست مجھے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''مسٹر دجدان! ہمارا مہمان بن کر تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟''

''نہایت ہی واہیات!'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر شستہ انگریزی میں جواب دیا ''لگتا ہے تم لوگ ''مہمان'' کے مفہوم سے نا آشنا ہو۔ مہمان داری تو بہت دور کی بات ہے!''

وہ میری اس ترش کلامی کو بڑے تحمل سے پی گیا' ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''دراصل ہمارے نزدیک دوست اور دشمن کی مہمان نوازی کے آداب اور طریقہ جدا جدا ہے۔''

''مجھے تم لوگ اپنا دوست سمجھتے ہو۔ یا دشمن؟'' میں نے بدستور سخت لہجے میں استفسار کیا ''اگر تم کہو گے دوست..... تو مجھے یقین نہیں آئے گا۔ تم لوگوں نے ہمارے ساتھ بدترین دشمنوں ایسا سلوک کیا ہے۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''فی الحال تم دونوں ہو اور نہ ہی دشمن۔ تمہارا آئندہ رویہ تمہاری حیثیت کا تعین کرے گا۔'' ایک لمحے کو متوقف ہونے کے بعد اس نے اضافہ کیا ''بہرحال اب تک تمہارے ساتھ جو بھی ناروا سلوک ہوا' وہ ہماری مجبوری تھی۔ تمہاری خطرناکی نے ہمیں بے حد محتاط بنا دیا تھا۔''

میں نے اس سے اپنی خطرناکی کی تفصیل نہیں مانگی اور براہِ راست مقصد کی بات کی طرف آ گیا۔ میں بھی ایک لمحہ ضائع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے پوچھا۔

''تم نے میرے آئندہ رویے اور حیثیت کے تعین کی کیا بات کی ہے؟''

''خاصے سمجھ دار ہو۔'' وہ سراہنے والے انداز میں بولا ''میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم تمہیں دوست بنانے کی حتی الامکان کوشش کریں گے۔ اگر تم نے ہماری بات مان لی تو زندگی بھر عیش کرو گے۔''

میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا ''تم کون لوگ ہو؟''

''ہمارا تعلق یہودی لابی کے ایک اعلیٰ وارفع طبقے سے ہے۔''

''تم لوگوں نے امریکی سی آئی اے کے تعاون سے مجھے اغوا کا پہنچایا ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''یہ بھی تو عین ممکن ہے' میں اس وقت سی آئی اے والوں کے درمیان ہوں؟''

''میں تمہیں ایسا سوچنے سے روک تو نہیں سکتا البتہ یہ ضرور کہوں گا ہمارا تعلق سی آئی اے اور ایف بی آئی والوں سے ہرگز نہیں۔ ہم جس یہودی تنظیم سے وابستہ ہیں اس کا نام ''جے ڈی پی'' ہے۔ یہ راز ہمارے چند خاص خاص لوگوں تک محدود ہے۔ تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ مجھے قوی امید ہے ہم تمہیں اپنا دوست بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور یہ فرض محال اگر ایسا نہیں بھی ہو سکا تو بھی تم ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ تم نہیں جانتے اس وقت تم کہاں ہو اور آئندہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے!''

اس کے الفاظ میں چھپی ہوئی دھمکی کو میں نے بڑی وضاحت کے ساتھ محسوس کیا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے کہا۔

''مسٹر لیو! چلو میں تسلیم کر لیتا ہوں تم سی آئی اے یا ایف بی آئی والے نہیں لیکن تم نے جس طرح سی آئی اے والوں کے تعاون سے مجھے مجبور و بے کس بنا کر یہاں تک پہنچوایا ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے' وہ لوگ تمہارے لیے کام کرنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ تم لوگوں کا اچھا خاصا اثر ہے ان پر؟''

''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''سی آئی اے ہو یا ایف بی آئی یا پھر پنٹاگون ہو' یہ ادارے ہمارے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ تمہیں ''جے ڈی پی'' کی طاقت کا شاید اندازہ نہیں!''

''جے ڈی پی کا لفظ یا الفاظ میرے لیے نئے ہیں۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا ''البتہ میں اتنا ضرور جانتا ہوں یہودی لابی اس وقت بہت طاقت میں ہے۔ امریکا کا صدارتی نظام ان کی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔ وہ جس کو چاہیں کرسیِ صدارت پر بٹھا دیں اور جسے چاہیں' عوام کی نگاہ میں ذلیل و رسوا کرا دیں۔''

وہ تفکر یہ انداز میں مسکرایا۔ اس کے کرخت چہرے پر مسکراہٹ نے عجیب سا تاثر ابھارا۔ رعونت بھرے لہجے میں بولا ''ہم کنگ میکر ہیں۔ صرف امریکا ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہماری حکمرانی ہے۔ ہم لوگوں' قوموں اور ملکوں کی تقدیر لکھتے ہیں۔ تم ہماری دوستی پر ناز کرو گے۔''

میں نے اسے گھسنے کی خاطر پوچھا ''مجھ پر سنگین الزامات عائد کر کے پاکستان سے یہاں لے آیا گیا ہے اور اب تم میری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہو۔ میں تو توقع کر رہا تھا' مجھے ڈی سی پہنچایا جائے گا' مجھ پر مقدمہ چلے گا اور سخت ترین سزا سے گزارا جائے گا جیسا کہ تم لوگ ایمل کاسی کے ساتھ کرنے والے ہو مگر تمہارا حالیہ رویہ دیکھ کر میں الجھن میں پڑ گیا ہوں۔ یہ تم لوگوں کی کون سی پالیسی ہے؟''

''ایک تو تمہیں غیر متعلق لوگوں کو اپنے ساتھ نتھی کرنے کا بڑا شوق ہے۔'' اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا ''تم صرف اپنے بارے میں سوچو۔ ایمل کاسی اور دھنو تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔''

میں تڑپ کر رہ گیا۔ ایمل کاسی سے واقعی میرا کوئی تعلق واسطہ کبھی نہیں رہا تھا لیکن دھنو یعنی ساحل تو میرے لیے رگِ جاں کی حیثیت رکھتی تھی اور وہ منحوس برنارڈ لیو اسے غیر متعلق کہہ رہا تھا۔ میرے چہرے پر ابھرنے والے ناگواری کے تاثرات کو اس نے فوراً نوٹ کر لیا۔

''ایک تو تم مشرقی لوگ خصوصاً پاکستانی بہت جوشیلے اور جذباتی ہوتے ہو۔ تم میں تحمل اور برداشت نام کی کوئی چیز نہیں۔ تمہارے احساسات کو ذرا سی ٹھیس لگے تو فوراً بھڑک اٹھتے ہو۔''

میں نے اس کے تبصرے پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ اسی قسم کے خیالات کا اظہار اس طوطا مار کا ناک والے یہودی نے بھی کیا تھا۔ میں خاموشی سے برنارڈ لیو کو گھورتا رہا تو اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''تمہاری تسلی کے لیے بتا دوں کہ ایمل کاسی امریکی سی آئی اے کا مجرم ہے۔ اس نے نہایت ہی اہم امریکی ایجنٹس کو قتل کیا تھا۔ سی آئی اے والوں نے اسے پکڑنے کے لیے وقت اور ڈالرز بے دریغ خرچ کیے ہیں۔ اب اس پر' امریکی قوانین کے مطابق باقاعدہ مقدمہ چلے گا اور اس کا جو بھی حشر ہوگا وہ دنیا دیکھے گی۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ''شاید یہ بات تمہارے علم میں نہ ہو کہ ایمل کاسی ایک طویل عرصے تک سی آئی اے والوں کے لیے خدمات انجام دیتا رہا ہے۔ پھر اچانک اس کے دماغ میں ایک پھوڑا اٹھا اور وہ سی آئی اے کا دشمن ہو گیا۔ اسی خواہ مخواہ کی دشمنی میں اس نے سی آئی اے کے ایجنٹس کو قتل کر دیا۔''

''واقعی مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی!'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

وہ بولا ''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں' غیر متعلق معاملات میں مت کودو۔''

مجھے اس کا انداز بہت برا لگا اور میں نے ناگواری سے کہہ دیا ''ایمل کاسی کا معاملہ تو ایک طرف رہنے دو لیکن ساحل میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تم اسے غیر متعلق نہیں کہہ سکتے؟''

وہ خاموش نظر سے چند لمحے مجھے گھورتا رہا پھر نہایت ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا ''تم دونوں کی مکمل رپورٹ ہم تک پہنچ چکی ہے۔ میں جانتا ہوں' تمہارے درمیان کس قسم کا تعلق ہے لیکن تمہاری معلومات کے لیے بتا دوں کہ جب تک تم ہمارے دوست نہیں بن جاتے' ہم تم دونوں کو آپس میں ملنے نہیں دیں گے۔ دونوں معاملات کو الگ ڈیل کیا جائے گا۔ ہماری دوستی کا ہاتھ تھام لینے میں تم دونوں کا فائدہ ہے۔''

شعیب غوری اور ازاں بعد سی آئی اے کے ایجنٹ کی زبانی مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ یہودی لابی' ساحل میں کسی بیش بہا خزانے کی وجہ سے دلچسپی لے رہی ہے۔ اسی لابی کا ایک نمائندہ برنارڈ لیو اس وقت مجھ سے مذاکرات کر رہا تھا۔ میں نے سوچا اس کو کریدنا چاہیے۔

''مسٹر لیو!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا ''مجھے پتا چلا ہے آپ لوگ کسی قیمتی خزانے کا راز جاننے کے لیے میری ساتھی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ یہ کیا چکر ہے؟''

وہ محتاط لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا ''دھنو ایک اصول خزانے کے راز سے واقف ہے۔ وہ خزانہ مادی اور روحانی اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارے ربی موشے ہائمن اس خزانے کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

موشے ہائمن..... یہ ایک نیا نام سامنے آیا تھا۔ لیو کے لب و لہجے میں شامل ادب و احترام یہ ظاہر کرتا تھا' مذکورہ ربی کوئی بہت ہی اونچی چیز تھا۔ میں نے کرید جاری رکھی اور سرسری انداز میں کہا۔

''ساحل یعنی دھنو تو ایک سیدھی سادی لڑکی ہے۔ تم کسی خزانے کے راز کو اس سے منسوب کر کے مجھے حیرت میں ڈال رہے ہو!''

وہ چند لمحے ٹٹولتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتا رہا پھر استفسار کیا ''کیا تم اس خزانے کے بارے میں واقعی کچھ نہیں جانتے؟''

میں نے بے پروائی سے نفی میں گردن ہلا دی۔

وہ بے یقینی سے بولا ''دھنو تمہارے بہت قریب رہی ہے۔ میرا خیال ہے' اس نے اس بارے میں کبھی نہ کبھی تو ذکر کیا ہوگا!''

''اگر اس نے یہ بات مجھے بتائی ہوتی تو میں پہلی فرصت میں وہ خزانہ کھود نے نکل کھڑا ہوتا۔'' میں نے خالصتاً امریکی مزاج کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''تمہاری بات پر یقین کرنے کو دل چاہتا ہے۔ یہ دھنو بہت ہی گہری اور مضبوط لڑکی ہے۔ ابھی تک اس نے ہمیں بھی کچھ بتا کر نہیں دیا۔''

میں آہستہ آہستہ اسے اپنے ٹریپ میں لا رہا تھا۔ اچانک میں نے ایک باؤنسر مار دیا ''کہیں اس خزانے کا تعلق بدھ نیل کنڈ کی عبادت گاہ سے تو نہیں؟''

برنارڈ لیو نپی اور سیدھی بالز پر کافی رنز اسکور کر چکا تھا۔ میرے باؤنسر نے اسے حواس باختہ کر دیا۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا ''ہاں وہ خفیہ خزانہ اسی عبادت گاہ کے تہ خانے میں پوشیدہ ہے۔''

میں لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ سجا کر اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

اگلے ہی لمحے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا' تیر' کمان سے نکل گیا تھا۔ وہ نادانستگی میں مجھے اپنی سوچ کے بہت قریب لے آیا تھا تاہم وہ ایک یہودی تھا۔ اپنی فطری عیاری کو استعمال کرتے ہوئے اس نے تشویش ناک لہجے میں مجھ سے استفسار کیا۔

''کیا تم بھی اس راز سے آگاہی رکھتے ہو؟''

''بالکل نہیں'' میں نے قطعیت سے کہا۔

''پھر تم نے بالکل درست حوالہ کیسے دیا؟'' اس پر ایک کرید سوار ہو گئی تھی۔

میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا ''میں نے ایک اندازہ لگایا تھا جو اتفاق سے درست نکل آیا۔''

''درست اندازہ لگانا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں!''

میں نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیا ''دراصل ساحل (دھنو) سے میری پہلی ملاقات اسی عبادت گاہ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے وہ میرے ساتھ ہی رہی ہے اس لیے میں نے سوچا' اگر وہ کسی خزانے کے راز سے واقف ہے تو لامحالہ اس کا تعلق اسی بدھ عبادت گاہ سے ہوگا!''

''ہم تمہارے پیدا ہونے سے لے کر اب تک کے حالات سے پوری طرح آگاہ ہو چکے ہیں۔'' وہ مدبرانہ انداز میں بولا ''تم کھٹمنڈو کے مضافات میں واقع اس عبادت گاہ تک کیسے پہنچے اور اس کے بعد اب تک کیا کرتے رہے ہو اس کی ہمیں مکمل خبر ہو چکی ہے۔ تمہاری صلاحیتوں کو ناپنے اور بھانپنے کے بعد ہی ہم نے تمہارا انتخاب کیا ہے' ہم کسی پر کچا ہاتھ نہیں ڈالتے۔ تمہاری ہسٹری کا شاید ہی کوئی صفحہ ہماری نگاہ سے اوجھل ہو!''

وہ میری ذات کو فوکس کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے چالاکی سے موضوع بدل دیا اور کہا ''تم لوگ تو بے پناہ طاقت کے مالک ہو' بے حساب اختیار رکھتے ہو۔ جب تمہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس عبادت گاہ کے تہ خانے کوئی خزانہ موجود ہے تو تم اسے کھود کر نکال لو۔ خواہ مخواہ ساحل کی محتاجی کی کیا ضرورت ہے؟''

''ایسا کرنا اگر ممکن ہوتا تو پھر کیا بات تھی۔'' وہ بے دلی سے بولا۔

''کیوں' ایسا کرنے میں کیا مشکل ہے؟''

''مشکل!'' اس نے خلا میں گھورا اور بولا ''ہم یہ کوشش کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ہمارے ربی موشے ہائمن کا کہنا ہے' اگر عبادت گاہ کے تہ خانے کو کھودا گیا تو کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا' سوائے ہلاکت اور بربادی کے۔ اس خزانے تک پہنچنے کا طریقہ کار صرف دھنو کو معلوم ہے اور..... ہم بہت جلد اسے تعاون کے لیے آمادہ کر لیں گے۔ وہ ہمارے قبضے میں ہے۔ اسے ربی کی بات ماننا ہی ہوگی۔''

برنارڈ لیو کی بات سن کر میرے ذہن میں تھوتھنی کے الفاظ گونجنے لگے۔ ساحل کے باپ تھوتھنی نے مجھے بتایا تھا' جب بھی سونے کے اس بیش بہا ذخیرے تک پہنچنے کی کوشش کی گئی تو عبادت گاہ میں خون کی ندیاں امڈ آئیں اور درجنوں سیکڑوں ہلاکتیں وجود میں آئیں۔ میرے سامنے کرسی پر بیٹھا

وہ یہودی بھی کچھ اسی قسم کی باتیں کر رہا تھا اور..... یہ معلومات اس تک ان کے ربی نے پہنچائی تھیں۔ موشے ہائمن واقعی کوئی بہت پہنچی ہوئی شخصیت تھا۔

میں نے لیو سے پوچھا ''تمہارے ربی نے اس خزانے کی کوئی تفصیل تو بتائی ہوگی؟''

میں درحقیقت یہ جاننا چاہتا تھا' وہ لوگ صرف سونے کے ذخیرے تک محدود تھے یا کہانی اس سے بھی آگے کی تھی۔ یہودیوں کا ربی بے پناہ روحانی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ اس کا درجہ روحانی اور مذہبی لیڈر' استاد اور اسکالر جیسا ہوتا ہے۔ اس کے لیے روحانی پیشوا کے الفاظ زیادہ مناسب ہیں۔ وہ مادی اور روحانی علوم کا ماہر ہوتا ہے۔ ظاہر اور باطن کے بہت سے معاملات پر اسے تصرف حاصل ہوتا ہے۔

لیو نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ''ربی موشے ہائمن کا کہنا ہے کہ اس عبادت گاہ کے تہ خانے میں سونے کے ایک بڑے ذخیرے کے علاوہ پانچ نایاب اور انمول اسٹون بھی موجود ہیں۔ نایاب اور انمول ان معنوں میں کہ ان کے سائز' معیار اور تراش خراش کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہ دنیا میں تنہا دیکھتا ہیں' کوئی ان جیسا دوسرا روئے زمین پر نہیں پایا جاتا۔ وہ پانچ بابرکت اسٹون روبی' ایمرالڈ' سیفائر' ٹوپاز اور ڈائمنڈ ہیں۔ یہ پانچوں اسٹون جہاں بھی ایک ساتھ موجود ہوں وہاں بے پناہ روحانی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ربی اسی حوالے سے ان میں دلچسپی لے رہے ہیں۔''

میں صرف سونے کے ذخیرے کے بارے میں جانتا تھا۔ لیو نے اسٹونز کے حوالے سے جو انکشاف کیا تھا' اس نے وقتی طور پر میرے ہوش اڑا دیے تھے اور سب سے پہلے میرے ذہن میں یہی سوال ابھرا تھا کہ کیا واقعی ساحل کسی نایاب خزانے تک پہنچنے کا راستہ جانتی ہے؟ میرا سابق تجربہ اور معلومات اس سوال کا جواب نفی میں دیتے تھے۔ بہرحال یہودیوں کے ربی کے دعوے کو آسانی سے نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر وہ سونے والے ذخیرے کا درست پتا دے رہا تھا تو اسٹونز والے معاملے کو یکسر رد کرنا بہت مشکل تھا۔ اس خطرناک سوال کا درست جواب ساحل ہی دے سکتی تھی اور ..... ساحل میری دسترس میں نہیں تھی!

میں نے برنارڈ لیو سے پوچھا ''تم مجھے اتنی اہم معلومات دے رہے ہو۔ کیا تمہیں ڈر نہیں کہ میں یہاں سے نکلنے کے بعد تم لوگوں کے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہوں؟''

''مشکلات!'' اس نے نیم طنزیہ انداز میں کہا ''یہ سب تو اس وقت ممکن ہوگا جب تم یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔'' وہ ایک لمحے کو خاموش رہنے کے بعد گمبھیر لہجے میں بولا ''وجدان! تم اس وقت ''جے ڈی پی'' کے ایک نہایت ہی خفیہ اڈے پر ہو۔ تمہارے یہاں سے باہر نکلنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ تم ہمارے دوست بن جاؤ۔''

''میں اس وقت الاسکا کے کس حصے میں ہوں؟'' بے اختیار میں نے پوچھا۔

وہ بڑے اعتماد سے بولا ''یہ جے ڈی پی کا ایک ایسا پراسرار ٹھکانا ہے' جس کے بارے میں الاسکا کے باسی کچھ نہیں جانتے۔ یوں سمجھ لو ہم سب کے درمیان بھی ہیں لیکن کوئی آنکھ ہمیں دیکھ نہیں سکتی۔ یہ ایک ان سین زون ہے..... نادیدہ اور ماورائی مقام!''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہیں تم مجھے مرعوب اور متاثر کرنے کے لیے تو یہ لمبی لمبی نہیں چھوڑ رہے؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

''نہیں!'' وہ دو ٹوک لہجے میں بولا ''ہمیں ایسی کسی کوشش کی ضرورت ہے اور نہ ہی تم ایسی باتوں سے متاثر ہونے والے ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

آخری جملہ اس نے میری آنکھوں میں بہت دور تک جھانکتے ہوئے ادا کیا تھا۔ میں نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا اس سے پوچھ لیا ''تم نے میری بات کا جواب گول کر دیا ہے۔ ابھی تک یہ نہیں بتایا' تمہارا یہ خفیہ اڈا الاسکا کے کس علاقے میں واقع ہے؟''

''اس سوال کا جواب تمہیں اس وقت دیا جائے گا جب تم ہماری دوستی قبول کر لو گے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''بہرحال یہ بہت ہی پاکیزہ اور صاف ستھرا مقام ہے۔ باہر کے لوگوں کو یہاں لانے کی ضرورت پیش آ جائے تو پہلے انہیں نہلا دھلا کر اچھی طرح پاک صاف کر لیا جاتا ہے۔ تمہیں اینکریج میں ملنے والا وہ ریسیپشن تو یاد ہوگا؟''

اس نے لفظ ''ریسیپشن'' پر خاصا زور دیا تھا۔ میرے تصور میں وہ ہیجان خیز ہاتھ گھوم گیا جب روزی اور روٹی نے مجھے ایک کنگ سائز باتھ ٹب میں مل مل کر دھویا تھا۔ اس یادگار ہاتھ کو میں بھلا کیسے سکتا تھا۔ حالانکہ اس وقت میں لگ بھگ آدھے بدن سے بیدار تھا لیکن پھر بھی مجھے نہلانے کے دوران میں روزی اور روٹی نے اپنی گداز انگلیوں سے وہ اٹکھیلیاں کیں جنہوں نے مجھے سنسنا کر رکھ دیا تھا۔ میری زندگی کا بیش تر حصہ بنکاک میں گزرا تھا' جہاں مساج اینڈ باتھ پارلر کی کوئی کمی نہیں۔ میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی تھائی دوشیزہ بھی ایک مساج پارلر چلاتی تھی۔ مجھے بہ خوبی اندازہ تھا' ایسے

سینٹرز پر کس طرح گاہک کی خدمت کی جاتی ہے' لیکن روزی اور روٹی نے جس فنکارانہ صلاحیت کا مظاہرہ کیا تھا وہ بے مثال اور ناقابل فراموش تھا۔

برنارڈ لیو کی کھردری آواز نے مجھے تصور کی دنیا سے باہر کھینچ لیا۔ وہ مزید بتا رہا تھا ''حالانکہ تم اس وقت ایک چھوٹی سی کوٹھری میں بند ہو لیکن تم نے یہاں کسی قسم کے گھٹن یا آلودگی محسوس نہیں کی ہوگی۔ اس پورے اڈے کو انتہائی فرحت بخش اور پاک صاف رکھا گیا ہے۔ اس وقت باہر درجہ حرارت منفی پندرہ ڈگری سنٹی گریڈ ہے۔ بیرونی فضا میں تم چند منٹ سے زیادہ سلامت نہیں رہ سکتے' دیکھتے ہی دیکھتے برف کا حصہ بن جاؤ گے لیکن کوٹھری کے اندر تم بغیر کچھ اوڑھے یا اضافی گرم لباس پہنے بڑے آرام سے کھڑے ہو۔''

اس حوالے سے واقعی بڑا حیرت زدہ تھا۔ میں نے بے ساختہ پوچھا ''یہ سب کیسے ممکن ہوا؟''

اس نے بتایا ''یہ ہمارے ربی موشے ہائمن کا کمال ہے۔''

ربی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے انداز میں ایک عجیب سا تفاخر آجاتا تھا۔ میں فروعی باتوں کو پس پشت ڈال کر انتہائی مقصد کی طرف آگیا۔ ان کے ربی کی شان میں سنائے جانے والے قصیدوں سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے برنارڈ لیو سے سوال کیا۔

''دوست بنا کر تم لوگ مجھ سے کیا کام لو گے؟''

''دوست' دوست کے کام آتا ہے!'' وہ فلسفیانہ انداز میں بولا ''ہم تمہارا ہر طرح سے خیال رکھیں گے' تم ہمارے کام آتے رہنا۔ تم جیسے لوگوں کی ہمیں تلاش رہتی ہے۔ تم اب تک چھوٹے موٹے دشمنوں سے نبرد آزما رہے ہو۔ ہمارے ساتھ مل کر تمہیں بڑے کام کرنے کا موقع ملے گا۔''

''تم نے ابھی تک کام کی نوعیت نہیں بتائی؟'' میں نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔

''تفصیلات تمہیں ربی موشے ہائمن بتائیں گے۔''

میں سمجھ گیا' وہ میری بات کا جواب نہیں دے گا۔ میں نے طنزیہ لہجے میں استفسار کیا ''اور ان سنگین الزامات کا کیا ہوگا جو یہاں لانے سے پہلے مجھ پر عائد کیے گئے تھے۔ میں نے یہودنواز تنظیم سی ایف کے کو شدید نقصان پہنچایا ہے اور بہ قول تم لوگوں کے تین یہودیوں کا قاتل بھی ہوں حالانکہ تمہارا وہ مارشل آرٹس چیمپئن تو ایک خون ریز مقابلے میں مارا گیا تھا۔ ازیں علاوہ وہ ''سی ڈی'' والا معاملہ بھی ابھی بیچ میں ہی لٹکا ہوا ہے۔''

اس نے تحمل سے میری بات سنی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''دوستی کی صورت میں تمہاری تمام خطائیں معاف کردی جائیں گی۔ ہم بڑے کشادہ دل اور وسیع ظرف کے مالک ہیں۔''

میں نے ان کی کشادہ دلی اور وسیع ظرفی پر بہ زبان خوش لاحول بھیجی ..... اور چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا ''ویسے اس سی ڈی میں کون سا راز پوشیدہ تھا؟ طوطے کی چونچ والے اس سی آئی اے کے ایجنٹ نے مجھے بتایا تھا' سی ڈی میں میرے ملک پاکستان کے بارے میں کوئی اہم معلومات تھیں!''

''جانسن پلیدر نے تم سے غلط نہیں کہا تھا۔''

''کیا یہ اسی ایجنٹ کا نام ہے؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ جانسن نہیں بلکہ ڈاگ سن ہے اور اگر تم اس کے نام کے آخری حصے سے ''آر'' اڑا دو تو یہ زیادہ مناسب رہے گا۔ اردو اور انگریزی کا حسین ملاپ دیکھنے میں آئے گا..... ڈاگ سن پلیدر!''

اس امریکی ایجنٹ کے لیے میرے دل و دماغ میں بے حد غصہ بھرا ہوا تھا۔ لیو کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا تاہم اس کے مضبوط اعصاب نے اسے طیش میں آنے سے روکے رکھا۔ سی ڈی کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے اس نے بتایا۔

''سی آئی اے کا نیٹ ورک پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ اگر امریکی بہ نفس نفیس خود جا جا کر دوسرے ملکوں میں کام کریں تو فوراً عوام و خواص کی نظروں میں آجائیں گے لہٰذا انہیں وہاں کے مقامی بااثر اور معلومات یافتہ افراد سے کام لینا پڑتا ہے۔ اپنے کام کے بندے کو یہ لوگ کسی نہ کسی طرح چنگل میں پھنسا ہی لیتے ہیں پھر وہ ان کے آگے مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ہی ملک کے اندر اپنے ہم قوم افراد کے درمیان نہایت ہی خفیہ طور پر امریکی سی آئی اے کے ایجنٹ کے طور پر کام کرنے لگتا ہے۔ تاہم سی آئی اے والے اسے ایک لمحے کے لیے بھی آزاد نہیں چھوڑتے۔ اس کی نادیدہ نگرانی جاری رہتی ہے۔ اگر وہ انہیں دھوکا دینے کی کوشش کرے تو ایسی ''ٹھوکر'' لگائی جاتی ہے کہ آئندہ کے لیے ''وہ راہِ راست'' پر آجاتا ہے۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''شعیب غوری اور ایمل کاسی کی مثالیں تمہارے سامنے

ہیں۔ تم پر جس سی ڈی کی چوری کا الزام ہے' اس میں ان تمام افراد کی مکمل فہرست تھی جو پاکستان کے مختلف علاقوں میں امریکی سی آئی اے کے ایجنٹ کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ معلومات کوڈورڈز میں ہیں لیکن کمپیوٹر کا کوئی ماہر انہیں بہ آسانی ڈی کوڈ کر سکتا ہے۔''

برنارڈ لیو نہایت ہی خطرناک انکشاف کر رہا تھا۔ کاش' ایسی کوئی سی ڈی واقعتاً میرے ہاتھ لگ جاتی! میں ان ناسوروں کو نیست و نابود کر دیتا جو اغیار کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر میرے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے تھے۔ افسوس! وہ نہایت ہی اہم سی ڈی غلط وجدان کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ پتا نہیں' وہ آفت زادہ اس سی ڈی کی معلومات کو کس کام میں لانے والا تھا!

میں نے برنارڈ لیو سے پوچھا ''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تم نے بتایا ہے' شعیب غوری کراچی میں سی آئی اے کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہا لیکن میری معلومات کے مطابق وہ وہاں یہودی لابی کا آلۂ کار ہے۔ ان کے مقاصد کو پروان چڑھانے کے لیے اس نے نام نہاد اصلاحی تنظیم کرائم فری کراچی (سی ایف کے) کی آڑ لے رکھی ہے؟''

وہ زیرِ لب معنی خیز انداز میں مسکرایا اور بولا ''ایک ہی بات ہے!''

میں نے پوچھا ''میں نے تین یہودیوں کو قتل کیا ہے..... تمہارے شمار کے مطابق..... اور سی آئی اے والوں کی ایک خفیہ سی ڈی چرائی ہے۔ ان سنگین جرائم کی بنا پر مجھے ڈی سی پہنچایا جانا چاہئے تھا۔ سی آئی اے والوں نے مجھے اتنی آسانی سے چھوڑ کیسے دیا؟''

''یہ بھی ہمارے ربی کا کمال ہے!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''ربی موشے ہائمن کے سامنے کوئی سوال نہیں اٹھا سکتا۔ انہوں نے تم دونوں کے بارے میں پہلے ہی فیصلہ صادر کر دیا تھا کہ تمہیں ڈی سی کے بجائے اسرائیل پہنچایا جائے گا۔ پہلے ربی اپنا کام کریں گے' اس کے بعد اگر ضرورت محسوس ہوئی تو تمہیں واشنگٹن ڈی سی روانہ کر دیا جائے۔ ڈی سی والے تم لوگوں سے.....''

میں اس کی بات سن کو چونک اٹھا اور قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''پھر ہمیں اسرائیل کے بجائے الاسکا کے برف زار میں کیوں لاکر پھینک دیا گیا؟''

''میں یہی بتانے جا رہا تھا۔'' وہ رسانیت سے بولا ''لیکن تم نے میری بات کاٹ دی۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کہا ''تمہیں اسرائیل کے بجائے الاسکا لانے کا فیصلہ بھی ربی موشے ہائمن ہی کا ہے'' جے ڈی پی'' کا ہیڈ کوارٹر تو اسرائیل ہی میں ہے تاہم ہیڈ کوارٹر کے بعد یہ ٹھکانا سب سے زیادہ محفوظ سمجھا جاتا ہے جہاں پر تم اس وقت موجود ہو۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ کہ اس ٹھکانے کے وجود سے کوئی واقف نہیں' سوائے انتہائی متعلقہ لوگوں کے۔''

اس نے سانس لینے کی خاطر تھوڑا توقف کیا پھر بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''جب تم یو ایس ائر بیس پر ایک طیارے کے اندر بیٹھے جانسن پلیدر کے سوالات کے جواب دے رہے تھے تو اسی وقت ہمارے ربی نے اسرائیل جانے کا پروگرام کینسل کر کے الاسکا کا فیصلہ سنا دیا تھا۔''

''آخر ایسا کیوں کیا گیا؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں' ربی کے فیصلوں پر سوال نہیں کیا جاتا!'' برنارڈ لیو نے کہا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''اگر مجھے تمہارے ربی سے ملنے کا موقع ملا تو میں یہ سوال ضرور اٹھاؤں گا۔''

برنارڈ لیو نے عجیبی نظر سے مجھے گھورا۔ اس کی دانست میں' میں ان کے ربی کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو رہا تھا۔ وہ قدرے سخت لہجے میں بولا۔ انداز دھمکی دینے والا تھا۔

''اگر میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہ آسکیں تو پھر ربی تمہیں ''ٹریٹ'' کریں گے۔ بہر حال ہم نے تم سے کام تو لینا ہے۔ ربی اپنا کوئی مشن ادھورا نہیں چھوڑتے۔''

میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا ''اگر میں تم لوگوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دوں تو؟''

''میں نے کہا نا' پھر تمہیں ربی موشے ہائمن کے حوالے کیا جائے گا۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا ''ربی سنگین ترین انکار کو بھی آسان ترین اقرار میں بدلنے کا ہنر جانتے ہیں۔''

میں نے جل کر کہا ''تو پھر یہی بہتر ہے' تم پہلی فرصت میں مجھے اپنے ربی کے پاس لے چلو۔ میں تم لوگوں کی منافقانہ دوستی پر سوالا کھ لعنت بھیجتا ہوں۔''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں سی اڑ رہی تھیں۔ وہ دونوں مٹھیوں کو بار بار بھینچ کھول رہا تھا۔ اس نے زبان سے ایک لفظ ادا نہ کیا۔ میرے طرزِ تکلم اور الفاظ کی آتش بازی نے اسے پا تا سر آگ کا گولا بنا دیا تھا۔ ہم چند لمحات کے بعد ہی اس نے اپنی کیفیت پر قابو پا لیا اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''ربی کی جانب سے فی الحال تمہیں کچھ نہ کہنے کے احکام ہیں لیکن فکر نہ کرو' تمہارے دماغ کی ساری گرمی کو کشید کر کے وہاں الاسکا کی ٹھنڈی ٹھار برف کو سجا دیا جائے گا۔ تم بہ خوشی ہمارے اشاروں پر ناچنے لگو گے۔''

میں خاموشی اور معاندانہ نظر سے یک ٹک اسے گھورتا چلا گیا۔ وہ ٹھوس لہجے میں بولا ''تمہارے پاس صرف آج رات کی مہلت ہے۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کرلو — اگر صبح تمہارا فیصلہ ہماری دوستی کے حق میں ہوا تو بڑی اچھی بات ہے۔ بہ صورتِ دیگر تمہیں ربی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ دیٹس آل!''

بات ختم کر کے وہ مڑا اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے میری نگاہ سے اوجھل ہوگیا۔

☆☆☆

برنارڈ لیو کے ساتھ ہونے والی طویل گفتگو نے کوفت کے ساتھ ساتھ میری معلومات میں بھی بے پناہ اضافہ کیا تھا۔ میں امریکی سی آئی اے اور صیہونی (یہودی) تنظیم ''جے ڈی پی'' کے درمیان تختۂ مشق بن کر رہ گیا تھا۔ یہ میری زندگی کا ایک نیا اور ہنگامہ خیز موڑ تھا۔ پتا نہیں حالات کی کروٹ مجھے کہاں پہنچانے والی تھی!

بدھ نیل کنڈ والی عبادت گاہ کے حوالے سے لیو نے حیرت انگیز انکشاف کیا تھا۔ میں صرف تہ خانے والے سونے کے ذخیرے سے واقف تھا۔ ربی موشے ہائمن کا دعویٰ تھا' اسی تہ خانے کے کسی حصے میں پانچ قیمتی پتھر ڈائمنڈ (ہیرا) ایمرالڈ (پنا) روبی (یاقوت) سیفائر (نیلم) اور ٹوپاز (پکھراج) بھی موجود تھے جو اپنی ساخت اور تراش خراش کی بنا پر انمول اور نایاب تھے اور..... ان روحانی نایاب پتھروں تک صرف اور صرف ساحل ہی پہنچا سکتی تھی لیکن مجھے ساحل کہیں سے بھی ایسی نہیں لگتی تھی!

برنارڈ لیو نے رخصت ہوتے ہوئے مجھے ایک رات کی مہلت دی تھی تاکہ میں ان کی دوستی یا دشمنی کا انتخاب کرنے کے لیے اچھی طرح سوچ بچار کرلوں۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا' وہاں رات یا تو شروع ہو چکی تھی یا پھر شروع ہونے والی تھی۔ مجھے لیو سے یہ پوچھنے کا خیال نہیں رہا تھا کہ اس کوٹھری میں مجھے داخل کیسے کیا گیا تھا جب کے اس کی دیواروں میں دروازہ نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔ ننھی منی عجیب الشکل واحد کھڑکی سے انسانی داخلہ ممکن نہیں تھا۔ بالکل ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مجھے ایک جگہ پر خاموش بٹھا کر وہ کوٹھری نما چھوٹا سا کمرا تعمیر کیا گیا تھا!

میرے بدن کے مفلوج حصے پورے طرح بیدار ہو چکے تھے۔ ہلکے پھلکے ناشتے نے جسم میں مزید چستی بھر دی لیکن تھوڑی ہی دیر بعد مجھے جماہیاں آنے لگیں۔ یہ اس کافی کا اثر تھا جو ناشتے میں' میں نے پی تھی۔ چائے اور کافی مجھ پر الٹا اثر کرتی ہیں' نیند بھگانے کے بجائے یہ اسے دعوت دے کر بلاتی ہیں۔ میں جا کر میٹرس پر لیٹ گیا۔

کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے مجھے سوچ بچار کی ضرورت نہیں تھی۔ میرا فیصلہ اٹل تھا اور وہ یہ کہ مجھے کسی بھی صورت یہودیوں کا آلۂ کار نہیں بننا تھا۔ نہ دوست کی شکل میں اور نہ ہی دشمن کے روپ میں لہٰذا زیادہ بہتر یہی تھا کہ میں اپنی نیند پوری کرلوں۔ پتا نہیں آئندہ کیسے حالات پیش آتے' گھنٹوں آنکھ لگانے کا موقع بھی ملتا یا نہیں!

اب میرا سابقہ چوہدری نوازش علی یا شعیب غوری جیسے دشمنوں سے نہیں تھا۔ یہودی اس دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھے۔ اس قوت سے نمٹنے کے لیے مجھے اپنی ذہنی' جسمانی اور روحانی صلاحیتوں کو بہ یک وقت بروئے کار لانا تھا اور اس سلسلے میں ''چی'' کا شعبہ نہایت ہی اہم تھا۔

ایسا سوچتے ہی میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نیند کی وادی میں اترنے سے قبل یوگا اور چی کی مخصوص مشقیں کرنا ضروری تھا۔ میں نے جسم کو آمادہ کرنے کے لیے ہتھ یوگ کے دو تین آسن لگائے مبینہ طور پر وہ رات کا وقت تھا تاہم کوٹھری کے اندر ہڈی فرحت اور آسودگی محسوس ہوتی تھی۔ پتا نہیں یہ ائر کنڈیشننگ کا کیسا نظام تھا' میری تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

لوٹس پوسچر کو براپوسچر اور پلو پوسچر کے بعد میں نے کینڈل پوسچر لگایا اور سانس کی مشق کے لیے آلتی پالتی مار کر پدم آسن میں بیٹھ گیا۔ میں لگ بھگ دس منٹ تک پرانایام کے تحت اسٹروک بر تھنگ کرتا رہا۔ بر تھنگ کے اس مخصوص انداز میں ایک خاص طریقے سے انہیل اور اگزہیل کیا جاتا ہے جو چی کو متحرک کر دیتا ہے۔ جب چی پوری طرح بیدار ہوگئی تو میں نے تصور قائم کرلیا۔ اس وقت میری توجہ کا مرکز ساحل تھی۔

دراصل میں ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا۔ بدھ نیل کنڈ کی عبادت گاہ کے ذکر سے میرے ذہن میں وہ واقعہ تازہ ہوگیا تھا جب ناگ پال کے بھیجے ہوئے تین افراد کی جیپ کو خوف ناک حادثہ پیش آگیا تھا۔ وہ لوگ میری اور زخمی سمبا کی تلاش میں اس عبادت گاہ کی طرف آئے تھے۔ تھونچی نے مجھے اور دھنو (ساحل) کو تہ خانے میں چھپا دیا تھا۔ وہ لوگ ہمیں نہ پا کر تھونچی اور بھیرجانی کو اپنے ظلم و زیادتی کا نشانہ بنا کر

واپس چلے گئے تھے جب میں نے ساحل کے ماں باپ کی حالت دیکھی تو میرا خون کھول اٹھا اور میں نے آنکھیں بند کر کے ان تین افراد کا تصور کیا تھا۔ پتا نہیں وہ کون سا لمحہ تھا کہ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ لوگ میرے تصور میں آگئے تھے۔ میری سوچ کے عقاب نے انہیں جالیا تھا۔ وہ تینوں ایک جیپ میں سوار بھاگ متی کی طرف جانے والی کاکانی ہائی وے پر تیز رفتاری سے اڑے چلے جا رہے تھے۔ میں نے انہیں اپنے تصور میں فوکس کرلیا۔ اگلے ہی لمحے مجھے سامنے سے لکڑیوں سے لدا ہوا ایک ٹرک آتا دکھائی دیا تھا اور پھر..... وہ جیپ اس ٹرک سے ٹکرا گئی تھی۔ وہ تینوں فنا کے گھاٹ اتر گئے تھے۔

میں نہیں جانتا یہ سب کیسے ہوا تھا۔ اس وقت میرا دل و دماغ ان بدمعاشوں کے لیے غم و غصے سے بھرا ہوا تھا۔ میں ان کی شدید ترین بربادی کا خواہاں تھا۔ انہوں نے تھونچی اور بھیرجانی کو وحشیانہ سلوک سے گزارا تھا۔ ہوسکتا ہے میری ہمدرد خواہش نے ان تینوں کا بھٹا بٹھا دیا ہو! یہ بھی ممکن تھا کہ ایسی کوئی بات نہ ہو۔ ان تینوں کی موت اسی حادثے میں واقع ہونا لکھی ہو اور میرے تصور نے مجھے ان کی بھیانک موت کا منظر دکھا دیا ہو!

ہونے کو کچھ بھی ہوسکتا تھا لیکن تھونچی کا خیال یہی تھا کہ میں نے اپنی کسی پراسرار شکتی کی مدد سے ان تینوں کو نیست و نابود کر دیا۔ اور یہ کیا؟ ساحل کے سراپا پر توجہ مرکوز کیے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ وہ میرے تصور کی گرفت میں آگئی۔ میرا تخیل اس کے سراپا سے روشن ہوگیا۔

وہ اس وقت میرے ہی جیسی ایک کوٹھری میں' کسی چٹائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ پتا نہیں وہ سو رہی تھی یا ایسے ہی آنکھیں موندر کھی تھیں۔ وہ مجھے بہت اچھی، بہت پیاری لگی۔ جی چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھولوں۔ اٹھا کر بٹھاؤں بانہوں میں بھرلوں۔ بے ساختہ میرے لبوں نے اسے پکارا۔

''ساحل.....!''

میری اس پکار کے ساتھ ہی تصور ٹوٹ گیا۔ وہ میرے تصور کی نگاہ سے اوجھل ہوگئی۔ میری بند آنکھوں کے سامنے اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

اس کوٹھری میں' میں اکیلا ہی تھا۔ ساحل کسی اور کوٹھری میں پہنچا دی گئی تھی۔ میں نے بے اختیار دوبارہ آنکھیں بند کرلیں تاکہ ساحل کو اپنے تصور میں لانے کی کوشش کرنے لگا لیکن بار بار کوشش کے بعد بھی مجھے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ وہ میرے تصور میں ٹیون نہیں ہو پا رہی تھی۔ میں نے اپنے پیچیو ٹری اور مینٹل گلینڈز پر کئی مرتبہ توجہ مرکوز کی مگر کچھ حاصل نہ ہوسکا۔ میری باطنی آنکھ (مینٹل گلینڈ) نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ پیچیو ٹری گلینڈ بھی کوئی سگنل ریسیو کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے تھک ہار کر کوشش ترک کر دی۔

آج میں ایک حیرت انگیز اور خوش گوار تجربے سے گزرا تھا۔ میں نے ارتکازِ توجہ سے اپنے ٹارگٹ تک رسائی حاصل کرلی تھی مگر پھر میری پکار کے سبب اس تصور میں رخنہ پڑ گیا جو کئی دفعہ کی کوشش کے بعد بھی دور نہ ہوسکا۔ اس وقت میں یہ فیصلہ نہ کر پایا کہ وہ ''چی'' کا کوئی کرشمہ تھا یا میری کوئی مخصوص باطنی قوت بیدار ہوگئی تھی۔ بہرحال وہ جو کچھ بھی تھا اس کا تعلق تھرڈ آئی یعنی باطنی آنکھ (مینٹل گلینڈ) ہی سے ہوسکتا تھا۔ چی کی قوت نے اسی راستے سے مجھے ساحل تک پہنچایا تھا۔ گویا طاقت (چی) اور وسیلے (تیسری آنکھ) کا ملاپ ہوگیا تھا۔

اس تجربے کے بعد مجھے افسوس ہونے لگا کہ اب تک میں نے ساحل کا سراغ لگانے کے لیے یہ عمل کیوں نہیں کیا تھا۔ میں کئی ماہ سے اس کی تلاش میں دردر کی خاک چھان رہا تھا۔ اگر میں پہلے ہی ساحل کا تصور کر کے اپنے گلینڈز کو زحمت دیتا تو اس کی لوکیشن وغیرہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوسکتا تھا۔ جانے اس سے پہلے ادھر میرا دھیان کیوں نہیں گیا تھا!

سچ کہتے ہیں قدرت کے کارخانے میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ اس سے پہلے یا بعد کی کوئی صورت نہیں۔ یہ صلاحیت بھی اس وقت مجھ پر کھلنا تھی جب میں اپنی زندگی کے نازک ترین دور سے گزر رہا تھا تاہم ابھی میں اپنی اس صلاحیت کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اگر میں اس کی پریکٹس کرتا تو شاید اس میں مہارت حاصل ہوجاتی۔

ساحل خیر و عافیت سے تھی یہ جان کر میرے دل کو اطمینان ہوگیا۔ میں نے اپنے دماغ کو مخصوص ہدایات دیں اور نیند کی مہربان بانہوں میں سمٹتا چلا گیا۔ میں نے اپنے برین کلاک کو علی الصباح پر سیٹ کیا تھا۔

ہدایات کے سلسلے میں، میرے دماغ نے کبھی مجھے دھوکا نہیں دیا۔ میں نے جو وقت مقرر کیا اسی پر میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ اسی ہدایات کا ایک حصہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر اس نیند کے دوران میں میرے آس پاس کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آنے کی توقع ہو تو میری آنکھ وقت مقررہ سے پہلے ہی کھل جائے گی اور اس رات میری آنکھ اچانک کھل گئی تھی۔

میں ٹانگیں نیچے لٹکائے میٹرس پر خاموش لیٹا رہا۔ یہ

احساس تو ہو گیا تھا کہ ابھی میری بیداری کا وقت نہیں ہوا' اس کا یہی مطلب تھا کہ کوئی گڑبڑ ہو چکی ہے..... یا ہونے والی ہے۔ میں بڑی توجہ سے لیٹے لیٹے سن گن لینے کی کوشش کرنے لگا پھر احتیاط سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کوٹھری اور اس کے اندر کا مختصر سامان جوں کا توں تھا۔ عجیب الوجود کھڑکی سے مناسب روشنی کوٹھری کے اندر پہنچ رہی تھی۔ اس سماں سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ باہر دن ہو گا رات۔ میرے پاس گھڑی بھی موجود نہیں تھی کہ کوئی حساب کتاب کر لیتا البتہ مجھے بھرپور سا تھا کہ ابھی صبح ہونے میں بہت وقت باقی ہے۔ میری آنکھ خلافِ معمول وقت معینہ سے بہت پہلے کھل گئی تھی۔ میں میٹرلیس سے نیچے اتر آیا اور اسی وقت مجھے محسوس ہوا اس کوٹھری میں میرے علاوہ بھی کوئی موجود ہے لیکن کون؟

اس خیال پر میں نے بڑی کھوجتی ہوئی نظر سے ایک لمحے میں کوٹھری کا جائزہ لیا۔ وہاں میرے سوا اور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ بے اختیار میرے پاؤں اس کوٹھری کے منی سائز واش روم کی جانب اٹھ گئے..... اور پھر واش روم کے اندر پہنچانے والی اس چار فٹ طویل دراڑ کے اس پار وہ مجھے نظر آ گئی۔ میں نے پہلی ہی نگاہ میں اسے پہچان لیا۔

وہ روٹی تھی!

روٹی نے اس وقت قدرے معقول لباس زیب وجود بنا رکھا تھا۔ روٹی کو وہاں دیکھ کر مجھے حد درجہ حیرت ہوئی۔ پتا نہیں وہ کب اور کیسے اس کوٹھری میں داخل ہوئی تھی۔ ایک ایسی کوٹھری میں جس میں آمد و رفت کے لیے کوئی در کھلا یا بند نہیں چھوڑا گیا تھا۔ نامعلوم، یہ کیا طلسم تھا!

وہ میری جانب دیکھ کر دل آویز انداز میں مسکرائی پھر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے واش روم کے اندر آنے کو کہا۔ میں نے ایک لمحے کو غور کیا اور ایک فٹ چوڑی' چار فٹ لمبی دراڑ میں پہلو کے بل سرکنے لگا۔ روٹی کا انداز دوستانہ تھا..... اور اگر وہ کسی خطرناک ارادے سے بھی وہاں پہنچی تھی تو میں اس سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ جب میں جزوی طور پر بے بس تھا تو اس نے میرا کیا بگاڑ لیا تھا؟ اور اگر کچھ بگاڑا بھی تھا تو وہ بگاڑ بڑا یادگار تھا! اس کی یاد میری یادداشت میں محفوظ تھی۔

میں واش روم کے اندر پہنچا تو روٹی نے واش بیسن کا نل کھول دیا۔ واش روم میں پانی گرنے کی مخصوص آواز ابھرنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی وہ سرگوشیانہ انداز میں بولی۔

''میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ میں تمہیں کچھ ضروری باتیں کرنے آئی ہوں۔''

میں نے اس کی چمک دار آنکھوں میں جھانکا اور سرگوشی ہی کے انداز میں استفسار کیا ''باتیں تو تم بعد میں کرنا' پہلے یہ بتاؤ کہ اندر کیسے آئی ہو..... کس دروازے سے؟''

''تمہارے سوال کا جواب میں واپسی پر دے دوں گی۔'' وہ مخصوص امریکی لہجے میں بولی۔ ہمارے درمیان وہ گفتگو انگلش میں ہو رہی تھی ''تم مجھے اپنا دوست سمجھو۔'' اس نے رسانیت سے کہا۔

میں نے کہا ''اپنے دشمنوں کے اشاروں پر ناچنے والی کو میں کیوں کر دوست سمجھ لوں؟''

اس نے میرے سراپا پر ایک بھرپور نظر ڈالی اور بڑے اعتماد سے بولی ''میں جب تمہیں یہودیوں کی قید سے رہائی دلوا دوں گی تو تمہیں میری بات..... میری دوستی پر یقین آ جائے گا!''

''اگر تم دوست ہو تو پھر میرے دشمنوں کے اندر کیا کر رہی ہو؟''

''میں ان کے اندر رہ کر انہیں کمزور کر رہی ہوں۔''

''کیا تم یہودیوں کی ساتھی' ان کی آلۂ کار نہیں ہو؟'' میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

وہ نفی میں گردن کو جھٹکتے ہوئے بولی ''ہرگز نہیں! میں ان کے درمیان رہتے ہوئے اپنے لوگوں کے لیے کام کرتی ہوں۔''

میں نے سوچا' ممکن ہے یہ یہودیوں کی کوئی نئی چال ہو۔ وہ اس روٹی کو میرے پاس پہنچا کر مجھ سے کچھ اگلوانا چاہتے ہوں' اسے میرا دوست ظاہر کر کے مجھے شکار کرنے کا ارادہ ہو۔ روٹی کو وہ چارے کے طور پر آگے بڑھا سکتے تھے۔ میں نے روٹی کو شک زدہ نظر سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اگر تم اپنے لوگوں کے لیے یہودیوں کے خلاف کچھ بھی کرتی پھر رہی ہو تو مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو۔ مجھ سے تمہارا کیا تعلق واسطہ؟''

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی ''تمہارا تعلق واسطہ ان لوگوں سے ہے میں جن کے لیے کام کرتی ہوں۔ ہماری ٹیم کے دو افراد اس وقت یہاں مصروفِ عمل ہیں۔ میں تمہیں اور مائیکل تمہاری ساتھی کو رہائی دلائے گا۔ بعد میں آپس میں مل جائیں گے۔ میرے بڑے بڑے دونوں کے دوست ہیں' لہٰذا اسی تعلق سے میں تمہیں اپنا دوست کہہ رہی ہوں۔''

''تمہارے بڑے کون ہیں؟'' میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

''یہ تفصیل میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔''

''وہ مجھ میں اور میری ساتھی ساحل میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں؟''

''دلچسپی کا سبب وہی ہے جو یہودیوں کے پیشِ نظر ہے۔'' وہ بولی ''فرق صرف مثبت اور منفی رویے کا ہے۔ یہودیوں کا ربی جس خفیہ خزانے پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے میرے بڑے اس کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوئی پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی ''میں تمہیں کہانا اس وقت تفصیل بتانا ممکن نہیں۔ میں بعد میں تمہارے ذہن صاف کر دوں گی۔ مجھ پر اعتماد کرو۔''

اس کے انداز سے کہیں بھی دشمنی نہیں جھلکتی تھی' اگر وہ درحقیقت کوئی سے کام لے رہی تھی تو پھر میرے لیے بہت اہمیت ہونے والی تھی روٹی انسان کے لیے ہر دور میں ضروری اور اہم رہی ہے چاہے اس کی شکل مغربی ہو یا [illegible]

میں نے اسے کریدنے کی خاطر پوچھا ''اس وقت میں [illegible] ہوں؟''

''دینالی میں!'' اس نے جواب دیا۔

''دینالی!'' میں نے زیرِ لب دہرایا ''کیا یہ اینکر تیج ہی کا [illegible] مقام ہے؟''

''نہیں۔ دینالی درحقیقت اینکر تیج اور فیئر بینکس کے [illegible] واقع ہے۔'' اس نے جواب دیا ''دینالی نیشنل پارک [illegible] کی بہت معروف تفریح گاہ ہے۔ یہاں پر جنگلی حیات کا [illegible] ذخیرہ ہے۔''

میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا ''یہ کیسا نیشنل [illegible] ہے' جس میں پتھر سے تراشی ہوئی کوٹھریاں ہیں۔ مجھے تو محسوس ہو رہا ہے میں کسی پہاڑی کے اندر قید ہو کر رہ گیا [illegible] چاروں جانب سنگلاخ چٹانیں ہیں۔''

''تمہیں بالکل ٹھیک محسوس ہو رہا ہے۔'' وہ میری [illegible] میں دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرائی ''اس [illegible] ماؤنٹ مکنلے کے اندر ہیں۔''

''ماؤنٹ مکنلے؟'' میں اچھل پڑا۔

وہ بدستور دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ بولی ''ماؤنٹ دینالی نیشنل پارک کے عین وسط میں استادہ ہے۔ یہ شمالی [illegible] کی بلند ترین چوٹی ہے۔ اس کی بلندی بیس ہزار تین سو [illegible] ہے جو ہر وقت برف کی موٹی تہ سے ڈھکی رہتی

''اوہ۔'' میں نے چونکے ہوئے لہجے میں کہا ''تو اس کا مطلب ہے' میں واقعی اس وقت کسی دیوقامت پہاڑی کے اندر ہوں۔''

''یس' آئی مین اٹ'' وہ ایک ادا سے بولی پھر وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگی ''اینکر تیج سے دینالی آنے کے لیے روڈ اور ریل روڈ دونوں راستے موجود ہیں۔ اس سڑک کو ''ہائی وے تھری'' کہا جاتا ہے۔ جو اینکر تیج سے فیئر بینکس تک جاتی ہے۔ ریل روڈ پر چلنے والی ٹرین کا روٹ بھی یہی ہے لیکن یہ لوگ ماؤنٹ مکنلے تک پہنچنے کے لیے دینالی نیشنل پارک کا مرکزی داخلی دروازہ استعمال نہیں کرتے بلکہ یہ پارک کے آغاز پر ہی ہائی وے تھری کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا سفر تقریباً آدھا ہو جاتا ہے۔ اینکر تیج سے نکل کر ہائی وے تھری پر ویلو' کیسویل' مونٹانا' سن شائن' ٹاکیٹنا' چیز اور کری کے مقامات پڑتے ہیں پھر دینالی کا کنارہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ ہائی وے تھری کو ''کری'' کے مقام پر چھوڑ کر بائیں جانب گھوم جاتے ہیں اور دشوار ترین راستہ طے کر کے ایک مخصوص جگہ پیٹرس ویل پہنچ جاتے ہیں۔ پیٹرس ویل میں یو۔ ایس آرمی کا ایک خفیہ اڈا بھی ہے۔ یہ لوگ اس اڈے میں غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر نہایت ہی حفاظت سے تیار کردہ ایک زیرِ زمین راستہ اختیار کر کے یہ پارک میں داخل ہو جاتے ہیں' یعنی زیرِ زمین ہی رہتے ہوئے۔ یہ محفوظ اور کشادہ راستہ انہیں سیدھا ماؤنٹ مکنلے کے اس خفیہ ٹھکانے تک پہنچا دیتا ہے جہاں اس وقت ہم دونوں موجود ہیں۔ چند مخصوص لوگوں کو چھوڑ کر اس اڈے کے بارے میں کسی کو مطلق خبر نہیں۔ ربی موشے ہائمن اس کی ٹیم اور چند بڑے فوجی آفیسرز اس راز سے واقف ہیں۔ دینالی نیشنل پارک میں تفریح کی غرض سے آنے والوں اور ماؤنٹ مکنلے کی چوٹی سر کرنے والے سر پھرے ہرگز یہ نہیں جانتے کہ اس دیوقامت پہاڑ کے اندر کتنا قیمتی راز زندہ ہے۔''

روٹی کی باتیں سن کر میرے اندر تشویش کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں نے اضطراری لہجے میں دریافت کیا ''اس کا مطلب ہے چند بڑے فوجی آفیسر کو معلوم ہے' اس پہاڑی کے اندر کیا ہو رہا ہے؟''

''نہیں!'' وہ قطعیت سے بولی ''وہ لوگ صرف اتنا جانتے ہیں اس پہاڑی کے اندر صیہونیت کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیا جا رہا ہے۔ بس' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ انہیں اس کے آگے کھوج بھی نہیں ہے۔ یہودیوں کو صرف اپنے فائدے کی فکر ہوتی ہے۔ پیٹرس ویل کے مقام پر واقع یہ یو۔ ایس آرمی کیمپ بھی ربی کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔ شاید

تمہیں معلوم نہیں ڈی سی میں واقع فوجی ہیڈ کوارٹر پنٹاگون بھی ربی کے اشارے کو ماننے کا پابند ہے۔''

''یہ بات تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' میں نے کہا ''لیکن یہ سمجھ نہیں آرہا' تم یہودن ہونے کے باوجود بھی یہودیوں کے خلاف نفرت کا اظہار کیوں کررہی ہو؟''

''تمہیں یہ بات کیسے پتا چلی کہ میں یہودی ہوں؟''

''میرا اندازہ ہے!'' میں نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔

وہ جلدی سے بولی ''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔''

''یہ میرے سوال کا تفصیلی جواب میں بعد میں دوں گی۔''

وہ عجلت آمیز لہجے میں بولی ''فی الحال اتنا جان لو کہ میرا باپ اینڈرسن ایک امریکی یہودی تھا جب کہ ماں کا تعلق اسپین سے تھا۔ میرا باپ اتنا برا آدمی تھا..... اس نے میری ماں ایمی کے ساتھ اتنا برا سلوک کیا کہ اس روئے زمین پر پائے جانے والے تمام یہودیوں سے مجھے شدید نفرت ہوگئی۔'' اس کا لہجہ بے حد تلخ ہوگیا۔

''اس کے باوجود بھی تم یہودیوں کی ایک نہایت اہم تنظیم ''جے ڈی پی'' کے لیے کام کررہی ہو؟'' میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

وہ گہری سنجیدگی سے بولی ''یہ میرا کاز ہے۔ کبھی فرصت ملی تو میں تمہیں اپنے بارے میں ضرور بتاؤں گی۔ اتنا ذہن میں رکھ لو' میں یہودیوں کے درمیان رہ کر ان کے خلاف کام کررہی ہوں۔ یہ میرے بڑوں کی پالیسی ہے۔ میں ان کا حکم ماننے کی پابند ہوں۔''

''تم نے بتایا ہے' تمہارے بڑے ہم دونوں میں مثبت دلچسپی لے رہے ہیں۔'' میں نے اپنی الجھن دور کرنے کی خاطر پوچھا ''تم مجھے اور تمہارا ساتھی مائیکل میری ساتھی ساحل کو یہاں سے رہائی دلوا کر اپنے آدمیوں تک لے جاؤ گے۔ اس کے ساتھ ہی تم کہتی ہو' اس خفیہ اڈے تک آنے جانے کا ایک ہی راستہ ہے جو پیٹرس ویل والے فوجی کیمپ سے گزرتا ہے۔ اس صورت میں تم لوگوں کے لیے یہ کام اتنا ہی آسان ہوگا کہ یہودیوں کی ناک کے دو بال نوچ کر فرار ہوجاؤ..... اور یہودی بھی ربی موشے ہائمن جیسا روحانی اور مادی صلاحیتوں کا مالک؟''

وہ تامل کرتے ہوئے بولی ''میں اور مائیکل تم دونوں کو اپنے دو دوسرے آدمیوں تک پہنچائیں گے۔ پہاڑی سے باہر لے جانا ان کا دردِ سر ہے۔ ظاہر ہے انہوں نے یہاں سے فرار کا کوئی کامل منصوبہ ضرور بنا رکھا ہوگا۔ ہم تم لوگوں کو ان کے حوالے کرکے اپنے معمول پر آجائیں گے۔ مائیکل بھی میری طرح بظاہر جے ڈی پی کے لیے کام کرتا ہے لیکن اس کی وفاداریاں انہی لوگوں سے وابستہ ہیں جن کے لیے میں کام کررہی ہوں۔''

''تم لوگ ہمیں کب ... یہاں سے نکالنے کا ارادہ رکھتے ہو؟'' میں نے مطلب کی بات کی طرف آتے ہوئے کہا۔

''کل اسی وقت'' روتی نے بتایا ''یہ رات کا آخری پہر ہے۔ ڈھائی تین گھنٹے بعد سورج طلوع ہوجائے گا۔ سورج طلوع ہونے سے میری مراد طلوع کا وقت ہے ورنہ اس کی صورت دیکھنا تو ہرگز نصیب نہ ہوگی۔ میرے خیال میں فرار کے لیے یہ وقت زیادہ مناسب رہے گا۔''

چند لمحے سوچنے کے بعد میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا ''اگر تمہیں اور تمہارے بڑوں کو ہم سے اتنی ہی زیادہ ہمدردی ہے تو پھر وہاں اینکر تیج ہی میں ہمیں لے اڑتیں۔ اس چوہے دان میں پھنسوانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''میں اپنے بڑوں کا حکم مانتی ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی ''ورنہ اینکر تیج میں تو یہ کام بہت ہی سہل ثابت ہوتا۔ میرا خیال ہے اس میں میرے بڑوں کی کوئی خاص مصلحت پوشیدہ ہے۔''

میں پوچھے بنا نہ رہ سکا ''کیسی مصلحت؟''

''وہ لوگ شاطر یہودیوں کے منہ پر بڑے زور کا طمانچہ مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی ''اگر تم دونوں اینکر تیج میں غائب ہوجاتے تو جانسن پلیدر اور دو چار دوسرے افراد کی نااہلی سمجھی جاتی لیکن اگر تم لوگ اس زیرِ زمین ... ٹھکانے سے نکلنے میں کامیاب ہوجاتے ہو تو سمجھ لو یہودی اعتماد کی عمارت زمین بوس ہوجائے گی۔ یہ لوگ اپنے ربی کو خدا جتنا قدرت والا سمجھتے ہیں اور اس کی صلاحیتوں پر اندھا یقین رکھتے ہیں۔ لیو ربی کا دستِ راست ہے۔ ان دو عظیم المرتبت شخصیات کے چنگل سے تمہارا نکل جانا کسی دھماکے سے کم نہیں ہوگا۔ اگر چہ اس واقعے کو عام نہیں ہونے دیا جائے گا کیونکہ یہ ایک نہایت ہی خفیہ مشن ہے مگر تمہارے فرار سے ربی اور برنارڈ لیو کی کمر ٹوٹ جائے گی..... اور شاید میرے بڑے یہی چاہتے بھی ہیں۔''

میں نے ایک اور اہم سوال کیا ''اگر آپ لوگوں نے ہمیں یہودیوں کی قید سے نکالنے کا فیصلہ کرہی لیا ہے تو پھر کل کا انتظار کیوں یہ کام تو آج..... بلکہ ابھی فوری طور پر بھی ہوسکتا ہے؟''

''ہوسکتا ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں بولی ''اگر ہم ابھی یہ مشن شروع کردیں تو تم دونوں کو کوٹھریوں سے نکال کر ایک مخصوص مقام تک پہنچا سکتے ہیں جہاں سے ہمارے دیگر دو ساتھی تمہیں اپنے ساتھ لے کر جانے والے ہیں لیکن وہ پروگرام کے مطابق اس مقام پر کل پہنچیں گے لہٰذا یہ کام آج کرلینا نقصان کا باعث ہوگا۔ تم دونوں کے ساتھ ہی ہم بھی یہودی عتاب میں آجائیں گے۔ میرے بڑوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ منصوبہ تشکیل دیا ہے۔ تم ایک دن صبر کرلو تو اچھا ہے۔''

میں نے کہا ''برنارڈ لیو نے مجھے سوچنے کے لیے صرف اسی رات کی مہلت دی ہے۔ صبح اگر میرا فیصلہ ان کے حق میں نہ ہوا تو مجھے ربی موشے ہائمن کے حوالے کردیا جائے گا۔ پتا نہیں اس کے بعد میرے ساتھ کیا حالات و واقعات پیش آئیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کل اس وقت تم میری کوٹھری میں آؤ تو میں تمہیں یہاں ملوں ہی نہیں!''

''تم مجھے ضرور یہاں ملو گے!'' وہ پُروثوق لہجے میں بولی۔

''یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''میرے بڑوں کا منصوبہ بے داغ ہے۔''

''تمہیں اپنے بڑوں پر اتنا ہی بھروسا ہے؟''

''تم ان سے ملو گے تو مجھ سے زیادہ بھروسا کرنے لگو گے!''

''دیکھوں گا!'' میں نے بے پروائی سے کندھے اچکا دیے۔

وہ گہری سنجیدگی سے بولی ''میں تمہارے اور لیو کے درمیان ہونے والی گفتگو کی تفصیل سے تو واقف نہیں البتہ اتنا مجھے معلوم ہے کہ وہ لوگ تمہیں اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں مگر تمہیں ان کے کسی جال میں نہیں پھنسنا۔ یہ لوگ بہت ہی عیار اور مکار ہیں۔ دوستی کا ہاتھ بڑھا کر شہ رگ کاٹ لیتے ہیں۔ اگر کل تمہارا جواب نفی میں ہوا تو واقعی تمہیں ربی موشے ہائمن کے سپرد کردیا جائے گا..... اور میں اس وقت یہی بتانے آئی ہوں کہ ربی موشے ہائمن کی طرف سے بہت چوکنا رہنا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بات نہ کرنا۔ وہ ہپناٹزم کا ماہر ہے' فوراً تمہیں اپنے ٹرانس میں لے لے گا۔''

''کیا واقعی؟'' میں نے حیرت آمیز لہجے میں کہا۔

روتی نے بڑا ہی نازک انکشاف کیا تھا۔ ربی اگر واقعتاً ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی جیسی صلاحیتوں کا مالک تھا تو پھر ایک نہایت ہی خطرناک دشمن سے میرا پالا پڑنے والا تھا۔ مجھے اپنی ''جی'' اور یوگا کی قدرت پر اعتماد تھا۔ مارشل آرٹس کا شعبہ

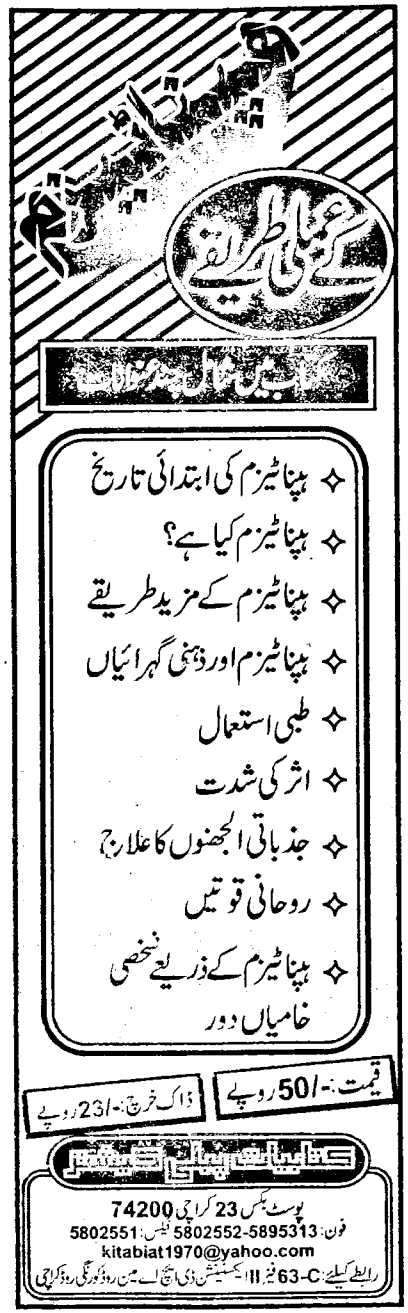
عملی طریقے
✧ ہپناٹیزم کی ابتدائی تاریخ
✧ ہپناٹیزم کیا ہے؟
✧ ہپناٹیزم کے مزید طریقے
✧ ہپناٹیزم اور ذہنی گہرائیاں
✧ طبی استعمال
✧ اثر کی شدت
✧ جذباتی الجھنوں کا علاج
✧ روحانی قوتیں
✧ ہپناٹیزم کے ذریعے شخصی خامیاں دور
قیمت :-/50 روپے
ڈاک خرچ :-/23 روپے
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com

الگ تھا۔ پتا نہیں حالات و واقعات کی یہ نئی بساط میرے خلاف کون سی چال چلنے والی تھی؟

روٹی تصدیقی لہجے میں کہہ رہی تھی ''ربی موشے ہائمن کو اگر یہودی قوم اپنا خدا سمجھتی ہے تو اس کی روحانی صلاحیتوں میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا لیکن میرے بڑے تم سے بہت پرامید ہیں!''

میں نے چونک کر روٹی کو دیکھا۔ وہ میری نگاہ میں مجسم سوال کو فوراً سمجھ گئی' وضاحت کرتے ہوئے بولی ''میرے بڑے تمہارے اور تمہاری صلاحیتوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ انہیں یہ بات معلوم ہے تم برنارڈ لیو کی پیشکش کر بری طرح ٹھکرا دو گے جس کے نتیجے میں کل تمہیں ربی کے حوالے کردیا جائے گا۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی ''اس کا یہی مطلب ہے تمہارے بڑے بالکل ٹھیک سمجھ رہے ہیں۔''

''میں اسی لیے اپنے بڑوں کی بات تم تک پہنچانے آئی ہوں۔'' وہ رسانیت سے بولی ''ربی تمہیں پہلے محبت اور شفقت سے قائل کرنے کی کوشش کرے گا۔ جب تم اس کی باتوں میں نہیں آؤ گے تو وہ ہپناٹزم کی صلاحیت کو آزمائے گا۔ اگر ایک مرتبہ تم اس کے ٹرانس میں آگئے تو وہ تمہارا برین واش کردے گا۔ وہ واقعی ایسا کرسکتا ہے..... اس لیے تمہیں ربی کے سامنے ہر لحہ ہوشیار رہنا ہے۔ اس کی آنکھوں میں قطعاً نہیں دیکھنا اور اس کی گونج دار تاثر انگیز آواز پر بھی زیادہ توجہ نہیں دینا۔ ان یہودیوں نے تمہارے خلاف انتہائی خطرناک منصوبہ بنا رکھا ہے۔''

''مثلاً کیسا منصوبہ؟'' اس کی بات ختم ہوئی تو میں نے پوچھا۔ میرے لہجے میں خاصی تشویش تھی۔

''تمہاری ساتھی کے ذہن سے تو صرف تہ خانے کے راز نکلوانا ہیں۔'' وہ ساحل کو ٹائٹل پر رکھتے ہوئے بولی۔ روٹی کی معلومات قابلِ رشک تھیں ''لیکن تمہاری برین واشنگ کے بعد وہ تمہیں اور تمہاری سوچ کو نئے سرے سے تعمیر کریں گے۔ تمہاری بے پناہ صلاحیتوں سے وہ آگاہی حاصل کرچکے ہیں۔ وہ تمہیں اپنے مقصد کے حصول کے لیے تیار کریں گے۔ تمہارے منہ میں ان کی زبان بولے گی اور تمہارا ذہن انہی کے مفاد میں سوچے گا یعنی اپنی صلاحیتوں کی بنا پر تم ان کے ایک ناقابلِ تسخیر مہرے ہوگے!''

''یہ کبھی نہیں ہوسکتا!'' بے اختیار میری زبان سے نکل گیا۔

روٹی کی باتوں نے مجھے حد درجہ بے چین کردیا تھا۔ یہ تو لگ بھگ وہی صورتِ حال تھی جو نعلی وجدان کے سلسلے میں ہو رہا تھا۔ ادھر وہ کسی بدی کی قوت کا آلۂ کار بن کر میرے لیے مشکلات کھڑی کررہا تھا اور ادھر میں یہودیوں کے ہاتھ کا کھلونا بن کر ان کے منشا کے کھیل کھیلنے والا تھا۔ میں خواب و خیال میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا۔

''ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے۔'' روٹی کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''اسی لیے میں نے اپنے بڑوں کا پیغام تم تک پہنچادیا۔ اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا اور ربی موشے ہائمن سے سامنا کرتے وقت بے حد محتاط رہنا۔'' ایک لمحے کو توقف کرنے کے بعد اس نے کہا ''اچھا اب میں چلتی ہوں۔ میں نے اپنا فرض پورا کردیا۔''

میں نے تہ دل سے کہا ''روٹی! تمہارا بہت بہت شکریہ۔'' پھر اضافہ کیا ''تم نے اپنا فرض تو پورا کرلیا لیکن میرا ایک قرض باقی ہے۔ وہ نہیں چکاؤ گی!''

''کیسا قرض؟'' اس نے آنکھیں پھیلا کر مجھے دیکھا۔

میں نے کہا ''تمہیں ''روٹی'' کہتے ہوئے بڑا عجیب سا لگتا ہے!''

''کیوں' اس میں عجیب والی کون سے بات ہے؟'' اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں حیرت امڈ آئی' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''میری زبان میں روٹی، بریڈ کو کہتے ہیں!''

''اوہ!'' وہ اچھلنے کے انداز میں ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

گویا' واش روم کی دیوار سے جا لگی۔ تین ضرب تین فٹ کے اس واش روم میں اچھلنے یا کودنے کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ روٹی کے بدکنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے میں اسے بریڈ سمجھ کر فوراً ہڑپ کرجاؤں گا۔

میں نے زیرِلب مسکراتے ہوئے پوچھا ''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی ''تمہاری زبان کون سی ہے؟''

میں نے کہا ''میری قومی زبان اردو ہے..... اور اس زبان کی روٹی کو ہم بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ ویسے میں مینڈرن' تھائی' ہندی' انگریزی اور کسی حد تک جتی بھی جانتا ہوں۔''

''اُف او کے!'' اس نے بڑی ادا سے اپنے بالوں کو جھٹکا

اور وضاحت کرتے ہوئے بولی ''روٹی میرا نک نیم ہے۔ میں بچپن میں گول مٹول ہوتی تھی اور میری ماں ایمی مجھے ''روٹی'' کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ میں نہیں جانتی یہ اسپینش لفظ ہے یا سی اور زبان کا!''

میں نے دل ہی دل میں کہا ''گول مٹول کی نسبت سے تو تمہارا نام روٹی کے بجائے ڈبل روٹی ہونا چاہئے تھا۔ میں نے روٹی سے پوچھا ''ویسے تمہارا نام کیا ہے؟''

اس نے بتایا ''راکیل اینڈرسن''

میرے تصور میں راکیل وچ گھوم گئی۔ میں نے روٹی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شریر لہجے میں کہا ''اسی لیے اینکر یج کے اس کنگ سائز واش روم میں تم ''ون ملین ایئر بی۔ سی' بنی ہوئی تھیں..... اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ؟''

وہ خفیف سا مسکرا کر رہ گئی۔ میرے اشارے کو اس نے بڑی وضاحت سے سمجھ لیا تھا۔ ہالی ووڈ کی قیامت سراپا اداکارہ راکیل وچ نے ''ون ملین ایئر بی۔ سی' میں بڑی ہوش ربا اداکاری کی تھی۔ پوری فلم میں وہ انڈر گارمنٹس کے بھی خلاصے کو بدن پر سجائے پورے اسکرین پر اپنی جوبن بھری جوانی کے جوہر دکھاتی نظر آئی تھی۔

روٹی یعنی راکیل اینڈرسن نے ایک مرتبہ پھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی ''تم ایک منٹ کے لیے کمرے میں چلے جاؤ۔''

''تم نے وعدہ کیا تھا' جاتے وقت مجھے بتاؤ گی' اس کوٹھری میں آمد و رفت کا کیا ذریعہ ہے۔'' میں نے یاددہانی کے طور پر کہا ''تمہاری باتوں سے لگتا ہے وہ خفیہ راستہ اس واش روم میں کہیں ہے؟'' بات ختم کرتے ہی میں اس مختصر سے واش روم کی دیواروں کو گھورنے لگا۔

''تمہارا یہ اندازہ بھی درست ہے۔'' وہ بڑی لگاوٹ سے بولی ''لیکن میں اپنے وعدہ کو ایک دن آگے بڑھاتی ہوں۔ تم ہمارے لیے بہت اہم ہو۔ اگر ابھی تم پر یہ راز کھل گیا تو تم اپنے طور پر کوئی قدم اٹھانے کی کوشش بھی کرسکتے ہو جس میں کامیابی سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے لہٰذا میں فی الحال ایسا کوئی رسک نہیں لے سکتی۔ کل رات تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا' ہم دونوں اس واش روم کے راستے کس طرح کوٹھری سے نکلتے ہیں!''

''اگر میں یہ وعدہ کروں کہ یہاں سے کہیں اور نہیں جاؤں گا تو؟''

وہ ہنسی ''مجھے مجبوراً یقین کرنا پڑے گا۔'' وہ بے ساختہ ہنسی

میں خاموشی کے ساتھ ایک فٹ چوڑی اور چار فٹ لمبی دراڑ کی جانب بڑھ گیا۔ وہ بڑی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھتی رہی حتیٰ کہ میں واپس کوٹھری میں نہیں آگیا۔ میرے وہاں سے کھسکتے ہی اس نے واش بیسن کا نل بند کردیا تھا۔

میں کوٹھری میں میٹریس کے نزدیک کھڑا ہوگیا۔ راکیل نے مجھ سے ایک منٹ کی مہلت مانگی تھی۔ میں پانچ منٹ کے بعد دوبارہ واش روم میں پہنچ گیا۔ راکیل وہاں موجود نہیں تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا' ان سنگلاخ دیواروں میں کہیں جذب ہوگئی ہو۔ وہ جس پُراسرار انداز میں میری کوٹھری میں نمودار ہوئی تھی اسی جادوئی طرح پلک سے غائب ہوگئی۔ بادی النظر میں یہی لگتا تھا' حسن و جوانی کے خزانے سے مالا مال وہ یہودن طلسم پھونکنے کی ماہر تھی!

میں واپس آکر میٹریس پر لیٹ گیا اور گہری گہری

ایک اچھوتی سرگزشت

چھلاوا

بیسویں صدی کی ایک نمایت پُراسرار خاتون

صبیحہ بانو کی آپ بیتی

* دولت مند' آزاد خیال، پُرکار، خوبصورت اور خطرناک صبیحہ بانو، جنہیں لوگ جانتے ہیں مگر نہیں جانتے!
* جرائم پیشہ افراد انہیں ''چھلاوا'' کہتے ہیں!
* صبیحہ بانو کی زندگ' اَبسے عجیب اور خطرناک حالات سے گزرتی رہی ہے۔ انہوں نے جب اپنی زندگی کے کچھ حالات قلم بند کئے تو انہیں پڑھ کر ہزاروں لوگ ان سے ملنے اور انہیں جاننے کے متمنی ہوگئے۔ اسی لئے ان کی آپ بیتی کی اشاعت اردو زبان میں ایک ریکارڈ ہے۔

صفحات 1120 | قیمت 300 روپے | ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز
23
74200

سانسیں لینے لگا۔ روٹی کی باتوں نے میرے دل و دماغ میں ہلچل مچادی تھی۔ صبہونی سازش کا ایک نیا رخ سامنے آرہا تھا۔ روٹی کی باتوں سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ بہرحال میری دشمن نہیں تھی۔ وہ یہ کام کسی خاص گروہ کے ایما پر کررہی تھی جس کا مطلب تھا اس کے بڑے میرے دشمن نہیں تھے۔ بعد کے حالات تو وقت سے پہلے نہیں کھل سکتے تھے۔ ربی موشے ہائمن کی روحانی صلاحیتوں کے پیشِ نظر میں ایک بہت بڑے امتحان سے گزرنے والا تھا۔ وہ ایک ایسا دشمن ثابت ہوتا۔ جس سے نبرد آزمائی میں مجھے دانتوں پسینا آجاتا۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ راکیل کے مطابق اس رات کے دھائی تین گھنٹے ابھی باقی تھے۔ میں یہ وقت جاگ کر خواہ مخواہ کے واہموں میں نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ دشمنوں کی نیندیں اڑانے کے لیے اپنی نیند پوری کرنا ازحد ضروری ہے۔

میں نے اپنے دماغ کو مخصوص ہدایت دی اور چند لمحات کے بعد نیند کی گہرائی دھیان گود میں سر رکھ دیا۔ وہ گود جس میں ماتا کی نرمی اور گرمی شامل تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں اس گود کا اسیر ہوکر رہ گیا۔

☆☆☆

اگلی صبح میں نے ڈٹ کر ناشتا کیا۔ اس کا ایک سبب تو کڑاکے دار بھوک تھی، گزشتہ رات میں نے ناشتے کے نام پر فارمیلیٹی پوری کی تھی اور دوسری وجہ مینیو تھا۔ آج کافی، سلائس کے علاوہ آملیٹ، پورج، مکھن پنیر اور کچھ پھل بھی ٹرے میں نظر آرہے تھے۔ اس صحت مند مینیو پر میں نے جی بھر کر ہاتھ صاف کیا۔ گزشتہ رات والا گوشت کا سالن اور ڈنر رولز غائب تھے۔ میں نے لگ بھگ پوری ٹرے کو صاف کردیا۔ اگر کچھ بچا تھا تو ایک آدھ سیب یا چند کیلے ہی بچے ہوں گے جو وافر تعداد میں مہیا کیے گئے تھے۔

سکیورٹی گارڈ ناشتے کے خالی برتن لے کر واپس چلا گیا تو برنارڈ لیو آدھمکا۔ آج اس کے لیے کوئی عالی شان کرسی کی زحمت نہیں کی گئی تھی۔ اس نے بے داغ قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا اور خاصا جلدی میں دکھائی دیتا تھا۔ اس کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔

وہ اس کوٹھری کی واحد کھڑکی کے سامنے آیا اور کھردرے لہجے میں بولا ''گڈ مارننگ مسٹر وجدان!''

اس کے سلام میں ایسی کرختگی تھی جیسے کسی کو فقے منہ کہا جارہا ہو۔

میں نے جواباً گہری سنجیدگی سے کہا ''گڈ مارننگ!''

''کچھ سوچا تم نے؟'' برنارڈ نے ٹٹولتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا۔

''میں بے کار باتوں پر غور و فکر کرکے اپنا وقت برباد اور دماغ خراب نہیں کرتا۔'' میں نے رکھائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ متحمل لہجے میں بولا ''گویا ہماری دوستی کو ٹھکرا رہے ہو؟''

''میرا یہی مطلب ہے۔''

''اوہ!'' وہ پیدل گھری نظر سے مجھے تکتا چلا گیا۔

میں بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پتا نہیں، برنارڈ لیو کو میری آنکھوں میں کیا نظر آرہا ہوگا! مجھے تو اس کی آنکھوں میں عیاری، سفاکی اور درندگی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی سے مجھے گھورنے کے بعد اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''اٹس اوکے۔ یو آر ایٹ لبرٹی!''

پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی میں نے اپنے سر کو خاصا بھاری محسوس کیا۔ میں نے سوچا، شاید یہ بھرپور ناشتے کی وجہ سے ہے پھر میں نے کافی کا بھرا ہوا مگ بھی معدے میں انڈیل لیا تھا جو میرے وجود میں چستی کے بجائے سستی بھرتی ہے لیکن..... یہ اس سے آگے کا معاملہ نظر آرہا تھا۔

کھڑکی کے پاس کھڑے کھڑے مجھے چکر آگیا۔ میں نے خود کو سنبھالنے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن مجھے اس کوشش میں کامیابی نہ ملی۔ میرے قدم بری طرح ڈگمگائے اور میں دھڑام سے کوٹھری کے سنگلاخ فرش پر آن گرا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف یہی خیال جاگزیں تھا..... اس ناشتے میں ضرور کوئی ایسی شے ملائی گئی ہے جو مجھے اپنے آپ سے بیگانہ کردے میں چشم زدن میں گہری غفلت میں چلا جاؤں۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات گیارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو
جولائی 2006 میں شائع ہوگا